فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۸

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
اٹھائیسویں ۲۸ جلد 9
ضروری بات 10
فہرست مضامین مفصّل 11
فہرست ضمنی مسائل 41
اذان ونماز و مساجد 51
رسالہ 53
رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر 53
(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے) 53
الشمامۃ الاولٰی من عنبر الحدیث 65
(عنبر حدیث کا شمامۂ اولٰی) 65
الشمامۃ الثانیہ من صندل الفقہ 113
(شمامۂ ثانیہ از صندل فقہ) 113
الشمامۃ الثالثۃ من مسک القران العظیم 156
(قرآن کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ) 156
الشمامۃ الرابعۃ من عود احراق الخلاف 174
(اختلاف کو خاکستر کر دینے والے عود و عنبر کا چوتھا شمامہ) 174
اضافات افاضات 335
فضائل و مناقب 361
رسالہ 367
طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی ۱۳۳۶ھ 367
(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی) 367

رسالہ 403
فتاوٰی کرامات غوثیہ 403
خلاصۂ جواب تھانوی دیوبند 431
رسالہ 433
تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ ۱۳۱۲ھ 433
(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقام حیدری کی پاکی کا بیان) 433
رسالہ 469
غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق ۱۳۳۱ھ 469
(تحقیق کی انتہاء حضرت علی مرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں) 469
رسالہ 491
الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی 491
(سب (متقیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی 491

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۸

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ______ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ______ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۲۵۷۳۱۴، ۷۶۶۵۷۷۲

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۸
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۸۴
اشاعت ________ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ/مارچ ۲۰۰۴ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
فہرست مفصل ____ ۱۱
فہرست مسائل ضمیمہ ____ ۴۱
اذان، نماز، مساجد ____ ۵۱
فضائل و مناقب ____ ۳۶۱

فہرست رسائل

شمائم العنبر ____ ۵۳
طرد الافاعی ____ ۳۶۷
فتاوٰی کرامات غوثیہ ____ ۴۰۳
تنزیہ المکانۃ الحیدریہ ____ ۴۳۳
غایۃ التحقیق ____ ۴۶۹
الزلال النقی ____ ۴۹۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا چودہ سال کے مختصر عرصہ میں اٹھائیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی ستائیس جلدوں کی مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ـــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ ـــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر ____ ۱۴۲۲ ____ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل ____ ۱۴۲۳ ____ مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری ____ ۱۴۲۳ ____ اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ ____ ۱۴۲۳ ____ فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر والاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ ____ ۱۴۲۳ ____ فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب ____ ۱۴۲۴ ____ ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اوّل	۳۲۵	۸	محرم الحرام ____ ۱۴۲۵ مارچ ____ ۲۰۰۴	۶۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخری ____ ۱۴۲۵ ____ اگست ۲۰۰۴	۶۸۴

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف و متداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظروالاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں[۲۰] جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا للذا اکیسویں[۲۱] جلد سے مسائل حظرواباحۃ کی اشاعت کاآغاز کیا گیا۔کتاب الحظروالاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں[۲۵] چھبیسویں[۲۶] جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ ودیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث وفتاوائے اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم ودوازدہم میں غیر مبوّب وغیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب وتبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف وکرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عُبور کرلی اور کتاب الحظروالاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط ومنضبط کر دیا ہے **وللہ الحمد۔**

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ ومتفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ہ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں ومناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے للذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل و مفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

اٹھائیسویں [۲۸] جلد

یہ جلد ۲۲ سوالات کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے سوائے رسالہ الزلال الانقی، شمائم العنبر اور تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ کے کہ ان میں سے اول الذکر کا ترجمہ جانشین مفتی اعظم، فقیہ اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضاخاں صاحب بریلوی ازھری دامت برکاتہم العالیہ اور ثانی الذکر کا ترجمہ بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ اور آخر الذکر کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جبکہ فتاوی کرامات غوثیہ پر حواشی حضرت علامہ مولانا جلال الدین قادری کے تحریر کردہ ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشتی حصہ سوم کے ابواب، اذان، نماز، مساجد اور فضائل و مناقب پر مشتمل ہے تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں لہٰذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل و رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی تیار کردی گئی ہے تاکہ قارئین کو تلاش مسائل میں سہولت رہے۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر (۱۳۳۳ھ)

مسجد کے اندر اذان خطبہ کے عدم جواز پر انتہائی محققانہ بحث

(۲) فتاوی کرامات غوثیہ

غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شب معراج بارگاہ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب

(۳) الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (۱۳۰۰ھ)

افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان

(۴) طرد الافاعی من حمی ھاد رفع الرفاعی (۱۳۳۲ھ)

سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظمت کا بیان

(۵) تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ (۱۳۱۲ھ)
اس امر کا بیان کہ سید نا حضرت صدیق اکبر اور سید نا حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا دامن ہمیشہ نجاست شرک سے پاک رہا۔
(۶) غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق (۱۳۳۱ھ)
حضرت صدیق اکبر و حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا بیان

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پر ملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی و تجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہو رہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی
جنوری ۲۰۰۵ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

فہرست مضامین مفصّل

اذان، نماز، مساجد		مقدمہ مصنف۔	۵۳
فاسق اگر معلن ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ورنہ مکروہ تنزیہی، اور اس کا اعادہ بہتر ہے۔	۵۱	حمد و صلوۃ۔	۵۳
یہ روایت محض بے اصل ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کے کوئی نماز بتائی تھی۔	۵۲	کسی چیز کی خوبی اور خرابی کا معیار اللہ تعالٰی کا اسے خوب اور ناخوب فرمانا ہے آدمی کی پسند اور ناپسند کو اس میں دخل نہیں۔	۵۵
ولد الزنا اگر حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو تو اسکی امامت مکروہ تنزیہی ہے ورنہ اس کی امامت اولٰی ہے۔	۵۲	ناپسندیدہ امور کی اشاعت کے اسباب۔	۵۵
ولد الزنا کی خلافت و بیعت کا حکم۔	۵۲	اشاعت منکر کے لیے حکومت کی جد و جہد اور اس کے رسوخ اثر کا استعمال۔	۵۵
رسالہ **شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر** (خطبہ جمعہ کے لئے اذان مسجد سے باہر سنت ہے اور اس کے صحیح موقع و محل کا مدلل بیان۔	۵۳	متمردین کا اس کو رواج دینے کے لیے آمادہ ہونا۔	۵۵

علمائے ربانیین کالوگوں کے اتباع اور قبول حق سے مایوس ہونا۔	۵۵	اندرون مسجد اذان دربار الٰہی کی بیحرمتی ہے۔	۶۱
کسی امر کے نوپید ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا پتا نہ چلے بلکہ اس کے خلاف عمل درآمد ہوتا رہا ہو۔	۵۶	جوف مسجد میں اذان مشروعیت اذان کی مصلحت کے خلاف ہے۔	۶۱
اس کا موجد اور عہد ایجاد پردہ خفا میں ہوتا ہے۔	۵۶	اندرون مسجد اذان پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں۔	۶۱
وقت کے ساتھ برائی اچھائی اور اچھائی برائی بن جاتی ہے۔	۵۶	اذان اندرون مسجد آج کل بہت سے مقامات پر شائع وذائع ہے مگر اس سے نہ اجماع ہوا نہ توارث۔	۶۱
کسی وقت سنت پر عمل کرانا فطرت بدلنے یا پہاڑ منتقل کرنے یا اپنے پاس سے حکم گھڑنے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔	۵۷	متعدد حدیثوں سے احیاء سنت کا ثبوت اور اس کی فضیلت پر مختلف کتب حدیث سے ایسی حدیثوں کی تخریج۔ (حاشیہ)۔	۶۲
تخریج حدیث (حاشیہ)۔	۵۷	اس بات کا اشارہ کہ آئندہ صفحات میں بعنوان نفحات قرآن وحدیث وفقہ سے ہم اس اذان کا بیرون مسجد ہونا ثابت کرینگے۔	۶۴
عادت کے خلاف حق بات بھی لوگ تسلیم نہیں کرتے۔	۵۷	عنبر حدیث۔	۶۵
قبول حق کے لیے سبقت کرنیولوں کو بشارت۔	۵۸	شمامہ اولی ونفحہ نمبر اول۔	۶۵
انصاف اور قبول حق کی دعوت۔	۵۸	حدیث ابوداود کی متعدد سندیں۔	۶۵
مسئلہ دائرہ کا اجمالی بیان۔	۵۹	متن حدیث اور اس امر کی وضاحت کہ مدار حدیث محمد بن اسحٰق ہیں۔	۶۶
اذان جمعہ خطیب کے سامنے موضع صلوۃ سے باہر حدود مسجد میں ہونی چاہیے۔	۵۹	سفیان بن عیینہ اور ابو معاویہ سے ابن اسحٰق کی توثیق۔	۶۷
یہ حدیث ابوداؤد سے ثابت ہے۔	۵۹	ابن اسحٰق کے خلاف چند الزامات کی تردید (حاشیہ)۔	۶۷
ان چھ مفسرین کا نام جنھوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس حدیث پر اعتبار کیا۔	۶۰	امام ابواللیث امام شعبہ علی ابن مدینی امام زہری سے ابن اسحٰق کی تصدیق۔	۷۰
ان فقہاء کے نام جنھوں نے اپنی کتابوں میں منصوص طور پر یہ مسئلہ ذکر کیا۔	۶۰	عاصم بن عبداللہ بن قائد ابن حبان ابویعلی یحیٰی بن معین ابن البرقی اور امام بخاری کی توثیقات امام ابن ہمام اور امام بخاری وغیرہ کی تصحیح۔	۷۳
تائیدات مزید۔	۶۱		

درجات حسن میں روایت ابن اسحٰق اعلی درجہ پر فائز ہیں اور اسی کوادنی درجہ کی صحیح کہاجاتاہے۔	۷۴	اس روایت میں تدلیس نہیں بلکہ حدثنی زہری ہے۔	۷۹
بعض ائمہ نے ابن اسحٰق کی حدیث کو صحیح اور بعض نے حسن کہا۔	۷۵	راوی کسی شیخ سے کثیر الروایات ہو تو لفظ عن سے روایت میں بھی تدلیس نہیں۔	۸۰
ان ائمہ کا ذکر جن کے نزدیک ابن اسحٰق میں تدلیس کے علاوہ کوئی عیب نہیں۔	۷۶	روایت بطور نزول ابن اسحٰق کی عادت تھی۔	۸۰
ابن اسحٰق کی کچھ مرویات ائمہ حدیث نے جن کی تائید وتوثیق فرمائی (حاشیہ)۔	۷۶	مراسیل کے اعتبار اور عدم اعتبار کی تاریخ۔	۸۱
محمد ابن عبداللہ، یعقوب ابن ابی شیبہ، ابن حبان، مصعب زبیری کاابن اسحٰق کی طرف سے دفاع۔	۷۶	امام زین العابدین اور امام زید کاواقعہ۔	۸۲
نفحہ ۲۔	۷۷	ایسے جلیل القدر ۳۸ ائمہ حدیث کا ذکر جن کی عادت ارسال حدیث کی تھی۔	۸۳
ابن اسحٰق پر تشیع کے الزام کی حقیقت۔	۷۷	صحابہ کے مراسیل مطلقاً مقبول دوسروں کے مراسیل بہ اتفاق امام اعظم وامام مالک وابن حنبل مقبول ہیں البتہ ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔	۸۳
تشیع، غلوفی التشیع اور رفض کی تعریف۔	۷۷	ابن اسحٰق کی مروی حدیث کو ابوداود نے صحیح کہا۔	۸۴
ترتیب خلافت وفضیلت کی تشریح میں علامہ تفتازانی، ابن حجر مکی اور امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مسلک۔	۷۸	لیث ابن سلیم جو ثقہ مدلس ہیں امام منذری نے ان کی سند کو حسن کہا۔	۸۴
عثمان غنی اور مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان افضلیت میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا قول۔	۷۸	ابوزبیر کی معنعن بروایت لیث ہو تو مقبول ہے۔	۸۵
لفظ شیعی اور رمی بالتشیع میں فرق ہے۔	۷۹	صحیح مسلم کی چند حدیثیں بروایت ابوزبیر عن لیث نہیں مگر امام مسلم نے انہیں بھی مقبول رکھا ہے۔	۸۵
روایت میں بدعتی کے قبول اور رد کا معیار۔	۷۹	زید بن ثابت سے شادی شدہ زانیوں کے رجم کی روایت ہے اسی روایت میں ہے کہ عمر نے فرمایا کہ میں آیت کے نزول کے وقت بارگاہ رسالت میں تھا۔	۸۵
نفحہ ۳۔	۷۹	اس حدیث کی کسی تخریج میں یہ روایت عن عمر عن رسول اللہ نہیں سوائے مذکور روایت کے اور اس میں حضرت قتادہ کو مدلس کہا گیا اس کے باوجود روایت مقبول ہے۔	۸۶

فتح مکہ کی دوروایتیں متعارض منقطع ہونے کے باوجود مقبول ہوئیں۔	۸۶	نفحہ ۷۔	۹۶
قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن دونوں ہی قسم کی روایتوں سے استدلال کیا اور علماء کے نزدیک مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کی تصحیح ہے۔	۸۸	ماولین کی اس تاویل کا رد جو خطیب کی پشت پر دروازہ ہونا بیان کرتے ہیں۔	۹۶
کتاب الخراج کی اہمیت۔	۸۸	جو دروازہ خطیب کی پشت پر تھا وہ سائب ابن یزید کی ولادت سے سال دو سال پہلے بند ہوچکا تھا۔	۹۶
نفحہ ۴۔	۸۹	مجاز در مجاز۔	۹۷
ابوداود میں اس حدیث کا ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔	۸۹	نفحہ ۸۔	۹۷
ابوداود کی عظمت اور اس کی صحت پر چھ اماموں کے نصوص۔	۸۹	علی باب المسجد سے علی مقابل الباب یصیق المنبر مراد لینا رکیک تبدیلی ہے۔	۹۷
مزید آٹھ اماموں کی توثیق۔	۹۰	اس پر تین ایرادات۔	۹۸
نفحہ ۵۔	۹۳	نفحہ ۹۔	۹۹
حدیث مبحوثہ میں امام زہری کے اکثر شاگردوں میں صرف ابن اسحٰق نے ہی علی باب المسجد اور بین یدیہ کا اضافہ کیا مخالفین بین یدیہ کی زیادتی کو تسلیم کرتے ہیں اور علی باب المسجد کی زیادتی کو رد کرتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے۔	۹۳	اس حدیث میں مجاز بالحذف کی ایک اور رکیک تاویل کا رد۔	۹۹
اس قسم کے اختلاف کے اعتبار پر واقع ہونے والے عظیم اعتراض کا ذکر اس سے ان محدثین پر اعتراض ہوگا جو مختلف روایتیں ایک ہی سیاق میں ذکر کرتے ہیں۔	۹۳	ایک اور رکیک تاویل پر قاہر رد (حاشیہ)۔	۹۹
اس سے پیغمبر خدا کی ایک حدیث پر اعتراض خود قرآن عظیم میں ایک ہی واقعہ کمی بیشی کے ساتھ کئی جگہ مروی ہے اس کا کیا جواب ہوگا۔	۹۴	علی باب المسجد کو اعلان اور بین یدیہ کو اذان کہنا بھی نحیف ہے۔	۱۰۲
نفحہ ۶۔	۹۵	اس پر تین ایرادات۔	۱۰۳
"بین یدیہ" اور "علی باب المسجد" میں تعارض کے شبہہ کا جواب۔	۹۵		

نفحہ ۱۰۔	۱۰۴	درشفاف، نہر الماد، تقریب، کشاف سے استناد۔	۱۰۹
زمانہ رسالت میں منبر کے محاذی کسی دروازہ کے نہ ہونے کا قول اور اس کارد۔	۱۰۴	تجرید، کشاف، تفسیر نیشا پوری، تفسیر خطیب فتوحات الٰہیہ اور کشف الغمہ کے حوالے۔	۱۱۰
مزید دروازوں کی تفصیل اور ان کا ذکر اور اس امر کی کہ دروازوں کے نام بعد میں رکھے گئے (حاشیہ)۔	۱۰۴	دوسرا شامہ فقہیہ۔	۱۱۳
باب شمالی کے منبر کے سامنے ہونے کی بخاری میں تصریح۔	۱۰۵	نفحہ ۱۔	۱۱۳
نفحہ ۱۱۔	۱۰۵	نصوص فقہاء اذان بیرون مسجد کی تصریح۔	۱۱۳
یہاں دو سنتیں ہیں، اذان کا مسجد کے باہر ہونا، یہ تمام اذانوں کو عام ہے اور اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے ہونا یہ اذان خطبہ کے ساتھ خاص ہے روایت زید میں دونوں سنتوں کا بیان ہے۔	۱۰۵	دیوار اور کونا بیرون مسجد ہے (حاشیہ)۔	۱۱۴
اذان جمعہ کے لیے دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں حدود مسجد میں خطیب کے سامنے ہونے کی خصوصیت ہے۔	۱۰۶	اذان اور اقامت کے مقامات مختلف ہیں۔	۱۱۶
مخالف کے اعتراضوں کا جواب۔	۱۰۶	خطبہ جمعہ اور دونوں میں طہارت مسنون ہے علت جامع مسجد میں خدا کا ذکر ہونا ہے۔	۱۱۶
دروازہ کی خصوصیت نہ ہونے کی حدیث انور سے تصدیق۔	۱۰۷	مدخل کی عبارت۔	۱۱۷
اذان خطبہ کے باب جمعہ میں مذکور نہ ہونے کی وجہ۔	۱۰۷	نفحہ ۲۔	۱۱۷
نفحہ ۱۲۔	۱۰۷	یہ نصوص اپنے عموم واطلاق پر ہیں، نکرہ تحت النفی عموم ہے اور اطلاق عدم تقلید ہے۔	۱۱۷
اس حدیث کی عدم شہرت سے اس کے متروک العمل ہونے کا استدلال غلط ہے۔	۱۰۷	مئذنہ کا ذکر اذان حنفیّہ کے استثناکے لیے ہے۔	۱۱۷
کتب تفاسیر میں اس حدیث کے چرچا کا ثبوت۔	۱۰۸	اذان مئذنہ یا صحن مسجد میں ہو اس کے عموم کے لیے ہر ہر فرد کا حکم میں داخل ہونا ضروری نہیں بلکہ دونوں فردوں میں کوئی ایک بھی حکم میں داخل ہوگیا تو عموم ثابت ہے۔	۱۱۸
خازن، تفسیر کبیر اور کشاف کا حوالہ۔	۱۰۸	اذان بیرون مسجد کا حکم پنجوقتہ نماز کے لئے ہونے کا جواب۔	۱۱۹

ائمہ کی عبارت فہمی کی قابل تعریف مثال اور اعلی حضرت کی دقیقہ رسی۔	۱۱۹	سنت بدلنے والوں کے لے شدید وعید حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تبدیل سنت کی نسبت سخت قبیح امر ہے۔	۱۳۱
نفحہ ۳۔	۱۲۰	نفحہ ۷۔	۱۳۲
فقہاء کی عبارت میں آنے والے لفظ "قالوا" کے مختلف معانی کی عمدہ تفصیل۔	۱۲۰	اذان خطبہ کو اسکات حاضرین کے لیے مانا جائے تب بھی اس کی اندرونی ہال کے بجائے بیرونی سایبان میں زیادہ ضرورت ہے تو لازم کہ باہری سائبان میں ہو۔	۱۳۳
نفحہ ۴۔	۱۲۲	نفحہ ۸۔	۱۳۴
عام سے خاص پر استدلال کا حدیث سے ثبوت۔	۱۲۲	اس جواب پر اقامت سے معارضہ کا جواب۔	۱۳۴
ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ علیحدہ خاص نص ضروری ہے ورنہ شریعت معطل ہو جائے گی۔	۱۲۲	اقامت کو بھی اذان کہا جاتا اس قیاس سے اذان کو بھی اندر ہونا چاہیے۔	۱۳۴
مسجد میں اذان جمعہ مکروہ ہونے کا ذکر۔	۱۲۳	اس قیاس کا تفصیلی جواب	۱۳۴
باب جمعہ میں نہ ہونے کا مزید تذکرہ۔	۱۲۴	ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین" کا تذکرہ۔	۱۳۵
نفحہ ۵۔	۱۲۴	اذان واقامہ میں مغایرت کے وجوہ۔	۱۳۵
امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کی مرسل روایت بھی مسائل مذہب میں شمار ہوتی ہے۔	۱۲۴	نفحہ ۹۔	۱۳۶
مسئلہ دائرہ اذان کا بھی یہی حکم ہے ورنہ دو ثلث یا تین ربع مسائل مذہب اکارت ہو جائینگے۔	۱۲۵	مسجد کے اطلاقات کا بیان	۱۳۶
نفحہ ۶۔	۱۲۵	"انما یعمر مساجد اللہ" سے کیا مراد ہے۔	۱۳۷
مخالفین کا ایک اور حیلہ کہ اذان کے حکم سے خارج ہے۔	۱۲۵	قرآن شریف اور حدیث نبوی سے اس کی تائید۔	۱۳۷
ایک جاہل کا قول کہ عہد رسالت میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اور دوسرے کا قول کہ عہد رسالت تک تو یہی اذان اذان خطبہ مگر عہد عثمان سے اعلان حاضرین ہے۔	۱۲۶	مسجد کا تیسرا اطلاق جس میں صحن اور منارہ بھی داخل ہیں۔	۱۳۸
مخالفین کی ان باتوں کا چارہ وجوہ سے تفصیلی رد	۱۲۸		

اذان کی مسجد کی طرف اضافت اسی اطلاق کے لحاظ سے ہے۔	۱۳۹	دوسری عبارتیں لفظ "لاینبغی" سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ "لایؤذن" پر داخل نہیں۔	۱۵۰
مسجد کے اندر کنوئیں کی منڈیر، چبوترہ، منارہ، حوض کی گگر پر اذان اس وقت جائز ہے کہ ان کی بنا مسجدیت سے پہلے ہو۔	۱۴۰	لفظ "ینبغی" کے معنی مستحب قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے، متقدمین کے یہاں یہ لفظ عام ہے۔	۱۵۰
تمام مسجدیت کے بعد مسجد میں اس کی دیوار یا چھت پر کوئی اور تعمیر منع ہے۔	۱۴۱	استحباب میں سنت بھی داخل ہے اور سنت کا معاملہ آسان نہیں۔	۱۵۰
مسئلہ کی اور وضاحت اور قطع صف کا مسئلہ۔	۱۴۱	بسا اوقات "ینبغی" وجوب کے لیے ہی آتا ہے۔	۱۵۰
منحۃ الخالق اور مدخل کی عبارتیں۔	۱۴۳	وجوب کی دو تین مثالیں۔	۱۵۱
امام کافی کے قول کا محمل۔	۱۴۵	عبارات خانیہ اور خلاصہ سے وجوب اور غیر وجوب دونوں ظاہر ہیں اور ترجیح نفی کو ہوتی ہے۔	۱۵۲
ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کی توضیح۔	۱۴۵	ابن امیر الحاج، غنیہ، بحر الرائق اور منحۃ الخالق سے مسئلہ پر استدلال۔	۱۵۲
لفظ "قام علی المسجد" کی تشریح۔	۱۴۶	علامہ طحطاوی سے تائید،	۱۵۳
خانیہ اور خلاصہ کی عبارت کا محمل۔	۱۴۷	ایک اور ظاہر موافق مصنف۔	۱۵۴
جامع الرموز اور جلابی عبارتوں میں تطبیق۔	۱۴۸	کراہت مطلقاً شوافع کے نزدیک تنزیہی اور احناف کے نزدیک تحریمی ہے	۱۵۴
قہستانی کی روایت کی حیثیت۔	۱۴۸	بیان جواز کے لیے افضل کا ترک حضور سے ثابت ہے جبکہ اذان کا مسجد میں ہونا ثابت نہیں	۱۵۴
قول مرجوح پر فتوی جہل اور خرق اجماع ہے۔	۱۴۹	جو امر کراہت تحریمی اور تنزیہی میں دائر ہو اس کا چھوڑنا ہی دانشمندی ہے	۱۵۵
نفحہ ۱۰۔	۱۴۹	قرآن شریف سے تیسرا شمامہ	۱۵۶
خانیہ اور خلاصہ کے لفظ "ینبغی" سے مخالفین کا سہارا۔	۱۴۹	نفحہ ۱۔	۱۵۶
اور مصنف کے جوابات۔	۱۵۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا منع اور اسکے فعل پر وعیدیں۔	۱۵۶

یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت اور جلال کے لئے ہے	۱۵۷	محقق علی الاطلاق کی دو نظیریں اور حلیہ میں اس کی تعریف	۱۶۴
مسجد دربار الٰہی ہے تو اس کی ہیبت وجلال کے لیے اجازت یا فتوں کے علاوہ رفع صوت ممنوع ہوگا	۱۵۷	حدیث شریف سے اسکی تصدیق	۱۶۶
حدیث ابن ماجہ سے اس کی تائید	۱۵۹	اس حدیث اور حدیث ابن عمر کی تخریج اور مکمل تفصیل۔	۱۶۷
ابن عدی، ابن عبد الرزاق، عبد اللہ بن مبارک، امام مالک کی حدیثوں سے مسئلہ کی تائید	۱۵۹	نفحہ ۳۔	۱۶۷
امام مالک اور امام ابن مبارک کی مزید تصدیق	۱۶۰	دوسری دلیل کا پہلا مقدمہ، انسانوں کے گھر میں انس پیدا کرنے، سلام کرنے اور اجازت کے ساتھ داخلہ کا حکم قرآن کی آیت میں	۱۶۷
یہ حدیث ائمہ نے قبول کیا البتہ فقہاء کی دینی باتوں کا استثناء ہے	۱۶۱	دوسرا مقدمہ، زمین میں اللہ تعالٰی کا گھر مسجدیں ہیں	۱۶۸
مسجد میں بلند آواز سے جب ذکر الٰہی منع ہے تو اذان بھی منع ہونا چاہیئے کہ یہ خالص ذکر نہیں	۱۶۱	دو حدیثوں سے مقدمہ دوم کی تائید	۱۶۸
امام عینی کی شرح بنایہ سے اس کی تائید	۱۶۱	نتیجہ اور حاصل کہ مسجد میں داخلہ کے لئے اذن اجازت بدرجہ اولی ضروری	۱۶۸
بحر الرائق سے مزید تائید	۱۶۱	مقدمہ قیاس ثانی بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس کام کی اجازت ہے اس کے خلاف کام کیا جائے	۱۶۹
نفحہ ۲۔	۱۶۳	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے مسجد میں گم شدہ چیزیں تلاش کی جائیں	۱۶۹
بادشاہوں کے دربار سے مسئلہ کی توضیح	۱۶۳	تین حدیثوں سے اس کا ثبوت	۱۶۹
موجود کچہریوں سے اس کی مثال	۱۶۳	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد میں مصحف تلاش کرے، تلاوت کرنے کے لیے ہی کیوں نہ ہوں	۱۷۰
منکرین کو عملی تجربہ کی ہدایت	۱۶۴	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کھوئی ہوئی امانت مسجد میں تلاش کرے پانے کا مقدمہ یا دینے کا ذریعہ	۱۷۰
اس قسم کے معاملہ مس حکم منصوص نہ ہو تو معاملہ مشاہدہ پر موقوف ہوتا ہے۔	۱۶۴	خلاصہ کلام یہ کہ امانت کی تلاش واجب اور کار آخرت مگر مسجد اس کار خیر کے لیے نہیں بنائی گئی	۱۷۱
بزرگوں کے کلام سے اس کی نظیریں	۱۶۴		

احادیث سے اس بات کا ثبوت کہ مسجد ذکر اللہ کے لیے بنائی گئی	۱۷۱	تمام عالم اسلام میں سب کا اس پر تعامل ہے یہ اجماع ہے	۱۷۶
اذان خالص ذکر اللہ نہیں تو مسجد کے اندر اس کی اجازت نہیں اور اس میں اذان دینا بے اجازت داخلہ میں داخل اور ممنوع ہے	۱۷۲	پہلے اعتراض کا جواب مؤذن کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے لیکن لفظ بین یدیہ کی وجہ سے موذنوں کے متصل ہونا ضروری نہیں	۱۷۶
چوتھا شمامہ دفع اعتراض کے لیے	۱۷۴	لفظ بین یدیہ کا مفاد بے حائل مؤذن کا رخ خطیب کی طرف ہونا ہے اور بس	۱۷۶
اس مسئلہ پر مخالفین کے اعتراضات ڈوبنے والوں کے تنکے کے سہارے کی طرح ہے جن میں پانچ اعتراضات ہیں مصنف کی سب سے بحث	۱۷۴	لفظ بین یدیہ اندرون مسجد اور بیرون مسجد دونوں صورت کو شامل ہے، البتہ فقہاء نے اندرون مسجد کو منع کیا ہے۔	۱۷۶
پہلا اجتماعی اعتراض، فقہاء نے اذان خطبہ کے لئے عموماً بین یدیہ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے ظاہری معنی قریب خطیب اور ملاصق منبر ہیں	۱۷۵	لفظ بین یدیہ ترکیبی کے معنی حقیقی کا بیان	۱۷۶
دوسرا اعتراض، فقہاء نے اس کے لیے لفظ عند بھی استعمال کیا ہے اس کے معنی بھی قریب والصاق کے ہیں	۱۷۵	مسئلہ مبحوثہ میں لفظ بین یدیہ کے مجازی معنی مراد ہیں جو بلحاظ معنی حقیقی ہونگے	۱۷۷
تیسرا اعتراض، بعض فقہاء نے علی المنبر کا لفظ بھی استعمال کیا جو قریب سے بھی زائد پر دلالت کرتا ہے۔	۱۷۵	پس لفظ بین یدیہ قرب وبعد سے قطع نظر سامنے کے معنی میں ہے	۱۷۷
چوتھا اعتراض، اذان لصیق المنبر کا عمل متوارث ہے مخالفین کی تعبیریں مختلف ہیں۔	۱۷۵	اور قرب کا لحاظ ہو تو حاضر اور مشاہد کے معنی میں ہے	۱۷۷
نفحہ ا۔	۱۷۶	چونکہ قرب امر اضافی کلی مشکک ہے اس لیے اس کی تعین موقع اور محل کے لحاظ سے بتقاضائے عقل ہوگی	۱۷۷
		لفظ بین یدیہ اصلا ظرف مکان تھا اب زمانہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا مجھ کو قرآن میں یہ لفظ (بین یدیہ) ۳۸ مقامات پر ملا	۱۷۸

۲۰ مقامات میں قرب پر اس کی کوئی دلالت نہیں ایک مقام پر قرب حقیقی ترکیبی کے لیے ہے اور ۱۷ مقامات پر قرب کے لیے جس میں اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ تک پر اس کا اطلاق ہوا ہے	۱۷۸	قرب کے افراد مختلفہ کی آیات سے مثال	۱۹۱
ان مقامات کی قرآنی آیات کا تفصیلی بیان۔	۱۷۹	مزید مثالیں	۱۹۱
آیات مذکورہ کی دو قسمیں	۱۷۹	خطیب شربینی کی ایک عبارت سے دفع تعارض	۱۹۵
قسم اول	۱۷۹	تنبیہ	۱۹۶
بیس آیات کا بیان	۱۷۹	حاصل کلام، قرب کی آٹھ نو مذکورہ مثالوں سے ظاہر ہے کہ محض لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے	۱۹۸
قسم ثانی۔	۱۸۳	صور مسئولہ میں مؤذن کے قرب کی حد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے خارج مسجد متعین ہے کہ حدود مسجد میں ہو تو اس حد سے دور اور مسجد کے اندر دونوں افراط و تفریط ہے	۱۹۹
اٹھارہ آیات کا بیان	۱۸۳	نفحہ ۲۔	۱۹۹
اکیس ائمہ لغت و تفسیر کی شہادت	۱۸۸	بین یدیہ کے معنی قرب تسلیم کرنے پر بھی قرب معنی اضافی ہے تو ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا	۱۹۱
تفصیل بالا سے ظاہر کہ لفظ بین یدی الخطیب کی دلالت اندرون مسجد پر نہیں منبر کے متصل تو دور کی بات ہے	۱۹۰	مفردات راغب کی عبارت سے قرب ملاصق پر استدلال کرنیوالے کا رد وزیر درباری اور عوام کی مثال کہ سب اپنے کو دربار سے آنیوالے بتاتے ہیں	۱۹۹
لفظ بین یدیہ قرب کی دلالت کے لئے متعین نہیں	۱۹۰	راغب سے استدلال کرنیوالوں پر دوسری طرح قدح	۲۰۱
فقہاء کی غرض صرف خطیب کا سامنا بتانا ہے	۱۹۱	مفردات راغب اور امام قدوری کی عبارتوں میں دفع تعارض کی ایک صورت	۲۰۲
اذان مسجد میں ہو یا باہر یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جو باب الاذان میں مذکور ہے	۱۹۱	امام راغب نے قرآن مجید اور تورات شریف کے درمیان دو ہزار سال کی مدت کو بھی قریب ہی بتایا	۲۰۳
بین یدیہ کے معنی قرب تسلیم کرنے پر بھی قرب معنی اضافی ہے تو ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا	۱۹۱		

مفردات راغب کی عبارت کے مزعومہ معنی پر ایک اور طرح سے رد	۲۰۳	مزید آیات اور احادیث سے معنی عند کی تفصیل	۲۱۳
مخالف کے اس اعتراض سے کہ بین یدیہ بعض مقام پر معنی قرب سے خالی بھی ہوتا ہے مخالف پر رد	۲۰۴	عند کے استعمال کے مواقع	۲۱۳
مستدل اور معترض کے مؤقف کا فرق	۲۰۵	کنز وہدایہ، مجتبی، فتح القدیر، بحر الرائق اور درمختار سے عند کے معنی (بحیث یراہ) جہاں سے دیکھا جاسکے	۲۱۴
اسلوب بیان کی ایک خامی پر مخالف کو تنبیہ	۲۰۵	عند کے معنی بین یدیہ سے زیادہ قریب کے نہیں	۲۱۵
نفحہ ۳۔	۲۰۶	وہم کی بیماری ہرچہ پیدامی شوداز دور پندارم توئی	۲۱۵
عند کے معنی کی تحقیق	۲۰۶	نفحہ ۴۔	۲۱۵
مختلف علمائے اصول کے بیان سے اس امر کا ثبوت کہ عند قرب حقیقی اور حکمی دونوں کے لیے آتا ہے	۲۰۶	عند کے معنی پر مفردات راغب او مبسوط سے مخالفین کا استدلال	۲۱۵
عند کا معنی قرب داخل ہے مگر اس کے لیے اتصال ضروری نہیں۔	۲۰۷	عند اور قریب دونوں کے معنی متعدد ہیں	۲۱۵
عند کا معنی قرب میں بین یدیہ سے زیادہ وسیع ہے	۲۰۷	محافظت کی حد	۲۱۵
عند اور لدی کا فرق	۲۰۸	نفحہ ۵۔	۲۱۸
عند بعد کے لیے اور لدی قرب کے لیے ہے	۲۰۸	عند ظرف ہے جو زمان اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے	۲۱۸
رضی کے قول سے استدلال	۲۰۸	اذان عند المنبر سے مراد اذان وقت المنبر کیوں نہیں ہوسکتی	۲۱۹
ان الذی یغضون اصواتھم عند رسول اللہ کی تفسیر اور قرب و بعد کا نیرنگ	۲۰۸	نفحہ ۶۔	۲۱۹
لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ کی تفسیر اور عند کے قرب کی وسعت	۲۰۹	اذان علی المنبر کی بحث	۲۱۹
مختلف قرآنی آیات سے معنی عند کی وضاحت	۲۱۰	بعض مخالفین نے اذان علی المنبر کے معنی اذان عند المنبر بتایا اور خود عند کا حال معلوم ہوچکا	۲۱۹

بعضوں نے علی کو باء الصاق کے معنی میں بتایا	۲۱۹	جمعہ کے لیے سعی کا موجب اذان اول ہے یا اذان خطبہ، اس میں امام اعظم اور امام طحطاوی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے	۲۲۳
اولا یہاں علی کا معنی باء میں ہونا محل نظر ہے	۲۱۹	اس اختلاف کے بیان کی اصل عبارت یہ ہے "والامام علی المنبر" (شرح نقایہ اور مرقات ملا علی قاری)	۲۲۳
ثانیا خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں جیسا کہ مررت بزید سے ظاہر ہے	۲۱۹	بعض متاخرین نے اس کو اپنے طور مختصر کیا اور "اذان علی المنبر" بنادیا پس اس موقع لفظ اذان علی المنبر سے استدلال وہم ہے	۲۲۴
اس مطلب پر تمرون علیہا سے استدلال	۲۲۰	اس امر کی تائید مزید	۲۲۴
بعض مخالفین نے علی المنبر کے معنی مجازی مبالغہ فی القرب بتایا	۲۲۰	اصل یہ ہے کہ لفظ عند اور علی سب تعبیروں کا اختلاف ہے، معبر وہی علی باب المسجد ہے اور اسی کو سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا	۲۲۴
جواب علی کے حقیقی معنی حسب تحریر کشف الاسرار وابن الہمام و رضی الزوم والتزام ہے	۲۲۰	نفحہ ۷۔	۲۲۵
علی کے اس معنی کا قرآن عظیم سے ثبوت	۲۲۱	مسئلہ کی وضاحت ایک اور طرح سے کہ ان تمام عبارتوں میں علی المنارہ یا منبر وغیرہ الفاظ بطور تعارف وعلامت مذکور ہیں اور جملہ "لایوذن" حکم ہے اعتبار حکم کا ہے علامت کا نہیں	۲۲۵
تو مخالفین کا معنی حقیقی درست ہوتے ہوئے معنی مجازی مراد لینا غلط ہوا	۲۲۱	علامت کے لیے تو جائز ہونا بھی ضروری نہیں ایک مثال سے مسئلہ کی وضاحت	۲۲۶
دوسرا جواب علی کے دوسرے معنی مجازی مصاحبت کے ہیں سیوطی، حدیث مبارک، قاموس اور فتوحات الٰہیہ سے اس کی تائید	۲۲۱	شریعت میں اعتبار حکم منطقی ضمنی کا نہیں حکم حقیقی اصلی کا ہے	۲۲۷
اذان خطبہ مصاحب جلوس علی المنبر ہے پس مخالف کا استدلال یا تو حقیقت مجاز کا تصادم یا مجازین کا احتمال ہے	۲۲۲	لفظ علیک السلام اور السلام علیک مسئلہ کی وضاحت	۲۲۷
علی وقت اور زمانیہ کے لیے بھی آتا ہے تو یہ عند زمانیہ کا ہم معنی ہے	۲۲۳	مخالفین کا استدلال معنی اشارۃ النص ہے اور جملہ لایؤذن اپنے معنی پر عبارت النص ہے تو استدلال میں اعتبار اسی کا ہے	۲۲۷

کلمہ اذان علی المنبر جملہ محتملہ ہے اور لا یؤذن فی المسجد صراحۃ النص ہے اس حیثیت سے بھی اعتبار اسی کا ہے	۲۲۸	فتاوی خانیہ کی ایک عبارت	۲۳۳
اجماع اور تعامل	۲۲۸	ردالمحتار سے تعامل صحیح کی تعریف	۲۳۴
نفحہ ۸۔	۲۲۹	اجماع اکثری کے دلیل ہونے کے لیے شافعی مذہب کی ایک شرط	۲۳۴
اذان جمعہ کی تاریخ از روئے مذہب امام مالک مدخل، جواہر ذکیہ اور زرقانی کی عبارتیں	۲۲۹	اس باب مین مجدد الف ثانی کاایک دردناک مکتوب	۲۳۴
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مذہبی روایات سے اندرون مسجد اذان متوارث ہونا تو بڑی بات ہے سنیت بھی ثابت نہیں	۲۳۱	حاشیہ شامی کتاب الاجارہ کاایک حوالہ علامہ شامی کا قول ہے کہ یہ قدیم برائی ہے کہ لوگ حق بات کو بھی ناحق سمجھنے لگتے ہیں	۲۳۷
حنفیہ اس کو مکروہ، مالکیہ اس کو بدعت کہتے ہیں۔ اور دوسرے ائمہ سے خلاف ثابت نہیں تو کہیں اس اذان کی کراہت ہی اجماعی نہ ہوئی	۲۳۱	نفحہ ۱۰۔	۲۳۸
نفحہ ۹۔	۲۳۳	تورات کی بحث	۲۳۸
تعامل عام کی بحث	۲۳۳	تورات تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اس مسئلہ میں عام قرنوں کا تعامل کیسے ثابت ہوگا جب موجودہ زمانہ کا تعامل بھی ثابت نہیں۔	۲۳۸
سکندری اور سقطی کی روایت ہے کہ اہل مغرب کا تعاون بیرون مسجد ہے۔	۲۳۳	فتح القدیر سے تورات کا بیان	۲۳۸
ہندوستان کے اکثر شہروں کی شاہی مساجد میں اس کام کے لیے چبوترے بنے ہوئے ہیں وہ مسجدوں کا حصہ نہیں۔	۲۳۳	مسئلہ تورات میں مصنف کی عظیم تحقیق	۲۳۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ، ایسے چبوتروں کو جو درحقیقت مسجد سے مستثنٰی ہیں مسجد سمجھ کر لوگوں نے عام مسجدوں میں بھی اذان دینی جائز سمجھ لی۔	۲۳۳	احوال کی چار قسم ہے (ا) جس کا حادث ہونا معلوم ہو (ب) جس کے حدوث کا علم نہ ہو (ج) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (د) حدوث کا علم ہو مگر کب اور کیسے کی تفصیل معلوم نہ ہو۔	۲۳۹
خلاف سنت تعامل جواز کی سند نہیں	۲۳۳	ہر قسم کی مثال اور اس کا حکم، قسم رابع کا شرعی حکم معلوم کرنے کا قاعدہ کلیہ	۲۳۹

سنت ثابتہ کی مخالفت کی ایک استثنائی صورت	۲۴۱	نفحہ ۱۳۔	۲۴۹
مسئلہ اذان کی نوعیت کا تعین کہ اذان اندرون مسجد بدعت مردود ہے	۲۴۳	توارث بعض غیر معتبر ہے۔	۲۴۹
اس اذان کے زمانہ عثمان غنی کی ایجاد اور اسی وقت متوارث ہونے پر تھانوی کا سخیف استدلال اور اعلی حضرت کا رد بلیغ	۲۴۴	اذان فجر قبل فجر پر تعامل حرمین ہمارے ائمہ کے نزدیک غیر معتبر و نامقبول ہے	۲۴۹
امام عینی کی عبارت کی تھانوی نے تحریف معنوی کی	۲۴۴	حضرت اکمل الدین بابرتی کا ارشاد	۲۵۰
تھانوی کا ایک اور مغالطہ اور لصیق المنبر اذان کی ایجاد کا سہرا ہشام ابن عبدالملک کے سر۔	۲۴۵	نفحہ ۱۳۔	۲۵۱
اعلی حضرت کا اظہار حقیقت کہ ہشام نے اذان اول کو مقام زوراء منارہ کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان اپنے حال پر باقی رکھی جیسی عہد رسالت میں تھی	۲۴۵	حرم کے مؤذن کے فعل سے استدلال بھی غلط ہے	۲۵۱
امام زرقانی کے بیان سے اصل حقیقت پر استشہاد تھانوی کے قول سے لازم آتا ہے کہ ائمہ ہدی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ کر ہشام کی پیروی کی	۲۴۶	ملا علی قاری کی تصریح کہ آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور کے زمانہ میں ہوتی تھی۔	۲۵۱
نفحہ ۱۱۔	۲۴۷	توسیع حرم کی وجہ سے وہ جگہ احاطہ میں ہو گئی ہے	۲۵۱
مدعیان توارث کی عقلی و نقلی دلیل کا رد	۲۴۸	چاہ زمزم، مسجد نبوی میں اذان کے چبوترے سے تمثیل	۲۵۱
ہندیہ کی ایک عبارت سے مخالفین کا غلط سہارا	۲۴۸	مذکورہ بالا کا خلاصہ	۲۵۲
اذان بین یدی الخطیب میں عہد رسالت کے بعد کسی قسم کا تغیر تاریخ سے ثابت نہیں	۲۴۸	خطبہ جمعہ کے استماع کی خموشی کے حکم سے استشہاد	۲۵۲
عدم ثبوت کو دلیل عقلی قرار دینا بے عقلی ہے	۲۴۹	تبلیغ تکبیر چیخنے کی ممانعت سے استشہاد ایسے مکبّر کی نماز کے فاسد ہونے کا فتوی دینے والے علماء کے اسماء	۲۵۲
دلیل مذکور پر چھ سات اعتراضات	۲۴۹	علماء دیوبند کے دعوی اتباع علمائے حرم کی حقیقت	۲۵۳

نفحہ ۱۴۔	۲۵۳	اثر جو یبر کا بیان۔	۲۶۱
توارث باطل کے سلسلہ میں گزشتہ ابحاث کا اجمالی اعادہ	۲۵۳	اس اثر سے مخالفین کے استدلال کی تقریر	۲۶۱
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے سکوت کا شرعی عذر	۲۵۳	مسجد کے اطلاقات ثلثہ سے اس اثر کا پہلا جواب	۲۶۲
بادشاہوں کے افعال پر علمائے حق کی خاموشی بوجہ دفع فتنہ کی مثال۔	۲۵۶	ابوداود کی صحیح حدیث سے اس کے تعارض کا بیان	۲۶۲
مسجد نبوی کی آرائش پر ولید کے غیر معمولی مصارف کا بیان	۲۵۶	محمد بن اسحاق اور جو یبر کا تقابل	۲۶۳
علماء پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے	۲۵۷	کتب علل سے جو یبر پر پندرہ اماموں کی جرح	۲۶۳
عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا احیاء سنت و اماتت بدعت قابل مدح ہے اور ان سے مقدمہ علماء سکوت میں معذور ہیں	۲۵۷	مخالف کی الٹی سمجھ کہ ابن اسحاق کی معنعن حدیث نا مقبول، اور جو یبر اپنے ضعف اور اس کا اثر منقطع ہونے کے باوجود مقبول	۲۶۴
دونوں فریق کے طرز عمل سے ایک دوسرے پر الزام نہیں	۲۵۷	جو یبر کے اثر پر صاحب فتح کی تین جرحیں اثر جو یبر اپنے مدلول پر اشارۃ النص ہے مخالفین کا استدلال اثر جو یبر کے مفہوم سے ہے جو نا مقبول ہے۔	۲۶۵
حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمات احیائے سنت کا ذکر جمیل اور دیگر علماء کا عذر	۲۵۸	نفحہ ۱۶۔	۲۶۶
انفرادی دلائل کی خبر گیری	۲۶۰	حضرت طلق بن علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایات اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے یہی صاحب فتح اور صاحب غایۃ البیان کی تقریر کا مفاد	۲۶۶
نفحہ ۱۵۔	۲۶۱	اثر عبداللہ بن عمر میں صلوۃ مسعودی کے غلط حوالہ سے لفظ فیہ کا اضافہ ہے ابن ماجہ کی ایک اور ضعیف روایت اور اس سے مخالفین کا غلط استدلال	۲۶۸

ایک دوسری روایت میں روایت بالا کی توضیح و تفسیر	۲۶۹	اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان کیا	۲۷۴
حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے اندرون مسجد پر استدلال کی بیوقوفی	۲۶۹	اعلان حج کے وقت وہ پتھر مطاف میں دیوار کعبہ کے پاس تھا یعنی مسجد حرام میں تھا تو اعلان اندرون مسجد ثابت ہوا	۲۷۵
اسی ضمن میں حدیث نوار کی وضاحت	۲۷۰	واقعہ کی مختلف روایتیں	۲۷۵
نفحہ ۱۷ـ	۲۷۱	مخالفین کے اس استدلال پر اعلی حضرت کی تنقیدیں	۲۷۶
حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کہ "مسجد کی طرف جاؤ" اس سے مخالفین کا غلط استدلال ان مدعیوں کو "مسجد میں جاؤ" اور "مسجد کی طرف جاؤ" کا فرق نہیں نظر آتا	۲۷۱	(۱) پتھر ایک ادھر سے ادھر ہونے والی چیز ہے چھ ہزار سال سے برابر ایک جگہ پڑا رہنا بالکل خلاف قیاس ہے ظاہر معترض کو مفید ہے مستدل کو نہیں	۲۷۷
حضرت عبداللہ بن زید حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں رات میں یا قریب صبح پہنچے	۲۷۱	(۲) تاریخ قطبی میں اس پتھر کے تب سے اسی جگہ پڑا رہنے کی تصریح نہیں ہے تو روایت میں اس کا اضافہ غلط ہے	۲۷۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حجرہ شریفہ میں رہے ہوں یا مسجد میں بہر صورت حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں تھے ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "مسجد کی طرف جاؤ" کا مطلب "مسجد میں جاؤ" ہر گز نہیں ہو سکتا	۲۷۲	(۳) قطبی کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس پتھر کا ٹھکانا کہیں اور تھا ضرورۃ یہاں لایا اور لازما کام کے بعد اپنے ٹھکانے پر واپس کیا گیا	۲۷۷
مسجد کے مختلف اطلاقات میں بھی اس کا جواب ہے	۲۷۲	(۴) حرم شریف کے منبر اور سیڑھیوں سے اس کی تائید	۲۷۷
نفحہ ۱۸ـ	۲۷۴	(۵) پتھر کے دیوار کعبہ کے پاس ہونے سے اعلان اسی پر ہونا ضروری نہیں	۲۷۸
اذان اندرون مسجد کو قرآن سے ثابت کرنے کی جدوجہد	۲۷۴	(۶) اس امر کی تصریح کہ اعلان حج کے وقت پتھر دوسری جگہ تھا	۲۷۸

(۷) پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان کرنے کی روایت اسرائیلی ہے	۲۷۸	ذکر بالجہر کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے	۲۸۷
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے	۲۷۹	مسجد میں ذکر بالجہر کی ممانعت درر مسلک متقسط وغیرہ سے ثبوت	۲۸۷
سدرۃ المنتہی کے متعلق اسرائیلی روایت حضرت مولا علی سے اس امر کی تفصیلی روایت کہ اعلان ثبیر کی پہاڑی سے ہوا	۲۸۰	مخالفین ذکر کرنے ممانعت کی جو وعیدیں ذکر کیں مذکورہ بالا علماء پر صادق نہیں	۲۸۷
یہ روایت اس کے لیے راجح ہے کہ مولا علی اسرائیلیوں سے روایت نہیں کرتے تھے اور واقعہ غیر قیاسی ہے اس لیے لازما اس کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا	۲۸۱	ذکر بالجہر کی مخالفت میں عبد اللہ بن مسعود کے ایک اثر کی بحث	۲۸۸
(۸) ابن عباس کی روایت کہ اعلان جبل ابو قیس سے ہوا	۲۸۱	نفحہ ۲۰۔	۲۸۹
(۹) ایک روایت میں کوہ صفاہ کا بھی ذکر ہے	۲۸۲	امام مالک بھی اذان کو مسجد میں منع فرماتے ہیں تو کیا ان پر بھی وہ وعیدیں صادق ہیں۔	۲۸۹
حضرت ابن عباس کی روایت میں تین یا دو اضطراب ہیں	۲۸۳	اذان خطبہ میں اصحاب مالک کے اختلاف کا بیان۔	۲۹۰
بر تقدیر اعلان فی المسجد الحرام یہ حکم گزشتہ شریعت کا ہے جو ہم پر حجت نہیں	۲۸۳	ملا علی قاری کی تاویلات بعیدہ کا ذکر۔	۲۹۱
(۱۰) مقام ابراہیم کا کتاب کی تصنیف کے وقت مطاف میں ہونا خلاف مشاہدہ ہے	۲۸۵	ملا علی قاری کی تاویلات بعیدہ پر تنقید۔	۲۹۲
(۱۱) مطاف کی غلط تعریف	۲۸۵	نفحہ ۲۱۔	۳۰۳
نفحہ ۱۹۔	۲۸۶	اذان خطبہ سے متعلق قہستانی کا بیان اور اس کے حل سے مخالفین کی درماندگی	۳۰۳
اندرون مسجد اذان پر مخالفین کا قرآن سے ایک اور غلط استدلال	۲۸۶	چند توضیحی مقدمات	۳۰۴
مسجد میں ذکر الٰہی کو روکنا از روئے قرآن و حدیث منع ہے اور اذان ذکر الٰہی ہے	۲۸۶	مقدمہ اولی	۳۰۴
جواب: (۱) اذان محض ذکر الٰہی نہیں ہے	۲۸۶	فقہاء بین یدی المنبر کہتے ہیں لیکن اس موقع پر مراد ان کی خطیب ہوتی ہے	۳۰۴
(۲) اذان روکنے کا مطلب ذکر الٰہی کو روکنا نہیں بلکہ مسجد میں آواز بلند کرنے کو روکنا ہے	۲۸۷		

بحر الرائق سے اس بات کی تصدیق اور عقل سے اسکی تائید	۳۰۵	دونوں قسم کے ملتقی پر تینوں زاویہ کے پیدا ہونے کا امکان	۳۱۷
مقدمہ ثانیہ	۳۰۶	توضیحات بالا کی روشنی میں مقام مؤذن کی توضیح	۳۱۷
مقدمہ لغویہ وسط اور وسط کا اطلاق وسط بالسکون سے دائرہ کے اندر کا کوئی بھی مقام اور وسَط بتحریک سین سے مراد ٹھیک وسط ہوتا ہے	۳۰۶	قہستانی کے لفظ قریبًا منہ کی وضاحت۔	۳۱۸
آیات قرآنیہ، محاورہ اور صحاح سے اس کی تائید	۳۰۶	مؤذن کے بین یدی الخطیب ہونے کا مطلب	۳۱۸
مقدمہ ثالثہ	۳۰۷	عبارت قہستانی کی تقریر مخالف کی تغلیط	۳۱۸
زاویہ قائمہ، منفرجہ اور حادہ کا مقام حدوث	۳۰۷	مقام موذن کی صحیح تعیین	۳۱۹
اصولیہ ہندسیہ توضیح دعوی	۳۰۸	قہستانی عبارت کا اشارہ	۳۲۰
ثبوت دعوی کی تقریر	۳۰۹	شکل ہندسی سے مقام موذن کی تصویر	۳۲۰
زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس کے قاعدے پر نازل ہونے والا عمود قاعدہ کا نصف ہوگا جب مثلث کی دونوں ساقیں مساوی ہوں	۳۱۰	ایک اعتراض	۳۲۳
دعوی کی توضیح اور ثبوت	۳۱۱	اعتراض کا جواب	۳۲۳
زاویہ مختلف الساقین کے عمود کی مقدار کا بیان۔	۳۱۲	متعدد قرائن سے موذن کے روبقبلہ ہونے کی وضاحت	۳۲۳
زاویہ منفرجہ کے عمود کی مقدار کا بیان	۳۱۳	ایک دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۳۲۳
توضیح اور ثبوت	۳۱۴	مخالفین کے بیان کے مطابق مقام موذن کا ہندسی تصویر اور اس کا رد	۳۲۴
مقدمہ خامسہ	۳۱۴	قہستانی کی عبارت سے پانچ استدلالیوں کی غلط بیانیوں کی تفصیل	۳۲۶
مثلث دوشاخوں کے مختلف ملتقی پر پیدا ہونے والے زاویوں کا بیان	۳۱۴	ایک نام نہاد طالبعلم کی تحریف کی تفصیل	۳۲۷
توضیح اور ثبوت	۳۱۵	قہستانی کے بیان کی ہندسی تشریحات کرنیوالوں کی غلط بیانیوں کی تشریح۔	۳۲۸

غلط بیانیوں پر چار تنقیدیں	۳۲۹	**فضائل ومناقب**	۳۶۱
مقدمہ عمود کی حقیقی نسبت کا بیان	۳۳۰	رسالہ طرد الافاعی حمی ھاد رفع الرفاعی (سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظمت کا بیان)	۳۶۷
زاویہ قائمہ اور منفرجہ کے عمود کے فاصلے کا بیان	۳۳۰	مقبولان بارگاہ احدیت میں ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے	۳۶۸
ہندسی شکل	۳۳۱	حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سرداران اولیاء میں سے ہیں	۳۶۹
دومزید تنقیدیں	۳۳۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک روضہ انور سے بوسہ کے لئے نکالنا	۳۷۰
اختتام کتاب	۳۳۳	حضور سرکار غوثیت کا سب سے پہلا حج۔	۳۷۰
اضافات اضافات	۳۳۵	سرکار غوث پاک نے حضرت احمد رفاعی کے ہاتھ پر بیعت کی، غلط ہے۔	۳۷۱
نفحہ ۲۲۔	۳۳۵	سرکار غوثیت کی عطا سے سید احمد رفاعی قطبیت پر فائز ہوئے	۳۷۱
ایک عذر لنگ	۳۳۶	ہر غوث اپنے دور میں سب اقطاب کا افسر ہے۔	۳۷۳
عرف کی بحث، مخالفین کا دعوی کہ ہم نے بین یدیہ کے جو معنی بتائے یہ عرف عوام ہے اس لیے اس کو کسی اصطلاحی اور فنی تحریر سے رد نہیں کیا جاسکتا	۳۳۶	سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد سے غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی تا ظہور امام مہدی غوث الکل ہیں	۳۷۳
اعلی حضرت کی تنقیدیں	۳۳۶	حضور غوث پاک کی کرامات بے شمار ہیں	۳۷۵
معنی قرب کا بیان اور مثالیں	۳۴۳	سیدنا غوث پاک کی کرامت مردے جلانا بھی ہے	۳۷۶
قرب کی اقسام	۳۴۳	بہجۃ الاسرار مستند و معتبر کتاب ہے	۳۸۰
قرب مطلق کی تفسیر میں گیارہ فقہی عبارتیں	۳۴۴	حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمانا کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے	۳۸۱
مزید دو ۲ تنقیدیں	۳۵۲	تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکادیں	۳۸۴
میزان فہم کا بیان اور ختم کتاب	۳۵۳		

حضور غوث پاک نے فرمایا کہ میں جن وملک وانسان سب کا پیر ہوں	۳۸۶	مسئلہ اولٰی	۴۰۳
اللہ تعالٰی نے اولیاء میں حضور غوث پاک کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے	۳۸۷	نظم	۴۰۳
حضرت احمد رفاعی نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تمام اولیاء کے سردار ہیں	۳۸۸	شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبرئیل علیہ السلام کا اسے تنبیہ فرمانا، براق کا شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہونا ثابت ہے	۴۰۵
حضور غوث پاک شریعت وطریقت وحقیقت کے امام ہیں	۳۹۰	دلائل وحوالہ جات	۴۰۵
اللہ تعالٰی نے حضور غوث پاک کے مخالف سے لڑائی کا اعلان فرمادیا	۳۹۱	نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم اولیاء اللہ کی گردنوں پر	۴۰۷
تذییل	۳۹۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم السلام، جنت میں بلال، مقعد صدق میں اویس قرنی اور بہشت میں زوجہ ابوطلحہ وغیرہ کو دیکھا	۴۰۸
امام ابن حجر مکی اور ملا علی قاری کی گیارہ عبارات	۳۹۲	روح غزالی کا جناب کلیم اللہ سے کلام کرنا	۴۱۰
حضور غوث پاک اور تمام مخلوقات میں زمین وآسمان کا فرق ہے	۳۹۳	شیخ گنجوی کی غاشیہ برداری	۴۱۰
آپ کی مشہور کرامت کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں	۳۹۴	سدرۃ المنتہٰی پر جلوہ گری۔	۴۱۰
فرمان غوث پاک ہے بیشک میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں ہے	۳۹۶	نور عرش میں چھپا ہوا شخص	۴۱۱
حضرت سید احمد رفاعی نے قدمی الخ ارشاد پر سر جھکالیا	۳۹۷	مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدا ہے	۴۱۱
اولیاء متقدمین نے غوثیت مآب کی ولادت کی خبر تقریباً سو برس پہلے دی تھی	۳۹۸	اور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ ہے	۴۱۱
ابن السقا کا انجام اور اس کا سبب	۳۹۹	بعض مطالب کا احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں بلکہ کلمات علماء ومشائخ کا ذکر کافی ہے۔	۴۱۱
رسالہ **فتاوٰی کرامات غوثیہ** (غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شب معراج بارگاہ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب)	۴۰۳		

دو روایتوں میں ظاہر تنافی کا جواب	۴۱۲	امور خارق للعادۃ اسباب ظاہر پر موقوف نہیں	۴۱۷
مسئلہ دوم	۴۱۳	روح فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادے سے اس کا تعلق بدیہی ہے۔	۴۱۷
ایک رسالہ کے مندرجات کے بارے میں پانچ سوالات اور ان کا جواب	۴۱۳	جسم جسم شہادت میں منحصر نہیں جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے	۴۱۷
کیا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھا دیا	۴۱۳	شک نہیں کہ روح مفارق کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود وضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیات قطعاً منسوب ہیں	۴۱۷
کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا تو وہ پیران پیر ہوتے	۴۱۴	ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت ہے	۴۱۷
کیا ارواح کی زنبیل غوث اعظم نے عزرائیل علیہ السلام سے چھینی تھی۔	۴۱۴	حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں مدت رضاعت پوری کرنا	۴۱۸
کیا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے روح غوث اعظم کو دودھ پلایا	۴۱۴	جواب سوال نمبر ۳۔	۴۱۸
عوام کے عقیدہ میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ غوث پاک کا مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی زیادہ ہے اس کی کیا حیثیت ہے	۴۱۴	زنبیل ارواح چھین لینا خرافات مخترعہ جہال سے ہے	۴۱۸
جواب سوال نمبر ۲۔	۴۱۴	رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل ہیں	۴۱۸
اقدام نبوت میں غیر نبی کا حصہ نہیں	۴۱۵	جواب سوال نمبر ۵۔	۴۱۹
میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا	۴۱۵	وقت رکوب براق یا صعود عرش غوث پاک کا پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا نہ شرعاً محال ہے نہ عقلا	۴۲۰
اگر ابراہیم جیتے تو صدیق وپیغمبر ہوتے	۴۱۵	سدرۃ المنتہی باعتبار اجسام کے منتہائے عروج ہے نہ کہ باعتبار ارواح کے	۴۲۰
ابو محمد جوینی کا مقام	۴۱۶	اکابر اولیاء کا عروج روحانی	۴۲۰
جواب سوال نمبر ۴۔	۴۱۶		

بندگان خدا کا حضور روحانی	۴۲۱	انا شیخ الکل	۳۶۴
شان بلال وام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہما	۴۲۱	سرکار غوث اعظم کے دو ہمعصر ولیوں کا خراج تحسین	۳۶۴
تذکرہ وعظمت حارثہ بن نعمان ونعیم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما	۴۲۳	سیدنا خضر علیہ السلام کا اظہار تعظیم	۳۶۴
نور عرش میں غائب مرد	۴۲۴	اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں	۳۶۵
غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے مریدین سمیت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے شب اسری بیت المعمور میں نماز پڑھی	۴۲۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بکثرت ہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے تقریباً چودہ سو پائے ہیں	۳۶۵
مرثیہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ "بابی انت وامی یارسول	"۴۲۶	کثرت اسماء شرف مسمّٰی سے ناشی ہے	۳۶۵
حضرات مشائخ کرام کے علوم سند ظاہری حدثنا فلاں عن فلاں میں منحصر نہیں	۴۲۶		
بہجۃ الاسرار اور اس کے مصنف کے خلاف ایک بجرینی کے رسالے کا ذکر	۴۲۶	الصراط المستقیم کیا ہے	۳۶۶
خلاصہ کلام (بالجملہ)	۴۲۷	انعمت علیہم کے چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں	۳۶۶
مسئلہ ثالثہ	۴۲۷	انبیاء کے سردار محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۶
تحفہ قادریہ شریف اعلی درجہ کی مستند کتاب ہے	۴۲۹	ایک تفسیر کے مطابق ہر آیت نعت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔	۳۶۶
خلاصہ جواب تھانوی ودیوبند	۴۳۱	اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو	۳۶۶
خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا انسانی شکل میں حور ہیں اور حیض ونفاس سے پاک ہیں	۳۶۱	مولائے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لال کافر کو مارنے والا قصہ بے اصل ہے	۳۶۶
عقیدہ کیا چیز ہے	۳۶۲	استن حنانہ کو جنت کا درخت بنایا جائیگا	۳۶۶
حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کون کون سے اولیاء سے افضل ہیں	۳۶۲	رسالہ **تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمہ عھد الجاھلیہ** (حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کبھی بھی شرک کا ارتکاب نہ کرنے کا عمدہ مدلل بیان)	۴۳۳
مناقب غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ	۳۶۲		

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتنی عمر میں ایمان لائے	۴۳۴	آیت کریمہ "ذلك ان لم یکن ربك مهلك القری بظلم و اهلها غفلون" میں کون سے عذاب کی نفی ہے اور غفلت سے کیا مراد ہے	۴۴۲
جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں وہ مستقل بالذات ہے	۴۳۴	قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں	۴۴۴
بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جبکہ خود مسلمان نہ ہوا ہو	۴۳۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کفر سے منزہ ہیں	۴۴۵
حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پرورش سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے کنار اقدس میں ہوئی	۴۳۶	زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ تھیں	۴۵۰
بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا	۴۳۶	باجماع ائمہ اشاعرہ حسن وقبح مطلقاً شرعی ہیں	۴۵۱
لقب "کرم اللہ تعالٰی وجہہ" کا سبب صدق مشتق قیام مبدا کو مستلزم ہے	۴۳۷	حسن وقبح کے بارے میں بعض ائمہ ماتریدیہ کا موقف	۴۵۱
کفر تکذیب بے ادراک وتمییز نامتصور	۴۳۷	حسن وقبح کے بارے میں تین اقوال ہیں	۴۵۲
ثبوت کافی کے محتاج دو امر	۴۳۸	کفر اخبث معاصی ہے	۴۵۳
امر اول	۴۳۸	انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص ہے	۴۵۳
امر دوم	۴۳۸	ناسمجھ بچے کو تبعیت والدین" یا دار کافر" کہنے کا کیا معنی ہے	۴۵۳
اہل فترت تین قسم پر ہیں، موحد، مشرک، اور غافل	۴۳۸	مسئلہ مذکورہ میں عبارات علماء۔	۴۵۴
قُس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ (حاشیہ)	۴۳۸	تکمیل۔	۴۵۶
علامہ زرقانی اور دیگر ائمہ (اہل فترت کے بارے میں) عبارات	۴۳۹	مناقب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۴۵۶
آیت کریمہ "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" کی تفسیر	۴۴۱	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ بچپن میں پتھر مار کر بت کو منہ کے بل گرا دیا۔	۴۵۶
غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا	۴۴۲		

بوقت ولادت صدیق اکبر آپ کی والدہ ماجدہ کو ہاتف غیبی کی بشارت۔	۴۵۶	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق انیق	۴۶۲
سولہ برس کی عمر سے لے کر آخر دم تک صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالٰی عنہ وسلم کی معیت وخوشنودی میں رہے اور قیامت تک رہیں گے بلکہ حضور پرنور کے ساتھ خلد بریں میں داخل ہوں گے۔	۴۵۷	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی افضیلت	۴۶۲
اس سوال کا جواب کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کی عمر میں اسلام لانے کا کیا معنی ہے۔	۴۵۸	عبارات علماء سے تائید	۴۶۳
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سے مسلمان ہیں اور ابد الآباد تک رہیں گے۔	۴۵۹	امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مقام ومرتبہ	۴۶۵
مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کا عالم ذریت سے روز ولادت اسلام میثاقی، سن ولادت سے سن تمیز تک اسلام فطری اور سن تمیز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی تھا	۴۵۹	فضل جزئی اور فضل کلی میں فرق	۴۶۴
حکم بے تصور محکوم علیہ محال قطعی ہے	۴۶۰	فضل جزئی مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے	۴۶۴
جس چیز سے ذہن اصلا خالی ہو اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی ہے	۴۶۰	حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۴۶۵
زمان فترت میں صرف توحید مدار اسلام مناط نجات ونافی کفر تھی	۴۶۰	آیت کریمہ "ما کنت تدری ماالکتٰب و لا الایمان و لکن جعلنٰہ نورا" کی تفسیر	۴۶۶
صدیق ومرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے ان کے اسلام سابق کے مخالف نہیں	۴۶۱	صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہو سکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں	۴۶۶
مصنف علیہ الرحمہ کی تقریر سے روافض کا نفی خلافت صدیقی پر ایک سفیہانہ استدلال اور یونہی تفضیلیہ کا قدم اسلام کو خاصہ حضرت مرتضوی قرار دینے کا باطل خیال مدفوع ومقہور ہوگیا	۴۶۲		

رسالہ غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کابیان)	۴۶۹	اشارہ نمبر۸تانمبر۹۔	۴۷۶
دومسئلوں پر مشتمل استفتاء۔	۴۶۹	اشارہ نمبر۱۰۔	۴۷۷
مسئلہ اول	۴۶۹	مسئلہ دوم	۴۷۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا۔	۴۶۹	خلفاء ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے آیا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل تھے یا کم	۴۷۸
جانشینی اور نیابت دوقسم پر ہے۔	۴۶۹	افضیلت خلفاء اربعہ	۴۷۸
قسم اول جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے۔	۴۶۹	خلفاء میں باہم ترتیب فضیلت	۴۷۸
بعض جزئی مقید نائبین کے اسماء گرامی۔	۴۷۰	فضیلت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر چند ارشاد ائمہ اہلبیت	۴۸۰
قسم دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی۔	۴۷۱	چند حدیث مرتضوی	۴۸۰
جانشین کلی مطلق کے بارے میں علی الاعلان بتصحیح نام کسی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نص صریح نہیں فرمائی۔	۴۷۱	حدیث اول، دوم، سوم	۴۸۰
مسئلہ مذکورہ کی تائید احادیث مبارکہ سے خلفاء ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد۔	۴۷۱	حدیث چہارم	۴۸۱
خلفاء ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم	۴۷۲	حدیث پنجم وششم	۴۸۲
نیابت کلی مطلق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشادات جلیلہ واضحہ	۴۷۳	حدیث ہفتم، ہشتم، نہم	۴۸۳
خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۴۷۳	حدیث دہم	۴۸۴
اشارہ نمبر۱۔	۴۷۴	کتاب مستطاب "سبع سنابل" بارگاہ رسالتمآب میں قبول عظیم پرواقع ہوئی	۴۸۵
اشارہ نمبر۲۔	۴۷۴	میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کے فضائل وکمالات	۴۸۵
اشارہ نمبر۳۔	۴۷۴	مسئلہ تفضیل کے بارے میں کتاب "کاشف الاستار" کے چند اقتباسات	۴۸۶
اشارہ نمبر۴تانمبر۷۔	۴۷۵		

کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔	۴۸۷	سات ان صحابہ کرام کے نام جن کو صدیق اکبر نے آزاد فرمایا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹
رسالہ الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۴۹۱	شان نزول امامن اعطی واتقی	۵۱۰
خطبہ کتاب	۴۹۱	صدیق اکبر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کتنے میں خریدا	۵۱۱
عربی اشعار در مدح علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ	۴۹۲	حضرت عمار بن یاسر کے اشعار صدیق اکبر و بلال کے بارے میں (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۱۱
عربی اشعار در مدح مولانا شاہ رضا علی نقشبندی علیہ الرحمہ	۴۹۶	الاتقی سے کون مراد ہیں (تفاسیر کی روشنی میں)	۵۱۲
سبب تصنیف کتاب	۴۹۶	اتقی سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مراد لینے پر دلیل عقلی	۵۱۲
تاریخ تصنیف	۴۹۹	حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا آغوش رسالت میں پرورش پانا	۵۱۴
یہ کتاب مصنف کی پندرھویں تصنیف ہے	۵۰۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے"	۵۱۸
تفسیر آیت کریمہ یاایھاالناس انا خلقنکم الخ	۵۰۰	حضور ابوبکر کے مال سے قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے	۵۱۹
فضیلت مدار تقوٰی پر ہے	۵۰۱	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا چالیس ہزار دینار خرچ کرنا	۵۱۹
شان نزول ان اکرمکم عنداللہ اتقکم	۵۰۲	فضیلت صدیق اکبر میں ایک ایمان افروز حدیث (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۲۰
شان نزول اذاقیل لکم تفسحوا فی المجالس الخ	۵۰۲	ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جائے (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۲۲
نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ کی ممانعت (حدیث سے)	۵۰۳	حدیث میں تو بانٹتا ہوں اللہ دیتا ہے	۵۲۳
شان نزول وسیجنبہا الاتقی الخ۔	۵۰۵	والدین کے احسان اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احسان کا فرق	۵۲۴
حضرت بلال کی آزمائش اور صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۰۶	غلام کو آزاد کرنا ایسا ہے جیسے اسے زندہ کرنا	۵۲۵
حضرت عامر اور دیگر چھ صحابہ کو صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنھم)	۵۰۹		

شکر نعمت پر بمعنی براءت ذمہ از شکر عقلا محال ہے	۵۲۶	چوتھا مقدمہ: اتقی کی تفسیر تقی کرنے والا صرف ابو عبیدہ خارجی ہے	۵۵۶
فضیلت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ	۵۲۶	ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی توثیق	۵۵۶
فرقہ تفضیلیہ کارد بلیغ	۵۲۷	پانچواں مقدمہ: اشقی کی تفسیر شقی سے مخالف کے استدلال کا جواب	۵۵۹
فضیلت سیدنا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انہیں افضل کہنے والوں کارد	۵۲۷	عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی تھا	۵۶۲
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مراد لینا آیت اتقی میں اجماعی ہے	۵۳۰	صیغہ افعل التفضیل کا معنی	۵۶۳
تفضیلیہ کے تین شبہات کارد	۵۳۰	تفسیر نارا تلظی اور انھا تلظی	۵۶۶
پہلا مقدمہ کہ الفاظ کو اپنے ظاہر سے پھیرنا منع مگر بہ حاجت شدیدہ	۵۳۱	شان نزول ان الشرک لظلم عظیم	۵۶۹
دوسرا مقدمہ کہ تفاسیر میں جو کچھ ہے سب واجب القبول نہیں	۵۳۲	قاضی بیضاوی اور قاضی ابوبکر شافعی پر ایراد	۵۷۶
تفسیر مرفوع بہت تھوڑی ہے اور علم تفسیر کی اہمیت	۵۳۲	ابو عبیدہ کا اتقی کی تفسیر تقی سے کرنے پر رد۔	۵۷۸
تفسیر کے چار اصول اور موضوعات کی بحث	۵۳۳	ابو طالب کا نعتیہ قصیدہ اور عذاب میں تخفیف کا بیان	۵۷۹
تفسیر ابن عباس کی بحث	۵۳۹	امام رازی کے قول کی تضعیف	۵۸۵
موضوع اور ضعیف اقوال کے نقصانات	۵۴۲	تقوی کے درجات میں پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے	۵۸۶
حدیث دین کا نظام ہے۔ مگر فقیر کے سواسب کو گمراہی کا اندیشہ ہے۔	۵۴۶	اتقی کے معانی پر مزید بحث	۵۸۶
فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر نہیں حاصل ہوتا	۵۴۶	علماء نے استخدام اور توریہ کو بدیع کی عمدہ قسم شمار کیا ہے	۵۸۹
ضروری تنبیہ بابت تفاسیر قرآن	۵۴۶	تفسیر عزیزی کے ایک قول پر کلام	۵۹۳
مقتضائے لغت کے مطابق تفسیر کرنے کا بیان	۵۴۹	ابو طالب کے عذاب میں تخفیف سے متعلق صحیحین کی حدیث	۵۹۵
تیسرا مقدمہ وجوہ تاویل کے بیان میں	۵۴۹	کفر وایمان کا کم زیادہ ہونا اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے	۵۹۹
وجوہ تاویل کی مثالیں	۵۵۲		

شبہات کا جواب چند وجوہ سے	۶۰۱	اتقی اور اکرم (بمعنی افضل) میں فرق	۶۲۰
تفسیر عزیزی میں منقول ایک شبہہ کا جواب	۶۰۲	تقوی کی تعریف آیات واحادیث کی روشنی میں	۶۲۰
اسم تفضیل کی تفصیل و تشریح	۶۰۲	وجہ ثالث (۳)	۶۲۴
علامہ جامی علیہ الرحمہ کے قول سے استدلال	۶۰۶	بطرز دیگر اثبات مدعی پر منطقی دلیل	۶۲۵
رضی استرابادی کے قول سے استدلال	۶۰۷	وجہ رابعہ (۴)	۶۲۷
حضرت عیسی علیہ السلام کی حیات سے معارضہ کا جواب	۶۰۸	حدیث کہ تم میں افضل وہ ہے جو تم میں اتقی ہے	۶۲۸
حدیث "خاتمہ کا اعتبار ہے" سے معارضہ کا جواب	۶۰۸	خطبہ فتح مکہ	۶۳۰
شاہ عبدالعزیز کے ایک ارشاد پر کلام	۶۰۹	آدمی کی دو قسمیں ہیں بر و تقی اور فاجر و شقی	۶۳۱
راجح مذہب پر سیدنا عیسی علیہ السلام دنیا میں زندہ ہیں	۶۱۰	حدیث من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ	۶۳۲
معتمد و مختار یہ ہے کہ حضر علیہ السلام نبی ہیں	۶۱۰	وجہ خامس (۵)	۶۳۲
صفت کا اطلاق کسی پر آئندہ کے لحاظ سے مجاز ہے	۶۱۰	ایک اعتراض کا جواب	۶۳۳
تحقیق رضوی بابت افعل التفضیل	۶۱۱	وجہ سادس (۶)	۶۳۳
مجمل آیت کا اگر بیان نہ ہو تو وہ متشابہات میں شمار ہو گی	۶۱۲	حدیث الکرم التقوی والشرف التواضع	۶۳۴
صدیق اکبر کا پہلے اسلام لانا اشعار حسان کی روشنی میں	۶۱۳	حدیث الحیاء زینۃ والتقوی کرم	۶۳۴
شان صدیق اکبر اشعار حسان کی روشنی میں رضی اللہ تعالٰی عنہما	۶۱۳	حدیث مروءتہ عقلہ	۶۳۴
افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۱۶	حدیث حسبہ خلقہ والشرف التواضع	۶۳۵
تفضیلیہ کی ایک منطقی دلیل کا رد بوجوہ چند	۶۱۷	حدیث الکرم التقوی وکرم المرء دینہ۔	۶۳۵
وجہ اول (۱)	۶۱۷	موضوع ومحمول اور معرفہ ونکرہ سے متعلق ایک ضابطے کا افادہ	۶۳۵
اہل جاہلیت کا نسب پر فخر کرنا	۶۱۸	لام جب عہد کے لیے نہ ہو استغراق کے لیے ہو گا (ضابطہ نحویہ)	۶۳۷
وجہ ثانی (۲)	۶۲۰		

وجہ سابع (۷)	۶۳۷	حدیث ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی الصلوۃ	۶۴۶
حدیث احب الاعمال الی اللہ الصلوۃ الخ	۶۳۸	علمائے حدیث کی فضیلت پر استدلال	۶۴۷
احادیث فضائل اعمال میں ترتیب کا معنی اور زعم عجیب کارد	۶۳۸	حدیث اکثروا من الصلوۃ علی فی کل یوم جمعہ الخ	۶۴۷
تذئیل اس بارے میں کہ کلام میں خبر کو مقدم یا مؤخر کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے	۶۳۹	تکمیل، مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کی بحث	۶۴۹
خبر کو مقدم کرنا کلام فصیح میں نادر نہیں	۶۳۹	متون بسا اوقات اطلاق کی راہ چلتے ہیں اور ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں	۶۴۹
تقدم خبر پر بعض احادیث سے استدلال	۶۳۹	علم فقہ کثرت مراجعت، عبارات فقہا کی تلاش کے بغیر حاصل نہیں ہوتا	۶۵۰
حدیث خیر کم لاھلیہ الخ	۶۴۱	چند غلط فتوؤں کی نشان دہی جو ناقص مفتیوں نے صادر کئے	۶۵۰
حدیث خیر نساء رکبن الابل الخ	۶۴۲	خبر کو مقدم کرنے کے نکات وحکم	۶۵۲
حدیث خیر الاصحاب عند اللہ خیرھم لصاحبہ الخ	۶۴۲	آیت ان اکرمکم سے متعلق ایک اعتراض کا شافی جواب (منطقی بحث)	۶۵۳
حدیث خیر الذکر الخفی	۶۴۳	تنبیہ، سفہاء کے ایک اور اعتراض کا جواب بوجوہ ثلثہ	۶۶۰
حدیث افضل الصدقۃ سر الی فقیر	۶۴۳	حدیث لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین الخ (کسی کی کسی پر فضیلت نہیں مگر دین سے)	۶۶۱
آیت وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم	۶۴۳	حدیث فانك لست بخیر من اسود واحمر الخ (سیاہ فام اور سرخ سے تم کو فضیلت نہیں مگر تقوی سے)	۶۶۳
حدیث ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا	۶۴۴	حدیث خطبہ الوداع	۶۶۳
حدیث افضل العمال الایمان باللہ ثم الجھاد الخ	۶۴۴	کل اکرم اتقی کے معنی کی تحلیل تین قضیوں سے اشعار: قد قدر اللہ فلا تنکرو الخ (از اعلی حضرت قدس سرہ)	۶۶۵
حدیث ان اشد الناس تصدیقا للناس الخ	۶۴۵	خاتمہ، افضلیت صدیق اکبر کی قطعیت پر بحث	۶۶۶
حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیامۃ اکثرھم کلاما فیما لایعنیہ۔	۶۴۵		

علم یقین کا منکر کافر اور علم طمانیت کا منکر گمراہ و بد مذہب ہے	۶۶۷	مالک بن انس اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۶
وزن اعمال، رؤیت وجہ کریم، مسئلہ اسراء سماوات وغیرہ قطعی بعلم طمانیت ہیں	۶۶۷	امام اعظم ابو حنیفہ اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۷
معتزلہ اور اگلے روافض کی عدم تکفیر	۶۶۷	امام شافعی اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۷
تفضیلیہ کی عدم تکفیر، لیکن ابتداع (بد مذہب ہونا) ثابت ہے	۶۶۹	امام ابو الحسن اشعری اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۸
افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اجماع صحابہ	۶۶۹	امام حجۃ الاسلام غزالی اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۸
ذکر مطلع القمرین کا	۶۷۰	حافظ ابن حجر عسقلانی اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۸
تعارض نصوص کا معنی اور اس کی قسمیں	۶۷۰	امام احمد بن محمد قسطلانی اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
مسئلہ افضلیت میں کلمات علماء کے درمیان تطبیق و توفیق	۶۷۱	امام عبد الباقی زرقانی اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
مسئلہ ظنی میں آزادی اختیار کرنے والوں کو تنبیہ و تہدید	۶۷۲	حضرت ملا علی قاری اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
بعض کو خاطی جاننا بہتر اس سے کہ ائمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے	۶۷۳	شاہ عبد العزیز اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۶۷۸
فرمان علی: جو مجھ کو ابو بکر و عمر پر فضیلت دے گا اس کو مفتری کی حد لگاؤں گا	۶۷۴	لطیفہ: مفاتیح امام رازی سے سورہ والضحی اور واللیل کے یکجا ہونے پر نکات عجیبہ۔	۶۷۹
حدیث ادرؤا الحدود (حدود کو رفع کرو)	۶۷۵	سورہ والضحی واللیل کے سلسلے میں افادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ۔	۶۸۰
حدیث فان الامام الخ (امام کا در گزر میں خطا کرنا عقوبت میں خطا سے بہتر ہے)	۶۷۵	لطیفہ: آیات کریمہ سے تفضیل صدیق اکبر بر مولا علی پر ایک نکتہ عجیبہ	۶۸۲
میمون بن مہران تابعی اور افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۷۶	تمام اجلہ صحابہ مقام فنا و بقا میں تمام اکابر اولیاء سے بلند و بالا ہیں	۶۸۳

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام		جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں وہ مستقل بالذات ہے	۴۳۴
تشیع، غلو الشیعہ اور رفض کی تعریف	۷۷	بچہ قبل بلوغ دین اپنے والدین کا تابع ہے جبکہ خود مسلمان نہ ہو اہو	۴۳۶
ترتیب خلافت وفضیلت کی تشریح میں علامہ تفتازانی، ابن حجر مکی اور امام مالک کا مسلک	۷۸	کفر تکذیب ہے	۴۳۷
عثمان غنی اور مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان افضیلت میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا قول	۷۸	قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں	۴۴۴
کفر وایمان کا کم زیادہ نہ ہونا اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے	۲۹۹	باجماع ائمہ اشاعرہ حسن وقبح مطلقاً شرعی ہیں	۴۵۱
اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں	۳۶۵	حسن وقبح کے بارے میں بعض ائمہ ماتریدیہ کا مؤقف	۴۵۱
اقدام نبوت میں غیر نبی کا حصہ نہیں	۴۱۵	کفر اخبث معاصی ہے	۴۵۳
ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت ہے	۴۱۷	ناسمجھ بچے کو تبعیت والدین "یا دار کافر" کہنے کا کیا معنی ہے	۴۵۳
رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل ہیں	۴۱۸		

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

زمان فترت میں صرف توحید مدار اسلام و مناط نجات و نافی کفر تھی	۴۶۰	**سیرت وفضائل سید المرسلین**	
فضل جزئی اور فضل کلی میں فرق	۴۶۴	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام بکثرت ہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے تقریباً چودہ سو پائے ہیں	۳۶۵
فضل جزئی مفضول کا بھی افضل پر مل سکتا ہے	۴۶۴	سورہ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح مدح ہے	۳۶۶
فرقہ تفضیلیہ کا رد بلیغ	۴۶۷	انبیاء کے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں	۳۶۶
راجح مذہب پر سیدنا عیسٰی علیہ السلام دنیا میں زندہ ہیں	۶۱۰	ایک تفسیر کے مطابق ہر آیت نعت مصطفٰی ہے صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۶
معتمد و مختار یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں	۶۱۰	شب معراج حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا جبرئیل علیہ السلام کا اسے تنبیہ فرمانا براق کا شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہونا اور تھرا کر زمین سے پیوست ہونا ثابت ہے	۴۰۵
علم یقین کا منکر کافر اور علم طمانیت کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے	۶۶۷	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم السلام جنت میں بلال مقعد صدق میں اویس قرنی اور بہشت میں زوجہ ابو طلحہ وغیرہ کو دیکھا	۴۰۸
وزن اعمال، رویئت وجہ کریم، مسئلہ اسراء سماوات وغیرہ قطعی بعلم طمانیت ہیں	۶۶۷	رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے والدین کریمین کفر سے منزہ ہیں	۴۴۵
معتزلہ اور اگلے روافض کی عدم تکفیر	۶۶۸	والدین کے احسان اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا فرق	۵۲۴
تفضیلیہ کی عدم تکفیر، لیکن ابتداع (بدمذہب ہونا) ثابت ہے	۶۶۹	**فوائد تفسیریہ**	
افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اجماع صحابہ	۶۶۹	"انمایعمر مساجد اللہ" سے کیا مراد ہے	۱۳۷
تمام اجلہ صحابہ مقام فنا و بقا میں تمام اکابر اولیاء سے بلند و بالا ہیں	۶۸۳	قرآن شریف اور حدیث نبوی سے اسکی تائید	۱۳۷

مجھ کو قرآن میں یہ لفظ (بین یدیہ) ۳۸ مقامات پر ملا	۱۷۸	تفسیر مرفوع بہت تھوڑی ہے اور علم تفسیر کی اہمیت	۵۳۲
ان مقامات کی قرآنی آیات کا تفصیلی بیان	۱۷۹	تفسیر کے چار اصول اور موضوعات کی بحث	۵۳۳
مختلف آیات قرآنی سے معنی عند کی وضاحت	۲۱۰	تفسیر ابن عباس کی بحث	۵۳۹
الصراط المستقیم کیا ہے	۳۲۲	ضروری تنبیہ بابت تفاسیر قرآن	۵۴۶
انعمت علیهم کے چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں	۳۲۲	مقتضائے لغت کے مطابق تفسیر کرنے کا بیان	۵۴۸
آیت کریمہ "وماکنامعذبین حتی نبعث رسولا" کی تفسیر۔	۴۴۱	تفسیر نارا تلظی اور انہا تلظی	۵۶۶
آیت کریمہ "ذلك ان لم یکن ربك مهلك القری بظلم واهلها غفلون" میں کون سے عذاب کی نفی ہے اور غفلت سے کیا مراد ہے	۴۴۲	شان نزول ان الشرك لظلم عظیم	۵۶۹
آیت کریمہ "ماکنت تدری ما الکتب و لا الایمان ولکن جعلناہ نورا" کی تفسیر	۴۴۶	مجمل آیت کا اگر بیان نہ ہو تو وہ متشابہات میں شمار ہوگی	۶۱۲
یہ کتاب مصنف کی پندرھویں تصنیف ہے	۵۰۰	آیت ان اکرمکم سے متعلق ایک اور اعتراض کا شافی جواب (منطقی بحث)	۶۵۳
تفسیر آیت کریمہ یاایھاالناس اناخلقنکم الخ	۵۰۰	لطیفہ: مفاتیح امام رازی سے سورہ والضحی اور واللیل کے یکجا ہونے پر نکات عجیبہ۔	۶۷۹
شان نزول ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔	۵۰۲	سورہ والضحی اور واللیل کے سلسلے میں افادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ	۶۸۰
شان نزول اذاقیل لکم تفسحوا فی المجالس الخ	۵۰۲	لطیفہ: آیات کریمہ سے تفضیل صدیق بر مولا علی پر ایک نکتہ عجیبہ	۶۸۲
شان نزول وسیجنبھا الاتقی الخ	۵۰۵	**فوائد حدیثیہ**	
شان نزول امامن اعطی واتقی الخ	۵۱۰	متعدد حدیثوں سے احیاء سنت کا ثبوت اور اس کی فضیلت پر مختلف کتب حدیث سے ایسی حدیثوں کی تخریج (حاشیہ)	۶۲
الاتقی سے کون مراد ہے (تفاسیر کی روشنی میں)	۵۱۲	حدیث ابوداود کی متعدد سندیں	۶۵

متن حدیث اور اس امر کی وضاحت کہ مدار حدیث محمد بن اسحٰق ہیں	۶۶	ابن اسحٰق کی مروی حدیث کو ابوداود نے صحیح کہا۔	۸۴
درجات حسن میں روایت ابن اسحٰق اعلی درجہ پر فائز ہیں اور اسی کو ادنی درجہ کی صحیح کہا جاتا ہے۔	۷۴	لیث ابن سلیم جو ثقہ مدلس ہیں امام منذری نے ان کی سند کو حسن کہا	۸۴
بعض ائمہ نے ابن اسحاق کی حدیث کو صحیح اور بعض نے حسن کہا	۷۵	ابوزبیر کی معنعن بروایت لیث ہو تو مقبول ہے	۸۵
ابن اسحٰق کی کچھ مرویات ائمہ حدیث نے جن کی تائید و توثیق فرمائی (حاشیہ)	۷۶	صحیح مسلم کی چند حدیثیں بروایت ابوزبیر عن لیث نہیں مگر امام مسلم نے انہیں بھی مقبول رکھا	۸۵
محمد ابن عبداللہ یعقوب ابن شیبہ ابن حبان مصعب زبیری کا ابن اسحٰق کی طرف سے دفاع	۷۶	زید بن ثابت سے شادی شدہ زانیوں کے رجم کی روایت ہے اسی روایت میں ہے کہ عمر نے فرمایا کہ میں آیت کے نزول کے وقت بارگاہ رسالت میں تھا	۸۵
روایت میں بدعتی کے قبول اور رد کا معیار	۷۹	اس حدیث کی کسی تخریج میں یہ روایت عن عمر عن رسول اللہ نہیں سوائے مذکورہ روایت کے اور اس میں حضرت قتادہ کو مدلس کہا گیا اس کے باوجود روایت مقبول ہے	۸۶
اس روایت میں تدلیس نہیں بلکہ حدثنی زہری ہے	۷۹	فتح مکہ کی دو روایتیں متعارض منقطع ہونے کے باوجود مقبول ہوئیں۔	۸۶
راوی کسی شیخ سے کثیر الروایات ہو تو لفظ عن سے روایت میں بھی تدلیس نہیں	۸۰	قاضی ابویوسف علیہ الرحمہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن دونوں ہی قسم کی روایتوں سے استدلال کیا اور علماء کے نزدیک مجتھد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اسکی تصحیح ہے	۸۸
روایت بطور نزول ابن اسحٰق کی عادت تھی	۸۰	ابوداود کی عظمت اور اس کی صحت پر چھ اماموں کے نصوص۔	۸۹
مراسیل کے اعتبار اور عدم اعتبار کی تاریخ۔	۸۱	حدیث مبحوثہ میں امام زہری کے اکثر شاگردوں میں صرف ابن اسحٰق نے ہی علی باب المسجد اور بین یدیہ کا اضافہ کیا، مخالفین بین یدیہ کی زیادتی کو تسلیم کرتے ہیں اور علی باب المسجد کی زیادتی کر رد کرتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے	۹۳
صحابہ کے مراسیل مطلقاً مقبول دوسروں کے مراسیل بہ اتفاق امام اعظم و امام مالک و ابن حنبل مقبول ہیں البتہ ظاہریہ اور جمہور محدثین جو سن ۲۰۰ کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے	۸۳	اس حدیث کی عدم شہرت سے اسکے متروک العمل ہونے کا استدلال غلط ہے	۱۰۷

ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین" کا تذکرہ	۱۳۵	لفظ "ینبغی" کے معنی مستحب قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے متقدمین کے یہاں یہ لفظ عام ہے	۱۵۰
اثر جویبر کا بیان۔	۲۶۱	استحباب میں سنت بھی داخل ہے اور سنت کا معاملہ آسان نہیں	۱۵۰
ابوداود کی صحیح حدیث سے اس کے تعارض کا بیان	۲۶۲	بسا اوقات "ینبغی" وجوب کے لیے ہی آتا ہے	۱۵۰
حضرت طلق بن علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایات اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ ان الفاظ میں لفظ فی کی ظرفیت مجازی ہے یہی صاحب فتح اور صاحب غایۃ البیان کی تقریر کا مفاد ہے	۲۶۶	کراہت مطلقًا شوافع کے نزدیک تنزیہی اور احناف کے نزدیک تحریمی ہے	۱۵۴
اثر عبد اللہ بن عمر میں صلوۃ مسعودی کے غلط حوالہ سے لفظ فیہ کا اضافہ ہے	۲۶۸	جو امر کراہت تحریمی اور تنزیہی میں دائر ہو اس کا چھوڑنا ہی دانشمندی ہے	۱۵۵
ذکر بالجہر کی مخالفت میں عبد اللہ بن مسعود کے ایک اثر کی بحث	۲۸۸	ردالمحتار سے تعامل صحیح کی تعریف	۲۳۴
فوائد فقہیہ		اذان فجر قبل فجر پر تعامل حرمین ہمارے ائمہ کے نزدیک غیر معتبر و نامقبول ہے	۲۴۹
"بین یدیہ" اور "علی باب المسجد" میں تعارض کے شبہہ کا جواب	۹۵	قرب مطلق کی تفسیر میں گیارہ فقہی عبارتیں۔	۳۴۴
دیواریں اور کونا بیرون مسجد ہے (حاشیہ)	۱۱۴	علم فقہ کثرت مراجعت، عبارات فقہاء کی تلاش کے بغیر حاصل نہیں ہوتا	۶۵۰
اذان اور اقامت کے مقامات مختلف ہیں	۱۱۶	**افتاء**	
فقہا کی عبارت میں آنیوالے لفظ قالوا کے مختلف معانی کی عمدہ تفصیل	۱۲۰	قول مرجوح پر فتوی جہل اور خرق اجماع ہے	۱۴۹
اذان واقامت میں مغایرت کے وجوہ	۱۳۵	چند غلط فتووں کی نشان دہی جو ناقص مفتیوں نے صادر کئے	۶۵۰
مسجد کے اطلاقات کا بیان	۱۳۶	**فوائد اصولیہ**	
		عام سے خاص پر استدلال کا حدیث سے ثبوت	۱۲۲

ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ علیحدہ خاص نص ضروری ہے ورنہ شریعت معطل ہو جائے گی	۱۲۲	غیر قطعی الدلالہ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا انکار نہیں کیا جاسکتا	۴۴۲
امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کی مرسل روایت بھی مسائل مذہب میں شمار ہوتی ہے	۱۲۴	جس چیز سے ذہن اصلا خالی ہو اس کی تصدیق و تکذیب دونوں ممتنع عقلی ہے	۴۶۰
مختلف علمائے اصول کے بیان سے اس امر کا ثبوت کہ عند قرب حقیقی اور حکمی دونوں کے لیے آتا ہے	۲۰۶	تعارض نصوص کا معنی اور اس کی قسمیں	۶۷۰
عند کا معنی قرب داخل ہے مگر اس کے لیے اتصال ضروریہ نہیں	۲۰۷	**اسماء الرجال**	
شریعت میں اعتبار حکم منطقی ضمنی کا نہیں حکم حقیقی اصل کا ہے	۲۲۷	سفیان بن عیینہ اور ابو معاویہ سے ابن اسحٰق کی توثیق	۶۷
کلمہ اذان علی المنبر جملہ محتملہ ہے اور لایوذن فی المسجد صراحۃ النص ہے اس حثیت سے بھی اعتبار اسی کا ہے	۲۲۸	ابن اسحٰق کے خلاف چند الزامات کی تردید (حاشیہ)	۶۷
اجماع اور تعامل	۲۲۸	امام ابو اللیث امام شعبہ علی ابن مدینی امام زہری سے ابن اسحٰق کی تصدیق	۷۰
تعامل عام کی بحث	۲۳۳	عاصم بن عبد اللہ بن قائد ابن حبان ابو یعلی یحیٰی بن معین ابن البرقی اور امام بخاری کی توثیقات	۷۰
خلاف سنت تعامل جواز کی سند نہیں	۲۳۳	امام ابن ہمام، امام بخاری وغیرہ کی تصحیح	۷۱
توارث کی بحث	۲۳۸	ان ائمہ کا ذکر جن کے نزدیک ابن اسحٰق میں تدلیس کے علاوہ کوئی عیب نہیں	۷۶
توارث تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے	۲۳۸	ابن اسحٰق پر تشیع کے الزام کی حقیقت۔	۷۷
عدم ثبوت کی دلیل عقلی قرار دینا بے عقلی ہے	۲۴۹	محمد بن اسحٰق اور جویبر کا تقابل	۲۶۳
توارث غیر معتبر ہے	۲۴۹	ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی توثیق	۵۵۶
کثرت اسماء شرف مسمّٰی سے ناشی ہے	۳۶۵	**جرح وتعدیل**	
صدق مشتق قیام مبدا کو مستلزم ہے	۴۳۷	کتب علل سے جویبر پر پندرہ اماموں کی جرح	۲۶۳
تکذیب بے ادراک و تمیز نامتصور	۴۳۷	جویبر کے اثر پر صاحب فتح کی تین جرحیں	۲۶۴

بلاغت		عند کے معنی کی تحقیق	۲۰۶
لفظ بین یدیہ ترکیبی کے معنی حقیقی کا بیان	۱۷۶	عند اور لدی کا فرق	۲۰۸
مسئلہ مبحوثہ میں لفظ بین یدیہ کے مجازی معنی مراد ہیں جو بلحاظ استعمال معنی حقیقی ہوں گے	۱۷۷	عند بعد کے لئے اور لدی قرب کے لیے ہے	۲۰۸
پس لفظ بین یدیہ قرب و بعد سے قطع نظر "سامنے" کے معنی میں ہے	۱۷۷	عند کے استعمال کے مواقع	۲۱۳
اور قرب کا لحاظ ہو تو حاضر اور مشاہد کے معنی میں ہے	۱۷۷	عند ظرف ہے جو زمان اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے	۲۱۸
لفظ بین یدیہ اصلا ظرف مکان تھا اب زمانہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا	۱۷۸	علی وقت اور زمانیہ کے لیے بھی آتا ہے تو یہ عند زمانیہ کا ہم معنی ہے	۲۲۳
عند معنی قرب میں بین یدیہ سے زیادہ وسیع ہے	۲۰۷	مقدمہ لغویہ وسط اور وسط کا اطلاق وسط بالسکون سے دائرہ کے اندر کا کوئی بھی مقام اور وسط بتحریک سین مراد ٹھیک وسط ہوتا ہے	۳۰۶
علماء نے استخدام اور توریہ کو بدیع کی عمدہ قسم شمار کیا ہے	۵۸۹	معنی قرب کا بیان اور مثالیں	۳۴۳
صفت کا اطلاق کسی پر آئندہ کے لحاظ سے مجاز ہے	۶۱۰	قرب کی اقسام	۳۴۳
تذئیل اس بارے میں کہ کلام میں خبر کو مقدم یا مؤخر کرنا کیا حثییت رکھتا ہے	۶۳۹	صیغہ افعل التفضیل کا معنی	۵۶۳
خبر کو مقدم کرنا کلام فصیح میں نادر نہیں	۶۳۹	اتقی کے معانی پر مزید بحث	۵۸۳
تقدیم خبر پر بعض احادیث سے استدلال	۶۳۹	**نحو**	
تکمیل، مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کی بحث	۶۴۹	اسم تفضیل کی تفصیل و تشریح	۶۰۲
خبر کو مقدم کرنے کے نکات وحکم	۶۵۲	علامہ جامی علیہ الرحمہ کے قول سے استدلال	۶۰۶
لغت		رضی استرابادی کے قول سے استدلال	۶۰۷
لفظ شیعی اور رمی بالتشیع میں فرق ہے	۷۹	تحقیق رضوی بابت افعل التفضیل	۶۱۱

موضوع ومحمول اور معرفہ ونکرہ سے متعلق ایک ضابطے کاافادہ	۶۳۵	اصولیہ ہندسیہ توضیح دعوی	۳۰۸
لام جب عہد کے لیے نہ ہو استغراق کے لیے ہوگا (ضابطہ نحویہ)	۶۳۷	ثبوت دعوی کی تقریر	۳۰۹
منطق		زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس کے قاعدے پر نازل ہونے والا عمود قاعدہ کانصف ہوگا جب مثلث کی دونوں ساقین مساوی ہوں	۳۱۰
چونکہ قرب امر اضافی کلی مشکک ہے اس لیے اس کی تعیین موقع اور محل کے لحاظ سے بتقاضائے عقل ہوگی	۱۷۸	دعوی کی توضیح اور ثبوت	۳۱۱
انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص ہے	۴۵۳	زاویہ مختلف الساقین کے عمود کی مقدار کا بیان	۳۱۲
حکم بے تصور محکوم علیہ محال قطعی ہے	۴۶۰	زاویہ منفرجہ کے عمود کی مقدار کا بیان	۳۱۳
تفضیلیہ کی ایک منطقی دلیل کارد بوجوہ چند	۶۱۷	مثلث کی دو شاخوں کے مختلف ملتقی پر پیدا ہونے والے زاویوں کا بیان	۳۱۴
بطرز دیگر اثبات مدعی پر منطقی دلیل	۶۲۵	دونوں قسم کے ملتقی پر تینوں زاویہ کے پیدا ہونے کا امکان	۳۱۷
ترغیب وترہیب		شکل ہندسی سے مقام موذن کی تصویر	۳۲۰
سنت بدلنے والوں کے لیے شدید وعیدیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تبدیل سنت کی نسبت سخت قبیح امر ہے	۱۳۱	مقدار عمود کی حقیقی نسبت کا بیان	۳۳۰
نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا منع اور اس فعل پر وعیدیں	۱۵۶	زاویہ قائمہ اور منفرجہ کے عمود کے فاصلے کا بیان	۳۳۰
مسئلہ ظنی میں آزادی اختیار کرنے والوں کو تنبیہ وتہدید	۶۷۲	**تاریخ وتذکرہ**	
ہندسہ		یہ روایت محض بے اصل ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کے کوئی نماز بتائی تھی	۵۲
زاویہ قائمہ، منفرجہ اور حادہ کا مقام حدوث	۳۰۶	ان چھ مفسرین کے نام جنھوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس حدیث پر اعتبار کیا	۶۰
بیان مذکور کی تعبیرات مختلفہ	۳۰۷	ان فقہاء کے نام جنہوں نے اپنی کتابوں میں منصوص طور پر یہ مسئلہ ذکر کیا	۶۰

امام زین العابدین اور امام زید کا واقعہ	۸۲	حضور سرکار غوثیت کا سب سے پہلا حج	۳۷۰
ایسے جلیل القدر ۳۸ ائمہ حدیث کا ذکر جن کی عادت ارسال حدیث کی تھی	۸۳	ابن سقا کا انجام اور اس کا سبب	۳۹۹
جو دروازہ خطیب کی پشت پر تھا وہ سائب ابن یزید کی ولادت سے پہلے سال دو سال بند ہوچکا تھا	۹۶	روح غزالی کا جناب کلیم اللہ سے کلام کرنا،	۴۱۰
ایک نام نہاد طالب العلم کی تحریف	۲۲۷	تذکرہ وعظمت حارثہ بن نعمان و نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما	۴۲۳
اذان جمعہ کی تاریخ از روئے مذہب امام مالک۔	۲۲۹	تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے	۴۲۹
اس باب میں مجدد الف ثانی کا ایک دردناک مکتوب	۲۳۴	حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتنی عمر میں ایمان لائے	۴۳۴
اذان بین یدی الخطیب میں عہد رسالت کے بعد کسی قسم کا تغیر تاریخ سے ثابت نہیں	۲۴۸	حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پرورش سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنار اقدس میں ہوئی	۴۳۶
مسجد نبوی کی آرائش پر ولید کے غیر معمولی مصارف کا بیان	۲۵۶	بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا	۴۳۶
اللہ تعالٰی نے ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان کیا	۲۷۴	لقب "کرم اللہ تعالٰی وجہہ" کا سبب	۴۳۶
اعلان حج کے وقت وہ پتھر مطاف میں دیوار کعبہ کے پاس تھا یعنی مسجد حرام میں تھا تو اعلان اندرون مسجد ثابت ہوا	۲۷۵	قُس بن ساعدہ اور زید بن نفیل کا تذکرہ (حاشیہ)	۴۳۸
مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لال کافر کو مارنے والا قصہ بے اصل ہے	۳۶۶	زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ تھیں	۴۵۰
حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سرداران اولیاء میں سے ہیں	۳۶۹	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ بچپن میں پتھر مار کر بت کو منہ کے بل گرادیا	۴۵۶
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست مبارک روضہ انور سے بوسہ کے لیے نکالنا	۳۷۰	بعض جزئی مقید نائبین کے اسماء گرامی۔	۴۷۰
		کتاب مستطاب "سبع سنابل" بارگاہ رسالتمآب میں قبول عظیم پر واقع ہوئی	۴۸۵

میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل وکمالات	۴۸۵	ولد الزنا کی خلافت وبیع کا حکم	۵۲
حضرت بلال کی آزمائش اور صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہما)	۵۰۶	جانشینی ونیابت دو قسم پر ہے	۴۶۹
حضرت عامر اور دیگر چھ صحابہ کو صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹	قسم اول جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے	۴۶۹
سات ان صحابہ کرام کا نام جن کو صدیق اکبر نے آزاد فرمایا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹	قسم دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہو سکتی	۴۷۱
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا آغوش رسالت میں پرورش پانا	۵۱۴	خلفائے ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم	۴۷۲
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا چالیس ہزار دینار خرچ کرنا	۵۱۹	خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۴۷۳
عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی تھا	۵۶۲	**خواب**	
خلافت وبیعت		اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو	۳۶۶

اذان ونماز ومساجد

مسئلہ ۱: از جھونا مارکیٹ کراچی بندر مرسلہ حضرت سید پیر ابراہیم صاحب مدظلہ الاقدس ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر غیر منکوحہ عورت سے لڑکا تولد ہوااور قضائے الٰہی سے فوت ہوااس کی قبر پر خانقاہیں بنانااور واسطے مرادوں کے دعامانگنااور صاحب القبر کو اولیاقبول کرنا شرعاً درست ہے یانہیں ؟اگر ایسا شخص صفت بالامیں متصف ہےاور مسجد میں امام ہے توہزاروں مقتدیوں کو تحقیق واقعات بالاکے نماز قبل از تحقیقات کااعادہ کرناافضل ہے یانہیں؟

الجواب:

جو شخص فاسق و فاجر ہےاس کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر فاسق معلن ہے تو کراہت تحریمی ہےاور اعادہ واجب ہے ورنہ تنزیہی اور اور اعادہ بہتر **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از موضع چاندپور ڈاکخانہ بمنوئی تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علیگڑھ مسئولہ مرزااحسان بیگ صاحب زمیندار ۱۷جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ

بعد سلام مسنون معروض خدمت ہوں کہ نماز غفیراکی بابت میں ذکرالشاد تیں دیکھاہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالٰی نےیزید کو واسطے مغفرت کے بتائی تھی مجھےاس نماز کہ تلاش ہے میں پڑھناچاہتاہوں براہ مہربانی اس مسئلہ پر التفات مبذول فرماکر ترتیب نماز سے

اطلاع دیجئے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔ یہ روایت محض بے اصل ہے حضرت نے کوئی نماز اس پلید کی مغفرت کے لیے اس کو تعلیم نہ فرمائی۔

مسئلہ ۳: ازاسپتال دھام نگر ضلع بالسیر اوڑیسہ

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ یہاں ایک شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو خلیفہ بنایاہے وہ مرید بظاہر پابند شریعت ہے ذکر واذکار کا پابند ہے آپ کے عقیدہ ہے اورآپ کامداح علم انگریزی میں اچھی دخل ہے مسائل شریعت سے بھی اقفیت ہے سب باتیں صحیح ہین لیکن وہ ولد الزناہے اب حضور والاسے عرض ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یانہ؟اور بیعت جو ہوگاوہ عند الطریقت صحیح ہے یانہ؟اور جو ولد الزنا کو خلیفہ بنادے وہ شاہ صاحب کیسے ہیں؟اب خلیفہ سے جر مرید ہوا یاشاہ صاحب دونون مرید صحیح ہیں یانہ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

ولد الزناکے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولی ہے جبکہ وہ حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو ورنہ اسی کی امامت اولی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاختیار ولو عدمت ای علۃ الکراھۃ بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر ولد الزنامن ولد الرشدۃ والاعمی من البصیر فالحکم باالضد اھ ونحوہ فی شرح الملتقی للبھنسی وشرح درر البحار[1]۔	اختیار میں ہے کہ جب کراہت کی علت معدوم ہوجائے یعنی دیہاتی شہری سے،غلام آزاد سے،ولد الزناثابت النسب سے اور اندھابینا سے افضل ہوجائے اور درر البحار بھی ایساہے۔ (ت)

یونہی اگر وہ لائق خلافت ہے اسے خلافت دینی اور عقیدت کے ساتھ اسکے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں نہ اس پر نہ اس کے شیخ پر اس میں کچھ الزام قال تعالٰی "لَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۚ"[2] کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ دار التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

رسالہ
رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر
(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ط

اذان من اللہ الحق المبین ان الحمد للہ رب العلمین و افضل الصلوات و اعلی التسلیمات علی من اذن باسمہ الکریم فی اطباق السموات والارضین و سیؤذن بحمدہ العظیم ووصفہ الفخیم علی رؤس الاولین و الاٰخرین یوم الدین وعلی الہ وصحبہ و ابنہ الکریم الغوث الاعظم وسائر حزبہ اجمعین۔ امین!	حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لیے ہیں اور افضل ترین درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالٰی نے آسمانوں کی بُلندیوں اور زمینوں کی پستیوں مین فرمایا اور روز قیامت کی بھڑ میں اولین و آخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد و ثنا کی اجازت اور اذن دے گا۔ اور آپ کی آل و اصحاب اور آپ کے فرزند غوث اعظم پر، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ساری امت پر آمین!

وبعد: فھذہ سطور ان عدت یسیرۃ و بیزۃ، و فیھا علوم ان شاء اللہ عزیزۃ عزیزۃ فی بیان ما ھو السنۃ فی اذان الخطبۃ یوم الجمعۃ سیتھا "شمائم العنبر فی ادب ابلنداء المنبر" و الغرض بیان ماظھر من حقائق زبر الحدیث الجلی و الفقہ الحنفی معروضۃ علی ساداتنا علماء اھل السنۃ فی بلاد الاسلام للاستعانۃ بھم فی احیاء سنۃ نبینا الکریم علیہ و علی الہ افضل الصلوۃ و التسلیم۔	حمد و صلوۃ کے بعد یہ چند سطریں ہیں بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذان خطبہ سے متعلق علوم و فنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے ہم نے جس کا نام "ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے" رکھا جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہل سنت عموماً اور خصوصاً علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالٰی انہیں توفیق خیر عطا فرمائے، اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت و حمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیاء میں ان سے مدد حاصل کریں۔
والعبد الذلیل عائذ بجلال وجہ ربہ الجلیل، و جمال محیا حبیبہ الجمیل، علیہ و علی الہ الصلوت بالتبجیل من کل عین لاتنظر بالانصاف و تقوم بالخلاف علی قدم الاعتساف فضلا عمن یخلد فی ارض اتباع الرواج؛ وتقدمہ علی سنۃ صاحب التاج و المعراج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وعلی الہ و صحبہ و شرف و کرم۔	یہ بندہ عاجز اپنے جلیل و بزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال اور اس کے حبیب لبیب کے چہرہ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں اور ظلم و اختلاف کا ارادہ رکھیں نہ دیکھ سکیں اور ظلم واختلاف کا ارادہ رکھیں نہ کہ وہ جو رسم و رواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط

یقول العبد المستعین بربہ العظیم وھو نعم المعین ثم بحبیبہ الکریم وھو	بندہ اپنے رب عظیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب رؤف وامین

نعم الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی الہ و صحبہ اجمین حامدا و مسلما و مشھدا و مصلیا۔ قد علمتم یاسادتی و اخوتی رحمنا اللہ تعالٰی و ایاکم وبالسلامۃ حیانا وحیاکم ان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وان المعروف معروف وان صار منکرا والمنکر منکر و ان صار معروفا فلم بمایحدث حدث و یشیع و ینکر علیہ بدء فیضیع اما لامر الامارۃ او نفوس امارۃ۔ والعالم یقول الھوی متبع و القول لایسمع و قد قضیت ماعلی فان سکت فلاعلی فیدع، فلایدعو، فالمنکر یربو ویفشو، وتنشؤ الصغار فتقتفی الکبار فیظن متوارثا وماکان الاحادثا، وأیۃ ذلك کو نه علی خلاف السنۃ المرویۃ ومناواۃ الخصلۃ المرضیۃ ومع ذلك اذافتشته فی الصدر الاول، و القرون الاول لم تر له اثرا۔ وان سألت	صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے حمد وصلاۃ سلام وتشہد پڑھتے ہوئے عرض پرداز ہے۔ اے ہمارے سردار و اور بھائیو! اللہ تعالٰی ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے اور ہم سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے اور تمام سیرتوں سے برتر سیرت رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سب چیزوں سے بُرے وہ نوایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی چاہے لوگ اسے ناپسند کریں اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔ بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ ردو قدح ضائع ہو جاتی ہے جس کے چند اسباب ہوتے ہیں (۱) ان نوایجاد امور کی اشاعت کے لیے حکومت اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتی ہے۔ (۲) سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ (۳) علماء جو انہیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے ہیں اب خاموش میں رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رشد وہدایت

متی حدث، ومن احدث لم تجد به خبر افیجعل الناس لعدم العلم بمبدئه علمابعدمه و علماعلی قدمه، ومااليه سبيل، مع خلاف الدليل، و انماتحکیم الحال عند الاحتمال و الافالحادث لاقرب اوقاته ولغفلة الناس عن هذاالبناية تفوه الالسنة انه السنة، وتصیر النفوس اليه مطمئنة و عند ذلك یکون المعروف منكر او المنكر معروفا[1]۔ کمافی حدیث عـــہ۱ عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویکذب الصادق ویصدق الکاذب[2] کماقد صح عـــہ۲	چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے چھوٹے لوگ اسے بڑھاوا دیتے ہیں بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نوپید بات ہوتی اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرویہ کے خلاف اور خصائص حمیدہ کی ضد ہوتی ہے اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتا ہی نہیں ہوتا اسکی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتا پوچھا جائے تو کچھ پتا ہی نہیں چلتا لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہورہی ہے حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی نہ دلیل سوائے اس امر کے پتا نہیں کب سے ایسا ہی ہورہا ہے لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نوپید امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے اور اچھائی برائی حدیث شریف میں ہے سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے

عـــہ۱: رواہ ابن عساکر عن محمد بن الحنفية و المسعودی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم ۱۲ منه۔

عـــہ۲: رواہ ابن ابی الدنیاو الطبرانی فی الکبیرو ابو نصر السجزی فی الابانة و

ابن عساکر نے محمد بن حنفیہ اور مسعودی سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا (ت)

ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام ابونصر سجزی نے کتاب الابانۃ میں، امام (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ /۲۶۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸، ۲۹۳

عن سید الاطائب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن القی علیھم السنۃ فکانما یحول جبلۃ او یحاول جبلاً او یبتدع حکما من عندہ قبلاً۔ و ان القلب اذا امتلاء بشیئ لم یکد یقبل غیرہ لداب مستمر ،فان	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے "تو جو انہیں کسی سنت پر ابھارے گو یا ان کو فطرت بدل رہا ہے یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہا ہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گھڑ رہا ہے۔" اور دل مین جب کوئی بات سما جاتی ہے تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند لاباس بہ،والطبر نی فیہ والحاکم فی الکنی ابن عساکر عن عوف بن مالك الاشجعی والطبرانی فیہ والبیھقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعود والطبرانی فیہ عن ام المومنین ام سلمہ ونعیم ابن حماد فی الفتن عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنھم و لفظۃ حدیث ام المومنین لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب[1] الحدیث وھو قطعۃ احادیث عندھم جمیعا ۱۲منہ۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لاباس بہ سند کے ساتھ اس کو روایت کیا طبرانی نے کبیر میں حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے کبیر میں اور امام بیہقی نے بعث میں اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے،اور نعیم بن حماد نے "فتن" میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے (اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی) ام المؤمنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب الحدیث۔اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے ۱۲منہ

[1] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/ ۲۹۳

قراء لم یجاوز التراقی اوسمع لم یجاوز الاذن وما بھذا امر وانما قال له ربه وقول الحق ووعده الصدق "فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾" [1] فالسبیل الاستماع ثم الانتقاء ثم الاتباع، لاان یقنع ولایسمع، او یکون من الذین سمعو اوھم لا یسمعون فھم بالقرآن لاینتفعون۔ وانما النفع لمن کان له قلب مرید أو القی السمع وھو شھید۔ فعلیك یا اخی القاء السمع وانقاء القلب عن الجزم او لابایجاب اوسلب رجاء ان تجد حقافتذعن فان الحکمة ضالة المؤمن فتدخل او ذاك فی بشارة مولاك واللہ یتولی ھدای وھداك۔ ولنجمل اولاماوجده الفقیر فی ھذه المسألة من الحدیث الکریم	نہیں کرتا۔ اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی اور سنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے وہ تو یوں فرماتا ہے "ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں ہدایت دی اور وہی اہل عقل وبصیرت ہیں۔" تو راستہ تو سن کر انتقاع اور اتباع کا تھا نہ کہ قناعت کرکے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔ یا سن کر ان سنی کر دینے کا ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔ نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادہ قلبی اور سماع حضور کے ساتھ سنتے ہیں۔ پس اے برادران محترم! غایت توجہ اور عنایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یک طرفہ فیصلہ کئے بغیر اس ارادہ سے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے، اور اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے، ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔ پہلے تو ہم احادیث کریمہ، فقہ مستقیمہ، بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۷و۱۸

والفقه القویم بل ومن القرآن العظیم، ثم نفصله تفصیلا باذن الفتاح العلیم۔ لان التفصیل بعد الاجمال اوقع فی النفس واقمع للتکمین والحدث ولا ارید کل التفصیل لمابد فان المسئلة تحتمل مجلد اولکن ماقل وکفی خیر مما کثر والھی [1] قاله عــــہ النبی المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وعلی اله افضل الصلوۃ والثنا۔	پا سکتا ہے اسے اجمالا بیان کرتے ہیں پھر ان شاء اللہ تعالٰی مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے پوری تفصیل کے لیے تو صحیفے درکار ہیں مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے "جو کلام مختصر اور کفایت کرنے والا ہو طویل اور الجھا دینے والے بیان سے اچھا ہے۔
فاقول: وبه استعین: ارشدنا الحدیث الصحیح الذی رواه ابو داود فی سننه وامام الائمة ابن خزیمه فی صحیحه، امام ابو قاسم الطبرانی فی معجمه الکبیر ان السنة فی هذا الاذان ان یکون بین یدیه الامام اذا جلس علی المنبر فی حدود المسجد لافی جوفه هکذا کان یفعل علی عهد رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم وعهد صاحبیه ابی بکر وعمر	پس میں اس کی مدد کے ساتھ **کہتا ہوں** سنن ابی دواد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابو لقاسم الطبرانی کی حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر (نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد ہائے مبارک و مسعود میں اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام و زمانہ تابعین و ائمہ مجتہدین میں ایسا ہی ہوتا رہا،

عــــہ: رواه ابو یعلی او الضیاء المقدسی فی المختارۃ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه ۱۲ منه	ابو یعلی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۱۲۴ مؤسسة الرساله بیروت ۶/ ۳۷۵

رضی اللہ تعالٰی عنہما[1] ولم یاتنا عن احد من الخلفاء الراشدین و غیرھم من الصحابۃ و التابعین و الائمۃ المجتھدین رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین تصریح قط بخلاف ذلك وماکان لھم ان یقولو اوالعیاذ باللہ ترك ماھنالك۔

کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کہہ بھی کیسے سکتے تھے۔

وقداعتمد ھذاالحدیث کبار المفسرین فی تفسیر الکریمۃ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ"[2] کالزمخشری فی الکشاف، والامام الرازی فی مفاتیح الغیب والخازن فی لباب التاویل، والنیسابوری فی رغائب الفرقان، والخطیب والجمل و غیرھم و اوردہ الامام الشعرانی فی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، کما سیاتیك نصوصھم ان شاء اللہ تعالٰی۔

اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ" کی تفسیر میں اعتماد کیا چنانچہ کشاف میں زمخشری مفاتیح الغیب میں امام رازی، لباب التاویل میں امام خازن، رغائب الفرقان میں امام نیشاپوری خطیب و جمل وغیرہ نے اسے ذکر کیا امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیا عبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔

ثم تظافرت کلمات علمائنا فی الکتب المعتمدۃ علی النھی عن الاذان فی المسجد و انہ مکروہ، نص علیہ الامام فقیہ النفس فی الخانیۃ، والامام البخاری فی الخلاصۃ، والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی، والامام الاتقانی فی غایۃ البیان

ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی کہ مکروہ ہے [1]فقیہ النفس امام قاضیخاں نے خانیہ میں [2]امام بخاری نے خلاصہ میں امام [3]اسبیجابی نے شرح طحاوی میں [4]امام اتقانی نے غایۃ البیان میں [5]امام عینی نے بنایہ میں

---

[1] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہو ۱/۱۵۵، المعجم الکبیر حدیث ۶۶۴۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/۱۴۶

[2] القرآن الکریم ۶۲/۹

والامام العینی فی البنایة، والامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر، والامام الزندوستی فی النظم، والامام السمعانی فی خزانة المفتین و مختار الزاھدی فی المجتبی، والمحقق زین بن نجیم فی البحر الرائق، والمحقق ابراہیم الحلبی فی الغنیة والبرجندی فی شرح النقایة والقھستانی فی جامع الرموز، والسید الطحطاوی فی الحواشی علی مراقی الفلاح واصحاب الفتاوی العالمگیریة، والفتاوی التاتارخانیة و مجمع البرکات، ولم یستثنوا منه فصلا۔ ویلموا بتخصیص اصلا، والھجوم علی تخصیص النصوص من دون خصوص فھم مخصوص بل و ھم مرصوص۔ ثم ولنا القراٰن العظیم والاحادیث والشاھد المطبق علیه فی القدیم والحدیث ان التاذین فی جوف المسجد اساءة ادب بالحضرة الالھیة۔ ثم ھو خلاف ماشرع له الاذان۔ ثم لیس علیه من حدیث ولافقه دلیل ولا برہان ولا یعارض العلامة الحکم ولاالاشارة العبارة ولا المحتمل الصریح ولا المجاز علی الحقیقة۔ ثم ھو علی حاله ھذا وان شاع فی زماننا فی بعض الاصقاع لم ینعقد قط علیه الاجماع و لا علیه تعامل فی جمیع البقاع۔ ولا ھو متوارث من الصدر الاول،	[6] امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں [7] امام زندوستی نے نظم میں [8] امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں [9] مختار زاہدی نے مجتبی میں، [10] محقق زین ابن نجیم نے بحر الرائق میں، [11] محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، [12] برجندی نے شرح نقایہ میں، [13] قہستانی نے جامع الرموز میں، [14] سید طحطاوی نے حواشی مراقی الفلاح میں، نیز اصحاب [15] فتاوی عالمگیریہ، [16] فتاوی تاتارخانیہ اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان حضرات نے نہ تو کسی جزء کا استثناء کیا نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا تو غیر مخصوص کی تخصیص کا ارادہ ایک ناقص رائے اور وہمی قیاس آرائی ہے۔ اس مسئلہ میں مزید چند امور قابل غور ہیں (۱) جوف مسجد میں اذان دینا دربار الٰہی کی بے ادبی ہے اس پر قرآن و حدیث اور عہد قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔ (۲) جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔ (۳) جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال و مجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص اور صریح و حقیقت کے معارض نہیں ہوسکتے (۴) اندرون مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع و ذائع ہو مگر پورے عالم اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے نہ عہد رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے پس ایسے امر کا جواز

فمثل ھذالایحتمل ولایقبل والمنکر لایصیر معروفاوان فشا۔ ولاالحادث قدیماوان لم نعلم متی نشاء۔ ویاسادتناعلماء السنۃ انتم المدخرون لاحیاء السنۃ وقد ندبکم الی ذلك نبیکم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی غیر عـــہ۱ ماحدیث ووعدتم عـــہ۲ علیہ اجر مائۃ	نہ تو محتمل ہے نہ قابل قبول اور جو فعل شرعاناپسندیدہ ہو گو لاکھ معروف و مشہور ہو گو ہم اس کے ایجاد کازمانہ متعین نہ کرسکیں مقبول ومعروف شرعی نہیں ہوسکتا۔ اے سرداران امت علمائے اہلسنت اللہ تعالٰی نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لیے تیار کررکھاہےاورآپ کے رسول گرامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہےاس پر سو شہیدوں

عـــہ۱: الترمذی عن بلال وابن ماجہ عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنھماعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: من احیاسنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجر من عمل بھامن غیر ان ینقص من اجورھم شیئا[1]۔ ۱۲منہ عـــہ۲: والبیھقی فی الزھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھماقال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم "من تمسك بسنتی عند فسادامتی فلہ اجر مائۃ شھید[2]"	ترمذی نے حضرت بلال وابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی جس نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیااسے تمام عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ملے گاان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انہوں نے رسول اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی "جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیااسے سو شیہدوں کاثواب ملے گا"

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃ الخ امین کمپنی دہلی ۹۲/۲، سنن ابن ماجہ باب من احیاء سنۃ قد امیتت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹

[2] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی حدیث ۲۰۹ دارالقلم الکویت ص۱۵۱

شهيد۔وان عـــہ تكونوا به مع نبيكم فى دار المزيد۔ وانما تحى اذا اميتت وانما تموت اذا ترك الناس العمل بها وسكت عنها علماؤهم لما قد مر او شبه لهم فلمن احيا لاحقا اجره ولمن سكت سابقا عذره على ذلك مضى امر احياء السنن وتجديد الدين من سالف الزمن الى هذا الحين فالاستناد فى مثله بعمل الناس و عادتهم او سكوت من سلف قريب من سادتهم او زعم انه يلحقهم بذلك شين	کے اجر اور دار اخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔ سنت کا احیا جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عملدرامد ترک دیں اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموش رہے ہوں پس جو ایسی سنت زندہ کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے اس لیے لوگوں کے عمل یا عادت یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا

عـــہ:السجزى فى الابانة عن انس رضى الله تعالى عنه:من احيا سنتى فقد احبنى ومن احبنى كان معى فى الجنة[1]	امام سجزی نے کتاب الابانۃ میں حضرت انس اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔"جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"
رواہ الترمذی بلفظ من احب اللهم ارزقنا، امین! ۱۲منه	اور امام ترمذی نے لفظ احب کے ساتھ روایت فرمایا ہے یااللہ ! ہم سب کو آپ کی محبت عطا فرما! ۱۲منہ

[1] کنز العمال بحوالہ السجزی عن انس حدیث ۹۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۸۴

مع جلالتهم۔ کل ذلك جهل واضح و و هم فاضح وسد لباب احیا السنة مع انه مفتوح بید المصطفی سید الانس و الجن صلی الله تعالٰی علیه وسلم و موعود علیه عظیم المنة۔ واما تفصیل کل مع اجملت هنا ففی شمائم زاکیات. فی کل شمائمة نفحات طیبات وعلی حبیبنا واله اطیب الصلوة وانمی التحیات۔	تو اس پر ان علماء کی خموشی ان کے لیے باعث عار ہوتی۔ یہ سب خیال کھلی جہالت اور واضح وہم پرستی ہے اور احیائے سنت کا سد باب ہے حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے۔ اب ہم مہکتے شاموں اور لپکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اللہ تعالٰی ہمارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے۔ آمین

الشمامۃ الاولٰی من عنبر الحدیث

(عنبر حدیث کا شمامۂ اولٰی)

نفحہ۱: أنبأنا شیخنا العلامۃ الامام شیخ العلماء بالبلد الکرام السید احمد بن زین بن دحلان المکی قدس سرہ الملکی بمکۃ مکرمۃ ۱۲۹۶ھ عن الشیخ عثمان بن حسن الدمیاطی الازھری عن الشیخ محمد الامیر المالکی والشیخ عبد اللہ الشرقاوی الشافعی الازھریین ح، وانبأنا المولی المفتی العلامۃ عبد الرحمن السراج مفتی البلد الحرام فی ذی الحجۃ ۱۲۹۵ھ عن مفتیھا المولی جمال بن عبد اللہ بن عمر ح وانبأنا عالیا بدرجۃ السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی	**نفحہ۱:** ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زین ابن دحلان مکی قدس سرہ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ عثمان بن حسن دمیاطی ازہری نے، ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبداللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح، ہم سے علامہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبداللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا اور احمد ابن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات

ببیتہ عند باب الصفافی ذی الحجۃ ۱۲۹۵ کلاھما عن الشیخ عابد السندی المدنی عن الشیخ صالح الغلانی والسید عبدالرحمٰن بن سلیمان الاھدل و یوسف بن محمد المزجاجی والسیدبن احمدو قاسم ابنی سلیمٰن وعمہ محمد حسین الانصاری ح، و انبانا شیخنا السید الامام العارف باللہ الشاہ آل الرسول الاحمدی فی جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ عن الشاہ عبد العزیز الدھلوی عن ابیہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی عن الشیخ ابی طاھر بن ابراھیم الکردی المدنی ح، وغیرھم من مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی جمیعا باسانیدھم المعروفۃ الٰی ابی داؤد فی سننہ قال حدثنا النفیلی، نا محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہما قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاجلس علی المنبر یوم الجمعۃ علٰی باب المسجد وابی بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما[1] ھذاحدیث حسن صحیح، محمد بن اسحٰق ثقۃ صدوق امام قال شعبۃ وابو زرعۃ والذھبی وابن حجر صدوق و قال الامام ابن المبارک	نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح غلانی اور سید عبد الرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد مزجاجی اور سید احمد و قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح، ہمارے شیخ سید امام عارف باللہ شاہ آل رسول احمدی نے جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ میں ہم کو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اور انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابو داود تک متصل ہیں انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد اسحٰق زہری عن سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا:۔۔۔" حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ "یہ حدیث حسن و صحیح ہے اسکے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے امام ہیں۔ ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبداللہ

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب پریس لاہور ۱/۱۵۵

اناوجدناہ صدوقا،اناوجدناہ صدوقا،اناوجدناہ صدوقا[1]۔تلمیذ لہ ائمۃ اجلاء کابن المبارک وشعبۃ وسفٰین الثوری وابن عیینۃ والامام ابی یوسف واکثرعنہ فی کتاب الخراج لہ۔ و قال ابو زرعۃ الدمشقی اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ عنہ قال و قد اختبرہ اھل الحدیث فرؤہ صدقاو خیرا۔[2] و قال ابن عدی لم یتخلف فی الروایۃ عنہ الثقات و الائمۃ ولابأس بہ[3] و قال علی بن المدینی مارأیت احدایتھم ابن اسحق[4] وقال سفیان عـــہ بن عیینہ جالست	ابن مبارک فرماتے ہیں: "ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا۔" امام عبداللہ بن مبارک، امام شعبہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں اوران کی شاگردی اختیار کی۔ امام ابو زرعہ دمشقی نے فرمایا: "اجلہ علماء کااجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے،اوراپ کواہل علم نے آزمایاتواہل صدق وخیر پایا۔" ابن عدی نے کہا: "آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں،اوراپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" امام علی ابن المدینی نے کہا" کسی امام یامحدث کوابن اسحٰق پر جرح کرتے نہیں دیکھا" امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں میں

عـــہ:وبہ ظھر کذب من زعم الان ان قد جرحہ سفٰین

سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہو گیاجو یہ کہتاہے کہ حضرت سفیان (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷،کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحق دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۶

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دارالمعرفہ بیروت ۳/ ۴۷۴

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

ابن اسحق منذ بضع سنین وسبعین سنة	ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن عیینه،حاشاه بل قدتلمذ و ذب عنه وقال رایت الزھری قال لمحمدبن اسحق این کنت ؟ فقال ھل یصل الیك أحد ؟ فد عاحاجبه وقال لاتحجبه اذاجاء[1] وقال ایضاقال ابن شھاب وسئل عن مغازیه فقال ھذاأعلم الناس بھا[2] وقال ابن المدینی قلت لسفیان کان ابن اسحق جالس فاطمة بنت منذر فقال اخبر نی ابن اسحق انھاحدثته وانه دخل علیھا[3] وقال ابن عیینة ایضا

ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے خدا کی پناہ انہوں نے تو ابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے ان کی طرف سے مدافعت کی ہے اور فرماتے ہیں کہ امام زہری کو دیکھا کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے؟ انہوں نے جواب دیا کوئی آپ کے یہاں باریابی بھی تو پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) توامام زہری نے اپنے دربان کو بلا کر فرمایا آئندہ ابن اسحٰق کو اندرانے سے کبھی بھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انہوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ اس کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں حضرت علی بن مدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحاق فاطمہ منذر کے پاس بیٹھے تھے؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحاق نے کہ

---

[1] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[2] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[3] تھذیب التھذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

ومایتهمه احد من اهل المدينة ولايقول فيه شيئا[1] وقال ابو معاوية كان اسحاق	اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا نہ ان پر کچھ تنقید کی۔ امام ابو معاویہ نے فرمایا: "ابن اسحاق سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمعت شعبة يقول محمد بن اسحق امیرالمو منین فی الحديث[2] فهذا ماجر حه به سفيان نعم ذكران الناس اتهموه بالقدر[3] ولو كان هذا جر حا فما اكثر المجرو حين فی الصحيحين، الاترى انه كان يسمع هذا ثم لايترك مجالسة ابن اسحاق ولاالاخذ منه هل ليس منه مايدل على تصديقه الناس فی هذا فكم من تهمة لااصل لها، وسياتيك كلام ابن منير ۱۲منہ۔

کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور انکے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ یہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے؟) ہاں آپ نے ابن اسحاق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کاالزام لگایا ہے لیکن کیا یہ جرح ہے، اگر جرح ہو تو بخاری و مسلم ایسے مجروح روایوں سے بھری پڑی ہیں ان کے بہت سے راویوں پر قدر کاالزام ہے اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ کا ابن اسحاق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیتے لیکن انہوں نے نہ تو ان کا ساتھ چھوڑا نہ ان کی شاگردی ترک کی نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں مزید ابن منیر کا کلام آرہا ہے ۱۲منہ۔

---

[1] تهذيب التهذيب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بيروت ۳/ ۵۰۵

[2] تهذيب التهذيب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بيروت ۵۰۶/۳، ميزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دارالمعرفه بيروت ۴۶۹/۳

[3] ميزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دارالمعرفه بيروت ۴۶۹/۳

من احفظ الناس[1] وقال الامام ابن معين الليث بن سعد اثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن اسحق[2]۔ قلت ویزید هذا کماقال ابن یونس روی عنه الاکابر من اهل مصر قلت کعمرو بن الحارث وحیوة بن شریح وسعید بن ابی ایوب واللیث بن سعد نفسه کلهم ثقات اثبات اجلا، و یحیی بن ایوب الغافقی صدوق خمستهم من رجال الشیخین و عبدالله بن لهیعة صدوق حسن الحدیث علی ما استقر الامر علیه و عبد الله بن عیاش کلاهما من رجال مسلم و من غیر هم سلیمن التیمی البصری و زید بن ابی انیسة ثقتان من رجال الصحیحین و عبد الحمید بن جعفر المدنی الصدوق من رجال مسلم واخرون کثیرون ففی هذا تفضیل لابن اسحق علیهما جمیعا۔ وقال الامام شعبة لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحق علی المحدثین[3] وقال ایضامحمد بن اسحاق امیر المومنین فی	لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے" اور امام ابن معین نے فرمایا "یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والوں میں لیث بن سعد ابن اسحٰق سے زیادہ ثبت ہے" ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیوۃ ابن شریح سعید بن ابی ایوب اور خود لیث بن سعد، یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں اور پانچویں یحیٰی ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور یہ پانچوں رجال شیخین میں سے ہیں عبد اللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہے ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی اور عبد اللہ بن عیاش یہ دونوں مسلم کے روایوں میں سے ہیں انکے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں اور عبد الحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق ان سب سے افضل ہیں۔ امام شعبہ نے فرمایا" میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحٰق کو محدثین پر حاکم بناتا یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں" ایک روایت میں ہے کہ

[1] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۴
[2] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفه بیروت ۳/ ۴۷۳
[3] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفه بیروت ۳/ ۴۷۳

الحدیث [1] وفی روایة عنه قیل له لماقال لحفظه وفی اخری عنه لوسو د احد فی الحد ث لسو د محمد بن اسحق [2] وقال علی بن المدینی مدار حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی ستة فذکر ھم ثم قال فصارعلم الستة عند اثنی عشر فذکر ابن سحق فیھم [3] وقال الامام الزھری لایزال بالمدینة علم جم ما کان فیھا ابن اسحاق [4] وقد کان یتلقف المغازی من ابن اسحق [5] مع انه شیخه وشیخ الد نیافی الحدیث و قال شیخ الاخر عاصم بن عمر بن قتادہ لایز ال فی الناس علم مابقی محمد ابن اسحق [6] وقال عبد اللہ بن فائد کنانجلس الی ابن اسحق فاذا	کسی نے ان سے پوچھاآپ ایسا کیوں کہتے ہیں ؟تو حضرت شعبہ نے فرمایاان کے حفظ کی وجہ سے دوسری روایت میں ہے حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتاہے تو وہ محمد ابن اسحٰق ہیں۔ علی بن المدینی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں پھران سب کے نام گنوائے اور فرمایااس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائرہ ہوئیں اور ابن اسحاق ان بارہ ۱۲ میں ہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں مدینہ مجمع العلوم رہے گاجب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پر ہی بھروسا کرتے تھے ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاد تھے بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے ابن اسحٰق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایا جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیامیں تمام علوم باقی رہیں گے عبد اللہ ابن فائد نے کہا: ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس میں

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۶

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۶

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴

[4] تہذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

[5] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/۵۰۵

[6] تہذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

اخذ فی فن من العلم ذھب المجلس بذلك الفن [1]۔	ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔
وقال ابن حبان لم یکن احد بالمدینۃ یقارب ابن اسحق فی علمہ ولایوازیہ فی جمعہ وھو من احسن الناس سباقاللاخبار [2]	ابن حبان نے کہامدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یادیگرعلوم و فنون کی ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے۔
وقال ابو یعلی الخلیلی محمد بن اسحق عالم کبیر واسع الرواۃ والعلم ثقۃ [3]	ابو یعلی خلیلی نے فرمایامحمد بن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے۔
وکذلك قال یحیی بن معین و یحیی بن یحیی وعلی بن عبد اللہ (ھوابن المدینی شیخ البخاری)واحمد العجلی ومحمد بن سعد وغیر ھم ان محمد بن اسحاق ثقہ [4]	یحیٰی ابن معین یحیٰی ابن یحیٰی وعلی ابن عبد اللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہامحمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔
وقال ابن البرتی لم ار اھل الحدیث یختلفون فی ثقۃ و حسن حدیثہ [5] وقال الحاکم عن البوشنجی شیخ البخاری ھو عندنا ثقۃ [6]۔	حضرت ابن البرتی نے فرمایاعلم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اوران کی حدیث حسن ہے اور حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

[1] میزان اعتدال ترجمہ محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶

[2] تھذیب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحق ۷۱۹۷ مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷،کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحق دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۳۶

[3] تھذیب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷

[4] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۵،تھذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار المعرفۃ بیروت ۱۶/ ۸۰و۸۱

[5] تھذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷

[6] تھذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷

وقال المحقق فی فتح القدیر امّا ابن اسحٰق فثقة لاشبهة عند نافی ذلك ولا عند محققی المحدثین [1] وقال ایضاً توثیق محمد بن اسحٰق و هو الحق الابلج و مانقل عن کلام مالك فیه لایثبت ولوصح لم یقبله اهل العلم [2] الخ وقد اطال الامام البخاری فی توثیقه فی جزء القراءة ولم یورده فی الضعفاء له وانکر صحة مایذکر فیه من کلام مالك ومانقل عن علی مایشعر بانکار صحته ماعن هشام۔ وقد بینا وجهه فی تحریراتنا الحدیثیة واوردہ ولدی المولوی مصطفی رضاخاں حفظه الله تعالٰی فی کتابه "وقایة اهل السنة عن مکر دیو بند والفتنة" صنفه فی الرد علی وهابیه دیو بند اذخالفوا فی هذه المسالة وهم الذین حکم ساداتنا علماء الحرمین الشریفین جمیعاً بکفرهم وارتدادهم وان من شك فی کفرهم وعذابهم فقد کفر [3] لسبهم الله	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ابن اسحٰق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس میں نہ ہمیں شبہہ ہے نہ محققین محدثین کو شبہہ ہے محمد ابن اسحٰق کی توثیق حق صریح ہے اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا اور امام بخاری نے تو جزء القراءۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایا اور ان کا تذکرہ اپنی کتاب "ضعفاء" میں بھی نہیں کیا اور ان کی جرح میں امام مالک کا جو کلام نقل کیا گیا ہے اس کی صحت سے انکار کیا ہے اور حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے اس کا بھی انکار کیا ہے۔ ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے اور ان سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفٰی رضاخاں (سلمہ اللہ تعالٰی) نے اپنی کتاب "وقایہ اہل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ" میں جو وھابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی اور اہل دیوبند پر تو ہمارے علمائے حرمین طیبین نے کفر کا فتوی دیا ہے اور ان کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۰

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۰۰ وتحفۃ الاحوذی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۹

[3] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

رب العلمین و محمدا سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی جمیع النبیین۔
ثم اجاب عنہ البخاری فاجادو اصاب وقد قال فیما قال ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو مایذکر عن ابراھیم من کلامہ فی الشعبی و کلام الشعبی فی عکرمۃ ولم یلتفت اھل العلم فی ھذا النحو الا ببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الا ببرھان و حجۃ اھ[1]
وحسن الامام احمد و یحیی بن معین و محمد بن عبداللہ بن نمیر و محمد بن یحیی کلھم شیوخ البخاری و ابو داؤد و المنذری و الذھبی حدیثہ و عدہ الامام الذھبی ثم السیوطی فی اعلی مراتب الحسن، قال فی التدریب الحسن ایضا اعلی مراتب کالصحیح، قال الذھبی فاعلی مراتبہ بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ و عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابن اسحاق عن التیمی وامثال ذلک

پروردگار عالم اور سید المرسلین محمد مصطفٰی کو گالی دی ہے اللہ تعالٰی آپ پر اور تمام نبیوں پر درود وسلام نازل فرمائے۔
امام بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی عنہ نے بے سند تنقیدوں کا کیا خوب رد فرمایا ہے آپ فرماتے ہیں ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابرہیم کا کلام حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کا کلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک طرح صریح اور مدلل نہ ہو اور ایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پر اثر نہیں پڑتا۔
امام احمد، امام یحیٰی بن معین اور محمد بن عبداللہ بن نمیر و محمد ابن یحیٰی یہ سب امام بخاری کے استاذ ہیں اور ابو داود، منذری اور ذہبی ان سب لوگوں نے محمد بن اسحاق کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور امام ذہبی اور سیوطی نے ان کو حسن کے اعلی مدارج میں گردانا ہے تدریب میں ہے" صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں" امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلی درجہ کی حسن بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور ابن اسحٰق عن تمیمی اور ان کے امثال ہیں اور اسی کو

[1] تہذیب الکمال بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۲/ ۶۷و۷۷، تہذیب التہذیب بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

مماقیل انه صحیح وهو ادنی مراتب الصحیح[1] اھ صححه ابن المدینی والترمذی وابن خزیمة و الامام الطحاوی وقد حسن الدار قطنی بعض ماتفرد به ابن اسحق وصححه الحاکم عـــه وقد تبعهما علیه	ادنی درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن مدینی، ترمذی ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں انہیں دار قطنی نے حسن کہا، اور حاکم نے صحیح فرمایا اور ان دونوں

عـــه: اورد فی السنن حدیث احمد بن خالد عن ابن اسحق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادة رضی الله تعالٰی عنه فی القراءة خلف الامام وقال، قال علی بن عمر هذا اسناد حسن[2] واقره البیهقی، وروی فی باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حدیث ابی مسعود رضی الله تعالٰی: ان رجلا قال: یارسول الله! اما السلام علیك فقد عرفناه، فکیف نصلی علیك اذا نحن صلینا فی صلوتنا، وقال: قال الدارقطنی: حسن متصل[3]، واقره البیهقی وقال ابن الترکمانی لا اعلم احدا روی هذا الحدیث بهذا اللفظ الا محمد بن اسحاق[4] واورده ایضا فی باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی التشهد ثم حکی الحاکم تصحیحه، ثم عن الدارقطنی تحسینه واقرهما۔ ۱۲ منه

سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحاق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ باب قرأۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے اور باب وجوب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا: ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! سلام کو تو ہم نے خوب سمجھ لیا ہے کہ نماز میں کیسے پڑھنا چاہئے اب یہ فرمائیے کہ جب ہم آپ پر درود پڑھیں اپنی نمازوں میں تو کیسے پڑھیں۔ اور فرمایا کہ دار قطنی اس کو حسن متصل قرار دیتے ہیں اور بیہقی اس کو برقرار رکھتے ہیں، ابن ترکمانی کہتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی، پھر بھی حدیث باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشہد میں نقل کرکے کہا حاکم نے اس کی تصحیح کی اور دار قطنی نے تحسین، اور خود اس کو برقرار رکھا، ۱۲ منہ

---

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[2] الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۶۹

[3] السنن الکبرٰی کتاب الصلوۃ ۲/ ۱۶۴ و ۲/ ۳۷۸ دار صادر بیروت

[4] الجوهر النقی بذیل السنن الکبرٰی باب وجود الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۲/ ۳۷۹، ۳۷۸

البیھقی،ووصفه المنذری والذھبی باحد الائمة الاعلام وانه صالح الحدیث ماله ذنب الاما حشافی السیرة من مناکیر[1] واوردہ الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسین فیمن لم یضعف بشیئ لاعیب علیه الا التدلیس۔ وقال امام النووی لیس فیه الا التدلیس وقال محمد بن عبدالله بن نمیر رمی بالقدر وکان ابعد الناس منه[2] وقال یعقوب بن شیبه سالت ابن المدینی عن ابن اسحق قال حدیثه عندی صحیح قلت فکلام مالك فیه قال مالك لم یجالسه ولم یعرفه[3] وذکرہ ابن حبان فی ثقاته وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحق واصطلح معه وبعث الیه ھدیة[4]	حضرات کی امام بیہقی نے اتباع کی امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا اور صالح الحدیث قرار دیا اور فرمایا کہ ان کا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے سیرت میں منکر حدیثیں درج کیں۔ حافظ ابن حجر نے انہیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا جن میں تدلیس کے علاوہ کوئی ضعف ہے نہ علت۔ امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں محمد بن عبداللہ نمیری نے فرمایا ان پہ قدریہ ہونے کا الزام ہے لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔ یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی حدیثیں صحیح ہیں میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا تو فرمایا وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انہیں پہچانا۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا اور ان سے صلح کر لی اور انہیں تحفہ بھیجا۔

[1] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۴۶۹/۳، تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۵۰۵/۳

[2] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۴۶۹/۳، تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحاق مؤسسة الرساله بیروت ۵۰۵/۳

[3] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحاق دار المعرفة بیروت ۴۷۵/۳

[4] فتح القدیر کتاب الصلوة مکتبہ نوریہ سکھر ۲۰۰/۱ وتحفة الاحوذی کتاب الصلوة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۳۹/۲

وقال مصعب الزبیری و دهیم وابن حبان لم یکن یقدح فیه من اجل الحدیث [1] وقد تکفل بالجواب عنه الائمة احمد وابن المدینی والبخاری وابن حبان والمزی والذهبی والعسقلانی والمحقق حیث اطلق کماهو مفصل مع زیادات کثیرة فی کتاب ولدی المحفوظ بکرم الله تعالٰی "وقایة اهل السنة" ولله الحمد والمنة۔	مصعب زبیری، دہیم اور ابن حبان نے کہا ان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان مزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے ان کی طرف سے دفاع کیا۔ یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہل سنۃ" میں ہیں والحمد للہ والمنۃ۔
نفحه۲: من الجهل الوخیم رمیه بالرفض اغترارا بقول التقریب رمی بالتشیع [2] ومابین التشیع و الرفض کمابین السماء والارض فربما اطلقوا التشیع علی تفضیل علی علی عثمان رضی الله تعالٰی عنهما وهو مذهب جماعة من ائمة اهل السنة لاسیما ائمة الکوفة قال صاحب التقریب نفسه فی هدی الساری التشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکر و عمر فهو غال فی تشیعه و یطلق علیه رافضی والا فشیعی فان انضاف الی ذلك السب او	**نفحہ ۲:** تقریب کے قول "ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے" سے دھوکا کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدو دار جہالت ہے رفض و تشیع میں زمین وآسمان کا فرق ہے بسااوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

[1] تھذیب التھذیب بحوالہ ابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق ۴۰۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۶

[2] تقریب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحاق ۵۷۴۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۴

التصریح بالبغض فغال فی الرفض[1] اھ وتمام تحقیقه فی تحریراتنا الحدیثیة۔ وفی المقاصد للعلامة التفتازانی الافضلیة عندنا بترتیب الخلافة مع تردد فیما بین عثمان وعلی رضی الله تعالٰی عنهما[2] وفی شرحها له قال اهل السنة الافضل ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و قد مال بعض منهم الی تفضیل علیّ علی عثمان رضی الله تعالٰی عنهما والبعض الی التوقف فیما بینهما[3] اھ وفی الصواعق لامام ابن حجر جزم الکوفیون و منهم سفیان الثوری بتفضیل علیٍّ علی عثمان و قیل بالوقف عن التفاضل بینهما وهو روایة عن مالك[4]، اھ۔ وفی تهذیب التهذیب فی ترجمة الامام الاعمش کان فیه تشیع[5]، اھ وفی شرح الفقه الاکبر لعلی قاری روی عن	اور اس کی پوری تحقیق ہماری تحریرات حدیثیہ میں ہے۔ مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے ہمارے نزدیک خلفائے اربعہ میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تردد کے ساتھ۔ شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے ائمہ کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔ تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا۔ فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے

[1] ھدی الساری مقدمه فتح الباری فصل فی تمییز اسباب الطعن فی المذکورین مصطفی البابی مصر ۲/۲۳۱
[2] المقاصد علی هامش شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بتریب الخلافة دار المعارف النعمانیه لاهور ۲/۲۹۸
[3] شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بتریب الخلافة دار المعارف النعمانیه لاهور ۲/ ۲۹۸
[4] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۵۷
[5] تهذیب التهذیب ترجمه سلیمان بن مهران المعروف بالاعمش موسسة الرساله بیروت ۲/۱۱۰

ابی حنیفة تفضیل علی علیٰ عثمان رضی الله تعالٰی عنهما االصحیح ما علیه جمهور اهل السنة و هو ظاهر من قبول ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه علی ما رتبه هناوفق مراتب الخلافة[1]۔اھ	میں لکھاہے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے(رضی اللہ تعالٰی عنہ)لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں اور فقہ اکبر میں اس کو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتاہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے۔
ثم لایذهب عنك الفرق بین شیعی ورمی بالتشیع و کم فی الصحیحین ممن رمی به وقد عد فی هدی الساری عشرین منهم فی مسانید صحیح البخاری فضلاعن تعلیقاته،بل فیه مثل عباد بن یعقوب رافضی جلد ثم الشبهة لاقیمه لهاراسافکم فی الصحیحین ممن رمی بانواع البدع وقدتقررعند هم ان المبتدع تقبل روایة اذالم یکن داعیة۔	پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کافرق بھی ملحوظ رہناچاہیے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کاالزام ہے۔ "ہدی الساری" میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں تعلیقات کاتو ذکرہی الگ رہابلکہ رواۃ بخاری میں عباد بن یعقوب جیسارافضی ہے جس پر کوڑے کی حد جاری گئی تھی اور جرح میں شبہہ کی تو کوئی اہمیت نہیں خود بخاری و مسلم میں بہت سے روای ہیں جن پر انواع واقسام کی بدعت کاشبہہ کیاگیااور اصول محدثین کی روسے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کاداعی و مبلغ نہ ہوتواس کی روایت مقبول ہے۔
نفحه۳:اصل الحدیث رویناه فی المسند حدثنا یعقوب حدثناابی عن ابی اسحق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبیدالله الزهری عن السائب	**نفحہ ۳:**اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیامسنداحمدابن حنبل میں اس سند کے ساتھ ہے یعقوب،ابی،ابن اسحٰق حدثنی محمد بن مسلم عبیداللہ الزہری سائب بن یزید یہاں یہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبرافضل الناس بعدہ الخ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ص۱۸۷

بن یزید ابن اخت نمر[1] فقد صرح بالسماع فلا علیك من عنعنة هنا ھذا وجه۔ وثانیًا ابن اسحٰق کثیر الروایة عن الزھری و العنعنه عن مثل الشیخ تحمل علی السماع قال الذھبی فی مثله متی قال "نا" فلا کلام و متی قال "عن" تطرق الیه احتمال التدلیس الا فی شیوخ له اکثر عنھم فان روایته عن ھذا الصنف محمولة علی الاتصال[2]۔اھ لاسیما ابن اسحٰق فقد عرف منه النزول فی اشیاخ اکثر عنھم قال ابن المدینی حدیث ابن اسحٰق لیتبین فیه الصدق وھو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضر وروی عن رجل عنه وھو من اروی الناس عن عمرو بن شعیب وروی عن رجل عن ایوب	حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے تو اب اس روایت پر نہ تدلیس کا اعتراض ہوسکتا ہے نہ ارسال کا ایک جواب تو یہ ہوا۔ دوسرا یہ ہے کہ امام محمد بن اسحٰق امام زہری سے کثیر الروایت ہیں اور ایسے راوی کا عنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتا ہے امام ذہبی فرماتے ہیں راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کا اضافہ کرے تو تدلیس کا احتمال ہوتا ہے مگر جب روای ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیر الروایت ہو تو یہ روایت متصل ہوگی۔ اور ابن اسحٰق کے بارے میں معروف مشہور ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کو بطور نزول بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں علی بن المدینی فرماتے ہیں محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے وہ سالم بن ابی نضر سے بنسبت ان کے دوسرے شاگردوں کے کثیر الروایت ہیں پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطہ سے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں اور انکی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث السائب بن یزید المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۴۹

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۳۵۱۷ سلیمان بن مہران دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۲۴

عنہ[1] اھ **قلت** وکذاھو من اروی الناس عن ابن شھاب وقدرو ینافی کتاب الخراج للامام ابی یوسف حدثنی محمد بن اسحق عن عبدالسلام عن الزھری[2]	روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے۔ **میں کہتاہوں** ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں مگر قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ ان سے عبدالسلام نے روایت کی اور ان سے امام زہری نے (تو ابن اسحاق کی یہ روایتیں لفظ عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے روایت متصل ہے)
و **ثالثًا** ھذاکلہ علی طریقۃ ھٰؤلاء المحدثین اما علی اصولنا معشر الحنفیۃ والمالکیۃ والحنبلیۃ الجمھور فسؤال العنعنۃ ساقط عن راسہ فان مبناہ علی شبھۃ الارسال و حقیقتہ مقبولۃ عندنا و عندالجمھور فکیف بشبھتہ۔	**تیسرا جواب:** محمد ابن اسحاق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں اب تک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد تھی جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر ہے اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں اور حدیث مرسل بھی مقبول ہے تو پھر شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔
قال الامام الجلیل السیوطی فی التدریب فی عنعنۃ	امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ بن اسحاق موسسۃ الرسالہ بیروت ۵۰۶/۳

[2] کتاب الخراج احادیث ترغیب وتحضیض دار المعرفۃ بیروت ص ۹

المدلس، قال جمهور من یقبل المراسیل تقبل مطلقًا[1]۔اھ و فیه عن الامام ابن جریر الطبری اجمع التابعون باسرهم علی قبول المرسل ولم یات عنهم انکاره و لاعن احد من الائمه بعدهم الی راس المائتین[2] و فی صحیح مسلم و جامع الترمذی عن محمد بن سیرین التابعی قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم[3]۔اھ **قلت** و هذا زید بن اسلم الامام مولی امیر المؤمنین الفاروق الذی کان الامام الاجل زین العابدین یجلس الیه و یتخطی مجالس قومه فقال له نافع ابن جبیر بن مطعم تخطی مجالس قومك الی عبد عمر بن الخطاب ؟فقال رضی الله تعالٰی عنه انما یجلس الرجل الی من ینفعه فی دینه رواه البخاری فی تاریخ[4]، زید	وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں اسی میں امام جریر طبری سے منقول ہے کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے نہ تو تابعین نے مراسیل کا انکار کیا نہ ان کے بعد ۲۰۰ ہجری تک کسی اور نے۔ صحیح مسلم اور جامع میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقع ہوا تو سوال کیا جانے لگا کہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو۔ **میں کہتا ہوں** کہ امام زید بن اسلم جو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے اور اپنی قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہا آپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا آدمی وہیں بیٹھتا ہے کہ جہاں اس کے دین کا فائدہ ہوتا ہے (تاریخ بخاری) انہیں زید نے ایک

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۰

[2] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع التاسع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۳

[3] صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱

[4] تاریخ البخاری باب الالف ترجمہ زین بن اسلم ۱۲۸۷ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۳/۳۸۷

هذا حدث بحديث فقال له رجل يا اباسامة عمن هذا فقال يا ابن اخی ما کنا نجالس السفهاء [1]. قال له العطاف بن خالد۔	حدیث بیان کی ایک آدمی نے ان سے کہا ابااسامہ یہ کس سے اپ بیان کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اے بھتیجے! ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے یہ اسے عطاف بن خالد نے کہا۔
قلت و قد اکثر الارسال ائمة التابعين سعيد بن المسيب والقاسم وسالم والحسن وابوالعالية و ابراهيم النخعی و عطاء بن ابی رباح و مجاهد و سعيد بن جبير و طاؤس والشعبی والاعمش و الزهری و قتادة و مكحول وابوسحق السبيعی و ابراهيم التيمی و يحيى بن الكثير و اسماعيل بن ابی خالد وعمرو بن دينار و معٰوية بن قرة و زيد بن اسلم وسليمان التيمی ثم الائمة مالك ومحمد والسفيانان افتراهم فعلوه لترد احاديثهم وفی مسلم الثبوت و شرحه فواتح الرحموت مرسل الصحابی يقبل مطلقًا اتفاقًا و ان من غيره فالاكثر و منهم الائمة الثلثة ابو حنيفة و مالك واحمد رضی الله تعالٰی عنهم يقبل مطلقًا والظاهرية و جمهور المحدثين الحادثين بعد المائتين لا [2]. اھ۔ و فی فصول البدائع للعلامة	**میں کہتا ہوں** علمائے تابعین مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابواسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیٰی بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمن تیمی، امام مالک و محمد اور سفیانین، کیا یہ سب حضرات اس لیے ارسال کرتے تھے کہ ان کی حدیثیں رد کردی جائیں مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقًا مقبول ہیں اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں یہ سب لوگ اسے مطلقًا مقبول رکھتے ہیں ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ ھ ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔ فصول البدائع مولٰی خسرو میں ہے

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ زید بن اسلم مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۶۵۸

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۷۴

مولی خسرو طعن المحد ثین بمالایصلح جرحالا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنة فانهاو هم شبهة الارسال و حقیقة لیست بجرح [1]. اھ **قلت:** وروی ابو داود عن عبداللّٰه بن حنظلة بن ابی عامران رسول اللّٰه امر بالوضوء عند کل صلوة فلماشق ذلك علیه امر بالسواك لکل صلوة [2] فیه ایضاًا بن اسحق وقد عنعن ومع ذلك قال الشامی فی سیرت اسنادہ جید وفیه اختلاف لایضر [3]. اھ۔ وروی احمد عن واثلة بن الاسقع رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواك حتی خشیت ان یکتب علی [4] نقل الزرقانی علی المواهب عن المنذری وغیرہ فیه لیث بن ابی سلیم ثقة مدلس	اور محدثین کاایسا طعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے عنعنہ میں تدلیس کا طعن کہ اس میں شبہہ ارسال ہے حالانکہ خود ارسال اسباب طعن سے نہیں ہے۔ **چوتھا جواب:** ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہر وقت وضو کا حکم دیا گیا تھا لیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کا حکم ہوا اس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی اس کے باوجود امام شافعی اپنی سیرت میں کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس میں اختلاف ہے جس سے کوئی ضرر نہیں۔ **پانچواں جواب:** امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کے لیے اتنی بار حکم دیا گیا کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ فرض نہ کر دی جائے۔ امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی، اس روایت میں لیث بن ابی سلیم جو ثقہ مدلس ہیں،

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] فصول البدائع

[2] سنن ابی داود کتاب الطهارة باب السواك آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷

[3]

[4] مسند احمد بن حنبل حدیث واثلة بن الاسقع المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۹۰

وقد رواه بالعنعنة[1] اھ ومع ذلك قال عن المنذری اسناده حسن[2] اھ وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللالی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الا اذا کان من روایة اللیث عنه الخ[3] وهذا امر مقرر عند هؤلاء المحدثین ونجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه لیست من روایة اللیث عنه قال الذهبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدة احادیث مما لم یوضح فیها ابو الزبیر السماع عن جابر وهی من غیر طریق اللیث عنه ففی القلب منها[4] اھ **قلت:** ولکن لم یکن منها فی قلب مسلم شیئ فادرجها فی صحیحه الذی جعله حجة بینه وبین ربه عز وجل۔ وروی ابن جریر عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنه سمعت	اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ **چھٹا جواب:** حافظ ابن حجر عسقلانی نے نظم اللالی میں کہا "ابو زبیر کی معنعن مقبول نہیں اور اتصال پر محمول نہیں ہاں لیث سے ہو تو مقبول ہے" محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی ہیں جن میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ "صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر جابر رضی اللہ تعالٰی سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے جس سے دل میں کچھ شبہہ ہوتا ہے۔" **میں کہتا ہوں** کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے دل میں تو ان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہہ نہیں تھا جبھی تو انہوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت قرار دیا۔ **ساتواں جواب:** ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی میں نے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۴۸
[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۴۸
[3] نظم اللآلی
[4] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن مسلم ابو الزبیر المکی ۸۱۶۹ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۹

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول الشیخ والشیخۃ اذازنیافارجموھماالبتۃ فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لمانزلت اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] الحدیث۔ قال ابن جریر ھذاحدیث لایعرف لہ مخرج عن عمرعن رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھذااللفظ الامن ھذاالوجہ وھو عندناصحیح سندہ لاعلۃ فیہ توھنہ ولاسبب یضعفہ لعدالۃ نقلتہ وقدیعل بان قتادۃ مدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث [2] اھ۔ وھذاامام الحنفیۃ امام الفقہاء المحدثین الحافظ الناقدالبصیر بعلل الحدیث الامام ابوجعفر احمد الطحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ روی فی کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکۃ حدیثین احدھما	اپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بڑھیابوڑھے زنا کریں توانہیں ضرور سنگسار کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تومیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ (الحدیث) ابن جریر نے کہاکہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمرعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے اس میں کوئی ایساعیب نہیں جواس حدیث کو کمزور کرے تواس کے ضعیف ہونے کاکوئی راستہ نہیں کہ یہ عادل راویوں سے مروی البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں اورانہوں نے نہ توسماع کی بات کی نہ لفظاحدثنا کہا۔ **آٹھواں جواب:** امام الحنیفہ،امام الفقہاء والمحدثین،حافظ،ناقدو بصیر،امام ابوجعفراحمد طحاوی نے شرح معانی الآثار "کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ مکۃ عنوۃ" میں دو حدیثیں روایت کیں ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے اور دوسری

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵و۴۱۹

عن عکرمة قال لماوادع رسول الله تعالٰی علیه وسلم اهل مکة، والاخرحدیث الزهری وغیره قال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد صالح قریشا، الحدیثین بطولهما، قال بعده فان قلتم ان حدیثی الزهری وعکرمة الذین ذکرنامنقطعان قیل لکم وقدروی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما حدیث یدل علی مارویناه حدثنافهد بن سلیمن بن یحیی ثنایوسف بن بهلول ثناعبدالله بن ادریس حدثنی محمد بن اسحق قال قال الزهری حدثنی عبیدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما الحدیث فی نحو ورقة کبیرة قال فی اٰخره فهذاحدیث متصل الاسناد صحیح [1] و معلوم ان "قال فلان" کعن فلان لعدم بیان السماع فیهما۔ قال الامام النووی فی التقریب تدلیس الاسناد بان یروی عمن عاصره مالم یسمعه منه موهماسماعه قائلا: قال فلان او عن فلان ونحوه [2]، الافی ماعنعنة ابن اسحق ان حکم هذا	حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی" یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرماکرارشاد فرمایاکہ "اگرکوئی اعتراض کرے کہ زہری وعکرمہ کی مذکور منقطع ہیں، "فہد بن سلیمن، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث بیان کی یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کرکے فرمایایہ حدیث متصل الاسناد صحیح ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کاحکم لفظ عن کاہے کیونکہ دونوں میں سماع کی تصریح نہیں۔ اورامام نووی نے تقریب میں فرمایاکہ "تدلیس اسنادیہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے جس کامعاصرہوجب تک اس سے خود نہ سنے اور لفظ ایسے بولے جس سے وہم ہوکہ راوی نے خود اس سے سناہے جیسے قال فلاں یاعن فلان مگران روایتوں میں جن کو

[1] شرح معانی الاثار کتاب الحجه فی فتح رسول الله صلی الله علیه وسلم مکة عنوة ایچ ایم کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۳تا۲۰۸

[2] التقریب للنووی مع تدریب الراوی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

قیل الامام الحجه انه متصل الاسناد وانه صحیح فقدرفع مکحول وابواسحق السبیعی کلتاالشبهتین الکلام فی ابن اسحق وعدالته والاتیان من قبل عنعنة بلفظ الکریم الصریح، ولله الحمد۔	محمد بن اسحاق نے لفظ عن سے روایت کیاہو بیشک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناداور صحیح ہیں، وہ امام حجۃ ہیں مکحول اورابواسحٰق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیاہے۔"
وھذاامامناثانی ائمه مذھبناالامام ابو یوسف رضی الله تعالٰی عنهم قداکثر فی کتاب الخراج الاحتجاج باحادیث محمد بن اسحق معنعنة و غیر معنعنة و قدقالوا کمافی ردالمحتارو غیره ان المجتهداذا استدل بحدیث کان تصحیحاله فقد صحح الامام ابو یوسف احادیث ابن اسحق و عنعنة کیف ؟ وقد ادرجهافیمااوجب العمل به اذقال فی مبدء کتابه ان امیرالمومنین ایده الله تعالٰی سالنی ان اضع له کتابا جامعایعمل به فی جبایة الخراج والعشورو الصدقات و الجوالی وغیره ذالك ممایجب العمل به و قد فسرت ذلك و	ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایاجو حضرت محمد بن اسحاق سے بصیغہ عن وبغیر عن مروی تھیں اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ ردالمحتاروغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنااس حدیث کی تصحیح شمار ہوتاہے تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کواپنی کتاب میں داخل فرماکران کی تصحیح کی اوراستدلال بھی ایسی کتاب میں کیاجس کے واجب العمل ہونے کی تصریح خوداس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی آپ لکھتے ہیں بے شک امیرالمومنین نے (خداان کی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی جس پر وہ اپنی زندگی بھر جبایاخراج عشر صدقات اور جوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں اور وہ احکام واجب العمل ہوں تومیں نے

شرحتہ[1]۔اھ **نفحہ ۴:** کفانا المولی سبحانہ وتعالٰی النظر فی توثیق ابن اسحٰق و حجیۃ حدیثہ بان الذی الین لہ الحدیث کما الین لداؤد علیہ الصلوۃ السلام الحدید رواہ فی کتابہ الذی قالوا فیہ من کان فی بیتہ فکانما فی بیتہ نبی یتکلم وسکت علیہ۔ O وقد قال کما فی مقدمۃ الامام ابن الصلاح ذکرت فیہ الصحیح ومایشبہہ ویقاربہ[3] O وفی فتح المغیث عن الامام ابن کثیر روی عنہ ماسکت عنہ فھو حسن[4]۔اھ O وفی رسالۃ الی اھل مکۃ	ان کی تعبیر اور توضیح کردی **نفحہ ۴:** روایت ابن اسحٰق کی تائید وتوثیق اور ان کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالٰی نے ہماری یوں کفایت کی کہ ان کی محولہ بالاحدیث کو اس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم وملائم ہوگیا تھا جیسے حضرت داود علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کردیا گیا تھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کر رہا ہے، ایسے امام میں یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرما کر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ O مقدمہ ابن صلاح میں حضرت ابوداود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا: "میں نے اپنی کتاب میں صحاح کو جمع کیا یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو۔" O فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انہیں کا یہ قول منقول ہوا "اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔" O ابوداود نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا "اس

[1] کتاب الخراج خطاب من المؤلف الی امیر المومنین ہارون الرشید دار المعرفۃ بیروت ص ۳
[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۸۷ و معالم السنن للخطابی ۱/ ۵
[3] مقدمہ ابن صلاح الثانی معرفۃ الحسن من الحدیث فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸
[4] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۹۰، تدریب الراوی بحوالہ ابن کثیر النوع الثانی الحسن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۵

ماکان فیه حدیث منکر نبینه بما انه منکر [1]	کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ کیونکر منکر ہے"
O وقال ابو عمر بن عبدالبر کل ماسکت علیه فهو صحیح عنده [2]	O ابو عمر بن عبدالبر نے کہا" جس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔
O وقال المنذری: کل حدیث عزوته الی ابی داود وسکت عنه فهو کما ذکر ابو داود ولا ینزل عن درجه الحسن وقد یکون علی شرط الصحیحین [3]	O امام منذری نے فرمایا" جس حدیث کی نسبت ابو داود کی طرف کروں اور ابو داود نے اس پر سکوت کیا ہو تو وہ ابو داود کے قول کے مطابق ہے یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہوگی بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے"
O وقال ابن الصلاح ثم الامام النووی فی التقریب ماوجد نافی کتابه مطلقًا فهو حسن عند ابی داود [4]	O ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا" امام داود کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو وہ ان کے نزدیک حسن ہے۔"
O وقال العلامة ابن الترکمانی فی الجوهر النقی اخرجه ابو داودوسکت عنه فاقل احواله ان یکون حسنا عنده علی ماعرف [5]	O امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں "ابو داود نے جس حدیث کی تخریج فرماکر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا جیسا کہ یہ بات مشہور و معروف ہے۔"
O وقال الزیلعی فی نصب الرایة	O نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

[1] مقدمہ سنن ابی داود مع سنن ابی داود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴، فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۸۸و۹۸

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۹۱

[3] الترغیب الترہیب مقدمة الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱

[4] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۴

[5] الجوہر النقی علی ھامش السنن الکبری کتاب الدعوی والبینات حیدرآباد دکن ۱۰/ ۲۷۱

ان اباداودروی حدیث القلتین وسکت عنه فھو صحیح عندہ علی عادته فی ذلك[1] Oوقال الحافظ العراقی ثم الشمس السخاوی فی المقاصدالحسنة یکفیناسکوت ابی داود علیه فھو حسن[2] Oوقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر سکت ابو داؤد فھو حجة[3] O وقال العلامة محمد بن امیر الحاج رواہ ابو داود وسکت علیه فیکون حجة علی ماھو مقتضی شرطه[4] Oوقال العلامة ابراھیم الحلبی فی الغنیة سکت علیه ابوداود المنذری بعدہ فی مختصرہ وھو تصحیح منھما[5]،اھ O وقال الخطابی فی معالم السنن کتاب ابی داؤد جامع لھذین النوعین	"ابو داود نے حدیث قلتین روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے" O حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا "اس حدیث پر ابو داود کا سکوت ہی ہمارے لیے کافی ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔" O محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں "ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا تو یہ حدیث حجت ہے" O علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں "ابو داود نے اس پر سکوت کیا تو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے" O علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایا ابو داو داور ان کے بعد امام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایا تو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔ O علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا "ابو داود کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی

[1] نصب الرایہ کتاب الطھارۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور ۱/ ۱۶۳

[2] المقاصد الحسنہ تحت حدیث ۳۸۱ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۱۶

[3] فتح القدیر کتاب الطھارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[5] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۶

من الحدیث والحسن اماالسقیم فعلی طبقات شرھاالموضوع ثم المقلوب ثم المجھول، وکتاب ابی داود خلی منھابری من جملۃ وجوھا[1]	احادیث پر مشتمل ہے اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں سب سے بے حیثیت موضوع پھر مقلوب پھر مجہول اور ابو داود کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے۔"
وقال الامام بخاری فی جزء القرۃ قال علی بن عبداللہ نظرت فی کتاب ابن اسحق فماوجدت علیہ الافی حدیثین ویمکن ان یکون صحیحین[2]۔اھ	امام بخاری نے اپنی اکتاب "جزء القرۃ" میں لکھا علی ابن عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابن سحق کی کتابیں دیکھیں تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایااور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں۔"
و بیّنھماالقسوی عن علی لیس حدیثناھذابحمد اللہ تعالٰی منھمااحدھماعن ابن عمرعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذانعس احدکم یوم الجمعۃ[3] والاخرعن زید بن خالداذامس احدکم فرجہ فلیتوضا[4]	ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبداللہ سے روایت کیا۔بحمداللہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سے روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے اور دوسری حدیث زید بن خالد سے کہ تم میں سے کو ئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔
و علی ھذاھوابن المدینی شیخ البخاری الذی کان یقول فیہ البخاری مااستصغرت	یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے

[1] معالم السنن مع مختصر سنن ابی داود للمنذری مقدمہ الکتاب المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ۱/ ۱۱

[2] جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری باب لادلیل علی ان القران رکن فی الصلوۃ ۱/ ۶۰

[3] جامع الترمذی ابواب الجمعۃ باب فی من ینعس یوم الجمعۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۹

[4] موارد الظمان کتاب الطہارۃ باب ماجافی مس الفرج حدیث ۲۱۴ المطبعۃ السلفیہ ص ۷۸

نفسی الاعنده[1] فثبت بحمدالله تعالٰی ان ابن اسحٰق ثقة وان الحدیث حسن صحیح۔

نفحه ۵: اکثر اصحاب لزهری لم یذکروا فی الحدیث "علی باب المسجد" ولا "بین یدیه" وهما زیادة ثقة فوجب قبولهما، ومن الظلم قبوله فی هذا الافی ذالك فلیس مستند کونه "بین یدیه" من الحدیث الا زیادة ابن اسحٰق ومن اشد الجهل زعم ان ذکره مالم یذکروا مخالفة لهم والا لاضطربت الاحادیث عن اخرها الا افرادا عدیدة فما من حدیث اتی بطریقین او اکثر الاو فی بعضها مالیس فی الاخر، الانادرا، ولاعبرة بالنادر، هذا وجه۔

وثانیًا: کثیرا ماتری الائمه المحدثین یجمعون الطرق فیقول احدهم حدثنا فلان، و فلان عن فلان یزید بعضهم علی بعض ثم

سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیا تو مذکورہ بالا تفصیلات سے بحمداللہ ثابت ہوگیا کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں اور اذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

نفحہ ۵: امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں "علی باب المسجد" اور "بین یدیہ" کا ذکر نہیں کیا ہے ان دونوں ٹکڑوں کا ذکر صرف ابن اسحٰق نے کیا ہے جو ایک ثقہ روای کا اضافہ ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ "بین یدیہ" کو تسلیم کیا جائے اور "علی باب المسجد" کو ترک کر دیا جائے اور اس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کو اس وجہ سے ترک کیا جائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں اوروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور اسی بناپر اس اضافہ کو ان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیا جائے اور حدیث کو مضطرب قرار دیا جائے اگر یہ ظلم روا رکھا جائے تو چند معدود اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی کیونکہ کون حدیث ہے جو دو یا دو سے زائد طریقوں سے مروی نہیں اور ہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایسا حصہ بھی ضرور ہے جو دوسرے میں نہیں شاید ہی ایسا ہوگا کہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ یکساں اور برابر ہوں اور نادر کا کیا اعتبار۔

ثانیًا: اکثر دیکھا گیا ہے کہ ائمہ محدثین چند سندوں کو ایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلا وہ کہتے ہیں فلاں فلاں

[1] میزان الاعتدال ترجمه علی بن عبدالله ۵۸۷۴ دار المعرفة بیروت ۳/ ۱۴۰

يسوق الحديث سياقاواحدا افتراهم يجمعون بين الضب والنون [1] ۔ و **ثالثًا**: مفسروالقران العظيم من الصحابة و التابعين وهلم جرا كلما فسروا واقعة ذكرت فى القران المجيد زادوا اشياء ليست فى القران العظيم فاذن كلهم يخالفون القران الكريم حاشم هم۔ **رابعًا**: فى الصحيحين عن ابى هريرة رضى الله تعالٰى عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم الاحدثكم حديثا عن الدجال ماحدث به نبى قومه انه اعور الحديث فاذن يكون صلى الله تعالٰى عليه وسلم و العياذبالله تعالٰى قد خالف جميع الانبياء عليهم الصلاة والسلام فى بيان واقعة وهذالايتفوه به مسلم۔ و **خامسًا**: السور القرانية تذكر قصة موسى و غيرها يزيد	اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیا اور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں تو کیا وہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کو ایک ساتھ ہی ملادیتے ہیں۔ **ثالثًا** قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یا تابعین (بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے) کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکور ہے تو اس واقعہ میں کچھ ایسا اضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیا سب کے سب نے قران عظیم کی مخالفت کی پناہ بخدا! **رابعًا**: صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا" تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور انبیاء سے زائد بتا کر ان سب انبیا کی مخالفت کی کون مسلم یہ کہے گا؟ **خامسًا**: قران شریف میں حضرت موسی وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ ولقد ارسلنا نوحا الی قومه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰، صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۰

بعضها علی بعض و حاشا القران ان يتخالف **نفحه۶:** ما اجهل من زعم ان الحديث متناقض بنفسه فان قوله بين يدی رسول الله تعالٰی علیه وسلم يعارض قوله علی باب المسجد فلو كان علی الباب كيف يكون بين يديه و هذا فهم لا يتصور الا من وهم اذا جلست علی المنبر فتجاه وجهك باب فالقائم عليه هل يكون بين يديك ام خلفك والصفوف الجلوس بينكما لا تحجبه عن نظرك الا تری ان الله تعالٰی سمی السماء بين ايدينا اذ قال و قوله الحق "اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ"[1] وكم من جبال بينهما و بيننا و سياتيك زيادة وافية فی تحقيق معنی "بين يديه" ان شاء الله تعالٰی۔	جگہ بیان کئے گئے ہیں کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟ **نفحہ ۶:** وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے اس لیے کہ حدیث کے الفاظ خطیب کے سامنے اور مسجد کے دروازہ پر میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہوگی تو خطیب کے سامنے کیسے ہوگی؟ یہ شبہہ سراسر وہم کی پیداوار ہے کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو اور تمہارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازے پر کھڑا ہونیوالا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونیوالا کہا جائیگا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور مؤذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا! صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ مؤذن اور امام میں حائل نہیں ہیں اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا "کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمہارے آگے پیچھے ہیں" حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیہ" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

[1] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

نفحہ ۷: اذا بطل زعمة التناقض انتقض مابنی علیه من وجوب تاویل الحدیث فان الشجرة تنبئی عن الثمرة ولکن ان تعجب فعجب قوله وان المراد بالباب الباب الذی کان فی جدار القبلة قبل تحویلها الی الکعبة المشرفة فیاللانصاف باب کان وبان وصار جدارا والباب الحقیقی موجود الان فاذا ذکر باب المسجد هل یذهب ذهن احد الی ان القائل لم یرد الباب بل الجدار فمثل هذا یکون تحویلا وتعطیلا وتبدیلا لا تاویلا ولا سیما والحاکی لهذا اعنی سیدالسائب بن یزید رضی الله تعالٰی عنه لم یشاهد ذلك الباب الکائن البائن قط۔ فانه کان ابن سبع عند وفاۃ المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فولادته سنة ثلاث	**نفحہ ۷**: اور جب "بین یدیہ" اور "علی الباب" کاتناقض ختم ہو گیاتواس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہو گئی کہ درخت بیج کے بغیر نہیں اگ سکتالیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھاتو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے مؤذن کو مسجد کے دروازہ پر کہہ دیا اگرچہ مؤذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھامگر کھڑے ہونے والے مؤذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔ یاللعجب! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہاہے وہ اب نہیں ہے اسے بند کرکے اب دیوار کر دیاگیاہے وہ تو مراد ہو سکتاہے اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا کیاایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کاذہن اس باب کی طرف منتقل ہو سکتاہے کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ موجود نہیں بلکہ یہ دیوار مراد ہے اس کو تاویل نہیں کہتے یہ تو تحویل ہے تعطیل ہے اور تبدیل ہے خصوصا اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

اواربع من الھجر ۃ الشریفۃ وتحویل القبلۃ فی السنۃ الثانیۃ فھو یحکی ماشاھد ہ فکیف یرید بابالم یشاھدہ ثم انك تحتاج فیہ الی مجاز فی مجاز فان ذلك الباب کان فی الجدار القبلی والمنبر دونہ بینھما ممر شاۃ والمؤذن دون المنبر فکیف یکون حقیقۃ علی الباب افتری انہ کان یؤذن متقدما الی جدار القبلۃ مستدبرا للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او متوجھا الی ظھرہ الشریف متدبر اللقبلۃ بل لو فر ض ھذالم یکن ایضا حقیقۃ علی الباب المفقود ای محلہ الموجود لانہ الان مسدود۔	وصال کے وقت سات سال کے تھے اس حساب سے ان کی ولادت ۳ ھجری میں ہوئی جب کہ تحویل قبلہ کاواقعہ ۲ ھ کا ہے توجب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جاسکتاہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے پھر اس تاویل میں مجاز در مجاز ماننا پڑے گا کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھااور اسی کے پاس منبر تھا اس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گزرنے بھر جگہ تھی اور منبر کے پاس مؤذن کھڑا ہوتا تھا ایسی صورت میں مؤذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہوسکتا ہے کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی مؤذن منبر سے آگے بڑھ کر قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہو کر حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اوراپ کے پشت کی طرف رخ کرے بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہو کر اس جگہ دیوار بنادی گئی تھی۔
نفحہ ۸: ارادۃ الباب الشمالی الموجود ذاك وتاویل علی بالمحاذات ای کان یقوم المؤذن متصلا بالمنبر بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکونہ اذذاك علی محاذات الباب الشمالی قیل لہ علی باب المسجد کلام	**نفحہ ۸**: اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لیناجو منبر کے سامنے واقع تھااور "علی باب المسجد" کے علی کو محاذات پر محمول کرنااور مطلب یہ بتانا کہ مؤذن تو منبر سے متصل ہی کھڑا ہوتا تھا لیکن لفظ "علی باب المسجد" سے اس کی تعبیر اس لیے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھا مؤذن اور دروازہ میں آمنا سامنا

مفسول مزدول۔ **فاولًا**: تجوز بعید من دون قرینة والتکلم بمثله تغلیط للسامع وتلبیس للسنة فلا یظن بالصحابی۔ **ثانیًا**: فیه تضییع قوله علی باب المسجد لان الباب لماکان محاذیا للامام فالقائم بین یدی الامام قائم علی محاذاة الباب قطعا اینماکان فذکرہ بعد ذکرہ لیس فیه تخصیص ولاتوضیح ولاافادة شیئ مقصودا ذلم یکن القصد شرعاالا الی مواجھة الامام لاالی محاذاة الباب فبقی لغواعبثالاطائل تحته۔ **وثالثًا**: ان من اخنع الاباطیل مایقضی وجودہ علیه بالرحیل و ذلك ان التاویل انمایحتاج الیه اذالم یستقم المعنی الظاہر وانما احلت الظاہرة لمنافاته بزعمك قوله بین یدیه الالمحاذاة بلاحائل کمااعترفه به ابن اخت خالتك فالذی قام لصیق الامام اذاکان علی محاذاة	تھا یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔ **اوّلًا** بلاقرینہ معنی بعید مراد لینااور ایسا کلام بولناسامع کو غلط فہمی میں ڈالنااور تلبیس سنت ہے صحابی رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کرسکتے۔ **ثانیًا**: اس تاویل کی روسے "علی باب المسجد" کالفظ بے سود ہے کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جوامام کے سامنے کھڑا ہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑا ہے تولفظ "بین یدیہ" کے ذکر کے بعد لفظ "علی باب المسجد" نہ تواس پہلے معنی کی توضیح ہوئی نہ تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کاافادہ مقصود کیونکہ بقول مؤول مقصد توامام کے سامنے کھڑاہونا ہے دروازہ پر کھڑاہونانہیں ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغواور بیکار ہوا جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔ **ثالثًا**: اولا یہ تاویل خود اپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پر اس لیے محمول کیاکہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھااور بین یدیہ کے معنی محاذات بلاحائل ہیں جیساکہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کااعتراف کیااور اب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑاہونے والا دروازہ

الباب کما اعترف الان، کیف لایکون الذی علی الباب محاذیا للامام ولاحائل ثمه یحجبه من النظر فصدق بین یدیه فتاویلك باطل باستقامة المعنی الظاھر، واستقامته نقتضی لبطلان التاویل فکان وجودحاکم بعدمه وھذا ھو اشنع الاباطیل۔ **نفحه۹:** اشنع منه زعم ان [عــه] العاطف	کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونیوالا امام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگا جب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں تو جب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی توجب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے تو اس تاویل کی کیا ضرورت ہے اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کا سامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے اور یہ بدترین بات ہے۔ **نفحہ ۹:** اس سے بری تاویل یہ ہے کہ

عــــہ: ومثله بل ابعد منه قول اعجاز الحق ان فی روایة محمد بن اسحق تقدیرا یعنی اذجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی المنبر اذن بین یدیه (بعد ما کان) علی باب المسجد فالنداء لابالفاظ مخصوصة علی باب المسجد کان فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم والشیخین، ثم جعل عثمٰن ھذا النداء اذانا ای بالفاظ مخصوصة علی مقام عال ھو الزوراء علی ماصرح به فی المرقاة[1] فھذا ھو التحقیق الحقیق بالقبول

عــــہ اور اس سے بھی زیادہ بعید اعجاز الحق کا قول ہے کہ محمد بن اسحٰق کی روایت میں پورا ایک جملہ مقدر ہے یعنی عبارت یوں ہے "حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعد اذان آپ کے سامنے ہوتی" یعنی وہ ندا جو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی ایسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتا رہا پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کو اذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلانا شروع کیا جو مسجد سے دور ایک بلند جگہ تھی ایسا ہی ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر فرمایا یہ تحقیق لائق قبول ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

محذوف قبل قولہ "علی باب المسجد"	یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ "علی الباب"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبہ ارتفع التعارض فی الروایات، وزین القول بالفاظہ الفصیحۃ فھذا اشدۃ [شفاھتہ لارزانتہ] لم یقنع بحذف حرف واحد ولتو ھمہ ان "یؤذن" فی الحدیث علی۔۔۔۔ ولعمر اللہ لو جوز امثال ھذہ الحذفات فی الکلام لھان تحویل کل نص الی ماتھوی الانفس للئام فیقول من یبیح الزنا للاعزب الحق ان فی قولہ تعالٰی "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی"[1] تقدیر ایعنی بعد ماتزوجتم لان المتاھل عند ہ ما یغنیہ من الز ناالمحر م علیہ بخلاف الاعزب فانہ محتاج الیہ و یقول من یبیح قتل الشبان الحق ان فی قولہ تعالٰی "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ

اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے مسمّٰی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی پورا مرکب غیر مفید کر ڈالا اور یہ سوچ کر کہ حدیث شریف میں یؤذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لیے باب مسجد والا اعلان ہوگا اور اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف منسوب کردیا واللہ العظیم اگر اس طرح کی خرافات کلام میں جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قران عظیم کی آیتیں پھیر نا آسان ہوگا مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی" (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد تزوجتم یعنی جس کی شادی ہو چکی ہو وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شادی کر لینے والے کو زنا کی حاجت نہیں، بخلاف غیر شادی شدہ کے اس کے پاس بیوی نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القران الکریم ۱۷/ ۳۲

والمعنی کان الاذان تارۃ بین	سے پہلے واو یا او محذوف ہے اور مطلب یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حَرَّمَ اللّٰہُ"[1] تقدیر ایعنی بعد ماتحرم لان القتل لدفع الایذاء والھرم اضعف من ان یوذی احدا بخلاف الشباب فانہ ان لم یوذ حالافیستطیع ان یوذی وقتل الموذی قبل الایذاء ثم ھو بنفسہ لم لایستدل علی مزعومہ بایۃ الجمعۃ قائلا: الحق ان فی کلامہ تعالٰی اذانودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ تقدیرا یعنی "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ"[2] داخل المسجد لصیق المنبر یوم الجمعۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ومانسب التصریح بہ الی القاری فلم یصرح

تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے فرمان "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ" میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ماتحرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالٰی نے قتل نفس حرام کیا ہے یہ ہے کہ بوڑھے ہونے کے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے کیونکہ کسی کو قتل اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے اور بوڑھا ایذا پہنچانے کے لائق نہیں تو اس کا قتل حرام ہونا چاہیے بخلاف جوانوں کے کہ یہ فی الوقت ایذا نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں اور موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہئے اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے جوانوں کے قتل کی نہیں بلکہ خود یہ مودل اسی مسئلہ میں قرآن کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بنا سکتا ہے مثلاً قرآن شریف کی آیت مقدسہ اذانودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے) میں یہ مقدر مان لے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۶۲/ ۹

یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتارة علی باب المسجداو کان یکون فی المحلین غیران الذی علی الباب کان اعلامابغیر لفظ الاذان و هذابحکایته یعنی عن نکایته فمامثله الا کمن یقول فی قوله تعالٰی "فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّاؕ"[1] ان الواو بمعنی او محذوف قبل من"من قبل" والمعنی اما	کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی اور کبھی دروازہ پر یا مطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا منبر کے پاس والی تو اذان ہوئی اور دروازے کے پاس والا اعلان تھا جو اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا یہ بات خود ہی اپنا بطلان کر رہی ہے کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینے روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی او ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به ولم یکن وانماابدی من عندنفسه عدة احتمالات شتی لماسبق الی وهمه فاحتمال هو بعده للتوفیق کمایاتی بعونه تعالٰی بیانه الشافی فی نفحة عشرین من الشمامة الرابعه ۱۲منه۔

اذانو دی للصلوة داخل المسجد لصیق المنبر من یوم الجمعة(جب مسجد کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دی جائے)لاحول ولاقوة الاباللّٰه العلی العظیم۔۔۔۔رہ گئی اس قدر نامعقول کی نسبت ملا علی قاری کی طرف تو یہ قطعاً غلط ہے انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایہ کیانہ تصریح بلکہ انہوں نے ایک وہم کی بناپر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چند احتمالات کاذکر کیاکہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہو جائے لیکن اختلاف ان کاواہمہ تھاتو یہ ساری توفیقیں اسی کی پیداوار مانی جائیں گی اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالٰی شامہ چہارم نفحہ بستم میں آرہی ہے ۱۲منہ۔

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۴

متتابعین او قبل ان یتماسا۔ ثم **اولا** لیس مبناہ الا علی زعم المقابلۃ بین "بین یدیہ" و"علی الباب" وماھو الا وھم فی تباب فلو وجد العاطف لم یدل علی التوزیع بل علی جمع جمیع وھو مرادنا۔ ثم **ثانیًا** یلزم علی الثانی وجود التثویب فی الجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو خلاف ماصرح بہ بل السائب نفسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لم یکن للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن غیر واحد و کان التاذین یوم الجمعۃ حین یجلس الامام یعنی علی المنبر رواہ البخاری [1] ثم **ثالثًا**: ھذا الاذان ھو المحکوم علیہ فی الحدیث بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبکونہ علی الباب فکیف تفصیل بینھما بان ما علی	مقدر ہے اور ایت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینے روزہ رکھے یا عورت سے صحبت سے پہلے روزہ رکھے۔ پھر **اوّلًا**: اس کی تاویل کی بنااس واہمہ پر ہے کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے اور چونکہ یہ وہم باطل ہے اس لیے او بھی یہاں تقسیم کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس بات کے اظہار کے لیے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں یعنی جمع کے لیے ہوگا۔ **ثانیا** "علی الباب" اور "بین یدیہ" دو الگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئیگا کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کے لیے تثویب ہوتی تھی اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ یہی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مسعود میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ **ثالثًا**: حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونے کی تنصیص ہے اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ دروازہ پر اذان سے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب المؤذن الواحد یوم الجمعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۴

الباب اعلام غیرالاذان الاان تقدر مع العاطف معطوفاوھوالاعلام اوتحمل الاذان علی عموم المجاز فترتکب مجاز اعلی مجاز وترك الحقیقة من دون ضرورة ملجئة وثیقة اشنع مسلك واخنع طریقة و بالجملة امثال الھوسات لایرتکبھاالامن یکید النصوص بالتعطیل ویرید التغیر باسم التاویل۔ **نفحه ۱۰**:وبعض من تعیرنابه الجھل ارادان یبدی فی الحدیث علة تھدمه عن اصله فزعم ان لم یکن فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم للمسجدالکریم باب تجاه المنبرا نماکان له ثلثة ابواب،باب جبریلعـــه فی الشرق وباب السلام وباب الرحمة فی الغرب و ھذاھجوم علی ردالحدیث بالجھل الخبیث کان للمسجدالکریم ثلثة ابواب باب جبریل	کلمات میں اعلان ہوتا تھاہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر ماناجائے یعنی وبعد ماکان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پراعلان ہونے کے بعدسامنے اذان ہوتی یالفظ یؤذن کوہی عموم مجاز پر محمول کیاجاتاجس سے ڈبل مجاز بلکہ بلاکسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت مانالازم آئے تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر وتبدیل حدیث کرناچاہتے ہیں) **نفحہ ۱۰**:اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھااس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیداکرنی چاہی جوسرے سے اس حدیث سے استدلال کوہی ختم کردے وہ کہتاہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبرکے سامنے تھاہی نہیں پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے پوربی رخ پر باب جبریل اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمہ (شمال وجنوب میں کوئی دروازہ تھاہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کورد کرناہے مسجد شریف میں یہ تین دروازے ضرور تھے

عـــه:ھذاالاسامی حادثة ولایقیت الابواب فی محل الابواب بل احدثت علی محاذاتھابعدالزیادات ۱۲منه۔	ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انہیں مقامات پر نہیں جہاں تھے بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انہیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے ۱۲منہ غفرلہ

فی الشرق ثم زادامیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب النساء وباب الرحمۃ فی الغرب ثم زادامیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باب السلام و باب ابی بکر فی الشمال ثم زادامیرالمومنین بابا اٰخر کمافصلہ عالم المدینۃ السیدالسمہو دی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی خلاصۃ الوفاء[1] و حسبك حدیث البخاری فی ابواب الاستسقاء عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رجلادخل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ منبررسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یخطب[2] الحدیث۔	مگراور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے پوربی جانب باب جبریل پھر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا پچھم طرف باب الرحمۃ پھر اسی طرف امیر المومنین نے باب السلام قائم فرمایا شمالی جانب باب ابی بکر پھر اسی طرف امیر المومنین نے ایک دروازے کااور اضافہ فرمایاعالم مدینہ حضرت سید سمہودی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح فرمائی پھر باب شمال کے لیے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے جو منبر کے سامنے تھاایک جمعہ کوایاآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرمارہے تھے (الحدیث)
نفحہ ۱۱: لایذھبن عنك ان ھھناسنتین،سنۃ خاصۃ باذان الخطبۃ و ھو کونہ بین یدیہ الخطیب حین جلوسہ علی المنبر ،وسنۃ عامۃ لکل اذان و ھو کونہ فی حدودالمسجداو فنائہ،لافی حدودالمسجداو فنائہ لافی جوفہ کماستسمع نصوص	**نفحہ ۱۱:** یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہاں دو سنتیں ہیں جن میں ایک کا تعلق خاص اذان خطبہ سے ہے یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کااس کے سامنے ہونا ہے اورایک عام سنت ہے جوہر اذان کو عام ہے اوراذان کاحدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہونا ہے نہ کہ خاص مسجد کے اندر اسکی تصریح

---

[1] وفاء الوفاء الفصل الثالث عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۴تا۴۹۶

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجد الجامع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

الفقهاء علیه و قد سردنالك اسماء هم و قد ارشد حدیث السائب رضی الله تعالٰی عنه الیهما معاً۔ فالاولی قوله بین یدی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاجلس علی المنبر، والاخری قوله علی باب المسجد فان باب المسجد فی حدوده لافی جوفه و خصوصیة الباب ملغاة قطعاوانمالایکون علیه لکونه وجاه المنبر لولاذالك لم یکن علی الباب بل علی حافة المسجداو فی فنائه بین یدی الامام فانکشف به سوالان کثیراماتوردهماجهلة الهنودالاول ان العلماء لم یذکروامن سنن هذاالاذان کونه علی الباب قل لهم لم یذکرونه مع انه غیر مقصود فی هذا الباب و مامثله الا کمثل من یری حدیث ان بلال رضی الله تعالٰی عنه کان یؤ ذن علی سطح بیت ستنا نوارام زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنهما فیحسب ان السنة فیه کونه من سطح بین الجیران حتی لو کان علی منارة او علی جدار المسجد کان مخالفاللسنة وهذااجهل منه بان القصد کان علی محل عال لاالی خصوص

ان فقہاء کے نصوص میں ہے جن کا نام ہم بیان کرچکے ہیں اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی اس حدیث میں ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوئی اور دروازہ مسجد مسجد کی حد پر ہوتا ہے مسجد کے اندر نہیں لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونے کو ہے اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی اس سے دو سوالوں کا جواب ہوگیا جو اکثر کیا جاتا ہے اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا جواب یہ ہے کہ اس لیے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوارام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نوارام زید پر اذان دیتے تھے تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں یہ سنت ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو اور کوئی شخص منارہ یا مسجد کے دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر

سقف جار، كذاههنا، والثاني ان الفقهاء لايذكرونه في باب الجمعة سنية اذان الخطبة خارج المسجد في حدوده انمايذكرون استنان كونه بين يدي الامام قل لهم ولم يذكرونه ثمه فانه لايختص به بل هو حكم مطلق الاذان الشرعي فمحل ذكره هوباب الاذان لاباب الجمعة وقد ذكروه فيه نعم كونه بين يديه كان من خصوصيات اذان الخطبة فذكروه في باب الجمعة اشتمل الحديث على حكمين خاص وعام وكان من حقهماان يذكرالخاص في باب الخاص و العام في باب العام و كذالك فعلواولكن العوام لا يفقهون هذاعلى تسليم زعمهم والافعلماؤ نالم يخلوباب الجمعة ايضاعن افادة هذاالحكم كما سترى بعون العلي الاعلى۔

نفحه۱۲: اذاعجز وامن كل جهة قالواهذاحديث لم يعرج عليه الناس فكان مهجوراعند هم و هذا كما ترى قول من لم يترعرع عن العامية شيئا الحديث وكل شيئ انمايطلب في معدنه ولايضره عدم

دوسرا سوال یہ کہ فقہاء اس اذان کے لیے خارج مسجد ہونے کی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو جواب یہ ہے کہ خاص باب جمعہ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے اس لیے علماء نے اس کو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیاہاں خطیب کے سامنے ہونااذان جمعہ کے ساتھ خاص تھاتواس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیاخلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کو شامل تھی اصولااس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہیے تھافقہائے امت نے ایسا ہی کیا یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیاجائے ورنہ ہمارے علماء کرام نے ابواب جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھاان شاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحہ ۱۲: اورجب ہر طرف سے عاجز آ گئے تو کہاکہ لوگوں نے اس حدیث کاچرچا ہی نہیں کیاتو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہو سکتی ہے جو عوام کے درجہ سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہو سکا کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہیے جہاں اس کاٹھکانہ ہواور دوسری جگہ

و جدانه فی غیره مع هذاماهی الاشهادة نفی ولا سیمامن قوم عمی ولوابصروالنظروان العلماء لم یزالوایوردونه و یعتمدونه ففی تفسیر الخازن (اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة) اراد بهذاالاذان عند قعود الامام علی المنبر لانه لم یکن فی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه ولابی داؤد قال کان یؤذن بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد[1]، اھ مختصرا۔	نہ ملنے کی کوئی شکایت نہیں اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے ورنہ علماء تواس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے اوراس پر اعتماد کرتے رہے تفسیر خازن میں ہے: (جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جوامام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اسکے علاوہ اوراذان نہیں تھی۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے توان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی اھ مختصرًا
وفی تفسیر الکبیر: قوله تعالٰی "اذا نودی" یعنی النداء اذاجلس الامام علی المنبر یوم الجمعة وهو قول مقاتل وانه کماقال لانه لم یکن فی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه کان اذاجلس علیه الصلوة والسلام علی المنبر اذن بلال علی باب المسجد و کذا	تفسیر کبیر میں ہے: اللہ تعالٰی کا قول "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" یعنی نداجو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے یہی مقاتل کا قول ہے اورایسا ہی بیان کیاگیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان

[1] لباب التاویل فی معالم التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیة ۶۲ / ۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۹۰

علی عهد ابی بکر و عمر رضی الله تعالٰی عنهما[1] اه وفی الکشاف: النداء الاذان وقالوا المراد به الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وقد کان لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام للصلوٰة ثم کان ابو بکر و عمر رضی الله تعالٰی عنهما علی ذلك حتی اذا کان عثمان وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا اٰخر فامر بالتاذین الاول علی دار له التی تسمی "زوراء" فاذا جلس علی المنبر اذن المؤذن الثانی فاذا نزل اقام للصلوٰة[2] اه	دیتے ایسا ہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانے میں بھی تھا۔ تفسیر کشاف میں ہے (سورہ جمعہ کی آیت میں) نداء سے مراد اذان ہے کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی مؤذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا خطبہ کے بعد اپ مبنر سے اتر کر نماز قائم فرماتے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا اور دور دور تک مکانات ہوگئے تو آپ نے ایک موذن کا اور اضافہ فرمایا اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا جو اپ کے گھر سے موسوم بہ زواء پر دی جاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور اپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے پھر اپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔
وفی الدر الشفاف لعبد الله بن الهادی: کان له صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد	در شفاف لعبداللہ بن الہادی میں ہے: آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹/۶۲ میدان الجامع الازہر مصر ۸/۳۰

[2] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل تحت الآیہ ۶۲/ ۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۳۲

فکان اذاجلس علی المنبراذّن علٰی باب المسجد فاذا نزل اقام الصّلوۃ[1] اھ وکذافی النھرالماد من البحر لابی حیان: کذالك کان فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذ اصعد علی المنبراذن علی باب المسجد فاذانزل بعدالخطبۃ اقیمت الصلوۃ وکذاکان فی زمن ابی بکرو عمرالی زمن عثمان کثرالناس وتباعدت المنازل فزادموذناآخرعلی دارہ التی تسمی الزوراء فاذاجلس علی المنبراذن الثانی فاذانزل من المنبراقیمت الصلوۃ ولم یعب احد ذلك[2] وفی تقریب الکشاف(لابی الفتح محمد بن مسعود) کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم کذالشیخین بعدہ مؤذن واحدیوذن عندالجلوس علی المنبرعلی باب المسجد[3]،اھ	جواب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازہ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ نہرالماد من البحر لابی حیان میں بھی اسی طرح ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی، اور جب خطبہ کے بعد اپ اترتے تو نماز قائم ہوتی ایسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتداء عہد عثمان غنی رضوان اللہ علیھم اجمعین ہوتا رہا پھر عثمان کے زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی لوگ زیادہ ہوگئے اور مکانات دور تک پھیل گئے تو اپ نے ایک مؤذن کا اضافہ فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مؤذن دوسری اذان دیتا پھر اپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔ تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم اور اپ کے بعد شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد میں ایک ہی مؤذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا۔

[1] الدرالشفاف

[2] النھرالماد من البحر علی ھامش البحرالمحیط تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ دارالفکر بیروت ۸/ ۲۶۵

[3] تقریب الکشاف محمد بن مسعود

وفی تجرید الکشاف لابی الحسن علی بن القاسم: کان لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ[1] اھ	اور تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاایک مؤذن تھاجب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پراذان دیتاتھااوراپ جب منبر سے اترتے تونماز قائم فرماتے۔
وفی تفسیر النیسابوری: النداء الاذان فی اول وقت الظھر وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤ ذن واحد فکان اذاجلس علی المنبراذن علی باب المسجد[2] الخ مثل مافی الکشاف۔	تفسیر نیشاپوری میں ہے نداء اول وقت ظہر میں اذان ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاایک مؤذن تھاجب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پراذان دیتاتھاالخ (موافق تفسیر کشاف)
وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالھیۃ: قولہ تعالٰی "اذا نودی للصلوۃ" المراد بھذاالنداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانہ لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نداء سواہ فکان لہ مؤذن واحداذاجلس علی المنبراذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ ثم کان ابو بکرو عمرو علی بالکوفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ذلک حتی کان عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ وکثر الناس و	تفسیر خطیب وفتوحات الٰہیہ میں ہے اللہ تعالٰی کافرمان "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" اس نداسے وہ اذان مراد ہے جوامام کے منبر پر بیٹھنے پر دی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ایک ہی مؤذن تھاجب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پراذان دیتا جب آپ منبر سے اترتے تونماز قائم ہوتی پھرابو بکرو عمرو علی (رضی اللہ تعالٰی عنھم) کوفہ میں اسی پر عامل رہے مدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آبادی

[1] تجرید الکشاف

[2] غرائب القران (تفسیر نیشاپوری) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۲۸/ ۵۲

تباعدت المنازل زاد اذانا آخر[1] الخ وفی کشف الغمۃ للامام الشعرانی کان الاذان الاول علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اذا جلس الخطیب علی المنبر الی قولہ وکان الاذان علی باب المسجد[2] اھ	بڑھی اور مکانات دور دور تک پھیل گئے تو انھوں نے ایک اذان اور زائد کی۔ کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے اذان اول حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔

[1] الفتوحات الالھیہ (الشہیر بالجمل) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۴۳

[2] کشف الغمہ باب صلوۃ الجمعہ فی الاذان والخطبۃ وغیرھا دار الفکر بیروت ۱/ ۱۸۵

الشمامة الثانیه من صندل الفقه

(شمامۂ ثانیہ از صندل فقہ)

نفحہ۱: الحمدللّٰہ تظافرت النصوص علی کراھة الاذان فی المسجد والنھی عنه بصیغة النفی الاکد من صیغة النھی ففی [1] الخانیة و [2] الخلاصة و [3] خزانة المفتین و [4] شرح النقایة للعلامة عبدالعلی و [5] الفتاوی الھندیة و [6] التاتارخانیة و [7] مجمع البرکات ینبغی ان یو ذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد [1] اھ۔ و [8] فی البحر الرائق شرح کنزالدقائق وفی الخلاصة:	**نفحہ۱:** اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ [1] خانیہ [2] خلاصہ، [3] خزانۃ المفتین، [4] شرح نقایہ للعلامہ عبدالعلی [5] فتاوی ہندیہ، [6] تاتارخانیہ، [7] مجمع البرکات میں ہے مئذنہ پر اذان دینا چاہیے یا مسجد کے باہر؟ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ [8] بحرالرائق شرح کنزالدقائق اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

[1] الفتاوی الھندیہ کتاب الصلوۃ الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵، فتاوی قاضی خان مسائل الاذان ۱/ ۳۷ و خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان ۱/ ۴۹، خزانۃ المفتین فصل فی الاذان ۱/۱۹ وشرح النقایۃ للبرجندی باب الاذان ۱/ ۸۴

ولا یؤذن فی المسجد [1]، اھ وفی ۹شرح مختصر الامام الطحاوی للامام الاسبیجابی ثم ۱۰المجتبی شرح مختصر الامام القدوری لایؤذن الافی فناء المسجد او علی المئذنة [2] و۱۱فی البنایة شرح الھدایة للامام العینی: لا یؤذن الافی فناء المسجد او ناحیته عـــہ [3]۔	مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ۹شرح مختصر الامام طحاوی للامام اسبیجابی اور ۱۰المجتبی شرح مختصر للامام قدوری میں ہے اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں منارہ پر۔ ۱۱بنایہ شرح ہدایہ لامام عینی میں ہے: اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

عـــہ: الناحیة الرکن، والجانب کلھا بمعنی فی القاموس الناحیة الجانب [4] اھ وفی المصباح الجانب [5] الناحیة وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبه وارکان کل شیئ جوانبه التی یستند الیھا ویقوم بھا [6] اھ واللفظ مبنی من التنحی والاعتزال

ناحیہ رکن اور جانب سب کے معنی ایک ہیں قاموس میں ہے ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں مصباح میں ہے الجانب الناحیۃ جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے۔ تاج العروس میں ہے پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے اور ہر شیئ کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے یا اس کے ساتھ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۵، خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۴۹

[2]

[3]

[4] القاموس المحیط باب الواو والیاء فصل النون مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۷

[5] المصباح المنیر تحت اللفظ "جنب" منشورات دار الھجرۃ قم ایران ۱/ ۱۱۰

[6] تاج العروس باب النون فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۱۹

فی ³الغنیة شرح المنیة الاذان انما یکون فی المئذنة اوخارج المسجد والاقامة فی داخله [1] وفی ³نظم الامام الزند ویستی ثم ⁴شرح النقایة للشمس القهستانی ثم ⁵حاشیة مراقی الفلاح للعلامة السید احمد الطحطاوی ویکرہ ان یؤذن فی المسجد [2] وفی ⁶غایة البیان شرح الهدایة للعلامة الاتقانی وفی ⁷فتح القدیر شرح الهدایة	²غنیہ شرح منیہ میں اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر۔ ¹³نظم امام زندویستی ¹⁴شرح نقایہ لشمس قہستانی ¹⁵حاشیہ مراقی الفلاح میں للعلامۃ سید احمد طحطاوی میں ہے مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ ¹⁶غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامہ اتقانی ¹⁷فتح القدیر شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کالمجانب من المجانبة والانفصال وتری رکنی الکعبه الکریمة الاسود والیمانی خارجة منها۔
وذکر فی خلاصة الوفاء ان عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنه جعل للمسجد اربع منارات فی زوایات الاربع ثم قال کل ذلك من الهلال الی الارض خارج عن المسجد [3] منه غفر له۔

قائم ہوتا ہے یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے جیسے جانب دوری اور انفصال کے معنی دیتا ہے اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں اور خلاصۃ الوفاء میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)۔

[1] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی سنن الصلوة سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷
[2] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷
[3] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۶و۵۲۷

للمحقق علی الاطلاق: قولہ (ای الامام برھان الدین صاحب الھدایہ) والمکان فی مسالتنا مختلف یفید کون المعھود اختلاف مکانھما وھو کذلك شرعا فالاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد[1]۔اھ وقالا فی الکتابین فی مسئلۃ سنیۃ الطھارۃ لخطبۃ الجمعۃ قیاسا علی الاذان مانصہ: الاولی ما عینہ فی الکافی جامعا وھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ[2]۔اھ فھذہ تسعۃ عشر نصا وختم العشرین بکلام الامام ابن الحاج المکی مالکی فانہ رحمہ اللہ تعالٰی عقد فی المدخل فصلا للنھی عنہ وفی نفی فعلہ من السلف الصالح مطلقا فدخل فیھم ائمۃ المذاھب الاربعۃ جمیعا ومن قبلھم من الصحابۃ والتابعین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وھذا مانصہ۔	مصنف امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود ومعروف نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہو ناضروری ہے اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ نہ ہو تو مسجد کے صحن میں ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔ اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں جمعہ کے لیے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا "کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی کہ خطبہ اور اذان دونوں ہی مسجد کے اندر خدا کا ذکر ہے جن کے لیے طہارت سنت ہے، مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے۔" یہ انیس نصوص ہیں اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی اور بتایا کہ مطلقاً سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہوگئے اور ان سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجدوقد تقدم ان للاذان ثلثة موا ضع .المنارہ. وعلی سطح المسجد ،وعلی بابه . واذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جو ف المسجدلو جوہ احدھا انه لم یکن من فعل من مضی[1] الی اخرہ۔ **نفحہ ۲:** بمرأی منك ھذہ النصوص بعمو مھاواطلا قھا فان الفعل کما عر ف فی الا صول فی قوۃ النکر ۃ و قدوقع فی حیز النفی فقولھم لا یؤ ذن فی المسجد عام و البا قی مطلق ولا اثر فیھا للتخصیص والتقیید فو جب امر ارھا کما ھی والتی فیھاذکر المئذنة فاقول: اولا لا تو ذن بخر وج اذان الخطبة فان النا س بعد الصدرالاول احد ثوا اعلاء المنابرد کما بحذائھا لاذان الخطبة کما ھو مشھور ھھنا فی الجوا مع السلطانیة ستعلم جواز ذلك بشرطه فیصدق وعلی ھذاالاذان	مدخل کی عبارت یہ ہے "مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ اور منارہ، اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گزشتہ بزرگان دین مسجد کے اندر اذان نہیں دیتے تھے" الخ یہ کل بیس نصوص ہوئے۔ **نفحہ ۲:** یہ نصوص اپنے عموم واطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں اور اصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لایوذن فی المسجد عام ہے اور باقی اقوال مطلق ہیں جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں تو ان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔ اور جن کی عبارتوں میں مئذنہ کا ذکر ہے تو وہ خطبہ کی اذان کو اس حکم سے نکالنے کے لئے نہیں اولا اس لیے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اور ان کے سامنے اذان جمعہ کے لیے چبوترے بنائے جیساکہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جاسکتا ہے (اور ان کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تو اذان جمعہ کے لیے یہی مئذنہ ہوئے اور

Majlis of Dawatelslami

[1] المدخل فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

ایضاً انه علی المئذنة وان لم تکن فی الفناء۔ **وثانیاً** الحکم علی مطلق او عام بمفهوم مردد انما یقتضی ان لا یخلو شیئ من افرادہ عن کلا الوجهین اما کون کل فرد یجری فیه الوجهان فلا، وھذا ظاهر جدا۔ عبارۃ نسختی الفتح والعنایة۔ واما الاذان فعلی المئذنة فان لم یکن بیاء تحتیة ای الاذان علیها ففی فناء المسجد[1]، وعدم کونه علیها یشمل الترك والکف فیدخل فیه کل اذان، وکذا علی نسخة تکن بتاء فوقانیة والضمیر للمنارة فان المراد الکون الشرعی والوجود حسیاً غیر الوجود لشیئ شرعاً وعلی التنزل فزیادتهما لفظة قالوا قطعت هذا الحکم عن سنن السابق وذلك لان لا یؤذن بمعنی لا یفعل الاذان وهو بعمومه	ان پر اذان، اذان علی المئذنہ نہ ہوئی تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو اذان جمعہ بھی داخل رہی۔ **ثانیاً:** (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیے نہ ہو تو صحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام (اذان) کے لیے ایک حکم مردد ہے اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس تشریح کی رو سے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیے (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو یا اس پر اذان نہ ہو سکی تو صحن مسجد میں ہو پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا) **(اعتراض)** فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنجوقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لیے ہے۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

کان یشمل کل اذان لکن ھذا التنزل الاخیر لما کان الکلام فی مابین العبارتین فی اذان المنائر خاصة فلولم یأتیابقالوا لاشمل الظرف الحکم الی العھد ومقصودھمارحمھما اللہ تعالٰی مع الاستبدال بہ علی المسألة الخاصة افادة الحکم العام فزادا قالوا فصار حکمامنقولاولا عھد فی المنقول عنه فلم یسرالیه عھد سیاقه وبقی علی محوضة اطلاقه و لعمری لا یوقف علی اشاراتھم الابتوفیق من برکاتھم واللہ الموفق لارب سواہ۔	اذان جمعہ تو عدم محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے) **(جواب)** ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے :اما الاذن فعلی المئذنة وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا" اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی" اذان نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: اول اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھامگر مؤذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی یا عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک مؤذن ہے اور دوسری صورت یہ کہ مؤذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لیے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں اس لیے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کو اذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے ان میں پہلی صورت اذان پنجوقتہ میں ہے اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کے لیے حکم یہی ہے اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا اور دوسرے نسخہ کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحن مسجد میں ہوگی مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں عدم حسی اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لیے شرعامعدوم ہیں تو حکم مذکور اذان جمعہ کے لیے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی، وللہ الحمد ،اور کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں تو بر سبیل تنزل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکورہ بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ **قالوا** کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔ فرماتے ہیں: قالوا لایوذن فی المسجد فقہاء کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی اور یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ **لایوذن فی المسجد** کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ

نفحه ۳: بتوفيقه تعالٰى ظهرت فائدة لفظة "قالوا" فى هاتين العبارتين وليست فى غيرهما وليس كلما قالوا "قالوا" ارادوا تبرأ۔ اوافادة خلاف كما يشهد به التتبع ولا هو عــه مصطلح كل احد بل قال السيد العلامة فى حاشيه الدر المختار۔۔۔[1]۔ وفى رد المحتار فى مسئلة مس المحدث كتب الاحاديث والفقه قال فى الخلاصة يكره عندهما والاصح انه لايكره عنده و مشى فى الفتح على الكراهة فقال قالوا يكره مس كتب التفسير والفقه والسنن لانها لا تخلو عن	جملہ کو پنج وقتہ اذان کے لیے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لایؤذن فی المسجد کہہ دیتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنجوقتہ) کے لیے ہے جس کا ذکر جملہ سابقہ میں ہے لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علیحدہ جملہ کر دیا تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہوگیا اور یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں کے لیے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے. بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے اللہ تعالٰی اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔ آمین! **نفحہ ۳:** اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالو نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں نہ یہ سب کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے جیسا کہ کلام علماء کے تتبع و تلاش سے ظاہر ہوا۔ ردالمحتار میں بے وضو آدمی کے حدیث و فقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا "خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر فقہ اور سنت کی

عــه: ومن نسب فى مسئلتنا هذه زيادة لفظة "قالوا" الى الامام فقيه النفس قاضى خاں فقد كذب وافترى كما ترى منه حفظه ربه۔

اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کی زیادتی کی نسبت امام قاضیخاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ ان کی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ حفظہ ربہ۔

[1] یہاں اعلیحضرت نے غالبا طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی عبدالمنان۔

اٰیات القران و هذا التعلیل یمنع من شروح النحو [1] اھفجعله مشیا علیه۔ وفی نهر الفائق فی مسئلة ما اذا زوج البالغة غیر کفؤ فبلغها فسکتت لا یکون رضا عندهما وقیل فی قول الامام یکون رضا ان المزوج ابا اوجدا جزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا [2] .اھ فجعله جزمابه کذا ههنا جزم الامامین بوجهین: الاول مقصودهما ههنا تعلیل القول المعتمد وهو قول الامام ان لا فصل بین اذان المغرب واقامته بجلسة، راجع الهدایة وانظر الی قولهما یفید کذا وهو کذلك شرعا فهما بصدد اثباته وتحقیقه لا التبری عنه وتزئیقه۔ والاخر ما نقلنا منهما من قولهما الآخر حیث اولا فیه کلام الکافی۔وجز مابکراهته داخل المسجد فوضح الحق	کتابوں کو چھونا تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہہ کر سابقہ حکم کی تائید ہی کی" نہر الفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا" بالغہ کی شادی غیر کفو میں کردی گئی اسے خبر ہوئی تو چپ رہی۔یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں۔اور امام صاحب کے قول پر رضا مندی ہے بشرطیکہ شادی باپ دادانے کی ہو درایہ میں اول کو لفظ قالوا سے بیان کیا ہے۔" اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالوا لایوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی مخالفت اور تبری کے درپے رہیں (تصدیق کے لیے ہدایہ کا یہ مقام اور اس کی وضاحت میں ان دونوں اماموں کا قول یفید کذاوھم کذلک شرعا دیکھا جائے) اور دوسرے قول میں کافی کے قول ھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد کی تاویل میں فرمایا ای فی حدودہ اور بغیر قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] النہر الفائق کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۳

وللہ الحمد۔ **نفحہ ۴**: لیس یخاف علی کل من لہ حظ من علم او عقل علی ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ تلا اٰیۃ "فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ" [1] الایۃ۔ والصحابۃ بعدہ والائمۃ ولو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصہ لبطلت الشرائع و ترک الانسان سدی، فان الشریعۃ لاتاتی الا باحکام عامۃ تشتمل الناس کافۃ فلولم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اتی لہ بالخصوص فما اجھل الوھابیۃ العنود ومن تابعھم من جھلۃ الھنود اذ یقولوا نایتونا للنھی فیہ ذکر اذان الخطبۃ خاصۃ ویدانیہ قول من یقول منھم ان الفقھاء انما ذکروا ھذا الحکم فی باب الاذان ومن لم یذکرہ فی باب الجمعۃ وقد مر کشف ھذہ الجھالۃ فی النفحۃ ۱۱ من	بے قالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لیے یہ جملہ ہوا تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی ثابت ہے۔ **نفحہ ۴**: یہ بات کسی علم و عقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیت مبارکہ "فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ" (جس نے ذرہ بھر بھلائی کی اس کابدلہ پائے گا) میں برتا اور اپ کے بعد صحابہ و ائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا اگر ہر خاص کے ثبوت کے لیے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے تو شریعت معطل ہو جائے گی اور انسان بے مقصد بھٹکتا پھرے گا حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں کہ سب لوگ اس پر عمل کریں اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام حکم لاو تو یہ جاہل وہابیہ اور مسئلہ اذان میں انکی اتباع کرنے والے سنی جہلا کس درجہ ناسمجھ ہیں جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو ممانعت اذان کی کوئی حدیث دکھاؤ جس سے خاص طور سے اذان خطبہ کاذکر ہو۔ اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب

[1] القرآن الکریم ۹۹ / ۷

النفحات الحدیثیة أتزعم الجھلة ان اذان الخطبة لیس له من الحکم اماماذکر فی باب الجمعة من کونه بین یدی الخطیب مثلا کلابل یعتبر به سائرالاحکام المذکورة لمطلق الاذان فی باب الاذان فلولم یکفه البیان ثمه من این تاتی تلك الاحکام لھذا الاذان وھذا شیئ لایخفی حتی علی الصبیان ولکن الوھابیة واتباعھم قوم لایفقھون۔

ھذا ماکان طریق العلم رحم الله الامامین الاتقان والمحقق علی الاطلاق واجزل قربھما یوم الطلاق حیث داویا جھل ھولاء بوجه لم یبق لھم عذرًاولا حیلة وذلك ان الامام صاحب الھدایة فی مسئلة ندب الطھارة لخطبة الجمعة قاسرھا علی الاذان وذکر مایوھم ان الجامع کونھا شرط الصلوة وھو ظاہرا لبطلان فالامامان الشارحان عدلامنه الی ماعین الامام النسفی

میں ہے جمعہ کے باب میں نہیں اس لیے یہ حکم اذان جمعہ کے لیے نہیں ہوگا۔اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثیہ کے گیارہویں نفحہ میں گزرا اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گزارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں جو باب جمعہ میں مذکور ہیں مثلاً اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا ایسا ہرگز نہیں ہے وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں گو صرف باب اذان میں ہی ان کا ذکر کیوں نہ ہو سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لیے کافی نہ ہو تو جمعہ کی اذان میں ان پر عملدرامد کی کیا سبیل ہوگی ؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا کہ جیسے اذان کے لیے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لیے بھی اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لیے شرط ہونا ہے یہ بات غلط تھی اس لیے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا جس کو امام نسفی نے

جامعا فی الکافی و ھو کونہاذکر اللہ فی المسجد ای ذکرا موقتا کالاذان و کان یرد علیہ ان الاذان لیس ذکرا فی المسجدلکراھتہ فیہ فاولاہ بان المراد فی حدود المسجد فلوان اذان الخطبۃ کان یکون فی المسجدلما احتج الی التاویل اصلا فقیاس خطبۃ الجمعۃ علی اذان الخطبۃ بجامع کون کل منہماذکرا موقتا فی المسجد کان اذن صحیحا قطعا وای شیئ کان احق بقیاس الخطبۃ من اذانھا لکنھما اولا فارشدا بارشاد بین من الشمس ان اذان الخطبۃ ایضامکروہ فی المسجدوای نص انص تریدمن ھذاوللہ الحمد۔

نفحہ ۵:لیست المسئلۃ من النوازل ولا عزوھا الی احد من المشائخ بل ارسلوھا ارسالاوالذاکرون لھا اولئک الائمۃ الاجلاء وامثالھم کالامام قاضی خان ونظرائہ اذا ارسلوادل علی انہ المذھب لماعرف من عادتھم عزوتخریجات المشائخ الی المشائخ قال فی الغنیۃ ذوی الاحکام فی مسئلۃ النعاس صرح بہ قاضی خان من غیراسنادہ لاحد فاقتضی کونہ المذھب [1] اھ فالتشکیک فیہ بانہ غیرمعزور

اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اوراس کی اذان کے درمیان علت مشترکہ ان کا ایساذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہورہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والاذکر نہیں یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے توان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کامطلب قلب مسجد نہیں حدود مسجد ہے اوراذان خطبہ اندرون مسجد نہ ہوتی ہو حدود مسجد میں تو ہوتی ہے اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے تواذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہیے۔

نفحہ ۵: یہ مسئلہ کتب نوازل کانہیں ہے نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اوران کے ہم مرتبہ حضرات ائمہ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذھب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کانام ضرور لیتے ہیں چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب نہیں ہے

[1] غنیۃ ذوی الاحکام علی ھامش الدرر الحکام کتاب الطھارۃ بیان نواقض الوضو میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

الی سیدنا الامام الاعظم ولیس حاصله الا شیئان رفع الامان عن عامة مسائل الشرح والفتاوی الغیر المعزیة الی احد وابطال سائر ما فیه من المعزیات الی مشائخ المذاهب لان الاول اذا لم یقبل لعدم العلم لکونه عن الامام فلا خفاء فی بالرد للعلم بعدم کونه عن الامام وانت تعلم ان فیه ابطال ثلثی مسائل المذهب او ثلثة ارباعها وانما کان علینا اتباع ما رجحوه وصححوه کما لو افتونا فی حیاتهم فکیف بما اتوا به جازمین به من دون اشعار بخلاف فیه والله الموفق۔

نفحه ۶: اذلم یأت لهم تخصیص حاولوا ان یخرجوا اذان الخطبة من جنس کی یخرج بنفسه مما یشمل شیئ من احکام الاذان من دون حاجة الی تخصیص وذلك ان الاذان اعلام الغائبین والاقامة

تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں اس لیے قابل قبول نہیں اس کا مقصد دو باتیں ہیں عام مسائل شرعیہ و فتاوی جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہوان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی نسبت مسائل امام کی طرف منسوب ہوں ان کا رد و ابطال ہو کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں ان کے رد و ابطال میں کون سا تردد کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے تو ان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی، جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا اللہ تعالٰی توفیق عطا فرمائے۔

نفحہ ۶: جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کردیں تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے اور اقامت مسجد میں موجود مصلیوں کو اطلاع ہے جیسا کہ ائمہ

اعلام الحاضرین کمانص علیه الائمة منهم الامام العینی فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری و فی الهدایة الاذان استحضار الغائبین [1]۔فجعلوا اذان الخطبة اعلاما لحاضرین لانداء للغائبین کی لا یکون اذانا وان کان بکلمات الاذان کالاذان فی اذن المولو دوالمهموم و خلف المسافر ولدفع الغیلان و عند الاقبار لتذکیرا لجواب و طرد الشیطان وامثال ذلك حیث لا یقصد به نداء الخاص الی مشی او اعلاما لهم بدخول الوقت اصلابل التبرك واستدفاء البلا بتلك الکلمات الکریمة۔ ثم اضطر بوا فاجهلهم یقول لم یکن ؏ اذانا من لدن رسول الله صلی الله تعالٰی وسلم واذاقیل له افکان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصلی الجمعة من دون اذان قال لیس فیه،انما	نے اس کی تصریح کی ہے۔علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے اور صاحب ہدایہ نے فرمایا "اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے" پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں غائبین کا بلاوا تسلیم نہیں کرتے اور اذان خطبہ اذان کے الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نو مولود کے کان میں کہی جاتی ہے غمزدہ انسان کے لیے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لے دی جاتی ہے اور دفن میت کے وقت منکر ونکیر کا جواب یاد دلانے کے لیے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ایک جاہل کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

؏: یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہوسکا۔عبدالمنان۔

[1] الهدایة کتاب الصلوة باب الاذان المکتبه العربیه کراچی ۱/ ۷۴

کان یصلی الصلوۃ کلھا بمکۃ بدون اذان ولا یدری ھذا المسکین ان ھذا ا انکار للا جماع و تصریح القران فقد اجمعوا انہ لم یکن من عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجمعۃ الا ھذا الاذان واللہ تعالٰی یقول "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ"[1] انما الامر بالسعی للغا ئبین دون الحاضرین لا ستحالۃ تحصیل الحاصل واللہ تعالٰی یقول "وَ ذَرُوا الْبَیْعَؕ"[2] وانما البیع والشراء کان فی الا سواق لا فی المسجد فدل النص ان اذان الخطبۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی کان نداء للغائبین الی الصلوۃ ھذا ھوالاذان المصطلح شرعی و صلوۃ مکۃ کانت قبل نزول الاذان فقیاس الجمعۃ علیھا جھل لا یقاس ولا یمان و غیرہ یقول نعم کان الاذان علی عھد رسول اللہ وصاحبیہ صلی اللہ علیہ و علیھما وسلم فلما احدث ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ الاذان الاول کان ھوالاذان و بقی ھذا اعلاما للحاضرین و علیہ فرع مفرع منھم انہ لما کان فی الزمن	تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے، کیونکہ سب کا اس پر اجماع "کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی "اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے دوڑپڑو" یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لیے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع وشراء چھوڑ دو بیع وشراء تو بازار میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لیے بلانے کے لیے ہی ہوتی تھی اور یہی اذان شرعی واصطلاحی ہے اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کرسکتا اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہوگئی، تو جب پہلے زمانہ میں یہ اعلان تھی تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لیے

[1] القران الکریم ۶۲/ ۹

[2] القران الکریم ۶۲/ ۹

الاول للا علام نا سب باب المسجد وفی زمن عثمن رضی اللہ تعالٰی عنہ صار للانصات فناسب داخل المسجدلدی المنبر۔ **اقول:** و ھذا ایضامن ابین الاباطیل و خلاف اجماع ائمتنا الکرام فاولاقد اجمعوا للجمعۃ اذانین و ثانیا یعاد اذان الجنب لا اقامتہ علی المذھب و عللوہ بان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ کما فی الھدایہ[1] وا ستشھدوا علیہ باذان الجمعۃ قال فی الکافی والتبیین والعنایۃ والدرالمختار و غیرھا فان تکرار الاذان مشروع فی الجملۃ کما فی الجمعۃ[2] الی ھنامتفقون ثم قال فی الکافی فاما تکرار الاقامۃ فغیر مشروع اصلا[3] و فی التبیین دون الاقامۃ[4] وفی العنایۃ بخلاف الاقامۃ[5]	خاموش کرنے کے واسطے ہے تواس کامسجد کے اندر منبر کے قریب ہونا مناسب ہوا **میں کہتاہوں** کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے کہ یہ بھی ہمارے علما کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔(۱) سارے ائمہ کااس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کے لئے دواذانیں ہیں۔(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائیگی اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔ دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔ ہدایہ میں اس کی تصریح ہے، اور تکراراذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیا گیاہے۔ چناچہ کافی، تبیین، عنایہ اور درمختار میں ہے": اذان کی تکرار فی الجملہ مشروع ہے۔" یہاں تک کہ پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے، آگے کافی میں فرماتے ہیں؛"اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں"۔ تبیین میں صرف یہ ہے؛"اقامت کا یہ حکم نہیں۔" عنایہ میں ہے: "بخلاف اقامت

---

[1] الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۴۷

[2] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰، تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[3] البحرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان تحت قول المصنف و کرہ اذان الجنب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۳

[4] تبین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[5] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰

ونظم الدر لمشر و عیة تکرارہ فی الجمعة دون تکرارھا[1]۔اھ۔فلولم یکن الثانی اذاناًمثل الاول فاین التکرار۔وثالثاً صریح نص البحرفی البحر لان تکرارہ مشروع کمافی اذان الجمعة لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفیدلا حتمال عدم سماع البعض بخلاف تکرارالاقامة اذھو غیر مشروع[2]۔اھ ورابعاً لم تغیرالاذان عماکان علیہ بحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورة عن الاذانیة وکونہ اعلاماً للغائبین ام لان امیرالمومنین عثمٰن ھوالذی قطعہ عماکان الاول باطل اجماعاً فماالتثویب الا اعلام بعد الاعلام وکرہ المتقدمون واستحسنہ المتاخرون فکان ھذا اجماعامنھم علی ان الاعلام ممایقبل	کے۔"اوردرمختار کی عبارت یوں ہے: "اذان کی تکرارجمعہ میں مشروع ہے نہ کہ اقامت کی تکرار۔" پس اذان ثانی اگراذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تواس کی تکرار کس طرح ہوگی۔(۳)علامہ بحر نے اپنی کتاب بحرالرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی: "اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعاجائز ہے، جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کے لئے ہوتی ہے۔تواس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تواب سن لے گا،البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں۔" (۴)اذان خطبہ کے اذان ہو کراذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہو گئی تواب اذان خطبہ کی ضرورت نہیں رہی، تو یہ اذان نہ رہی۔یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کاکام لیا جائے گا۔پہلی بات تو باطل ہے کہ تثویب بھی تواعلام بعد الاعلام یہ ہے جسے متقدمین نے مکروہ کہااور متاخرین نے مستحسن گردانا۔تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کردیا اعلام

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب الاذان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳

التکرار اذلو استحال لاستحال ان یکون مکروھا او حسنا وایضا کفی للرد علیه کلام البحر، والثانی اشد واشنع واشر واخنع ان یکون امیرالمومنین بدل و حرف سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم حاشاہ من ذلك نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنة کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعة و تبعه علیه المسلمون فی عامة البلاد واما ان یغیر واسنته فکلا، واجارھم الله تعالٰی عن ذلك الا تری الی ماقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ستة لعنتهم ولعنهم الله وکل نبی مجاب و ذکر منهم التارك بسنتی رواہ الترمذی[1] عن ام المومنین عائشه رضی الله تعالٰی عنها والحاکم عنها وعن امیرالمومنین علی رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمرو بن سعواء رضی الله تعالٰی عنهم بلفظ سبعة لعنتهم	تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہو سکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رد کے لئے صاحب بحر الرائق کا کلام ہی کافی ہے۔ دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ کر سکتے ہیں اس میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالٰی انہیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا، آپ فرماتے ہیں: "چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی، اور اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی اور ہر نبی مجاب الدعوات نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت بدلنے والا ہے۔" اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، حاکم نے ام المومنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بلفظ سبعة لعنتهم

[1] سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۱، المستدرك للحاکم کتاب الایمان ستة لعنتهم الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۶، المستدرك للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشی دارالفکر بیروت ۲/ ۵۲۵

وکل نبی مجاب[1] والعجب ممن یقول ان عدم اعتبار تغییر عثمن ضلالة بتعلیمه ولا یدری المسکین ان نسبة تغییرالسنة الی عثمن هوالضلال البعید، هذاوجه و کفی به وجهاوجیها الثانی حیث یسوغ الاعلام مکررا فمن ذا الذی اخبرکم ان عثمن قطعه عنه أاقرانی قطعته ام امر الموذن ان لا یتوبه اوامره ان یخففه او یخفیه ام تقولون علی عثمان ما لا تعلمون ولا تعلمون انکم مسؤلون قال تعالٰی: "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا(۳۶)"[2] الثالث حصول الاعلام کان لازم الاذان ان کان علی وجه المعهود علی عهد الرسالة فلا ینقطع عنه الابا حداث فیه یقعده عن الاعلام السالف وکیف یظن هذا بعثمن	وکل نبی مجاب روایت فرمایا، پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کا انکار کرنیوالوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کردیا۔کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھاکہ وہ اذان کی طرف رجوع نہ کرے یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھاکہ اس اذان میں تخفیف کرے یا اس کو پست آواز سے کہے، یاآپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افتراء کررہے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔اللہ تعالٰی تو فرماتا ہے: اس پر کان بھی نہ دھرو جس کا علم نہیں، بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔"اس پر یوں بھی غور کرنا چاہئے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ اگرحسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف ناروا ضروری تھاکہ اس سے اعلام

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

فان فیه تقلیل الفائدة الشرعیة وذلك انه رضی الله تعالٰی عنه احدث الاذان الاول لما کثرا لناس فماذا کان یغیره هذا الثانی ان بقی علی ماکان علیه فی عهد الرسالة والخلافتین کی یسمعه من لم یسمع الاول کماتقدم عن البحرفالذی یزعم ان عثمٰن احدث فیه ماقطعه من کو نه اعلاما یقول بملاء فیه ان عثمٰن غیرالسنة و نقص الفائد ہ و نقض المصلحة فکان معاذ الله محض محا دة للسنة و مضا دة وان عدیناعنه.فادنی احواله ان لافائدہ فیه فیکون عبثا فی الدین والعبث کما فی الهدایة[1] حرام و یکون لغوا "وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ "[2]

نفحه ۷:تحریر ماتقرران بحث بقائه بعدلخصوص الانصات غیر محرربل وقع مصادماللنص ولحرمة الصحابة والاجماع ائمتناو نصوص فقهائنا فکیف یعرج علیه.بل کیف یحل ان یلتفت الیه

کا فائدہ ختم ہو جائے۔اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا،تواذان ثانی کو عہد رسالت اور عہد صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کرتو مسجد میں ضرور اجائیں گے کیا حرج تھا کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کردیتے،تواس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرناان پرالزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی،فائدہ شرعیہ گھٹایا۔اور دینی مصلحت توڑی۔ورنہ اتنا تو ہے کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ہے،ایک لغو فعل ہوا،اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے،وہ لغو سے پرہیز کرتے ہیں۔

نفحہ ۷:ہماری گزشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اذان ثانی کواب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لیے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں بلکہ یہ نص،حرمت صحابہ اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و مصادم ہے تواب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات،

[1] الھدایۃ کتاب الصلوۃ فصل و یکرہ للمصلی المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

[2] القران الکریم ۲۳/ ۳

ولکن الر زیة من ترك نصوص مذهبه و تشبث بذلك البحث وتحمل کل مامر ثم زاد فی الشطر نج بغلة و هو ذلك تفریع الباطل انه اذن ناسب داخل المسجدلدی المنبر ولم ذاك مع ان اهل المسجد الصیفی احوج الی هذا الا علام من اهل الشتوی فانهم یرون الامام باعینهم فینصتون والقیاس علی الاقامة جهل فان بالاقامة تترتب الصفوف من الاول فالاول قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر رواه احمد[1] فی المسندو النسائی وابن حبان و خزیمة والضیاء کلهم فی صحاحهم بسند صحیح عن انس رضی الله تعالٰی عنه ولعمری ان هذه ایضا کادت ان تکون سنة مهجورة والله المستعان فناسب کون الاقامة فی الصف الاول بخلاف الاعلام بجلوس الامام فان اهل الخارج احوج الیه کماتری۔	لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگادی کہ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو حالانکہ اس اذان کی غرض اسکان سامعین مان بھی لی جائے تو اس اذان کے زیادہ ضرورتمند حصہ صیفی وبیرونی صحن کے لوگ ہیں اندرونی دالان کے لوگ تو امام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خموش ہوجائیں گے ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے تاکہ جو لوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہوجائیں اس اذان کو اقامت پر قیاس کرنا جہالت ہے کیونکہ اس کا مطلب تو جماعت کے لیے صف لگانے کا ہے اور صف کے لیے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پہلے پہلی مکمل کرو پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد اور جو کمی ہو تو آخری صف میں ہو"اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند، امام نسائی، ضیامقدسی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمایا اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کردیا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہیے اور اذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب لاسلامی بیروت ۳/ ۱۳۲، سنن النسائی کتاب الامامة الصف المؤخر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱، موارد الظمان باب ما جاء فی الصف للصلوۃ حدیث ۳۹۰ المکتبة السلفیه ص ۱۱۴

۸:عدة طلبة حاولوا نقض کلیة الائمة"لا یؤذن فی المسجد"بالاقامة فانها ایضا یقال علیها" الاذان" کما فی حدیث بین کل اذانین صلوة لمن شاء [1] مع انها فی المسجد وفاقا،وجهلوا ان اطلاق الاذان علیها تغلیب او عموم مجاز.قال الامام العینی فی عمدة القاری المراد من الاذانین الاذان والاقامة بطریق التغلیب کالعمرین والقمرین [2] وفی المواهب اللدنیة عن امام الائمة ابن خزیمة قوله "اذانین" یرید الاذان والاقامة تغلیبا [3] قال الزرقانی لانه شرعا غیرالاقامة [4] وفی العینی ثم المواهب اولا شترا کهما فی الاعلام [5] قال الزرقانی	نفحہ ۸: کچھ طلبہ ائمہ دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے یہ کہہ کر توڑنا چاہتے ہیں کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے "ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لیے نماز ہے جو پڑھنا چاہے" حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے تو فقہاء کا یہ حکم کلی نہیں رہا،اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جاسکتی ہے،ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیباً ہے یا بطور عموم مجاز امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں "اذانین سے مراد اذان واقامت ہے جیسا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو عمرین کہا جاتا ہے "اصطلاح بدیع میں اس کو تغلیب کہا جاتا ہے مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے اذانین سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں اور یہ تغلیب ہے۔زرقانی میں ہے "شریعت کے اذان اقامت سے الگ ہے" عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا "اقامت کو اذان اس لیے کہہ دیا کہ اعلان ہونے میں

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوة لمن شاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۷
[2] عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوة لمن شاء دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۰۷
[3] المواہب اللدنیة الباب الثانی صلوة الجمعہ الاذان لصلوة الجمعة المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱
[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة صلوة الجمعہ الاذان لصلوة الجمعة دارالمعرفة بیروت ۷/ ۳۸۰
[5] المواہب اللدنیة الباب الثانی صلوة الجمعہ الاذان لصلوة الجمعہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱،عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعة باب الاذان دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۳۰۳

فلا تغلیب لان الاذن لغة الاعلام و فی الاقامة اعلام بدخول وقت الصلوة کالاذان فھو حقیقة اللغویة فی کل منھما[1] وما یقال فی تعلیل روایة مرجوحة مخالف للمذھب ان الاقامة احد الاذانین فھو کقولھم "القلم احد اللسانین"[2] ولذا فسرہ الامام النسفی بان کل واحد منھماذکر معظم کما یفسر ھذا بان کلامنھما یعرب عما فی الضمیر ،الم تر ماقد منامن نصوص الھدایة والکافی والزیلعی ،والاکمل، والدر ،والبحر ،ان تکرار الاذان مشروع ولا یشرع تکرار الاقامة الم تعلم مانصوا علیه فی الکتب المذکورة جمیعاو غیرھا ان اذان الجنب یعاد، ولا تعاد اقامته[3] الم تسمع الی ما فی البحر عن الظھیریة لو جعل	دونوں شریک ہیں"۔زرقانی نے فرمایا"ان دونوں میں تغلیب نہیں اس لیے لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے۔اوراقامت میں دخول وقت کااعلان ہوتا ہے توان دونوں میں عام وخاص کافرق ہے اوردونوں کے لیے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے۔"ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین"اقامت دواذانوں میں سے ایک ہے اس کو جواس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے تووہ ایسا ہی ہے جیسے اہل زبان کامقولہ ہے القلم احدی اللسانین قلم دوزبانوں میں سے ایک ہے اسی لیے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہاکہ اذان واقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیساکہ القلم احدی اللسانین کی تفسیر کی جاتی ہے کہ دونوں ہی مافی الضمیر کو بیان کرتے ہیں ان دونوں میں مغایرت پردلالت کرنے والی ہدایہ،کافی، زیلعی،اکمل،دراور بحر کی عبارتیں ہیں کہ "اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں"انہیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ" جنبی کی اذان دہرائی جائے اوراقامت نہیں دہرائی جائے گی"بحرالرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ "اگراذان کواقامت کی طرح اداکیا

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة الباب الثانی کتاب الجمعة یوم الجمعة دارالمعرفة بیروت ۷/ ۳۸۰

[2] فیض القدیر تحت الحدیث ۵۲۱۶ ضع القلم علی اذنك دارالکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۳۶

[3] تبیین الحقائق باب الاذان ۱/ ۲۴۹ وبحرالرائق باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳ ،الھدایة باب الاذان ۱/ ۷۴ والعنایة علی ہامش فتح القدیر باب الاذان ۱/ ۲۲۰

الاذان اقامة یعید الاذان ولو جعل الاقامة اذانا لا یعیدلان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة[1] وفیه عن المحیط لو جعل الاذن اقامة لا یستقبل ولو جعل الاقامة اذانا یستقبل[2] الخ۔ الی غیر ذلك من مسائل باینوا فیھا بین الاذان والاقامة۔ وبالجملة الالزام باجراء احکام الاذان طرا فی الاقامة شیئ لا یتفوہ بہ من شم رائحة العلم، ولکن الجھل اذا ترکب فھو الداء العضال۔	تواذان دہرائی جائے اور اگر اقامت کو اذان کی طرح کہا تو نہ دہرائی جائے کیونکہ تکرار اذان مشروع ہے تکرار اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں اور اگر اقامت کو اذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے" اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان واقامت کا فرق ہے ان سب اشادات کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعوی کوئی سمجھدار ادمی نہیں کر سکتاہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔
نفحہ ۹: اقول: وباللّٰه التوفیق اعلم وفقنا اللّٰه تعالٰی وایاك ان للمسجد اطلاقین احدھما موضع الصلوة من الارض الموقوفة لھا وھو الاصل وبھذا المعنی لا یدخل فیہ البناء فان البناء من الاوصاف کالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد۔ وکذا الدکة والمنار والحیاض والابار وان کانت فی حدودہ بل فی جوفہ اذابنیت قبل تمام المسجدیة امابعدہ فلایجوز تغییر شیئ من الاوقاف عن ھیئتہ الابشرط الواقف	**نفحہ ۹:** اللہ تعالٰی ہم کو اور اپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے مسجد کی دو اطلاقات ہیں (ا) زمین کا وہ حصہ جو نماز کے لیے وقف کیا گیا ہو مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں جیسے کہ اطراف و حدود پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں اسی طرح اذان کے چبوترے، مینار یں، حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے تو مسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایا تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں۔ واقف نے وقف کی ضرورت

[1] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

[2] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

لحاجة الوقف و مصلحته فکیف بالمسجد فی براته و حریته و تمنعه من حق عبدوخیر ته،فی وقف الدر من احکام المسجدلو بنی فو قه بیتا لامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البنا ء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصد ق تا تار خانیة فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد [1] اھ	کے لیے اس کی شرط لگائی ہو تواور بات ہے اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام المسجد میں ہے: "اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لیے کمرہ بنایا تو حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں ہے لیکن مسجد مکمل ہوگئی تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائیگا اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے ہی کمرہ بنانے کی تھی،اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔"تاتارخانیہ میں ہے" جب خود واقف کا یہ حال ہے تو دوسرے کا کیا۔ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہواس کو بھی ڈھادینا چاہیے"
والاخر الارض مع البناء وهو الاصل مع الوصف فا لبنیان کالجدار ان والبنیان داخل بهذا المعنی فیه و علی الاول قوله تعالٰی "اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ" [2] اخرجه الا ئمة احمدوالد ارمی و الترمذی و حسنه وابن ما جه وابن خزیمة وابن حبان والحا کم ،وصححه عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد	**(ب)** اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے،تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں اللہ تعالٰی کے فرمان انما یعمر مساجد الله من اٰمن بالله (مسجدیں اللہ تعالٰی پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔امام احمد،دارمی اور ترمذی نے اس کو تخریج کیا،اور ترمذی نے حسن کہا۔ابن ماجہ،ابن خزیمہ،ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہے تو

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] القرآن ۹/ ۱۸

فاشهدوا له بالایمان[1] قال الله تعالٰی اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ[2] فعمارتها بالصلوة فیها ولو لم یکن ثم بناء کالمسجد الحرام فی زمن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فما کان الا ارضا حول الکعبة مخلاة للطواف۔ وعلی الاخر قوله عزوجل " لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ "[3]، فما الهدم الا للبناء۔ بل لاطلاق الثالث یشمل الفناء ولهذا جاز للمعتکف دخوله ولا یعد به الا معتکفا فی المسجد فی البدائع ثم رد المحتار لوصعد ای المعتکف المنارة لم یفسد بلا خلاف	اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ "مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے اگرچہ وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنٰی پر ہی اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: لهدمت صوامع وبیع (تو البتہ یہود ونصارٰی) کے صوامع اور عبادت خانے ڈھادیئے جاتے اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔ (ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا اسی لیے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے بدائع اور شامی میں ہے: معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے جس کا دروازہ مسجد سے خارج

[1] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ما جاء فی حرمة الصلوة امین کمپنی دہلی ۸۶/۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸، المستدرك للحاکم کتاب الصلوة دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳، ۲۱۲، موارد الظمآن باب الجلوس فی المسجد للخیر حدیث ۳۱۰ المکتبة السلفیة ص۹۹، صحیح ابن خزیمه باب الشهادة بالایمان لعمار المسجد حدیث ۱۵۰۲ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

وانکان بابها خارج المسجدلانهامنه لانه یمنع فیهامن کل ما یمنع فیه من البول و نحو ہ فا شبه زاویة من زوا یا المسجد [1]۔وعن ھذا تسمع الناس یقولو ن قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارته مثلاوان کانت واقعة خارج المسجدو ھذا محاورة سائغة شائعة عر باو عجما۔ولا یقول احد قوموا فقد اذن خارج المسجد،وعلی ھذا نظائر قول ابن مسعو د رضی اللہ تعالٰی عنه ان من سنن الھدی الصلوۃ فی المسجد الذی یؤ ذن فیه روا ہ مسلم [2]۔ وقول الفقھاء کر ہ خر و ج من لم یصل من مسجد اذن فیه [3]۔اذا علمت ھذا فا علم ان الاذان انما یکر ہ فی اصل المسجدلا فی وصفه ولا تبعه وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانیین ألا تری الی ماقد تلو نا علیك من نصوص الا ئمة کیف نھوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنة و فنا ء ہ والحدود بمر ای منك حدیث الاذان علی باب	ہو کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے اور وہاں پیشاب و پاخانہ منع ہے،تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا"اسی لیے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے اور چونکہ یہ محاروہ عرب و عجم میں شائع و ذائع ہے کہ اذان منارہ کو سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوگئی۔اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو آپ نے فرمایا تھا"جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز پڑھنا سنت ہدی ہے" (مسلم)۔اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ "مسجد میں اذان ہو چکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے" اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے وصف مسجد میں نہیں۔اور تبع مسجد میں بھی نہیں اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔حدیث سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی مفاد ہے"کان

[1] ردالمحتار کتاب الصوم باب الاعتکاف داراحیاء التراث العرابی بیروت ۲/ ۱۳۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلوۃ الجماعة و بیان التشدید فی التخلف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب ادراك الفریضة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

المسجد، واخرج ابو الشیخ فی کتاب الاذان عن عبد اللہ ابن زید الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول اللہ اکبر اللہ اکبر اربعا[1] الحدیث وفی اخری عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ ونادی[2] الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنار او سطح المسجد او بابہ[3] وبما قررنا وللہ الحمد تبنیت فوائد، الاولی یجوز الاذان الدکۃ والمنارۃ وشفیر البئر وحریم الحوض وان کانت ھذہ الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناھا قبل تمام المسجدیۃ لان ذلک یبقی مستثنی ولا تشملہ المسجدیۃ فیجوز لہ ان یبنی وللناس ان یستعملوھا کما اذا اعد فیہ موضعا للوضوء وکذا اذا کنت بئر او حوض مثلا فی فناء المسجد	الاذان علی باب المسجد" (اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی)۔ ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا" دوسری حدیث میں انہیں سے ہے کہ "میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا" (الحدیث) مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کرائے ہیں کہ "اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیے۔" ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے (۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی گگری پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر رہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو وجہ اس کی یہ ہے وہ ابتداء سے ہی مسجد سے مستثنی ہیں تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کر سکتے ہیں، ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لیے خاص کردی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۱

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۱

[3] المدخل فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

فزید المسجد واحاط بہا کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونہا اذذاک قبل المسجدیۃ ابین و اظہر امابعد تمام المسجدیۃ فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکۃ ولامنارۃ ولا بئر ولا حوض کما قد مناعن الدر[1] من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحہ فکیف ارضہ ھذامانص علیہ علماؤنا انہ لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو کانت البئر قدیمۃ تترک کبئر زمزم[2] اھ خانیۃ و ھندیۃ وغیر ھماو تمام تحقیق المسالۃ فی جد الممتار تعلیقا تنا علی رد المحتار و قال فی الاشباہ والنظائر من احکام المسجد تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعدلذلک لایصلی فیہ او فی اناء[3] اھ ونحوہ فی الدر۔قال الشامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قولہ "الا فیما اعدلذلک" انظر ھل یشترط	صحن میں کوئی حوض تھا کنواں تھا مسجد میں توسیع ہوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے جب کہ اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے،ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے نہ منارہ نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم در مختار سے نقل کرائے کہ "تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے" ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے کہ "مسجد میں کنواں نہیں کھودا جا سکتا،پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے جیسا زمزم کا کنواں خانیہ،ہندیہ وغیرہ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب جدالممتار حاشیہ درمختار وشامی میں ہے اشباہ و نظائر کے باب احکام المسجد میں ہے" مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کے لیے مقرر ہو تو اور بات ہے" ایساہی درمختار میں ہے۔امام شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مصنف کے قول الاما اعدلذلک پر فرمایا: "یہ امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لیے جگہ

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی المسجد نولکشور لکھنو ۱/ ۳۱، خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القران کراچی ۲/ ۲۳۰

اعداد ذلك من الواقف ام لا[1] وکتبت فی جد الممتار اقول: نعم وشیئ اخر فوق ذلك وھوان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیة فان بعدہ لیس له ولا لغیرہ تعریضه للمستقذرات ولا فعل شیئ یخل بحرمته اخذته مما یاتی فی الوقف من الواقف لو بنی فوق سطح المسجد بیتا لسکنی الامام[2] اھ ثم فی احداثھا فی المسجد بعد ما صار مسجداموانع اخری فانھا تشغل موضع الصلوۃ وتقطع الصفوف وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من وصل صفا وصله اللہ ومن قطع صفاقطعه اللہ۔رواہ احمدوابو داؤد[3] والنسائی وابن خزیمه والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھماقال العلامة القاری فی المرقاۃ	مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں" میں نے جد الممتار میں اس پر لکھا یہ شرط تو ضروری ہے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لیے یہ جگہیں متعین کرے مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لیے پیش کرتا ہے۔میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ "واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کے لیے کوئی گھر نہیں بنا سکتا" مسجد مکمل ہونے کے بعد اس میں ان امور کے لیے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلا اس کی وجہ سے نماز کی جگہ جائے گی اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہو سکتی ہے جبکہ حدیث شریف میں ہے "جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالٰی اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالٰی اسے رحمت سے دور کریگا" (احمد، ابو داؤد، ابن خزیمہ، اور حاکم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بہ سند صحیح روایت کی) ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے

[1] رد المحتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[2] جد الممتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ المجمع الاسلامی اعظم گڑھ ہند ۱/ ۳۱۶

[3] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷، مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۹۸، المستدرك للحاکم کتاب الصلوۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳

(من قطعه)ای بالغيبة او بعدم السداو بوضع شيئ مانع[1] وقد نهى العلماء عن غرس الشجر فى المسجد وعللوه بانه يشغل مكان الصلوة كما فى الخانية و خزانة المفتين والهندية و غير هاواما اباحته لتقليل النز اذا كانت الارض نزة لا يستقر اساطينها فللضرورة والضرورات تبيح المحظورات قال فى البحرفيغرس ليجذب عروق الاشجار ذلك النز فحينئذ يجوز، والا فلا[2] ومثله فى الظهيرية والبزازية وغير هما قال فى منحة الخالق: وفى قوله "الا فلا" دليل على انه لا يجوز احداث الغرس فى المسجد ولا ابقاؤه فيه لغير ذلك العذر ولو كان المسجد واسعا كمسجد المقدس الشريف ولو قصد به الاستغلال او تجويز ابقاء ذلك بعد احداثه ولم يقل بذلك احد بلا ضرورة داعية ولان فيه ابطال	مرقاۃ میں " قطعہ "کا مطلب یہ تحریر فرمایا کہ صف سے غائب ہو کر یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو علمائے کرام نے، مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا ایسا ہی خانیہ خزانۃ المفتین وغیرہما میں لکھا ہے اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لیے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بہ ضرورت ہے اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں بحرالرائق میں ہے: "مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں ورنہ درخت لگانا جائز نہیں "ایسا ہی ظہیریہ وبزازیہ وغیرہ میں ہے۔ منحۃ الخالق میں بحر کے قول "والا فلا "پر فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے نہ اس کا باقی رکھنا۔اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دکان بنانے کی راہ کھلے گی اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلاضرورت ہو مسجد میں دکان و مکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہوگی حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف حدیث ۱۱۰۲ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۷۹

[2] بحر الرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراھۃ فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۲

مابنی المسجدلا جله من صلوة و اعتکاف ونحوهما وقد رایت فی هذه المسالة رسالة بخط العلامة ابن امیر الحاج الحلبی الفها فی الرد علی من اجاز ذلك فی المسجد الاقصی، ورأیت فی اخرها بخط بعض العلماء انه وافقه علی ذلك العلامة الکمال ابن الشریف الشافعی [1]اھ	اصلی غرض فوت ہو گی اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اس کو روا رکھا تھا اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔
وقلت فی جد الممتار بعد نقل ما هنا وغیره من نظر هذه الکلمات الشریفة بعین الانصاف لم یلبث فی الحکم بتحریم کل احداث فی المسجد یکون فیه شغل محل منه لغیر مابنی له سواء کان بیتا او حانوتا او دکة او منارة او غاسلا او خزانة او بئرا او حوضا او شجرا، أو، أو، أوالخ وعنیت به المسجد بالمعنی الاول۔	میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا بلا توقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دکان، چبوترہ ہو یا منارہ خزانہ ہو یا گودام کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔
وقال الامام ابن الحاج المکی فی المدخل و من هذا الباب ایضا ما احدثوه فی المسجد من الصنادیق الموبدة وذلك غصب لموضع مصلی المسلمین [2] قال و من هذا الباب الدکة التی یصعد علیها المؤذنون للاذان یوم الجمعة بل هی اشد من الصنادیق اذیمکن نقل	امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لیے بعد میں بنائے گئے ہیں بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں جبکہ چبوتروں میں

[1] منحة الخالق حاشیة بحر الرائق مع البحر فصل لما فرغ من بیان الکراهة فی الصلوة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

[2] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

الصنادیق ولا یمکن نقلہا[1] قال ومن ھذا الباب ایضا اعنی فی امساك موا ضع فی المسجد وتقطیع الصفوف بہا اتخاذ ھذا المنبر العالی فانہ اخذ من المسجد جزاء جیدا وھو وقف علی صلاۃ المسلمین[2] اھ ملتقطا فرحم اللہ من نص ورحم اللہ من قبل۔	یہ ناممکن ہے اوراسی قسم یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھرجاتی ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لیے وقف تھی ملخصا (اللہ تعالٰی نصیحت کرنے والے اور قبول کرنیوالے دونوں کو قبول فرمائے۔
الثانیۃ۲ المراد فی قول الکافی انہ ذکرفی المسجد المعنی الثانی الشامل للاصل والوصف فال فلخطبۃ فی الاصل والاذان فی الوصف فشملہما الکون فی المسجد وان تفرق المحل وفی قول الغایۃ والفتح الکراھۃ الاذان فی داخل المعنی الاول فبدقۃ النظر لیس ما ذکر تاویل لکلامہ بل تبیین لمرامہ اذلیس فیہ صرف عن ظاھرہ واللہ تعالٰی الموفق۔	**(۲)** امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکرا فی المسجد (مسجد کے اندر کاذکر) کہا ہے تواس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے اوراذان وصف مسجد میں۔ تو مسجد میں ہونا خطبہ اوراذان دونوں ہی کی صفت ہے اگرچہ جگہ میں اختلاف ہواور غایۃ البیان اور فتح القدیر کے قول قالوا لا یوذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد مسجد بمعنی اول ہے تو دقت نظر سے یہ پتا چلے گا کہ یہ بھی ہدایہ کے قول کی تاویل اوراس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں ان کے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں اللہ تعالٰی ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے
الثالثۃ۳ المراد فی قول	**(۳)** اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

[1] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

[2] المدخل فصل فی ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۶

ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه وقول الفقهاء المارين العنيان الاخيران وكذا فی حديث ابی داؤد وابی بكر بن ابی شيبة عن عبد الرحمن بن ابی ليلی قال حدثنا اصحابنا جاء رجل من الانصار فقال يا رسول الله رأيت رجلا كان عليه ثوبين اخضرين فقام علی المسجد فاذن[1] الا تراه يقول قام علی المسجد، ولو اراد المعنی الاول لقال قام فی المسجد وقد اوضحته رواية ابی بكر بن ابی شيبة الاخری وابی الشيخ فی الاذان عن ابن ابی ليلی قال حدثنا اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم ان عبد الله بن زيد الانصاری جاء الی النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم فقال يارسول الله رأيت فی المنام كان رجلا قائم وعليه بردان اخضران علی جذمة حائط فاذن[2] الخ

قول "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے" اور فقہاء کے اقوال جو ذکر کئے جاچکے مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں ابی داؤد اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے عبدالرحمان ابن ابی لیلٰی سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ "عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دوہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دی" اس روایت میں لفظ قام علی المسجد ہے اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو قام فی المسجد کہتے اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابوالشیخ ابن ابی لیلٰی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ "زید ابن عبداللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا"

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۴، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۲۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۸۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۱۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۸۵، کنز العمال بحوالہ ش وابی الشیخ فی الاذان حدیث ۲۳۱۴۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۳

ولسعید ابن منصور فی سننه عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اهتم للصلوٰة کیما یجمع الناس لها فانصرف عبد الله بن زید فرای الاذان[1] الحدیث وتقدمت روایة سور المسجد وسطح المسجد۔	اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لیے جمع کیا حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑا پہنے سقف پر اذان دے رہا ہے اس روایت میں سور اور سطح کا لفظ گزر چکا ہے۔
الرابعة[۴]،المعنی الثالث هوالمراد فی فرع الخانیة والخلاصة ولاباس بان یتخذ فی المسجد بیتا یوضع فیه الحصیر و متاع المسجد به جرت العادة من غیر نکیر[2]۔اھ ومن الدلیل علیه حدیث التعارف فانه المتعارف او بناؤہ قبل تمام المسجدیة اما ان یتم المسجد ثم یاخذ احد قطعة منه فیجعلها بیت البواری فلم تجر به العادة ولایحل السکوت	(۴) خانیہ اور خلاصہ کی عبارت "اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنالیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ "اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس لیے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لیے

[1] کنز العمال عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی حدیث ۲۳۱۵۲ موسسة الرسالة بیروت ۸/ ۳۳۶

[2] فتاوی قاضیخان فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصة الفتاوی کتاب الصلوٰة الفصل السادس والعشرون مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

علیہ۔ **الخامسۃ**۵ :قال فی جامع الرموز لهایوذن فی المسجد فانه مکروہ کما فی النظم لکن فی الجلابی یوذن فی المسجد او ما فی حکمه لا فی البعید منه [1] اھ فمراد النظم المعنی الاول ومراد الجلابی المعنی الثانی فالمعنی یوذن فی حدود المسجد کما فسر به الامامان کلام الکافی او ما فی حکمه ای فی فنائه فان فناء المسجدله حکم المسجد کما فی الهندیة عن الامام السرخسی قال الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد [2] ومثله فی کتب کثیرة ذکرناها فی جد الممتارفلا استدراك بکلام الجلابی علی کلام النظم کما فعل القهستانی الا تری ان العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالٰی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایة ما فی القهستانی	بنایا جائے نہ عادت اس پر جاری نہ خاموشی اس پر جائز۔ **(۵)** جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے ایسا ہی نظم میں ہے لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے یعنی مسجد میں دی جانے کا مطلب حدود مسجد میں ہے جیسا کہ امام اتقانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ اومافی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ فناء مسجد مسجد کے حکم میں ہے ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ "صحن مسجد کے حکم میں ہے" اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے جس کی تفصیل ہم نے جد الممتار میں لکھی ہے تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں جیسا کہ قہستانی نے سمجھا حضرت امام طحطاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر

[1] جامع الرموز کتاب الصلوۃ فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

[2] فتاوی ھندیہ الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۲

عن النظم ولم یعرج علی استدراکہ اصلا علمامنه بان الاستدراك مستدرك لایبتغی نقلاھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولولم یکن ھذا لکان ذکر جامع الرموز بمقابلہ تلك المعتمدات العظیمۃ بل ماتفرد به الجلابی بازاء ما اتفق علیه اولئك الاکابر الا جلۃ مما ینبغی ان یستحی منه فانه لو فرض لکان خلا فالا اختلا فاوقد تقرران الحکم والفتیابالمرجوح جھل وخرق للاجماع فکیف ولا خلاف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللہ تعالٰی التوفیق۔ **نفحہ ۱۰:** اذلم یقدرواعلی شیئ تعلق بعض الوھابیۃ بمافی	چھوڑ دیا اور اگر نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز والے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے اور یہ تسلیم کر لیا جائے تو جلابی اور قہستابی کا یہ قول مرجوح رہ جائے گا کہ ان کی حثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتوی حکم جہل اور خرق اجماع ہے اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کا معنی فی حدود المسجد واضح ہو گیا ہے۔ **نفحہ ۱۰:** جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے تو ان میں سے بعض نے خانیہ عـــہ اور

عـــہ: خانیہ کی عبارت یوں ہے: ینبغی ان یوذن علی المنارۃ اوخارج المسجد ولا یوذن فی المسجد[1] مخالفین کے مغالطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولی ہوئی تو گراندرون مسجد ہی اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیحضرت کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے اور دوسرا جملہ (لایوذن فی المسجد) اس سے خالی ہے جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے جیسا کہ دیگر کتب فقہ میں لا یوذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے اس کی تائید صاحب بحر کی عبارت سے ہوتی ہے جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالہ سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی۔

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الصلوۃ مسائل الاذان نولکشور لکھنوا/ ۳۷

نص الخانية والخلاصة من لفظ "ينبغي" يريد به ان الامر سهل لا يعتنى به انت ترى عامة النصوص عرية عنها ثم لم يدخل على "لا يوذن فى المسجد" الا ترى ان البحر نقله عن الخلاصة هكذا ولم يلتفت الى "ينبغي" فى الجملة الاولى۔	خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کا سہارا لیا اور سمجھا کہ معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ اولا دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ لایوذن فی المسجد پر داخل نہیں خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی اور جملہ اولی میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی۔
ثم استعماله فى الندب اصطلاح المتاخرين وهو فى كلام المشائخ اعظم كما فى ردالمحتار وغيرها قال هو فى القران كثير: ما كان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء۔۔۔قال فى المصباح ينبغي ان يكون كذا معناه يجب او يندب بحسب ما فيه من الطلب[1] ثم ندبه يقابل الوجوب ويعم الاستنان، وامر السنة ليس بهينين بل ربما جاء "ينبغي للوجوب	**ثانیاً** لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے انہوں نے فرمایا کہ ایسا قران عظیم میں بہت وارد ہے مثلاً آیت قرآنی: ما كان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء (ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں) مصباح المنیر میں ہے ینبغی کے معنی وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں۔ **ثالثاً:** اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسا اوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد لفظ "ينبغي" يستعمل فى المندوب الخ دار احياء التراث العربي بيروت ۳/ ۲۲۴

"کقول الهدایة والکنز وغیرهما"من حلف علی معصیة ینبغی ان یحنث [1]"فان الحنث واجب قطعاو قول الهدایة و کثیرین"ینبغی للمسلمین ان لا یغدرواولا یغلو ولا یمثلوا [2]"اھ مع ان ترك الغدر والغلول فریضة فانهما حرام و کذا المثلة قال فی الفتح قوله و ینبغی للمسلمین ای یحرم علیهم ان یغدروا او یغلواویمثلوا اھ [3]وقول القدوری والهدایة وغیرهما ینبغی للناس ان یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان [4]قال المحقق فی الفتح ای یجب علیهم وهو واجب علی الکفایة [5]اھ قال فی الجوهرة النیرة ای یجب [6]الخ وقال فی القنیة فاستحسان القاضی الصدرالشهید	ہدایہ وکنزوغیرہ میں ہے: "جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے توڑ دینا چاہیے"۔ یہاں قسم توڑناواجب ہے۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے: "مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں،مال غنیمت سے نہ چرائیں اور مثلہ نہ کریں"۔ یہاں ترک غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے: "مسلمانوں کو چاہیے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری اور مثلہ کریں"۔ اسی طرح امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے: "لوگوں کو چاہیے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں" محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے"۔ اور جوہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے یعنی قدوری میں ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے قاضی صدرالشہید کے استحسان

[1] الھدایہ کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۴۶۲، کنز الدقائق کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵

[2] الھدایۃ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۴۱و۵۴۲

[3] فتح القدیر کتاب السیر باب کیفیۃ القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۱

[4] المختصر للقدروی کتاب الصوم ص۵۶ والھدایۃ کتاب الصوم المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۹۳

[5] فتح القدیر کتاب الصوم فصل رویۃ الھلال المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۲/ ۲۴۲

[6] الجوھرۃ النیرۃ کتاب الصوم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۶۷

ينبغي للاخ من الرضاع ان لا يخلو باخته من الرضاع لان الغالب هناك الوقوع في الجماع [1] افاد العلامة البيري ان "ينبغي" معناه الوجوب هنا [2] (الشامي) وكم له من نظير۔ ثم ان كان هو ظاهرا فعارضه في نفس الكلام ظاهر اخر وهو النهي بصيغة الاخبار فانه غالبا في كلامهم لا يجاب الفعل والترك الا ان يصرف صارف قال الامام ابن اميرالحاج في الحلية صفة الصلوة مسئلة القراءة في الاخريين ظاهر قول المصنف 'لا يزيد عليهما شيئا' يشير الى عدم اباحة الزيادة عليهما [3] اھ وفي عيد الغنية الا يرى الى قوله لا يترك واحد منهما فانه اخبر بعدم الترك والاخبار في عبارات الائمة والمشائخ يفيد الوجوب [4]	میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہیے کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے اھ۔علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے(شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں "ینبغی" بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔ **رابعًا** پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے جو اس کے معارض ہے کہ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عموما وجوب فعل یا وجوب ترک کے لیے ہوتی ہے امام ابن الامیر الحاج نے "باب صفۃ الصلوۃ" مسئلہ قراءت میں فرمایا مسئلہ قراءت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لا یزید علیهما شیئا کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قراءت مباح نہیں اور غنیہ کے باب العید میں ہے "مصنف کے قول "لا یترك واحد منهما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے،اور ائمہ و مشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔"

[1] القنية المنيه لتتميم الغنية كتاب الكراهية والاستحسان باب في الخلوة باجنبية مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۱۶۶

[2] رد المحتار كتاب الحظر والاباحة فصل في النظر والمس دار احياء التراث العربي بيروت ۵/ ۲۳۶

[3] حلية المحلى شرح منية المصلى

[4] غنية المستملى فصل في صلوة العيد سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۵

وفی امامة البحر الرائق: قوله فان فعلن تقف الامام وسطھن افاد بالتعبیر بقوله تقف انه واجب فلو تقدمت اثمت کما صرح به فی فتح القدیر[1] وفی حاشیة العلامة الخیرالرملی علی البحر ثم منحة الخالق قبیل الاذان علی قول الاسبیجابی (اذا جیئی بجنازة بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بھا ثم بسنة المغرب[2] اھ) الظاھر ان ذلك علی سبیل الوجوب لتعلیلھم بان المغرب فرض عین والجنازة فرض کفایة ولان الغالب فی کلامھم فی مثله ارادة الوجوب تامل[3] اھ وقال العلامة السید احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر: و فیھا (ای فی النھایة) ولا یفعل (ای الدھن) لتطویل اللحیة اذا کانت بقدر المسنون وھو یقتضی ان الدھن لھذا القصد یکرہ تحریما لانه یفضی الی المکروہ تحریما ولا کان مکروھا تنزیھیا	بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے "مصنف کے قول "اگر عورتیں جماعت کریں توامام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرناواجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے توامام آگے بڑھ کر کھڑی ہو توگنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے" حاشیہ خیر رملی منحۃ الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول "جنازہ غروب آفتاب کے بعد لایا گیا تو پہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں ادا کریں" پر تشریح ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہاء کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے علامہ سید طحطاوی درمختار کے حواشی میں فرماتے ہیں: "نہایہ میں ہے کہ داڑھی جب بقدر سنت لمبی ہو توزیادہ بڑھانے کے لیے تیل نہیں لگانا چاہیے نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس نیت سے تیل لگانا مکروہ تحریمی ہے کہ ایک مکروہ تحریمی کا ذریعہ بنے گا اور اگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتا تو اس کو لفظ لا یفعل

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲

[3] منحۃ الخالق علی ہامش بحرالرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۳

لما عبر بقوله ولا یفعل [1] فظاهر نا هذا غیر معارض من نصوص الاسبیجابی والمجتبی والبنایة والاتقانی وفتح القدیر۔ ثم ثمه ظاهر اخر غیر معارض هناك وهواطلاق الکراهة فی النظم وشرح النقایة و حاشیة مراقی الفلاح وغایة البیان وفتح المحقق حیث اطلق فانها کما عرف فی محله اذا اطلقت کانت ظاهرة فی التحریم الابصارف وقال سیدی العارف بالله العلامة عبد الغنی فی الحدیقة الندیة من آفات الید مانصه۔ و الکراهة عند الشافعیة اذا اطلقت تنصرف الی التنزیهیة لا التحریمیة بخلاف مذهبنا [2] ۔اھ ثم فیه اساءة ادب بالحضرة الالهیة کما یاتی فی الشمامة الثالثة بعون الله تعالٰی فیجب التحرز عنه۔ ثم المعروف من عادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم ترك الفضیلة احیانا بیانا للجواز ولم یوثر قط اذانا فی زمنه صلی الله تعالٰی	سے منع نہ کرتے "اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبی، بنایہ، اتقانی اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے) **خامسًا:** یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الیدین میں رقمطراز ہیں "لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔" **سادسًا:** مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تیسرے شمامہ میں بیان کریں گے تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔ **سابعًا:** حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ بھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے افضل کو بھی ترک کردیتے تھے جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں تو یہ

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۴۶۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الانصاف التسعۃ فی بیان آفات الید نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۰

علیه وسلم داخل المسجد فبمجموع هذا ینقدح فی الذهن انه یکره تحریماً او ان لم یقنع فلا اقل من ان الامر دار بین کراهتین مکروه قطعاً و یحتمل کراهة التحریم فما سبیله الا الترك عند العقل السلیم ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروه منهی عنه فان هذا القدر لامفر منه وفی هذا کفایة لاولی الدرایة واللّٰه سبحنه ولی الهدایة۔	سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریمیہ و کراہت تنزیہیہ میں دائر ہے تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں کہ مسجد میں اذان مطلقاً مکروہ ہے اور اہل عقل کے لیے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔

الشمامة الثالثة من مسک القران العظیم

(قران کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ)

نفحہ ۱: ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اسے لیے مؤخر کیا کہ اس کو اختتام مشک قران سے ہو تاکہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقوی کے لیے آزمالیا ہے	**نفحہ۱:** اخرناها الی هنا لیکون "خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ؕ(۲۶)"[1]۔ قال الله عزوجل: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ"

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۲۶و۲۷

I.T. Majlis of DawateIslami

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۳﴾ "[1] ارشدنا القران الکریم الی ادب حضرة الرسالة وانه لایجوز رفع الصوت فیها واوعد علیه الوعید الشدید ان فیه لخشیة حبط الاعمال والعیاذ باللّٰه تعالٰی وندب الی غض الصوت عندہ ووعد علیه الوعد الجمیل مغفرة من اللّٰه واجر عظیم۔	ان لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالٰی نے دربار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالٰی کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔
ولا شك ان لیس ذلك الا لهیبة المقام واجلال صاحبه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فالحضرة الالهیة احق واعظم الم تسمع ربك عزوجل یقول "وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ "[2] وما المصلی الا حضرة العلی الاعلی عزوعلا وتبارك وتعالٰی فلعمری لو یتذکر الناس حین حضورهم المساجد قیامهم بین یدی ربهم عزوجل یوم القیامة واستحضر واعظمة المقام وتفطنوا این هم وبین یدی من هم لخشعت الاصوات للرحمن فلا یکاد یخرج صوت الامن اذن له الرحمن وقال صوابا کالقاری و	اور شبہہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت واجلال کے لیے ہے (صلی اللہ تعالٰی وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب واحترام تو اس سے بدرجہا اعلٰی واہم ہے اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کس نے نہ سنا: "قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوایں سہمی ہوں گی اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکوگے۔ "مسجد اللہ تبارک وتعالٰی کا دربار عالی ہے، واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جاسکے

[1] القران الکریم ۴۹/ ۲و۳

[2] القران الکریم ۲۰/ ۱۰۸

الخطیب فکان الاصل فی المساجد فیما لم یرد به الاذان ان لاتسمع الاهمسا ولذا اتت الاحادیث عـــه تنهی عن رفع الصوت فیها:	اسی لیے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔

عـــه: وللبیهقی عن ابی هریرة رضی الله عالی عنه کان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم یکره العطسة الشدیدة فی المسجد [1]. وفی البحر الرائق وغیره: قالوا ولا یجوز ان تعمل فیه الصنائع لانه مخلص للّٰہ تعالٰی فلا یکون محلا لغیر العبادة غیرانهم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیه مصلحته من دفع الصبیان وصیانة المسجد لاباس به للضرورة ولا یدق الثوب عند طیه دقا عنیفا [2] انتهی وماذا عسی ان یرتفع صوت الثوب بضرب الید علیه عندطیه یستوی وقد نهوا عنه۔ وکذلك من یعرف الادب ولا دین لمن لا ادب له نسال الله حسن التوفیق منه عفی عنه۔

بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں زور سے چھینکنے کو ناپسند جانتے بحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ مشائخ نے کہا مسجد خالص اللہ تعالٰی کی عبادت کی جگہ ہے لہٰذا وہ غیر عبادت کا محل نہ ہوگی سوائے اس کے جو انھوں نے درزی کے بارے میں کہا کہ جب وہ مسجد میں مصلحت کے لیے وہاں بیٹھے یعنی مسجد کی حفاظت اور بچوں کو مسجد سے دور رکھنے کے لیے تو اس ضرورت کے تحت اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر سلائی کرنے میں حرج نہیں اور وہ کپڑوں کو تہہ کرتے وقت انھیں سختی سے نہ جھاڑے انتہی اور بسااوقات کپڑوں کو لپیٹتے وقت ان پر ہاتھ مار کر سیدھا کرتے ہوئے اواز پیدا ہوجاتی ہے جس سے انہیں منع کیا گیا ایسے ہی وہ شخص جو ادب کو پہچانتا ہے اور جو باادب نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہم اللہ سے اچھی توفیق کے طلبگار ہیں (ت)

[1] شعب الایمان فصل فی خفض الصوت بالعطاس حدیث ۹۳۵۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۳۲

[2] بحرالرائق کتاب الصلوة فصل لما فرض من بیان الکراهیة فی الصلوة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

(۱)ابن ماجة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وشراءکم و بیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم [1]	ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو"
(۲)وابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیهقی وابن عساکر عن مکحول عن واثلة وابی الدرداء وابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنهم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وسل سیوفکم واقامة حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم [2]	ابن عدی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی وابن عساکر نے مکحول سے انہوں نے واثلہ سے اور ابوالدردا اور ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور بے نیام تلواروں، حدیں قائم کرنے اور جھگڑنے سے محفوظ رکھو۔"
(۳)عبد الرزاق فی مصنفه قال حدثنا محمد بن مسلم عن عبد ربه بن عبد اللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم مجانینکم و صبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم و شرائکم واقامة حدودکم و خصومتکم [3]	(۳) عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن مسلم، عبد ربہ ابن عبد اللہ مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور آواز بلند کرنے، تلواریں بے نیام کرنے بیع و شراء اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔"

[1] سنن ابن ماجه ابواب المساجد والجماعات باب یکره فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[2] کنز العمال بحواله عد وطب وق وکر عن مکحول عن واثله وابی الدرداوابی امامه حدیث ۲۰۸۳۴ ۷/ ۶۷۰، تاریخ دمشق الکبیر ترجمه العلاء بن کثیر ۵۵۸۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۰/ ۱۵۴، المعجم الکبیر حدیث ۷۶۰۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۱۵۶

[3] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۶ المکتبة الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۲ - ۴۴۱

(۴)والامام ابن المبارك عن عبيد الله بن ابی حفص يرفعه الى النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم قال:من اجاب داعی الله واحسن عمارة مساجد الله كانت تحفته بذلك من الله الجنة قيل يارسول الله ما احسن عمارة مساجد الله قال لايرفع فيها صوت ولا يتكلم فيها بالرفث[1]	(۴)امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ بن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک سند پہنچائی کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا تو بدلہ میں اس کا جنت کا تحفہ ملے گا لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے فرمایا اس میں آواز بلند نہ کرو اور یاوہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔"
(۵)امام مالك والبيهقی عن سالم بن عبد الله ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه بنی الى جانب المسجد رحبة فسماها البطيحاء فكان يقول من اراد ان يلغط و ينشد شعرا او يرفع صوتا فليخرج الى هذا الرحبة[2]	(۵)امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی جسے بطیحاء کہا جاتا تو آپ فرماتے جسے بیفائدہ بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں آجائے۔"
(٦)والامام ابن المبارك وابراهيم بن سعد فی نسخته عن سعيد بن ابراهيم عن ابيه قال سمع عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه صوت رجل فی المسجد فقال اتدری اين انت	(٦)امام ابن مبارک وابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید بن ابراہیم عن ابیہ روایت کی "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے تجھے معلوم نہیں کہ تو

[1] کنز العمال بحوالہ ابن مبارك عن عبيد الله حدیث ۲۰۸۴۱ مؤسسة الرسالہ بیروت ۷/ ۶۷۱

[2] مؤطا الامام مالك كتاب قصر الصلوة فی السفر باب جامع الصلوة میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶۲

اتدری این انت کرہ الصوت[1] وقد تقبلها ائمہ الامۃ بالقبول حتی ان فقھائھا نصوا علی کراھۃ رفع الصوت فی المسجد بالذکر الا للمتفقھۃ کما فی الدر المختار[2] وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان ھذا فی الذکر فما ظنك بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتمالہ علی الحیعلین قال الامام العینی فی البنایۃ شرح الھدایۃ فان قلت الاذان ذکر فکیف یقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیئ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی مالا یخفی انما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر[3] اھ وفی البحر الرائق عن المحیط تحت قول الکنز" یستقبل بھما القبلۃ ویلتفت یمینا وشمالا بالصلاۃ والفلاح لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالٰی والشھادۃ لہ بالواحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلا فاما الصلوۃ والفلاح دعاء الی	کہاں ہے آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔" اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔اور فقہاء نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثناء ہے ایسا ہی در مختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے توجب ذکرالٰہی کا یہ حال ہے تواذان جو خالص ذکر بھی نہیں کیونکہ اس میں حیعلین تو نماز کا بلاوا ہے امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا"اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اس کو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے توجواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں اسی کالحاظ کرکے اس کو ذکر کہا جاتا ہے۔" کنز کے قول"کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں"کی تشریح میں بحر الرائق نے محیط سے نقل کیا"اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اور اس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے اور صلاۃ وفلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے۔

[1] الزہد لابن المبارك باب فضل المشی الی الصلوۃ والجلوس فی المسجد دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۳۷

[2] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[3] البنایہ شرح الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۵۵۷

الصلوۃ واحسن الداعی بان یکون مقبلا علی المدعوین "اھ۔[1]	تواس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو"۔
وفی صلوۃ المسعودی رحمہ اللہ تعالٰی: ان فی الاذان مناجاۃ ومناداۃ المناجاۃ ذکر اللہ تعالٰی والمناداۃ نداء الناس ومادام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ واذابلغ المناداۃ یحول وجھہ ثم قال الشیخ ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی الدعاء الی الصلوۃ مناداۃ وباقیہ ذکر اللہ تعالٰی لکن ظاھر الروایۃ ان الاذان کلہ من اولہ الی اخرہ دعاء الی الصلوۃ ثم قال ظاہر الروایۃ ان الموذن اذاقال حی علی الصلوۃ یقول المستمع لا حول ولاقوۃ الاباللہ فاذاقال حی علی الفلاح ویقول المستمع "ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن" قال شیخ الاسلام برھان الدین رحمہ اللہ تعالٰی ما کان العبد فی ذکر الرحمن یفر الشیطان فاذا جاء نداء الخلق یعود فاذاقیل "لا حول ولاقوۃ الاباللہ	صلوۃ مسعودی میں ہے کہ بیشک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوہ بھی مناجات اللہ تعالٰی کاذکر ہے جبکہ بلاوہ میں لوگوں کو پکارنا ہے، مومن جب تک اللہ تعالٰی کے ذکر میں ہوتا ہے تووہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اورجب بلاوہ پر پہنچتا ہے تواپنا چہرہ گھماتا ہے پھر شیخ ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نماز کی طرف دعوت دینامنادات ہے اور باقی اللہ تعالٰی کا ذکر ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان اول سے آخر تک نماز کی طرف دعوت ہے پھرفرمایا ظاہر الروایہ یہ ہے کہ موذن جب "حی علی الصلوۃ" کہے تو سننے والا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہے اورجب موذن "حی علی الفلاح" کہے تو سننے والا کہے "ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن" شیخ الاسلام برھان الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب ذکر رحمان میں مشغول ہوتا ہے توشیطان بھاگ جاتا ہے پھرجب مخلوق کوندا کرتا ہے توشیطان لوٹ آتا ہے پھرجب کہا جاتا ہے "لاحول ولاقوۃ الاباللہ

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۸

ما شاء اللہ کان "یفر [1] انتھی ملتقطا مترجما۔ واذا کان ذلك کذلك ولم یرد فی الشرع الاذن بالاذان فی المسجد کان داخلا تحت النھی وھو المقصود۔ **نفحہ۲**:نسمع ربنا تبارك و تعالٰی یعا تب قو ما اذیقول عز من قائل " اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً " [2] ۔وقال عزوجل "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ " [3] ولقد علم من غشی ابواب السلطان انه اذا کان قو م خارج الحضرۃ وامر الملك بدعائھم لم یکن للحجاب ان ینادوھم فی الحضرۃ بل یخرجون فینادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا یصیحون بالنداء لا ساؤا الا دب واستجلبوا الغضب واستحقوا التادیب ومن لم یر الملوك فینظر قضاۃ بلادنا کفارھم ومسلمو ھم اذا امر وابنداء الخصوم اوالشھو دلم تقدر الاعوان ان	ماشاء اللہ کان" تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے انتہی التقاط مترجماً۔ پس جب صورت حال یہ ہے اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں تو اذان مسجد ممنوع ہوگی ہمارا یہی کہنا ہے۔ **نفحہ ۲**:اللہ تبارک وتعالٰی ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے، "ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کی طرح ڈرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے۔" اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالٰی سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے تو دربان دربار کے اندر سے ہی اسے پکارنے نہیں لگتے بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہو کر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی و

[1] صلوۃ المسعودی باب بست ویکم در بیان بانگ نماز در مطبع محمدی بمبئی ۲/ ۹۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۷۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۳

ينا دوهم فی دارالقضاء بل يخرجون خروجا فيدعون وهذامشهود كل يوم ومن انكر كونه اساءة ادب فليجرب على نفسه وليقم بين يدى حاكمهم المسمى عندهم جج۔ ويرفع صوته بيافلان يافلان لناس خارج المكان فسيرى ما يبدل البيان بالعيان وماذلك الا لادب المقام وخشية الحكام "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۳﴾"[1] كيف ان امثال الامور البنية على الاجلال۔ المبنئة من الادب انما تحال على الشاهد فيما لم يرد به النص، و الشاهد ههنا ماذكرنا فوجب المصير اليه وكان نداء الغائبين قائما فی حضرة المصلى اسائة ادب بالحضرة الاعلى وقلة خشية من الله تعالى۔

اماماقلنامن الاحالة على الشاهد فشيئ يشهد به العقل السليم والقلب الحاضر ومن تتبع وجد شواهده كثيرة فی كلام الاجلة الاكابر من ذلك قول الامام المحقق على الاطلاق فی فتح القدير: الثابت هو وضع

مدعا علیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انہیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر آکر پکارتے ہیں یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے اور جو اس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے کہ جج کے سامنے کھڑے ہو کر فلاں حاضر ہو فلاں حاضر ہو پکارنے لگے تو ہمارا بیان اس کے لیے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے پس اے ایمان والو! اللہ تعالٰی سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور اس قسم کے امور تعظیم واظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کرچکے تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیے اور غائب مصلیوں کو مصلی کے اندر کھڑے ہو کر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیے۔"

ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظریں مل سکتی ہیں چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے"

---

[1] القران الکریم ۹/ ۱۳

الیمنی علی الیسر ی و کونہ تحت السرۃ اوالصدر کماقال الشافعی لم یثبت فیہ حدیث یوجب العمل فیحال علی المعھو د من و ضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھو د فی الشاھد منہ تحت السر ۃ[1] ومن ذلک قولہ ایضاواستحسنہ تلمیذہ المحقق ابن امیر الحاج الحلبی جدامانصہ لا اری تحریر النغم فی الدعاء کمایفعلہ القراء فی ھذا الزمان یصدر ممن فھم معنی الدعاء والسوال وماذلک الانوع لعب فانہ لو قدر فی الشاھد سائل حاجۃ من ملک ادی سوالہ بتحریر النغم فیہ من الرفع والخفض و التغریب والرجوع کا لتغنی نسب البتۃ الی قصد السخریۃ واللعب اذمقام طلب الحاجۃ التضرع لا التغنی[2] اھ۔	(کہ قیام کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کامذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو تواس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا چاہیے کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم و مشہور ہو وہی اختیار کیا جائے اور یہ زیر ناف ہے۔ انہی نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے جس کی ان کی شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے دعا میں گلے بازی (گانا) کو میں جائز تصور نہیں کرتا جیسا کہ آج کل کے قاری کرتے ہیں اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے اگر مشاہدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو اپنے سوال کو گویوں کی طرح گا کر اواز کی بلندی اور پستی گٹکری اور اواز کی آرائش کے ساتھ مانگے توایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دی جائے گی کہ مقام الحاح وزاری کا ہے نہ کہ گانے کا۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ صفۃ الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۴۹

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۲۲

قال فی الحلیة وقد اجاد رحمه الله تعالٰی فیما اوضح و افاد[1]۔اھ ومن ذلك اشیاء فیه وفی الحلیة والغنیة وغیرھا قلت ارشد الیه حدیث"استحیی الله استحیاءك من رجلین من صالح عشیرتك رواہ ابن عدی[2] عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔" وحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "الله احق ان یستحیی منه من الناس۔"رواہ احمد[3] وابو داؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجة والحاکم عن معاویة بن حیدة رضی الله تعالٰی عنه۔	حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایاگیا: حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح وافادہ فرمایا۔ اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر حلیہ اور غنیہ وغیرہ میں ہیں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "تم اللہ تعالٰی سے ایسے ہی شرم کرو جیسے اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو"اس حدیث کوابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور سے روایت کی۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافرمان ہے "اللہ تعالٰی کو اس کازیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔"اس حدیث کواحمد وابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیااور نسائی اور ابن ماجہ اور حاکم نے معاویہ ابن حیدہ سے روایت کیا۔

[1] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[2] الکامل لابن عدی ترجمه جعفر بن الزبیر الشامی دار الفکر بیروت ۲/ ۵۶۰

[3] جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۱،سنن ابن ماجة کتاب النکاح باب التستر عند الجماع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۳۹،سنن ابی داؤد کتاب الحمام باب فی التعری آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۱

وحدیث"اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیه فان الله احق من یزین له"رواہ الطبرانی[1] فی الاوسط والبیھقی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وقد اوضحه ابن عمر اذکسانا فعا ثوبین وهو غلام فدخل المسجد فوجدہ یصلی متوشحابه فی ثوب فقال ألیس لك ثوبان تلبسهما؟ ارایت لوانی ارسلتك الی وراء الدار لکنت لابسهما؟ قال نعم قال فالله احق ان تتزین له ام الناس فقال بل الله رواہ عبدالرزاق[2] عن نافع۔

اور یہ حدیث: "نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کے لیے زینت وارائش کا سب سے زیادہ حق ہے"اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اوراس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہوئی کہ انہوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے(یعنی مکمل جوڑا دیا) پھرانہیں مسجد کے اندرایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا توفرمایا کیا تمھارے پاس پہننے کے لیے پورا جوڑا نہیں ہے اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام لے لیے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر؟حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا اس پرابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لیے زینت کی جائے حضرت نافع کو اقرار کرنا پڑا کہ اللہ تعالٰی۔اسے عبدالرزاق نے نافع سے روایت کیا۔

نفحہ۳: قال المولی تبارك وتعالٰی

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَاؕ

نفحہ۳: اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:اے ایمان والو!دوسرے کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۳۶۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/ ۱۷۰،السنن الکبرٰی کتاب الصلوۃ باب مایستحب للرجل ان یصلی فیه من الثیاب دائرۃ المعارف العثمانیه دکن ۲/ ۲۳۶

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الصلوۃ باب مایکفی الرجل من الثیاب حدیث ۱۳۹۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۵۸

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ "[1] نھی اللہ سبحنہ عن دخول الانسان فی بیت غیرہ بغیراذنہ (تسانسوا عـــہ تستاذنوا) والمساجد بیوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان بیوت اللہ فی الارض المساجد	یہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ نصیحت حاصل کرو اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جب تک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالٰی نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن وانس داخلہ ممنوع فرمایا اور مسجدیں اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا "روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالٰی کا گھر ہیں اور اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنیوالوں

عـــہ: فی الایۃ امران الاستیذان والسلام، فالاستیذان فی المساجد کمانبین، اما السلام فاقیم مقامہ السلام علی حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ حاضر دائما فی حضرتہ فامر کل من یدخل مسجدا او یخرج منہ ان یقول بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ [2] الی اخر الدعاء الوارد فی الاحادیث صحیحۃ شھیرۃ کثیرۃ ۱۲ منہ۔

آیت کریمہ میں دو۲ امر ہیں: (۱) استیذان (۲) سلام استیذان مساجد میں ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ رہا سلام تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام بھیجنا اسکے قائم مقام ہے اس لیے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دائمی ہے چنانچہ مسجد میں داخل ہونے والے یا مسجد سے نکلنے والے ہر شخص کو حکم ہے کہ وہ یوں کہے "بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ" آخر تک پوری دعا پڑھے جو متعدد مشہور احادیث صحیحہ میں وارد ہے ۱۲ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۷، ۲۸

[2] الکتاب المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۲۵۸۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۵۶

وان حقا علی اللہ تعالٰی ان یکرم من زارہ فیہ[1] (رواہ ابو بکر بن شیبۃ عن امیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ)	کی تکریم فرمائے گا۔" ابو بکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔
وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن ابی قرصافۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منہا فمن بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[2]	اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابوقرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول نقل کیا: "مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لیے گھر بنائے اللہ تعالٰی نے اس کے لیے جنت میں گھر بنادیا۔"
وعدم الاذن فی الدخول لشیئ کما یکون برفع المقید کذلک برفع القید فمن اذن لہ بالدخول لشیئ ودخل بغیرہ فقد دخل بغیر الاذن والیہ یشیر قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا (رواہ احمد و مسلم[3] وابو داؤد و ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ	اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا اسی نکتہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا: "جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں" امام احمد، امام مسلم، امام ابوداؤد،

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن مسعود حدیث ۲۰۷۴۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۵۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۲۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۹

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کراھیۃ انشاد الضالۃ فیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

رضی اللہ تعالٰی عنہ) هم جميعا عن بريدة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاوجدته لاوجدته لاوجدته انما بنیت هذه المساجد لما بنیت له [1] ولعبد الرزاق عن ابی بکر بن محمد انه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجلا ینشد ضالة فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ایها الناشد غیرك الواجد لیس لهذا بنیت المساجد [2]۔ والاحادیث فی الباب کثیرة و هو بعمومه یشمل من ینشد مصحفا لیتلوه بل ومن ینشد امانة ضلت عنه مع ان انشادها واجب علیه "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ	ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔ مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس الفاظ میں روایت کیا: "تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں، وہ تو جس کے لیے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔ عبد الرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنیوالے! پانے والا تیرے علاوہ ہو مسجدیں اس کام کے لیے نہیں ہیں۔" اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت کے لیے مصحف شریف کو ڈھونڈے یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھو جانے پر مسجد میں تلاش کرے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے ارشاد الٰہی ہے: "اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النهی عن نشد الضالة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، سنن ابن ماجه ابواب المساجد والجماعات باب النهی عن انشاد الضالة الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

[2] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۲ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۰

اِلٰۤی اَهۡلِهَا ۙ "[1]۔ فالانشاد مقدمة الوجدان والوجدان مقدمة الاداء والاداء واجب، مقدمة الواجب واجب، و كذلك عمم الفقهاء فقالوا كره انشاد ضالة، ولم يستثنوا منه فصلا و ذلك ان اتيان الواجب ان كان من اعمال الاخرة فما لكل عمل الاخرة بنيت المساجد انما بنيت لما بنيت له احمد و مسلم عن انس رضى الله تعالٰى عنه عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم: "ان هذه المساجد لا تصلح لشيئ من القذر والبول والخلاء وانما هى لقراءة القران و ذكر الله والصلوة[2]" وللبخارى وابن ماجة عن ابى هريرة رضى الله تعالٰى عنه عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم انما بنى لذكر الله والصلوة[3] ولاحمد فى الزهد عن ابى ضمرة عن ابى بكر الصديق رضى الله تعالٰى عنه انما بنيت للذكر[4]۔	کہ امانت والوں کی امانت واپس کردو" تلاش پانے کا مقدمہ ہے اور پانا دینے کا ذریعہ، اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا اور کسی خاص گمشدہ کا استثناء نہیں کیا اس کا رمزیہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہر چند کہ عمل آخرت ہے پر سبھی عمل آخرت کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی۔ حضرات امام احمد و مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں یہ تو صرف تلاوت قران ذکر الٰہی اور نماز کے لیے ہیں۔" بخاری و ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ (مساجد) تو نماز اور ذکر الٰہی کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔" امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

[1] القران الکریم ۴/ ۵۸

[2] مسند الامام احمد بن حنبل عن انس بن مالك المكتب الاسلامى بيروت ۳/ ۱۹۱، صحيح مسلم كتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[3] کنز العمال بحوالہ خ عن ابی ھریرہ حدیث ۲۰۷۹۵ مؤسسة الرسالة بيروت ۷/ ۲۶۲

[4] کتاب الزہد (امام احمد بن حنبل) زہد ابی بکر حدیث ۵۸۹ دار الكتاب العربی بیروت ۳/ ۲۵۸

وفی مسند الفردوس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا القران و ذکر اللہ تعالٰی و مسالۃ عن الخیر او اعطاؤہ[1]۔	مسند الفردوس میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ، ذکر الٰہی اور بھلائی سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ ہر بات لغو ہے۔"
وقد علمت ان لیس الاذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لاتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ وکیف یعقل ان شیئا بنی لہ المسجد لا یفعل فیہ قط علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم فیقال فیہ ایضا ان المساجد لم تبن لھذا کیف والاذان للدعاء الی الحضرۃ والحضرۃ لا تبنی لنداء الناس الیھا وفیھا، واللہ الموفق فھذا ما ظھر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلہ کما تری واضح بلا امتراء وان کان اخرہ من قبیل المتابعات والشواھد ولکن کلہ لمن تحلی بالانصاف ھیھات لما یقنع المکابر ویقمع الاعتساف	یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں اگر مسجد اس کے لیے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لیے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا، نہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں تو یہی کہا جائیگا کہ مسجد اس کے لیے بنائی ہی نہیں گئی اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربار الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے اور دربار اعلان کے لیے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے اس ضعیف بندے پر کلام مجید حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا باتیں سب کی سب ظاہر ہیں اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کے لیے کافی ہے

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷۶۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۵۸

و نسال الله العفو والعافية والرحمة الكافية والنعمة الوافية والعيشة الصافية، والحمد لله رب العلمين و صلى الله تعالٰی و بارك وسلم على سيدنا محمد واله و ابنه وحزبه اجمعين۔	میں اللہ تعالٰی سے عفو و عافیت رحمت کاملہ اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں اللہ تعالٰی کے لیے ہی حمد ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب اور ان کے گروہ سب پر درود و سلام ہو۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف

(اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود وعنبر کا چوتھا شمامہ)

الحمد لله وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی لیعلم سادتنا واخوتنا اھل الحق والھدی حفظنا الله تعالٰی وایاھم عن الردی ان الوھابیة العنود ومن تبعھم من طلبة الھنود بذلوا جھدھم لیخرجوا حدیثا صحیحا او نصا فی الفقه صریحا یفید ان السنة فی ھذا الاذان کونه فی جوف المسجد متصلا بالمنبر کماتعودہ ھھنا فلم یقدروا وماکان الله لیرفع باطل راسا فجعلوا یتشبثون بکل حشیش فخمسة اتفقوا علی الاحتجاج	حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی خاص ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ورحمت ہو حق و ہدایت والے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے کہ معاند وہابیہ اور انکی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ سب کو اس امر نے تھکادیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے جیساکہ آج کل رواج پڑگیا ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہوسکے اور اللہ تعالٰی باطل کو سربلندی عطانہیں کرتا۔ پس وہ تنکوں کا سہارا لینے لگے ان میں پانچ باتوں میں توسب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی

بھا: (۱) نصوصھم ان ھذا الاذان بین یدی الخطیب۔ (۲) وتعبیر بعضھم فی مسئلۃ ان ایجاب السعی بالاذان الاول او الثانی ھذا الاذان بالذی عند المنبر۔ (۳) وبعضھم بالذی علی المنبر۔ (۴) وزعموا ان کونہ داخل المسجد ملاصق المنبر ھو التوارث فمن احترس لنفسہ یجمل و یقول من القدیم والذی تجرأ یقول من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و خلفائہ الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ (۵) وزعموا ان علیہ التعامل فی جمیع البلدان واجمع علیہ جمیع اھل الاسلام وتفرد بعضھم من بعض بشبھات اخری ذات عجر و بجر والعبد الضعیف بتوفیق الملک اللطیف عزجلالہ یرید ان یمر علیھا طرداطرداویبین عوارھافردافردافلنبتدی بالاول ثم نتبعھا الباقی الاذل وماتوفیقی الاباللہ علیہ	بحثیں بھی کی ہیں یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اس کارد کردے گا پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبرگیری کریگا پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔ (۱) اذان جمعہ کے لیے تمام فقہاء نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہیے۔ (۲) اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سن کر جمعہ کے لیے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے وہ اذان اول ہے یا ثانی۔ بعض فقہائے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔ (۳) اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔ (۴) معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفاً عن سلف ایسا ہی ہوتا چلاآیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے اور جو جرات بے جا کرتا وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

توکلت والیہ انیب۔ **نفحہ۱:** قد بینا بالحدیث والفقہ ان السنۃ فی ھذا الاذان کونہ بین یدی الخطیب اذا جلس علی المنبر ولکن لیس فی الفظۃ بین یدیہ ما یقرّ عینھم ولا ما یمیل الیہ انما مفادھا ان یکون بحذاء المنبر قبالۃ وجہ الخطیب من دون حائل یحجبہ عنہ وھذا یشمل داخل المسجد وخارجہ الی حیث تبقی المحاذاۃ والمشاھدۃ لیس فی مفاد اللفظ اکثر من ھذا غیر ان الفقہ دلنا علی ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا منہ بحیث لا یعد ابلنداء ثمہ نداء الی ھذا المسجد بل فی حدودہ وفنائہ وارشدنا الحدیث فتعین ھذا محلا لہ ولنکشف الستر عن وجہ التحقیق فی مفاد ھذا اللفظ۔ **فاقول:** وباللہ التوفیق۔اللفظ مرکب ومعناہ الحقیقی بحسب اجزائہ الترکیبیۃ وقوع الشیئ فی	**(۵)** ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہےاور تمام اہل اسلام کااس پر اجماع ہے۔ اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گااللہ تعالٰی سے ہی میری توفیق ہےاسی پر میرا بھروسا ہےاور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ **نفحہ۱:** ہم احادیث وفقہ سے یہ ثابت کرآئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تواس اذان کاخطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے لیکن "سامنے" کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کاآڑ بنے یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کامفاداس کے سوا نہیں البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیے بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونی چاہیے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فناء میں ہو احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔ اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں لفظ "بین یدیہ" دوحرفوں سے مرکب ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ

الفضاء المحصور بين هذين العضوين من المضاف سواء كان امامه او خلفه اولا ولا والفضاء محققا او متخيلا فانك اذا ارسلت يديك فليس بينهما الا جنباك و فخذاك و او ان بسطتهما قبالة وجهك او وراء ظهرك فكل ما وقع فى الفضاء المحصور بهما فهو بين يديك وهو امامك فى الاول وخلفك فى الثانى وليس امامك ولا خلفلك فى صورة الارسال۔ وانت تعلم ان هذا المعنى لا مساغ له هنا بل الامر ان المركب ربما لا يلاحظ الى معانى اجزائه التفصيلية ويصير باجماله دالا على معنى اخر لغة او عرفا فهو وان كان مجازا له بالنظر الى مفصله يكون حقيقتا لغوية او عرفيةفيه باعتبار اجماله و ذلك فى لفظنا هذا معنى الامام والقدام اما مطلقا من دون تخصيص بالقرب او مع لحاظه وحينئذ يفسر بالحاضر المشاهد لان شرط الرؤية العادية القرب و المقابلة فكل مرئى حين هو مرئى محاذ	کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ "آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے" چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے توان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں اور نہیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضاء "بین دی یہ" ہے اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔ لفظ "بین یدیہ" کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دئے جائیں لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے کیونکہ رؤیت عادیہ کے لیے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب

قریب۔ وهذا منتهى مفاد اللفظ فی نفسه و اختلاف حدود القرب تنشؤ من خصوصيات المقام لانه امر اضافی مشكك متفاوت غاية التفاوت فيلاحظ لكل مقام ما يستدعی وهی دلالة عقلية من الخارج لا من اللفظ ثم توسع فيه علی الوجهين و استعير ظرف المكان للزمان فاريد به الماضی اما مطلقا او قريب لان جهة المضی جهة الظهور كالامام او المستقبل كذلك لان كل آت قريب وانت متوجه الی القابل فكانه لك مقابل وعلی هذين الوجهين ورد فی القران العظيم و المحاورات وبهما فسرته ائمة اللغة و التفسير الاثبات ووجدت اللفظة فی القران الكريم فی ثمان و ثلثين موضعا فی عشرين منها لادلالة علی القرب وفی واحد جاء علی حقيقة اجزائه التركيبية و فی سبعة عشر فيد القرب علی تفاوت عظيم فيه من الاتصال الحقيقی الی فصل مسيرة خمسمائة سنة جعلنا مالادلالة فيه علی القرب فريقا والبواقی فريقا:	بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔ لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی حد درجہ متفاوت المعنی کلی مشکک ہے اس لیے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب وبعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضا سے نہیں عقل کے تقاضا سے ہے پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لیے تھا لیکن بعد میں ظرف زمان کے لیے مستعمل ہونے لگا یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لیے کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے قران عظیم اور محاورات عرب میں لفظ "بین یدیہ" ان دونوں معنی میں وارد ہوا مفسرین نے اسی معنی سے اسکی تفسیر کی میں تتبع اور تلاش سے قران پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات پر قرب پر کوئی دلالت نہیں اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لیے ہے اور سترہ مقامات پر قرب کے لیے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

فمن الاول (۱) قول ربنا عزوجل فی سورۃ البقرۃ[1] (۲) فی طٰہٰ[2] (۳) فی الانبیاء[3] (۴) فی الحج" "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ"[4] (۵) فی مریم "لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ"[5]۔ فعلم اللہ تعالٰی وملکہ لا یمکن اختصاصہ بقریب او بعید سواء اخذا الظرف مکانیا او زمانیا او لوحظ معنی عام کما ھو الانسب بالمقام الافخم (۶) فی سورۃ البقرۃ "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ"[6] (۷) فی آل عمران: "نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ"[7]۔ (۸) فی سورۃ الانعام: "وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ"[8]۔	قسم اول: (۱) سورۃ بقرہ (۲) سورہ طٰہٰ (۳) سورہ انبیاء (۴) سورہ حج، ان سب سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں "یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ" ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔ (۵) سورہ مریم شریف کی آیت "لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ"۔ اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے ہمارے پس وپیش اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔ (۶) سورہ بقرۃ میں "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ" پاک نے قران عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔ (۷) آل عمران میں نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔ (۸) سورہ انعام میں: "ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔"

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۸

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۶

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۴

[6] القرآن الکریم ۲/ ۹۷

[7] القرآن الکریم ۳/ ۳

[8] القرآن الکریم ۶/ ۹۲

(۹) فی یونس: "وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ"[1]۔	(۹) سورہ یونس میں "یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افتراء نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۰) فی یوسف: "مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ"[2]۔	(۱۰) سورہ یوسف میں "یہ بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شیئ کی تفصیل ہے"
(۱۱) فی سبا "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ"[3]۔	(۱۱) سورہ سبا میں کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں نہ اس پر جو گزشتہ ہے"۔
(۱۲) فی الملٰئکۃ "وَالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ"[4]۔	(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں "جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے اور گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۳) فی حم السجدۃ "وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ"[5]۔	(۱۳) سورہ حم السجدہ میں "یہ عزت والی کتاب کی باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔"
(۱۴) فی الحقاف "قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ"[6]۔	(۱۴) سورہ احقاف میں سورہ احقاف میں "اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسی کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔" (ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۷

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۳۱

[4] القرآن الکریم ۳۵/ ۳۱

[5] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲

[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۰

فالقرآن الکریم مصدقا لکل کتاب الٰھی نزل قبلہ قریبا او بعیدا ولا یخالفہ عہ۱ شیئ من کتب اللہ تعالٰی والکفرۃ عہ۲ بشیئ لایومنون۔	اور بلاشبہ قرآن عظیم تمام ہی گزری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گزشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔
(۱۵)ومن ذلك فی ال عمران عن عبدہ عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام "وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[1]	(۱۵)آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے کہ "میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔"
(۱۶)فی المائدۃ "وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[2]	(۱۶)سورہ مائدہ کی آیت "ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسٰی بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی"
(۱۷)فی الصف "مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ"[3]	(۱۷)اور سورہ صف کی آیت "میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا،اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے،"
فما فسروہ الا بالقبیلۃ حملا لہ علی نظائرہ فی القرآن العزیز	ان آیات میں لفظ "بین یدیہ" کہ حضور پر حمل کیا جاسکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی

عہ۱:ناظر الی الایۃ الثالثۃ عشر ۱۲منہ علیہ الرحمۃ۔

عہ۱: تیرھویں آیت کی طرف اشارہ ہے

عہ۲:ناظر الی الایۃ الحادیۃ عشر ۱۲منہ۔

عہ۲: گیارھویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

وھو الذی یسبق الی الفھم و ان امکن حملہ ھھنا علی الحضور۔	تفسیر من قبلہ سے کی ہے کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔
(۱۸) فی سورۃ البقرۃ "فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا"[1] علی التفسیر لما قبلھا وما بعدھا من الامم اذا ذکرت حالھم فی زبر الاولین واشتھرت قصتھم فی الاخرین (بیضاوی[2])	(۱۸) اور سورہ بقرہ میں "تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کر دیا" اس کی تفسیر بھی "اگلی اور پچھلی امتیں" کی گئی جس کا ذکر گزشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)
(۱۹) وفی حم السجدۃ "اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ"[3] عن الحسن انذروھم من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الاخرۃ اھ (نسفی[4]) او من قبلھم ومن بعدھم اذقد بلغتھم خبر المتقدمین واخبرھم ھود وصالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی[5])	(۱۹) اور حم سجدہ میں "اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے" حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے (نسفی) یا گزشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہنچی اور ہود اور صالح علیہ السلام نے نہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا (بیضاوی)۔
(۲۰) فی الاحقاف "اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ"[6] قبل ھود (ومن خلفہ) من بعدہ الی اقوامھم (ان لاتعبدو	(۲۰) سورہ احقاف میں حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا اور اس کے پہلے سنانے والے گزر چکے تھے اور بعد میں آئے یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۶

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴

[4] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۰

[5] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۱۰

[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۱

الا اللہ)(جلال[1])"۔ ومن الثانی (۲۱) فی الاعراف "وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ"[2]۔ (۲۲) وفی الفرقان "وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ"[3] (۲۳) فی النمل "اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ"[4] (فانها تدل علی قرب المطر)۔ (۲۴) فی الاعراف "لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْ ؕ"[5] فلابد للموسوس من القرب والعیاذ باللہ تعالٰی۔	قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کس اور کو نہ پوجو (جلالین) قسم ثانی (۲۱) سورہ اعراف میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بناکر بھیجا۔" (۲۲) سورہ فرقان میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بناکر بھیجا۔" (۲۳) سورہ نمل میں "یا وہ جو تمھیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی، اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خو شخبری سناتی" (ان آیات میں بین یدیہ قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے)۔ (۲۴) اعراف میں "ہم ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں بائیں" اس آیت میں شیطانوں کو وسوسہ کا بیان ہے جس کے لیے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جن کو وسوسہ دیں بے اس سے خدا کی پناہ)

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۴۶/ ۲۱ اصح المطابع دہلی ص ۴۱۸

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۴۸

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۳

[5] القرآن الکریم ۷/ ۱۷

(۲۵) فی الرعد "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ مِنۡ خَلۡفِهٖ"[1] فان شان الحافظ القرب۔	**(۲۵)** سورہ رعد میں "اس کے نگران اس کے آگے پیچھے ہیں۔" اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے جو قریب سے ہوتی ہے۔
(۲۶) فی سبا "اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ"[2] یرید سماء الدنیا المرئیۃ لنا الا قرب الینا۔	**(۲۶)** سورہ سبا میں "تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان وزمین۔" اس آیت سے سماء سے مراد آسمان دنیا ہے جو نسبۃً ہم سے قریب ہے اور ہم پر سایہ فگن ہے۔
(۲۷) فیھا "وَ مِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ (الی قولہ عزوجل) یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ"[3]۔ فان المقصود من العمل بین یدی الملك ان یکون بمرای منه علی وفق مایشاء۔	**(۲۷)** اس میں ہے "اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔" اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنیوالوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے۔
(۲۸) فیھا "مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ لَّكُمۡ بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٍ شَدِیۡدٍ ﴿۴۶﴾"[4] دل علی قرب القیامۃ۔	**(۲۸)** اسی میں "تمھارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔" اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۲و۱۳

[4] القرآن الکریم ۳۴/ ۴۶

(۲۹) فی یٰس "وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا"[1] ۔ ہذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی و العیاذ باللہ تعالٰی۔

(۳۰) وفیھا. (وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ من عذاب الدنیا کغیرکم (وَ مَا خَلْفَكُمْ)[2] من عذاب الاخرۃ (جلال[3])

(۳۱) فی حم سجدہ (وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ من امر الدنیا و اتباع الشھوات (وَ مَا خَلْفَهُمْ)[4] من امر الاخرۃ) (جلال[5])

(۳۲) فی الحجرات: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ"[6] فان المفاد النھی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسولہ وتصویر

(۲۹) سورہ یس میں "ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔" یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لیے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو" (پناہ بخدا)

(۳۰) اسی میں ہے "جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو۔" یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب سے بچو۔ یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو (جلالین)

(۳۱) حم سجدہ میں "اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے انہوں نے انہیں مزین کردیا جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے "مابین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت (جلالین)

(۲۳) سورہ حجرات میں "اے ایمان والو! اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے اور اسکی شناعت

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۵

[3] جلالین تحت الآیۃ ۳۶/ ۴۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۷۰

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۵

[5] جلالین تحت الآیۃ ۴۱/ ۲۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۹۸

[6] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

شناعة هذا المحسوس وهو تقدم العبد علی مولاہ فی المسیر وانما یستھجن من قرب ما۔	کو محسوس کے ساتھ ممثل کرکے دکھایا گیا اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلنے تو برا ہے اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔
(۳۳) فی الحدید "یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ"[1] کلمة "یسعی" تدل علی ارادة ماینور لھم فالمدلول القرب اما النور فمتصل حقیقة۔	**(۳۳)** سورہ حدید میں "اس دن تم دیکھو گے کہ مومن کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ " یہاں کلمہ **"یسعی"** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لیے روشن کی گئی ہے تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے" اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔
(۳۴) فی المجادلة "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ"[2]۔	**(۳۴)** سورۂ مجادلہ میں ہے: "اے ایمان والو! رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔"
(۳۵) فیھا "ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ"[3] فان المقصود تعظیم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یظھر الا بالقرب۔	**(۳۵)** اسی میں ہے: "بات چیت سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو" ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہوگی۔
(۳۶) فی الممتحنة (وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ[4]) ای بولد ملقوط ینسبه الی الزوج	**(۳۶)** سورۂ ممتحنہ میں ہے: "ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھ اور پیروں کے بیچ گاڑا ہو۔" وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۳

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۲

ووصف بصفت الولد الحقیقی فان الامر اذا وضعته سقط بین یدیھا ورجلیھا اھ(جلال[1])فھذا علی الحقیقۃ الترکیبیۃ۔	عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتًا اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔"
(۳۷)فی التحریم،"نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ"[2]	(۳۷) سورۃ تحریم میں "ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہوگا۔"
(۳۸)فی الجن("عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ"[3])یجعل و یسیر (من بین یدیہ)ای الرسول(ومن خلفھم رصدا) ملئکۃ یحفظونہ حتی یبلغہ فی جملۃ الوحی(جلال[4])ھذہ و اضحات۔	(۳۸) سورہ جن میں "اللہ تعالٰی علم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا ان رسولوں کے آگے پیچھے نگران چلتے ہیں۔"یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں یہ سب آیات واضح ہیں۔
ومنھا،"فَجَعَلۡنٰہَا نَکَالًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہَا وَ مَا خَلۡفَہَا"[5]علی الاظھر الاشھر ای الامم التی فی زمانھا و	اسی سے ہے: "ہم نے (اس بستی) کا یہ وقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کر دیا" مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ مابین یدیہ اور خلفہ سے مراد وہ امتیں

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۶۰ /۱۲ اصح المطابع دہلی ص۴۵۸

[2] القرآن الکریم ۶۶ /۸

[3] القرآن الکریم ۷۲ /۲۶و۲۷

[4] تفسیر جلالین تحت الایہ ۷۲ /۲۶و۲۷ اصح المطابع دہلی ص۴۷۷

[5] القرآن الکریم ۲ /۶۶

بعدھا(جلالین[1])اولما بحضرتھا من القری وما تباعد عنھا او لاھل تلك القریۃ وما حوالیھا (بیضاوی[2])وکذا "اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ"[3]علی معنی اتوھم من کل جانب وعملوا فیھم کل حیلۃ اھ(مدارك[4])"۔	ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تے یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی) ایسا ہی آیت مبارکہ "جب اللہ تعالٰی کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے اس "آیت کے معنی یہ ہیں فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے (مدارک)۔
واما تفسیر ائمۃ اللغۃ والتفسیر ففی الصحاح، والقاموس ثم مختار الصحاح وتاج العروس وغیرھا "بین یدی الساعۃ"ای قدامھا[5] وفی الصراح"بین یدی پیش روئے[6]"او،وفی التاج"یقال بین یدیك بکل شیئ امامك[7]اھ،وفی معالم التنزیل من الھجرات "معنی بین الیدین الامام والقدام[8]"۔و	ائمہ تفسیر ولغت کا بیان یہ ہے: ۱صحاح، ۲قاموس، ۳مختار الصحاح، ۴تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے اور ۵صراح میں آگے جانے والے اور ۶تاج العروس میں ہے کہ بین یدیك ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمھارے آگے ہو۔ ۷معالم التنزیل تفسیر سورہ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔اور

[1] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲ /۶۶ اصح المطابع دہلی ص ۱۱

[2] انوار التنزیل(تفسیر بیضاوی)تحت الایۃ ۲ /۶۶ دار الفکر بیروت ۱ /۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱ /۱۴

[4] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الایۃ ۲ /۶۶ دالکتب العربی بیروت ۴ /۹۰

[5] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیا(یدی)احیاء التراث العربی بیروت ۱۰ /۴۱۹

[6] صراح باب الواو والیاء فصل الیاء مطبع مجیدی کانپور ص ۵۹۸

[7] تاج العروس فضل الیاء من باب الواو والیاء"یدی"احیاء التراث العربی بیروت ۱۰ /۴۱۹

[8] معالم التنزیل(تفسیر البغوی)تحت الآیۃ ۴۹ /۱دار الکتب العلمیہ بیروت ۴ /۱۸۸

الخازن من آل عمران ما بین یدیہ فھو امامہ[1] وفی ابی السعود و الفتوحات الالٰھیتہ من یونس علیہ الصلوۃ والسلام "بین یدیہ ای امامہ[2] وفی الجلال من الرعد بین یدیہ قدامہ[3] وفیہ من مریم مابین ایدینا ای امامنا[4] وفیہ وفی غیرہ من البقرۃ وغیرھا مصدقا لما بین یدیہ قبلہ من الکتب[5] ثم فی الانموذج الجلیل تحت الکریم السادسۃ والعشرین" مابین یدی الانسان ھو کل شیئ یقع نظرہ علیہ من غیر ان یھول وجھہ الیہ[6] وفی الکرخی ثم الفتوحات الالھیۃ ایضا تحتھا من المعلوم ان مابین یدی الانسان ھو کل مایقع نظرہ علیہ من غیر ان یحول وجھہ الیہ[7] وفی تکملۃ مجمع البھار فعلتہ بین یدیك ای بحضرتك[8]"۔	۸ خازن میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ ۹ تفسیر ابو سعود اور فتوحات الٰہیہ میں سورۃ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی "اس کے آگے" اور ۱۰ جلالین میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی "اسکے آگے"۔ اسی ۱۱ میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی کے ہمارے آگے۔ اسی ۱۲ میں اور ۱۳ دیگر تفاسیر میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقا لما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں ہے، ۱۴ انموذج جلیل میں ۲۷ویں آیت کے تحت ہے: مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرے پھیرے بغیر پڑے۔ ۱۵ کرخی اور ۱۶ فتوحات الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے: انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اسکی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ ۱۷ تکملہ مجمع البحار میں ہے: فعلتہ بین یدیك کا ترجمہ "میں نے اس کو تیرے حضور میں کیا"۔

[1] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت الآیۃ ۳/۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۲۴

[2] الفتوحات الالھیۃ (تفسیر الجمل) تحت الآیہ ۱۰/ ۳۷ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۷۳

[3] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۳/ ۱۱ اصح المطابع دہلی ص ۲۰۱

[4] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۹/ ۶۴ اصح المطابع دہلی ص ۲۵۸

[5] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲/ ۹۷ اصح المطابع دہلی ص ۱۵

[6] الانموذج الجلیل

[7] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۳۴/ ۹ المصطفی البابی حلبی مصر ۳/ ۴۶۱

[8] تکملہ مجمع بحار الانوار حرف الیاء "ید" مکتبہ دار سعودی عرب ۵/ ۳۱۷

وفی عنایۃ القاضی من ایۃ الکرسی اطلاق ما بین ایدیھم علی امور الدنیا الانھا حاضرۃ والحاضر یعبر عنہ بذلك۔ وامور الاخرۃ مستترۃ کما یستتر عنك ما خلفك [1] وفی الجمل منھا ما بین ایدیھم ای ما ھو حاضر مشاھدلھم [2] وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل (بین یدی اللہ ورسولہ) معناہ بحضرتھما لان ما یحضرہ الانسان فھو بین یدیہ ناظر الیہ [3] الخ" یاتی تمامہ۔	اور [۱۸] عنایۃ القاضی میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں کہ مابین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمھارے سامنے ہیں۔ اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔ اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز تمھارے پیچھے ہو۔ اور جمل [۱۹] میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی "جو حاضر و مشاہد ہو" لکھے ہیں [۲۰] خطیب شربینی اور [۲۱] جمل میں بین یدی اللہ و رسولہ کے معنی "ان دونوں کے حضور کئے ہیں کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بہبین یدیہ ہے، اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔ (پوری بات آگے آرہی ہے)
فاستبان لك بالقرآن العظیم والحدیث ونصوص ائمۃ القدیم والحدیث ان لا دلالۃ اصلا لقول الفقھاء یوذن بین یدی الخطیب علی کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونہ لصیق المنبر۔	تو قرآن عظیم احادیث کریمہ اور قدیم وجدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا کہ قول فقہاء یوذن بین یدی الخطیب کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔
فاولًا: لایتعین فی افادۃ القرب کما یظھر من عشرین	**اولًا:** لفظ بین یدیہ افادہ قرب میں متعین نہیں جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشھاب علی تفسیر البیضاوی تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۸۰

[2] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ المصطفی البابی حلبی مصر ۱/ ۲۰۷

[3] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ المصطفی البابی حلبی مصر ۴/ ۱۷۴، السراج المنیر (الشربنی) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

آیۃ تلونا اولا و مما ذکرنا من کتب اللغۃ والتفسیر سابقا فانما غرضھم افادہ ان السنۃ فی ھذا الاذان مضاذاۃ الخطیب کما قال فی النافع شرح القدوری اذن المؤذنون بین یدی المنبر)ای فی حذائہ[1] اھ فھذا ھو المقصود بالا فادۃ ھھنا اما ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا عنہ بل فی حدودہ وفنائہ فمسألۃ اخری معلومۃ فی محلھا وبھا تتعین محل ھذا المحاذاۃ کما قدمنا۔ وثانیًا:سلمنا القرب فھو امر اضافی و قرب کل شیئ بحسبہ الاتری۔ (۱)الی الایۃ الحادیۃ والعشرین دلت علی قرب المطر لکن لیس ان تھب الریاح فینزل بل کما قال عزوجل "حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ"[2]۔ (۲)فی السادسۃ والعشرین	آیتوں سے ظاہر ہوا اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت و تفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا فقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے جیسا کہ نافع شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں فقہاء کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے یہ بات کہ اذان جو جوف مسجد میں نہ ہو نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود واطراف میں ہو یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔ ثانیا:اور اگر بین یدیہ کے معنی قریب تسلیم بھی کرلیے جائیں تو قرب اسی کے حساب سے ہوگا (۱) دیکھو اکیسویں[۲۱] آیت میں بین یدیہ کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے:"ہوانے بادل کو اٹھا لیا تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا تو اس سے بارش ہوئی۔ (۲) ۲۲ویں آیت میں آسمان کو

[1] نافع شرح القدوری

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۷

جعل السماء بین ایدینا و بیننا و بینہا مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ و ھذا ترجمان القرآن علامۃ الکتاب من افصح العرب واعلمہا باللسان عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما یقول فی تفسیر آیۃ الکرسی یعلم ما بین ایدیھم یرید من السماء الی الارض وما خلفھم یرید فی السموات(رواہ الطبرانی[1] فی کتاب السنۃ)

(۳)وفی السابعۃ والعشرین ذکر عمل الجن بین یدی سیدنا سلیمن وھولاء الجن ھم الشیاطین کما قال تعالٰی "وَالشَّیٰطِیۡنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۙ" [2] وماکان لھم ان یدخلوا الحضرۃ السلیمانیۃ لیعملوا ثمہ محاریب و ماثیل و جفانا کالجواب وقدور رّسیٰت تکفی واحدۃ منہا الف رجل۔

وروی ابن ابی حتم فی تفسیرہ عن سیدنا سعید بن جبیر قال کان یوضع لسلیمان علیہ الصلوۃ و السلام ثلثمائۃ الف کرسی فیجلس مومنو الانس مما یلیہ و مومنو الجن من ورائھم [3] اھ

ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے حضرت ترجمان القرآن علامۃ الکتاب افصح العرب اور اعلم القوم باللسان سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آیۃ الکرسی کے یعلم ما بین ایدیھم کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے اور **ما خلفھم** کے معنی آسمان متعین فرمائے طبرانی نے سے کتاب السنہ میں روایت کیا

(۳) ۲۷ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہو کر وہ عظیم الشان عمارتیں مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع و عریض لگن بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں بنا ہی نہیں سکتے تھے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں جن پر مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے تو شیطان توان

---

[1] الدر المنثور بحوالہ الطبرانی فی السنۃ تحت الایۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۷

[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الایۃ ۲۷/ ۱۷ حدیث ۱۶۱۹۰ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ المکرمہ ۹/ ۲۸۵۵

فماکانت الشیاطین الاوراء کل ذلك (۴)وفی الثامنة والعشیرن ارشد الی ان بعثة نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بقرب القیامة کما قال صلی اللہ تعالٰی وعلیه وسلم بعثت انا والساعة کھاتین(رواہ احمد والشیخان [1] عن سھل بن سعد وھم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما)وقد امھل اللہ الامة المرحومة الی وقتنا ھذا الفا وثلثمائة وخمسا اربعین سنة وسنزید والحمد للہ الحمید ولم یناف ذلك الایة ولا قوله صلی اللہ تعالٰی وسلم بعثت طین یدی الساعة بالسیف حتی یعبد اللہ تعالٰی وحدہ لاشریك له(رواہ احمد [2] وابو یعلی والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه وعلقه البخاری)۔ (۵)الانجیل بین یدی القرآن و بینھما فی النزول اکثر من ستمائة	سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔ (۴)اٹھائیویں آیت میں ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم نے بھی ارشاد فرمایا میں اور قیامت ان دوانگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کئے گئے(احمد وشیخان نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے اس کو روایت کیا)اور اللہ تواللہ تعالٰی نے آج ۱۳۳۴ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت نہ توآیت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیاتاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں(احمد وابویعلی اور طبرانی نے کبیر میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)۔ (۵)انجیل "بین یدی القرآن" ہے اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سوسال

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت انا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۶۳، صحیح مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۴۰۶، مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك ۳ /۱۲۴، ۱۳۰، ۱۹۳، ۱۳۱، ۲۳۷ و ۲۷۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰و۹۲

سنة،والتوراة بين يدى الانجيل و بين عيسى و موسى على ما فى الجمل الف و تسعمائة و خمس و سبعون سنة و كذا هى بين يدى والفرقان و بين نزوليهما نحو من ثلثة الاف سنة۔	سے زائد کا فاصلہ ہے ۱۳۱ور توریت انجیل کے ما بین یدیہ ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچھتّر ۱۹۷۵سال کا فاصلہ ہے۔اور یونہی توراۃ قران کے بھی بین ید یہ ہے تو توریت وقرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا"۔
(۶)لا یرتاب احد ان المواجه المغرب حين تدلت الشمس للغروب ان يقول ان الشمس بين يدى وبالفارسية"آفتاب پیش روئے من است"او بالهندية" سورج میرے منہ کے سامنے ہے"مع ان بينهما مسيرة ثلثة الاف سنة وكذا يقول للثريا اذا واجهها و بينهما مسيرة ثمانية الاف سنة۔	(۶) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم کی طرف رخ کرکے کھڑا ہونے والا عربی میں کہتا ہے: "الشمس بين يدى"،اور فارسی میں کہتا ہے:"آفتاب پیش روئے است"،اور"ہندی میں کہتا ہے۔""سورج میرے منہ کے سامنے ہے۔"حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کرکے بھی کہتا ہے جبکہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔
(۷)فى الكريمة التاسعة والعشرين اريد الاتصال الحقيقى لان العمى لا يحصل الا بذاك فظهر ان القلب المدلول بلفظ بين يديه له عرض عريض منبسط من الاتصال الحقيقى الى مسيرة ثمانية الاف سنة۔انما اصله الحاضر المشهود والاختلاف لاختلاف المحل والمقصود فمثلا	(۷)انتیسویں آیت میں لفظ"بین یدیہ"سے مراد اتصال حقیقی ہے اس لیے کہ اندھاپن بے اس کے متحقق نہیں ہوسکتا تواس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہوکر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے تو اس کی اصل حاضر و مشہود کے لیے ہے اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہوسکتا ہے مثلاً

(۱)الثریا تری من مسیرۃ کذا(۲)الشمس من کذا (۳) السمائۃ من میسرۃ خمسمائۃ سنۃ فکان ھی القرب فیھا(۴)وفی العملۃ من حیث یرون فلا یفتروا ولا یزیغوا(۵)المصلی مامور بقصر بظرہ علی موضع سجودہ فھذا ھو موضع شھودہ فلن یکن المرور بین یدیہ الا اذا مر بحیث لو صلی صلوۃ الخاشعین یقع علیہ نظرہ وھو المراد بموضع سجودہ کما افادہ المحققون(۶)فی قولك جلست بین یدیہ یحتاج الی قرب اکثر مما یفید مجرد الابصار فانہ یکون للمکالمۃ والسمع اقصر مدی من البصر والیہ اشاروا فی الکشاف و المدارك والشربینی وغیرھا بقولھم" حقیقۃ قولھم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجھتین المسامتتین لیمینہ وشمالی قریب منہ فسمیت الجھتان یدین لکونھما علی سمت الیدین مع القرب منھما توسعا کما یسمی الشیئ باسم غیرہ اذا

(۱) ثیریا اتنی دور سے (۲) اور سورج اتنی دور سے (۳) اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے توان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا (۴) اور مزدوروں میں اتنی دور سے کہ نگرانی ہوسکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں (۵) اور مصلی کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے تواس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے اور مصلی کے سامنے سے گزرنا تبھی کہا جائے گا جب گزرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے (۶) مقولہ "جلست بین یدیہ" میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہوگا کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لیے ہے جس کا تعلق سماع سے ہے اور سماع کا دائرہ بصرہ کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے چنانچہ کشاف، مدارک اور شربینی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا قول "جلست بین یدی فلان" کی حقیقت یہ ہے کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں ابھیں دونوں ہاتھوں پر ان سے قریب ہیں اور یہ مجازا ہے جیسا کہ دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسری کو

جاورہ[1] ھ

وھذا ھو تمام عبارۃ الخطیب الموعود قلت:

تنبیہ: وفی قولھم اولا حقیقۃ وقولھم واخرا توسعا اشارۃ الی ما قدمت من انہ مجاز باعتبار معانی الاجزاء التفصیلیۃ حقیقۃ باعتبار الاجمال۔

(۷) یرید رجل قراءۃ القرآن العظیم وھو محدث فیقول لعبدہ قم بالمصحف بین یدی فیدل علی القرب بحیث یمکنہ القراءۃ منہ ویختلف باختلاف نظرہ حدیدا اوکلیلا واختلاف خط المصحف دقیقا وجلیلا۔

وھذا ما قالوا فی مصحف موضوع بین یدی المصلی، أو رحل وھو لایحمل ولایقلب انما یقرأ منہ بالنظر فیہ لاتفسد فی الصلٰوۃ عندھما، وعندہ تفسد کما فی الھندیۃ[2] وغیرھا۔

دے دیا جاتا ہے اھ "

(خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔)

تنبیہ: اس عبارت مین اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا اور بعد میں مجازی قرار دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیلی کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔

ایک شخص قران کریم پڑھنا چاہتا ہے مگر خود بے وضو ہے تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قران عظیم لے کر بیٹھ جاؤ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو اور یہ قرب تیز نگاہی اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔

اور یہی بات مشائخ نے اس مصحف شریف کے بارے میں کہی جو نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہے یا رحل میں ہے، نمازی نہ تو اسے اٹھاتا ہے اور نہ ہی ورق الٹتا ہے بلکہ فقط اس دیکھتا ہے اور قراءت کرتا ہے تو صاحبین کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہو گی جبکہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ہو جائیگی جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

[1] تفسیر الکشاف تحت الایۃ ۴۹/۱ دار لاکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۰-۳۴۹، مدرال التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۴۹/۱ دار لاکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، السراج المنیر (تفسیر الشربینی) تحت الایۃ ۴۹/۱ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۱

(۸) تضع شیئا بین یدی أحد لاکله فھذا علی ما تصل یدہ الیه کحدیث البخاری عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ جئت بقلیل رطب فوضعته بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فاکل[1]۔	تم کسی کے آگے کچھ کھانے کے لیے رکھ دو تو یہ اسی حد تک ہو گا جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ جائے جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ "میں تھوڑی سی تر کھجوریں لایا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھ دیں جنھیں آپ نے تناول فرمایا۔"
(۹) مقابلان علی صحفة یاکلان منھا فیأخذ احدھما شیئا منھا ویضع بین یدی صاحبه فھذا علی جانب الصحفة الذی یلی صاحه کحدیث البخاری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه فجعلت اتتبع الدباء واضعه بین یدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[2]۔	(۹) دو شخص آمنے بیٹھ کر ایک پیالے میں کھا رہے ہوں اور ان میں سے ایک شخص پیالے سے کوئی شے لے کر اپنے ساتھی کے قریب جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سر مروی ہے کہ میں کدو تلاش کرنے لگا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھنے لگا۔
(۱۰) "جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا"[3] علی الاتصال الحقیقی کما علمت۔	(۱۰) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا کہ تو نے جانا۔

[1] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الرطب والتمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۸

[2] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الثرید قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

وبا لجملة کل ھذہ الا ختلا فا ت انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولا دلالۃ علی شیئ منھا للفظ بین یدیہ واذا کان الامر علی ما وصفنا بطل الاستدلال بہ علی الاتصال او القرب الاخص حتی یستفاد منہ کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونہ لصیق المنبر وھم المستدلون فلیأتوا ببرھان ان کانوا صادقین وانی لھم ذلك واذ قد عجزوا وللہ الحمد فیسألونا ان نتبرع ونفید ھم ان القرالمدلول ھو ان یکون ظاھرا مشاھدا لا یحتاج معہ فی رؤیتہ الی تحویل الوجہ کما قدمنا التنصیص بہ عن الائمۃ ھذا ھو القدر المشترك والزیادۃ تستفاد من خصوص المقام کما علمت وھی ھھنا کون الاذان فی حدود المسجد وفنائہ فتم الامر وحصل النصر فظھر امر اللہ وھم کارھون	خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں تو انہیں ہی علیحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہیے کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں! اور وہ خود یہاں بین دیدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعا انہیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و مساہد جسے دیکھنے کے لیے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حدیں اور بیرونی صحن ہے بات مکمل ہوگئی اور مسلک حق مؤید بالدلیل ہوگیا اللہ تعالٰی کا

والحمد للہ رب العلمین۔ **ثالثًا:** نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الحکم العدل وما کان عھدہ فھو الفصل الم تسمع من الحدیث الصحیح ان ھذا الاذان کان یکون بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی باب المسجد فعلم ان ھذا القدر من القرب ھو المراد ھھنا فمن زاد او نقص فقد تعدی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی فی سنۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن نقص منہ فجعل ھذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلثۃ فقد ظلم ومن جعلہ داخل المسجد بالمعینین الاخرین وخارج المسجد بالمعنی الاول فھو الذی بالحق حکم وحکم اللہ ورسولہ اجل واحکم جل وعز وتعالٰی وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **نفحہ ۲:** ظھر مازھر وللہ الحمد سفاھۃ من تشبث ھھنا یقول الراغب فی مفرداتہ یقول: یقال	فیصلہ ظاہر ہوگیا مگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالٰی کی حمد ہی کرتے ہیں۔ **ثالثًا:** یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حکم العدل ہیں اور جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے جیسے حدیث صحیح سے سنا جاچکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے پس جس نے اس قرب مروی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کردیا تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کردیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا، اس نے حق کے موافق حکم کیا، اور حکم واللہ ورسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ **نفحہ ۲:** الحمد للہ گزشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب

هذا الشیئ بین یدیك ای قریبا منك[1]، اھ وبکلام الکشاف والمدارك: حقیقة قولھم جلست بین یدی فلان[2] الخ	اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمھاتے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے "میں فلاں کے سامنے بیٹھا الخ"۔
فاولا۔ لاننکر ان اللفظ ربما یلاحظ فیه القرب ولکن قد علمت ان للقرب عرضا بعیدا۔	**اولًا**: ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن خود قرب میں بھی توبڑی وسعت ہے۔
وثانیًا: لم یدران الزیادة فی جلست بین یدیه مستفاد من خصوص الجلوس کما بینا وله ایضا عرض عریض فالوزیر الاعظم والسوقی حضرا فامر السلطان بالجلوس، کلاھما یقول جلست بین یدی الملك ولکن شتان ماقرب الوزیر وقرب من فی صف النعال اولعله لم یجلس الا علی عتبة الباب فینقلب السند علی من استنذ اذصدق علی من فی الباب کونه بین یدی من فی صدر	**ثانیًا**: انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و مشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور دونوں ہی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا، لیکن دونوں پاس میں کتنافرق ہوتا ہے کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، تفسیر الکشاف تحت الایة ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۳۴۹/۴

المجلس والمحراب۔ **ثالثاً:** حفظت شیئا و غابت عنك اشیاء ایها لراغب الی قول الراغب هل تظنه مخالفا للنصوص التی قدمنا عن ائمه اللغة وجها بذة التفسیر ام لا ؟فعلی الاول ما الذی راغبك عنهم الی من شذوهم الجم الغفیر وعلی الثانی الم یکفك ما للحاضر المشاهد من القرب فان الرؤیة العادیة مشروط لها لقرب ام زعمت ان القرب حد معین لا تشکیك فیه فاذن لا یحاورك ال مثلك سفیه وهذا ربنا تبارك و تعالٰی قائلا وقوله الحق "اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ۝" [1] بل قال عزوجل "اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ۝" [2] والحساب بعد قیام الساعة بنصف الیوم ،والیوم کان مقداره خمسین الف سنة۔	والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے۔ **ثالثاً:** راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنٰی بتائے وہ ان آئمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق، اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں رغبت ظاہر فرمائی، اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و مشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں، حالانکہ رویئت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے، یا تم قرب کے ایک متعین حد مانتے ہو اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا نا سمجھ ہی دے سکے گا۔ اللہ تبارک و تعالٰی اپنے قول حق میں فرماتا ہے: "قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو چکا"۔ بلکہ اسی قدوس و پروردگار نے فرمایا: "لوگوں کے حساب کی گھڑی آ پہنچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں۔" حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا، اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

[1] القرآن الکریم ۵۴ /۱

[2] القرآن الکریم ۲۱ /۱

ورابعًا: ذکر الامام القدوری فی الکتاب الحرز علی ضربین منهما حرزبا لحافظ[1] فقال فی الجوهرة النیرة "هذا اذکان الحافظ قریبا منه بحیث لا یراه فلیس بحافظ[2]." اھ "فانظر جعل مایری قریبا ومانای بحیث لایری بعیدا فهذا هو معنی القرب فی کلام الراغب موفق لمانص علیه الائمة الاطائب۔ **خامسًا:** یقول لك الراغب اراغب انت عن بقیة کلامی یاغفول فان کلامه هکذا "یقال هذا الشیئ قریب منك وعلی هذا قوله: له مابین ایدینا ومصدقالما بین یدی من التوراة الخ وقوله قال الذین کفروالن نؤمن بهذا القرآن ولا بالذی بین یدیه ای متقدماله	**رابعًا:** امام قدوری نے اپنی کتاب میں فرمایا اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہین(ا) نگران کے ذریعہ حفاظت جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھتا رہے اور اگر اتنا دور ہو یا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہو گئ تو یہ حفاظت نہیں ہے امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب وبعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر ومشاہد ہونا چاہیے جیسا کہ دیگر ائمہ لغت و تفسیر کی تحقیق ہے۔ **خامسًا:** اس مستدل سے خود امام راغب کو شکایت ہو گی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے: "محاروہ ہے کہ یہ چیز تمھارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے اللہ تعالٰی کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلًا اللہ تعالٰی نے فرشتوں کی زبانی سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کے لیے ہے (اور قرآن کے لیے خود فرمایا) اپنے سے آگے عالے کتاب توراۃ

[1] المختصر للقدوری کتاب السرقۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۰

[2] الجوهرة النیرة کتاب السرقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۶۱

من الانجیل ونحوہ [1] اھ(باختصار)" فانظر علی ما حمل القرب وقد جعل مفرعا الیہ "لہ ما بین ایدینا" اتراہ یقول ان مراد لاملئکۃ تخصیص ملک اللہ تعالٰی بما یلیھم۔ **وسادسًا:** فرع علیہ "مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ" [2] وبینھما الفاسنۃ فاذا لم یمنع ھذا الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منہ الفصل القلیل المکانی بین المنبر و حرف المسجد و ربما لا یبلغ مائۃ ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین۔ **وسابعًا:** ثم قال الراغب انزل علیہ الذکر من بیننا ای من جملتنا وقولہ لن نؤمن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیہ ای	کی تائید کرتا ہے اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر" اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتاکر اس کا مصداق لہ مابین ایدینا کو قرار دیا، توکیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنی متصل اشیاء مراد لی، کیا صرف وہی اللہ تعالٰی کی ملک ہیں؟ **سادسًا:** اسی معنی قریب کی فرع مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔ **سابعًا:** اگر امام راغب کے قول "قولہ وقال الذی کفروا کو ماسبق والے قولہ پر ہی معطوف قرار دیجئے تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اس کو جملہ مستانفہ

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] القرآن الکریم ۳ /۵۰

متقدماله من الانجيل ونحوه[1] انتهى فهذا تفسير اخر لبين يديه "تقييد بالقرب فقد افاد كلا الوجهين واقتصرت على الاول بالشين والمين۔" **وثامنًا:** سلمنا لك ان مراد الراغب ماتريد ولكن هذا صاحب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم السائب بن يزيد العربى صاحب اللسان يقول كان يوذن بين يديه رسول الله صلى الله تعالى وسلم على باب المسجد[2] هو اعلم باللسان ام انت وراغبك وبالجملة احديث فى جبهة حجا جكم كية لاتمحى فلله الحمد۔ **تاسعًا:** اعترف هذا المستدل بان بين يديه فى بعض المواضع بحسب المقام تكون خاليًا تكون خاليا عن	قرار دیا جائے تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہو تا کہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں جو بعید تر ہیں اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے، معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے پھر آپ کو معنی قرب پر اصرار کیوں ہے؟" **ثامنًا:** چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کرلی جو آپ کو مرغوب ہے مگر اس کو کیا کہیئے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عربی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں وہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کہتے ہیں اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹھ حجتی کے منہ پر ایسی مہر ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے ہم اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالاتے ہیں۔ **تاسعًا:** مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے اور صرف سامنے اور

[1] المفردات فی غرائب القرآن الیاء مع الباء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

معنی القرب دالا علی مجرد المحاذاۃ قال کما صار واقعا فی بعض الایات القرینیۃ ایضا لکن ھھنا ای فی مسئلۃ الاذان لم یصرح بھذا فی کتاب (اھ مترجما) فقد اقران بین یدیہ یستعمل علی کلا الوجھین وانہ ورد فی القرآن العظیم ایضا بالوجھین ثم یقول لم یصرح بہ ھھنا فی کتاب یا مسکین انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ینفعک عدم التصریح انہ انما کان علیک ان تبدی تصریحا بنفیہ ولکن الجھل بمسالک الاحتجاج یاتی بالعجائب۔	مقابل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ بعض آیات قرانی میں بھی واقع ہوا ہے مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے اھ۔ مقام حیرت ہے کہ "بین یدیہ" کو قریب و بعید دونوں کے لیے مان کر اور یہ تسلیم کرکے کہ قران عظیم میں ایسا وارد ہے اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے) اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہو گیا کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے سبحان اللہ! یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہنچتا ہے۔
ثم قولہ لما لا یریدہ ولا یرضاہ کما صار واقعا فی بعض اٰیات القرآن ایضا یلمح الی شیئ اصعب فان مثل ھذا الکلام فی مثل ھذا المقام یقال	اسلوب بیان کی خامی یہ جملہ جیسا کہ قران کی بعض آیات میں واقع ہوا یہ بتانے کے لیے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہو اوخطاءً

لما وقع سھوا او خطاءً علی خلاف الجادۃ نسال اللّٰہ العفو والعافیۃ۔	واقع ہوا کیا قرآنی آیات کے لیے یہ اسلوب بیان صحیح ہے اللہ تعالٰی سے ہم عفو کے طالب ہیں
عاشرًا: اذ قد ثبت فی القرآن العظیم فلم انت راغب عنه الی قول الراغب و تزعم ان المفاد ھو الذی قاله لا ما وقع فی القرآن الکریم فان زعمت ان ما انت فیه لیس محله کان علیك ابداء ما ھو محله وانه فی القرآن لا ھھنا و اثبات کل ذلك بالبینة والا فلم تقر بانه فی القرآن المجید ثم انت عنه تحید ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العزیز الحمید۔	**عاشرًا:** جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ "بین یدیہ" کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لیے ہے تو اس سے منہ موڑ کر اس کے راغب کے بیان کے مطابق قریب لینے کی کیا وجہ ہے اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لیے دلیل دینی چاہیے تھی کہ قرآن میں بعید ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔
نفحه ۳: نص ائمتنا فی الاصول ان "عند للحضور" قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصوله والامام صدر الشریعۃ فی التنقیح والتوضیح، واقرہ العلامۃ سعد التفتازانی فی التلویح (عند للحضرۃ[1]) وفی تحریر المحقق علی الاطلاق وشرحه التقریر لتلمیذہ المحقق الحلبی (عند للحضرۃ) الحسیۃ	**نفحہ ۳:** ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا کہ عند حضور کے لیے ہے چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی نے اپنے اصول میں اور امام صدر الشریعہ نے تنقیح و توضیح میں اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا کہ "عند حضور کے لیے ہے محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق حلبی کی شرح تقریر میں ہے کہ عند حضور حسی کے لیے ہے جیسے آیۂ کریمہ فلمارأہ مستقرا عندہ،

[1] اصول البزدوی باب حروف البحر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

نحو فلما را ہ مستقرا عندہ، والمعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتاب[1] اھ وقال الامام الاجل ابو البرکات النسفی فی المنار وشرحہ کشف الاسرار والعلامۃ شمس الدین الفناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع والعلامۃ مولی خسرو فی مراۃ الاصول وشرحۃ مرقاۃ الوصول (عند للحضرۃ الحقیقۃ او الحکمیۃ اھ.[2]) وفی مسلم الثبوت للمدقق البہاری وشرحہ فواتح الرحموت للملك العلماء بحر العلوم عبد العلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کوز (والمعنویۃ) نحو عندی دین لفلان[3] اھ۔ ومعلوم ان کلا حاضر بالمرأی وکل ما بالمرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال یحصر فما د عند اوسع من مفاد "بین یدیہ" فضلا عن ان یزید ضیقا علیہ وقد فرقوا بین لدی	اور حضور معنوی کے لیے جیسے وقال الذی عندہ علم من الکتاب اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا اور اسی طرح امام اجل ابو البرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں مولا خسرو نے مرات الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کے لیے آتا ہے مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی کے لیے ہے جیسے عندی کوز (میرے پاس پیالہ ہے)۔ اور معنوی کے لیے جیسے عندی دین لفلان (مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے)۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش اور نہ عند کے لیے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے نہ یہ کہ

[1] التقریر والتحبیر مسئلہ عند للحضرۃ دار الفکر بیروت ۲ /۱۰۱

[2] مرقاۃ الاصول شرح مرآۃ الاصول، فصول البدائع فی اصول الشرائع

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسائل الظروف مسئلہ عند للحضرۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱ /۲۵

وعند بان عند یستعمل فی القریب والبعید ولدی مختص بالقریب۔ قال الرضی فی شرح الکافیة عند اعم تصرفا من لدی لان عند یستعمل فی الحاضر القریب وفیما ھو فی حرزك ان کان بعیداً بخلاف لدی فانه لا یستعمل فی البعید [1] اھ. والقرب کما علمت ذو وسع بعید و لنو ضح ھھنا ایضا بایات الکلام الحمید۔	عند کو بین یدیہ سے تنگ ماناجائے چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان کیا جاتا ہے کہ عند قریب و بعید دونوں کے لیے اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا: "عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی نہیں ہے۔" اور ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں:
(۱) قال اللّٰہ عزوجل: "اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ" [2] (الایة)۔ "ومرت فی النفحة الاولی القرانیه امر کل من فی مشھدہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم بغض الصوت ولا یختص بالذی یلیه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم فسواء فیه من لدیه ومن علی الباب کلھم عند رسول اللّٰہ بلا ارتیاب	(۱) اللہ تعالٰی نے فرمایا: "جولوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔" نفحہ اولی قرآنیہ میں واضح کرآئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لیے کچھ خاص نہیں بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے سب کے لیے یہی حکم ہے محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے سبھی

[1] الرضی فی شرح الکافیه "الظروف" "لدی ولدن وقحط عوض دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح و یصرخ فی حضرتہ او یرفع صوتا فوق ضرورتہ ولو کان مفاد "عند" مایزعمون لشمل ھذا الوعد الجمیل بمغفرۃ واجر عظیم من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح مع اخر صیاحا شدیدا منکرا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفصل شبر مثلا او تکلم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضّ صوتہ وھذا لا یقول بہ مسلم لہ عقل۔ (۲) قال جل وعلا: "ھُمُ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا ؕ[1]۔" وھذا وسع من ذاک یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الان فی حضرتہ۔	کے لیے چیخنا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہیئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو یا صرف اس کے لیے خاص ہو گی جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔ (۲) ارشاد الٰہی ہے: "یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرچ نہ کرو تاکہ یہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔" یہاں عند کا مفہوم پہلے والی آیت سے بھی وسیع ہے کیونکہ یہاں تو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

[1] القرآن الکریم ۶۳ /۷

(۳) قال تبارك وتعالٰی: "یَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَیَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ وَاللّٰهُ یَكۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ"[1]۔ ھذا فی المنافقین وما کانو یلونه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المجلس انما کان ذلك لابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما ثم لا یختص بمن کان اقرب منهم بالنسبة الی الاخر یشمل ھو جمیعا۔ (۴) قال المولی سبحانه وتعالٰی "اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۵۵﴾"[2]۔ عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء و العلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابة والصحابة من الانبیاء	(۳) اللہ تبارک وتعای کا ارشاد گرامی ہے (کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں): "ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، اور جب آپ کے پاس سے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگتی جو آپ کے سامنے کہہ چکے۔" یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے قریب کی جگہ تو ابوبکر وعمر، عثمان وعلی و دیگر مخلصین صحابہ کے لیے تھی منافقین تو ادھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں تو عند کہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔ "بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہوں گے۔" یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن اس میں کہاں بہ نسبت اولیاء کے کسی صالح مسلمان کا درجہ اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۴، ۵۵

والانبیاء من سید الانبیاء صلی الله تعالٰی علیه وسلم فرق لایقدر ولا یقدر بشر ان یتصور اعظم بالوف الآف مرات مما بین الفلك الاعلی وما تحت الثری وقد شملت کلھم عند۔	کسی ولی کا درجہ اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثری سے بھی زیادہ فاصلہ ہے مگر سب کو عند اللہ سے بیان کیا گیا ہے۔
(۵) مثله قوله عزوجل "اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾ "[1]	(۵) اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے "بے شک متقین کے لیے رب کے پاس جنت نعیم فرمایا ہے۔"
(۶) فی اٰیة اخری وقال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی "اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ"۔[2] ومعلوم ان الله تعالٰی قد اتجاب لها وقد فرج لها ففی الدنیا ونبیتها کما فی حدیث سلمان[3] وحدیث ابی ہریرہ بسند صحیح رضی الله تعالٰی عنهما وما کانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیهم وعلیها الصلوة والسلام، بل قربا یلیق بها وان لم یساوی مالخدیجة وفاطمة وعائشة رضی الله تعالٰی عنهن	(۶) دوسری آیت میں اللہ تبارو تعالٰی نے فرمایا: "اس نے دعا مانگی یا اللہ! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنادے۔" (مذکورہ بالاآیت کے تحت) حضرت سلمان وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی تو کیا وہ انبیاء واولیاء سے بھی زیادہ قرب الٰہی کی طالب تھیں وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو، چاہے حضرت خدیجہ وفاطمہ وعائشہ رضوان اللہ تعالٰی عنہن کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو چہ جائیکہ

[1] القرآن الکریم ۶۸ /۳۴

[2] القرآن الکریم ۶۶ /۱۱

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الایۃ ۲۲ /۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۸ /۱۹۲، الدر المنثور تحت الایۃ ۲۲ /۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸ /۲۱۳

فضلا عن الانبیاء الکرام علیھم الصلوۃ السلام۔ (۷) وقال عزوجل فی الشھداء "بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ"[1] این رجل من احاد الشھداء من سید ھم حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بل من نبی اللہ یحیی وغیرہ ممن استشھد من الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام۔ (۸) قال جل ذکرہ فی الملئکۃ "فَالَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ"[2] تفاوتھم فیما بینھم معلوم غیر مفھوم "وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۙ"[3] (۹) قال عز من قائل "وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ ؕ"[4] وماکان لمکر الکفار ان یکون	انبیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔ (۷) اللہ تعالٰی نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا "شہداء اللہ تعالٰی پاس زندہ ہیں۔" تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام بلند اور کہاں اللہ تعالٰی کے نبی یحیٰی علیہ السلام کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔ (۸) اللہ تعالٰی فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے "جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں ان فرشتوں میں باہم درفت کا کتنا تفاوت ہے ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے مگر تفاوت ہونا یقینا معلوم ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک متعین مقام ہے۔" (۹) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "کافروں نے خدا سے مکر کیا ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔" کافروں کے مکر کے لیے اللہ تعالٰی سے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۸

[3] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۶۴

[4] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۶

له قرب من العزیز الجبار لا مکانا لا ستحالته ولا مکلانة لا ستهانته وانما هو للحضور ای حاضر بین یدیه لایخفی علیه فیرجع الی معنی العلم۔	کوئی قرب نہیں نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے لا محالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور یعنی یہ اللہ تعالٰی کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں تو حضور علمی ہوا۔
(۱۰) قال سبحانه ما اعظم شانه "ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ "[1] یعنی البدن قال فی المعالم ای عند البیت العتیق یرید ارض الحرام کلها قال فلا یقربوا المسجد الحرام کله[2]۔اھ جعل جمیع الجزاء الحرم اذ کلها منحر عند البیت ومعلوم ان کثیرا منها علی فصل فراسخ من البیت الکریم۔	(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے معالم التنزیل میں فرمایا الی البیت العتیق کا مطلب عند البیت العتق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ آیت مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔
(۱۱) تری التابعین یقولون فی احادیثهم کنا عند عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها فلا ادری علی ای قرب یحمله المطلون۔	(۱۱) احادیث کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے پاس تھے پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب پر محمول کریں گے۔
(۱۲) یقول الحاجب جئت من عند الملك وما کان الا علی	(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں حالانکہ وہ دروازہ سے

[1] القرآن الکریم ۲۲ /۳۳

[2] معالم التزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۲۲ /۳۳ دار الکتب العلیمه بیروت ۳ /۲۴۲

الباب۔	آگے بڑھ نہیں سکتا۔
(۱۳)یقول مکی بیتی عند باب السلام وربما کان بینھا اکثر من مائتی ذراع۔	(۱۳)مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے حالانکہ بسا اوقات دونو فاصلہ دو سو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا۔
(۱۴)یقول التلمیذ جلست عند شیخی ثلث سنین کو امل وان لم یکن قیامہ الا فی مسجدہ وجلوسہ الا فی اخریات مجلسہ۔	(۱۴)شاگرد استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔
(۱۵)اتوخذ لفظة عند من کلام بعض الفقھاء ولا یوخذ ما ابانوا من معنی عند قال فی الکتاب الھدایة والکنز والتنویر وغیرھا واللفظ للکنز من سرق من المسجد متاعا وبه عندہ قطع [1] فقال علیه فی شروحھا المجتبی وفتح القدیر وبحرالرائق والدر المختار وغیرھا والنظم للدر: "عندہ ای بحیث یراہ [2]"۔	(۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے فقہا کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلالی کیا جائے اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کی جائے ہدایہ، کنز، تنویر وغیرھا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا ان کی شرح مجتبی، فتح القدیر، بحرالرائق اور درمختار میں فرمایا الفاظ در مختار کے ہیں "سامان کے مالک کے پاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

[1] کنز الدقائق کتاب السرقة فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۹

[2] الدر المختار کتاب السرقة فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

فظهر ان معنی عند لایشید علی ما بینا من مفاد بین يديه ولا دلا لة لشيئ منهما ان لاا ذا ن دا خل المسجد فضلا عن کو نه لصیق المنبر ولکن اذا رسخ فی القلب و هم فکلما یسمع یتو همه بمعناه کما قیل لسغبان واحد مع واحد کم یصیر قال خبزان۔	مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہو گیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ کے معنی میں بیان کیا اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی وہمی چیز سمجھتا ہے اور کوئی بات سنتا ہے تو ہی چیز اس کے خیال میں جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے دو۲ روٹی۔
نفحه۴: استبا ن مما با ن و لله الحمد جها لة من تمسك هنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل فی المکان و تارة فی الاعتقاد نحو ان یقال عندی کذا و تارة فی الزلفی و المنزلة [1] وقول المبسوط "عند عبارة عن القرب [2]" وبان ترجمته بالفارسية نزدو بالهندية	**نفحہ ۴:** الحمدللہ رب العالمین گزشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہو گئی جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "لفظ عند قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے تو کبھی مکان کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لیے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے اور کہیں رتبہ اور مرتبہ کے لیے ہوتا ہے یا مبسوط میں امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں عند قرب بیان کرنے کے لیے ہے۔" عند کا ترجمہ فارسی میں "نزد" اور ہندی

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون تحت اللفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۵

[2] المبسوط للسرخسی کتاب الکفالۃ باب الکفالۃ بالنفس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹/ ۲۲۴

پاس وقد افد ناك من مو ارد القر ب ما يغنى عن اعادته و جميع الا يات التى تلو نا انما تر جمو اعنع فيها با للسا نين بلفظة"نزد پا س"مع ما فيها من العر ض العريض كما بينا۔ وكذلك فى "اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ"[1]"اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ"[2]وغير ذلك مما لا يخفى على الصبيان، وقد سئلنا هم مرا را عن مسئلة فقهية فلم يجب احد منهم الى الان و كيف يجيبو اوما لهم به يدان واذا بزغ الحق كلا اللسان۔ صورتها زيد صنع منبرا تبلغ قيمته دينارا اعشر ة درا هم او اكثر وهو خفيف بحيث يذهب به رجل واحد لا ينؤ ابه ولا يؤدة شيئ من	میں "پاس" ہے کیونکہ ہم نے قرب کے تمام موارد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لیے آیات کے اعادہ کی ضرورت اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان تمام آیتوں میں لفظ "عند" کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزدو پاس سے کیا گیا ہے جبکہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔ جیسا کہ آیت اقتربت الساعۃ(قیامت قریب ہوئی)اور آیت اقترب للناس حسابھم(لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا)وغیرہ سے ظاہر ہے(کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے)اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا اور وہ کیسے جواب دیتے وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہوجاتی ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک دینار مساوی دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھالے جائے اذان منبر

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

حمله واذهابه فاذا اناء فی المسجد حین المنبر کان المتولی یستعیره من مابب لکه ثم اذافرغ یرده الیه و ذات یوم قضیت الصلوۃ اونتشروا فی الارض والمنبر بعد فی مکانه ومالکه قام بحذائه علی باب اٰخر مسترقا وحانت التفاتة من زید فاخذ المنبر و اشرد فحل یقطع هذا الواهابی السارق شرعا ام لا فان قالوا الا فقد خالفوا نصوص الائمة اذقالوا من سرق من المسجد متاعا وربه عنده بحیث یراه قطع[1] وان قالوا نعم فقد کان شرط القطع ان یکون ربه عنده لیکون محرزا بالحافظ اذا المسجد لیس بمحرز فقد اعترفوا ان القائم علی باب المسجد او فی حدوده او فنائه حذاء	کے وقت زید اسے مسجد میں لے کر پہنچا متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہو کر واپس کر دیں گے بعد نماز لوگ تو ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور منبر وہیں پڑا رہ گیا اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدود مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا اس اثنا میں ایک وہابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دورازے سے داخل ہوا اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا جیسے ہی مہلت پائی مبنرع لے کر نکل بھاگا سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہو گا یا نہیں اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہو گا کہ ان کا ارشاد "جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا" اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائیگا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اسکا محافظ قرار دیا جائے کیونکہ مسجد حود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ مسجد کے دروازے

[1] بحرالرائق کتاب السرقه فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۹، الدرالمختار کتاب السرقه فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

المنبر قائم عند المنبر فبثت ان الاذان عند المنبر و ذلك ما اردناہ وللّٰه الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه کما یحبه ویرضاہ۔	کے پاس اس کے فناء میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے یہ تو ہمارا دعوی تھا جس کا اعتراف مخالف نے کیا اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہوا اور جسے پسند کرے۔
نفحه ۵: لئن ننزلنا الی مثل مدار کهم فلا شك ان عند ظرف زمان و مکان قال تعالٰی: "خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"[1] ای ثیابکم وقت کل صلوۃ والوقت یضاف الی الامکنة والاجسام ایضا اذا کان له اختصاص بها قال تعالٰی: "یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ"[2] انما حنین اسم مکان وکذا یوم بدر یوم احد یوم الدار لیلة عقبة لیلة المعراج لیلة الغار فی الصحیحین: "من لها یوم السبع"[3] سبع بسکون الباء مکان المحشر	**نفحہ ۵**: اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے کہ عند ظرف زمان اور مکان دونوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو" یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو ارشاد الٰہی ہے: "اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے" حنین ایک جگہ کا نام ہے یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے صحیحین کی حدیث ہے: "ومن لها یوم السبع" سبع کا لفظ با کے سکون کے سات بھی مروی ہے

[1] القرآن الکریم ۷ /۳۱

[2] القرآن الکریم ۹ /۲۵

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب منه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۴۹۴

او بضمتها الحيوان المفترس وعليه الاكثر ولا شك ان لهذا الوقت اختصاصا بالمنبر وقته وحينه۔ **نفحه۶**: احتجوا بقول بعضهم على المنبر فمن هؤلاء من يفسره بعند وقد علمت ان ليس فى عند ما يقرأ اعينهم واجهلهم يقول "على" ههنا بمعنى الباء يريد ان الباء اللالصاق فكان الاذان ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذى فى الباء ليس قطعا بمعنى الاتصال الحقيقى تقول مررت بزيد اذا امررت بحيث تراه و ان كان بينكما اكثر مما بين المنبر والباب قال تعالى: "وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۝۱۰۵"[1] ههنا لفظة على نفسها وانت لا يبلغ الاسباب اسباب	تو لفظ سبع سے مراد مکان محشر ہوگا اور باء کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہوگا اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عند المنبر کے معنی اذان وقت منبر ہو کیونکہ اس اذان کو منبر سے ایک نسبت خاص ہے۔ **نفحہ ۶**: اذانیوں نے بعض فقہاء کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا تو ان میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی اور ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنی میں باء کے ہے مطلب یہ کہ باء الصاق کے لئے آتا ہے تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا وہ اذان جو منبر کے متصل ہو اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا باء کے معنی میں ہوا خود محل نظر ہے لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں عربی کے اس قول مررت بزید (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دوازہ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے تو تم کہہ سکتے ہو کہ میں زید کے ساتھ چلا اللہ تبارک وتعالیٰ

[1] القران الکریم ۱۲/ ۱۰۵

السموات حتی تلتصق بآیاتها انما المعنی تمر بحیث تراها وامثلهم طریقة یقول ان بعض الفقهاء اتی بعلی تاکیدا للقرب یرید ان المراد المبالغة فی القرب حتی کانه علیه فوقه وکل هذا من هوساتهم۔ **فاولًا**:قد اجمع العقلاء ان اللفظ متی احتمل الحقیقة لا مجاز عنها الی المجاز و معلوم ان علی بمعنی عند او بمعنی الباء او للمبالغة کل ذلك مجاز وهی حقیقة فی اللزوم ففی اصول الامام شمس الائمة ثم کشف الامام البخاری:"اما علی فللزام باعتبار اصل الوضع[1] اھ"	ارشاد فرماتا ہے: "آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن گزرتے ہیں اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔" اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لیے آسمانوں تک بلند ہونے کی طاقت رکھتے ہو پس اس آیت میں لامحالہ تمرون علیہا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہو اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان کی وزمین کی دوری تھی اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہا کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کے لیے ہے مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔ **اولًا**: تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں اور یہ واضح ہے کہ علی کو عند باء یا مبالغہ کے لیے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ آول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں: "علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کے لیے ہے۔"

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی بحث حروف البحر کلمة علی دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۱۷۳

وفی تحریر الامام ابن الھمام و تقریر الامام ابن امیر الحاج:"وھو ای اللزوم ھو بمعنی الحقیقی [1] اھ. وفی الرضی الکافیة منه سر علی اسم اللہ تعالٰی ای ملتزما [2]"	تحریم امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے: "لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں"۔اور رضی شرح کافیہ میں ہے اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اس کو لازم پکڑو۔"
قال ربنا عزوجل "فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ [3]" ای ملازمة للحیاء۔	قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ارشاد الٰہی ہے: "ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی" یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھی۔
ولا شك ان ھذا الاذان اینما کان لازم ملازم للمنبر فانی توفکون۔	اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا الزام کیا ہے تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کو کدھر پلٹ رہے ہیں۔
ثانیًا:الیست "علی" للمصاحبة.قال الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان علی حرف جر لھا معان (الی ان قال) ثانیھا للمصاحبة کمع نحو "واٰتی المال علی حبه ای مع حبه.وان ربك لذو مغفرة الناس علی ظلمھم [4]"	**ثانیًا**: علی مصاحبت کے لیے ہے امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں "علی "حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے جیسے لفظ مع قران عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا (دوسری مثال) تمہارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنیوالا ہے (یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)"

[1] التقریر والتجیر مسئلة علی الاستعلاء حسا دار الفکر بیروت ۲/۷۶

[2] الرضی فی شرح الکافیة حروف الجر حرف "علی" دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۳۴۲

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۵

[4] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۹۸

وفی الحدیث"زکاۃ الفطر علی کل حر و عبد[1]"قال فی النھایۃ"قیل علی بمعنی مع لان العبد لا تجب علیہ الفطرۃ و انما تجب علی سیدہ[2].اھ"وفی القاموس: "والمصاحبۃ کمع""واتی المال علی حبہ"[3]وفی الفتوحات الالٰھیۃ تحت قولہ تعالٰی "تمشی علی استحیاء "علی بمعنی مع ای مع استحیاء[4]"ولا شك ان ھذا الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمہ ولا یتأخر عنہ فان کانت حقیقۃ فی المصاحبۃ فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اُخر اذا نتم المستدلون۔	اور حدیث شریف میں ہے زکوۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے"نہایہ میں فرمایا علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ہو تو مالک پر ہے(تو مطلب یہ ہو کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے) قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے:"مع کی طرح علی بھی مصاحبۃ کے لیے آتا ہے جیسے اتی المال علی حبہ"اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا: علی مع کے معنی میں ہے یعنی شرماتے ہوئے اور اذان خطبہ بلا شبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں آپ کے مراد لیے ہوئے معانی مجازی ہوئے اور مجاز حقیقت کے مصادم نہیں ہو سکتا اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہو ا اور احتمال استدلال کے لیے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔
ثالثًا: قال ربنا عزوجل:"وَ	**ثالثًا:** اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور

[1] مجمع الزوائد باب صدقۃ الفطر دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۸۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۲/ ۲۷۷

[2] النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع اللام المکتبہ اسلامیہ ۳/ ۲۹۶

[3] القاموس المحیط فصل العین باب الواؤ والیاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۶۸

[4] الفتوحات الالیھۃ الشھیر بالجمل تحت الایۃ ۲۸/ ۲۵ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۴۴

اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ "[1] قال فی الاتقان والفتوحات الالھیة(ای فی زمن ملکه[2])، و فی مدارك الامام النسفی:"ای علی عھد ملکه وفی زمانه"[3]اھ۔ ولا شك ان ھذالاذان علی عھدالمنبر وفی زمانه، فرجعت الی معنی عند الزمانیة۔ **رابعًا:** اصل الکلام انھم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی وترك العمل ھل ھو الاذان الاول کما ھو الاصح وبه قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه ام اذان الخطبة لانه لم یکن عند نزول الکریمة وغیرہ وبه قال الامام الطحاوی رحمه اللہ تعالٰی ونقل الشمنی فی شرح النقایة کلامه ھکذا قال الطحاوی: انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما[4] اھ	انہوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں مدارک امام نسفی میں ہے یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے تو یہ عند زمانیہ کے ہم معنی ہوگیا۔ **رابعًا:** اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لیے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے، اذان اول کا (حنفیّہ کے نزدیک یہی صحیح ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں (یہی امام طحاوی کا قول ہے جس کو شرح نقایہ میں شمنی نے نقل کیا) امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے کیونکہ پہلی اذان عہد رسالت اور ابوبکر و عمر رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[2] الفتوحات الالھیة الشھیر بالجمل تحت الایة ۲/ ۱۰۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸

[3] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الایة ۲/ ۱۰۲ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۶۵

[4] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطحاوی باب الخطبه والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

وفی مرقاۃ علی القاری: "قال الطحاوی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عهده علیه الصلوۃ والسلام و زمن الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما[1]۔	ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات میں بھی روایت ان الفاظ میں ہے: "امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لیے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جانے والی اذان سے ہے کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔"
وهکذا اکما تری لا مثار لو همهم فیه وکان بعض المتاخرین اختصر واقاله ولیراجع اصل لفظه رحمه الله تعالٰی عنه فانی ارجو ان لا یکون فیه ما اوقعهم فی الوهم وکیف ما کان فانما استدل بانه الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر و عمر رضی الله تعالٰی عنهما وهکذا ذکر فی دلیله من عبرہ بالاذان علی المنبر عند المنبر کالکافی والکفایة والمبسوط وغیرها ومعلوم قطعا انه لم یکن علی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم فوق المنبر ولذا احتاج هؤلاء ایضا الی تاویل علی بعند او الباء او	ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد ہی نہیں بھلا ایسے ہو سکتا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد مبارک میں یہی بھی بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المنبر سے کی جیسے صاحب کافی و کفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے عہد مبارک میں ہوتی تھی، اور سب کو معلوم ہی کہ اذان خُطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لیے تو ان علماء نے بھی علی کو عند

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلوٰۃ باب الخطبۃ والصلوٰۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

المبا لغة فا ذن يجب حمله ما كا ن عليه فى زمنه الكريم وكما لم يثبت كو نه فى عهد ه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فو ق المنبر، كذلك لم يثبت كونه ملاصق المنبر، او عند المنبر با لمعنى الذى يزعمو ن وانما ثبت كو نه على باب المسجد فيجب ان لا يحمل الا على ما يو افقه عند كا ن او على ولكن الانصاف قد عز فى الاخلاف۔	کے معنی میں لیا۔اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علی سب کو اسی ثابت شدہ محمل پر حمل کرنا چاہیے نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لیے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہیے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہو رہا ہو۔
نفحہ۷:لئن تنزلنا لهم عن جميع هذه التحقيقات التى ذكرنا بتوفيق ربنا على الا على فى "عند وعلى"۔	**نفحہ۷**:اگر ہم عن اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کرلیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ذکر کی ہے۔
فاولًا:ما قو لهم "المعتبر الاذان على المنارة او الاذان على المنبر او عند المنبر" الا حكاية حال للتعريف ويعر ف كل احد حتى الصبيا ن انه ليس بحكم و قو لهم "لا يؤذن فى المسجد، ويكر ه الاذان فى المسجد حكم والعبرة بالحكم الا بالحكاية۔	**اولًا**:ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف و حکایت حال کے ہے(یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہیے)، بخلاف ان اقوال کے جب میں مسجد میں اذان ممانعت آئی ہے جیسے لا یؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان نہ دی جائے) یا یکرہ الاذان فی المسجد (مسجد میں اذان مکروہ ہے) کہ یہ صاف صاف حکم ہے اور اعتبار حکم کا ہے تعارف و حکایت کا نہیں۔
وثانيًا:الاذان الذى كذا	**ثانیًا**:یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں

بیان علامة له فلا یدل علی جوازه فضلا عن استنانه قال الامام الاجل ابوزکریا النووی فی شرح صحیح مسلم ثم العلامة المحدث طاہر فی مجمع بحار الانوار: "ان العلامة تکون بحرام ومباح [1] اھ. ارأیت ان اجتمع فی صعید السلطان والامراء الناس فمن لا یعرف السلطان سال علامامن فیھم الملك الذی یفترض علینا طاعته فی المعروف قال الذی علی راسه تاج الذھب ھل یکون ذلك حکما منه بجواز لبس الذھب للرجال کلا علماؤنا قد ارشد والی الحکم ان لا یؤون فی المسجد ومع ذلك لا شك ان لو فعل فیه کما یفعل ھٰولاء لکان موجبا للسعی وترك البیع علی قول لامام الطحاوی فلو فرض ان الناس احدثوہ ھکذا فعرفوہ به بیانا لحکم السعی کان ما ذا۔	جگہ ہوتی ہے) علامت ہے اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا" کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے"، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ امراء اور عوام سبھی جمع ہیں ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا ان لوگوں میں بادشاہ کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے وہ عالم کہے گا کہ جس کے سرپر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہنچوایا گیا تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہوگیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے؟ تو جب ہمارے علماء نے یہ حکم بتادیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی وترک بیع ہوگی ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے از خود ایجاد کرلی ہے پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائے گی۔

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۲

ثا لثًا: الحکم الضمنی فی الوصف العنوا نی حکم منطقی، والحکم المنطقی ان کان قصدیا لم یلزم ان یکون شرعیا فکیف اذا کان ضمینیا الم تسمع الی ما قالہ العلماء فی حدیث علیہ السلام تحیۃ الموتٰی[1]۔	**ثالثًا:** قضیہ ضمنیہ میں دو حکم ہوتا ہے ایک موضوع کے وصف کا صدق پ ذات موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی، شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعا معتبر نہیں۔ اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے فقہاء نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا؟ اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے مگر شریعت نے اسے نا معتبر اور ناجائز بتایا۔ حدیث شریف میں ہے: "علیک السلام مردوں کا سلام ہے"۔
رابعًا: بعد التیاو التی ان کان فمن باب "الاشارۃ" وقولھم لا یوذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد "عبارۃ" وقد نصوا قاطبۃ ان العبارۃ مرجحۃ علی الاشارۃ وان الحکم و الفتیا بالمرجوح جھل وخرق الاجماع کما فی تصحیح القدوری و الدر المختار[2]۔	**رابعًا:** تمام بحث و مباحثہ کے بعد اذان علی المنبر اسے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہوگا اور فقہاء کے قول "لا یؤذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد" عبارۃ النص ہے اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارۃ النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے اور در مختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

[1] المصنف العبد الرزاق باب کیف السلام و الرد حدیث ۱۹۴۳۴ المجمع الاسلامی بیروت ۱/۳۸۴

[2] الدر مختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

وخامسًا: فی معانه انواع الاحتمال والنصان صریحان والمحتمل لایعارض الصریح واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔	**وخامسًا:** اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہوسکتا اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔
وسادسًا: مع قطع النظر عن کل مامر غایته تعارض حاظر ومبیح فیترجح الحظر بل الامر اذا تردد بین السنة والکراهة کان سبیله الترك کما نص علیه فی رد المحتار [1] والبحر وغیرهما لان درء المفاسد اهم من جلب المصالح [2] وفی معراج الدرایة للامام القوام الکاکی ثم منحة الخالق غض البصر مکروه والجماعة سنة فترك السنة اولی من ارتکاب المکروه [3] اھ، فعلی کل حال ما النصر الا لنا ولا الدائرة الا علیهم ولله الحمد فهذا عشرة أجوبة عن "عند" و عشرة عن "علی" ولله الحمد العلی	**سادسًا:** جو پہلے گزرا اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کی غایت حظر واباحت کی دلیل میں تعارض ہے تو ترجیح حظر کو ہوگی بلکہ امر جب سنت و کراہت میں دائر ہو تو اس کا راستہ ترک سنت ہے جیسا کہ ردالمحتار اور بحر وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے کیونکہ مفاسد سے بچنا منافع کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، معراج الدرایہ اور منحۃ الخالق میں ہے غضِ بصر مکروہ اور جماعت سنت ہے چنانچہ ترک سنت اولی ہے ارتکاب مکروہ سے بہر حال نصرت ہمارے لیے اور وبال ان پر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں یہ "عند" سے متعلق دس جواب ہیں اور علی سے متعلق بھی دس جواب ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی بلند و

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ۱/ ۴۳۱ و البحر الرائق باب العیدین ۲/ ۱۶۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵

[3] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۳۲

الا علی۔

وانت خبیر ان کل ما ذکر نا فی ھذہ النفحۃ الا خیرۃ فانما ھو علی غایتہ التنزل وارخاء العنان وجری علی سنن المناظرۃ والا حققنا کلام الفقھاء الکرام بمالا یبقی معہ للمنصف کلام ولا للمجادل مجال جدال وا ما المکابر فداءہ عضال نسال اللہ العفو والعافیۃ۔

نفحہ۸: اعلم ان السنۃ عند السادۃ المالکیہ فی اذان الخطبۃ ایضا ان یکون علی المنارۃ وصرحوا ان کونہ بین یدی الخطیب بدیۃ ومکروھۃ وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل: "ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الاما علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ، ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانا اخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك، ثم لما تولی ھشام بن عبد الملك اخذ الاذان

اعلی کے لیے ہیں۔

اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اُتر کر اور لگام ڈھیلی کرکے، اور بطور مناظرہ۔ ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی گنجائش ہی نہیں بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے رہ گیا مکابرانہ کلام تو ئی ایک مرض ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نفحہ ۸: ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ منارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہ ہے امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو ایسا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور زمانہ ابوبکر وعمر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنھم کے ابتدائے خلافت تک رہا، اس کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا (یعنی جب خطیب مبنر پر چڑھتا اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی) ہشام ابن عبدالملک بادشاہ ہوا تو اس نے اذان اول کو مقام زوارء سے منارہ کی طرف

الذی فعله عثمان رضی الله تعالٰی عنه بالزوراء و جعله علی المنار ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر و عمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله تعالٰی عنهم بین یدیه قال علماؤنا رحمهم الله تعالٰی علیهم و سنة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اولی ان تتبع [1] اھ"(باختصار)۔ وحواشی الجواهر الزکیة شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیه اهل المغرب الی الان وفعله بین یدی الامام مکروہ کما نص علیه البرزنی وقد نهی عنه مالك فعله علی المنار والامام جالس هو المشروع [2] اھسکندری۔ وفی المواهب اللدنیة للامام احمد القسطلانی وشرحها للعلامة محمد	منتقل کیا اور اذان عہد رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت) منارہ پر ہوتی تھی اس کو امام کے سامنے دلانے لگا ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ حواشی جواہر زکیہ شرح مقدمہ عشماویہ للعلامہ یوسف السفطی سکندری مالکی میں ہے دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کا آج بھی اسی پر عملدرآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزنی نے مکروہ لکھا ہے امام مالک نے اس سے منع فرمایا امام کے مبنر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔ مواہب الدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی رحمہما اللہ تعالٰی

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض البدع التی احدثت فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۲۱۲

[2] حواشی الجوہر الزکیة شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی

الزرقانی المالکی رحمہما اللہ تعالٰی قال الشیخ خلیل ابن اسحق فی التوضیح اسم شرحہ علی ابن الحاجب: "اختلف النقل ھل کان یؤذن بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او علی المنار الذی نقلہ اصحبنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالك فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی کافیہ عن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم[1] الخ۔"وسیاتی تمامہ بعونہ تعالٰی۔ فھذہ نصوص الامام مالك واصحابہ علی ان کون الاذان بین یدی الخطیب بدعۃ من راسہ فضلا عن کونہ فی المسجد وانما السنۃ فیہ ایضاکاذان سائر الصلوات کونہ علی المنار فظھر ان ادعائھم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریۃ منھم وای اجماعۃ یقوم مع خلاف امام دار الھرۃ وجماھیر اصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم وکذاکذب من	نے فرمایا: "شیخ خلیل ابن اسحٰق نے توضیح میں فرمایا جوابن حاجب کی شرح ہے کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ "اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے ہوتی یا منارہ پر ہمارے اصحاب سے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مجموعہ میں نقل کی ابن عبد البر نے امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے" (پوری تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے) امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں چہ جائکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ باقی تمام اذانوں کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو تو مخالفین کا یہ فتراء ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے بھلا امام دار الہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ تعالٰی عنھم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہو سکتا ہے تنہا ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہی قدح اجماع کے لیے کافی ہے جبکہ اس

[1] المواہب اللدنیہ المقصد التاسع الباب الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۲-۱۶۱، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۸۱ - ۳۸۰

ادعی اجماع المذاھب الاربعۃ ولعل مالکالیس عندہ من الاربعۃ ھذا اذالم یصرح ائمتنا الحنفیۃ بکراھۃ الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا ولانعلم خلافافیہ عن غیرھم فلا یبعدان الاجماع علی خلاف ماھم علیہ وباللہ التوفیق۔	مسئلہ میں ائمہ احناف رحمھم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔
نفحہ۹:وبہ ظھر بطلان زعمھم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلادالاسلام بایقاع ھذاالاذان داخل المسجد لصیق المنبر ألم تسمع السکندری ثم السفطی "ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیہ اھل المغرب الی الان [1] ونری فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیۃ مبنیۃ فیھا دکۃ لھذا الاذان بعیدۃ عن المنبر وعلیھا یفعل الی الان وقدمنا انہ اذان خارج المسجد لکن العوام لا یعلمون ظاھرامن الحال وعن الحقیقۃ ھم غافلون واذلم یھتدوا لھا ظنوہ اذانا فی المسجد فعن ھذا نشأوافشافیھم ھذا ثم قاسوا علیہ اذان سائر الصلوات اذلافارق	**نفحہ ۹**:مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی) کیونکہ سکندری پھر سفطی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں جن پر آج تک اذان ہوتی ہے پہلے ہم یہ بتاآئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکے میں پڑے ہیں اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں اور یہی ان میں شائع وذائع ہے اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا

[1] حواشی الجواھر الزکیہ شرح المقدمۃ العشماوتہ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی

ولا قائل بالفرق فتری هم فی کل صلوۃ یقوم احدهم اینما شاء من بیت اللہ فیرفع عقیرته بالاذان واذا قیل له اتق اللہ قابل بالعناد والطغیان فصار عمل السنه عندهم منسیا وتصریحات الفقه شیئا فریا احدثوا تعاملا فیما بینهم علی خلاف الشریعة ثم جعلوه لابطال حکم الشرع ذریعة والی اللہ المشتکی وهو المستعان۔" ولم یعلموا ان مثل هذا التعامل لا حجة فیه والا لکان الکذب والغیبة والنمیمة اجدر بالجواز فانها اکثر تعاملا وافشی فی الناس شرقا وغربا بعد قرون الخیر قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ثم یفشوا الکذب [1]۔ قال فی فتاوی الغیاثیة اوخر کتاب الاجارۃ عن السید الامام الشهید رحمه اللہ تعالٰی انما یدل علی	قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی تو پنجوقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں اور جب انہیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جاچکی ہیں اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے اور حکم شرع کے ابطال کے لیے اسی کو دلیل بنالیا ہے تو اللہ تعالٰی سے اس کے لیے فریاد ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔ اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں ورنہ جھوٹ غیبت، چغلی خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہونگے کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔" صاحب فتاوی غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا: "وہی تعامل جواز کی دلیل بنا ہے جو

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹

الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذلك لایکون فعلهم حجة الا اذا کان ذلك من الناس کافة فی البلدان کلها الاتری انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لا یفتی بالحل اھ[1]	صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو اور ایسا نہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہوتا اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ ان اگر سب جگہ کے سب لگ شراب پینے لگیں سودی کاوبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔"
وفی جمعة رد المحتار "التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذکان عامامن عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به[2]"	ردالمحتار کے باب الجمعہ میں ہے تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ ومجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہوا ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔"
وفی جنائزہ نقلا عن بعض المحققین من الشوافع بالتقریر مانصه: "هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیتا عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذلك منذ ازمنة[3]۔"	اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے یہ اجماع اکثری ہے اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔
وفی المکتوب الرابع والخمسین	مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی

[1] فتاوی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النسا مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۲

من الجلد الثانی من المکتوبات الشیخ احمد العمری السرھندی الشھیر بمجدد الف ثانی ما ترجمته: "غمرت الدنیا فی بحر البدعات و اطمأنت بظلمات المحدثات من یشتطیع دعوی رفع البدعة التکلم باحیاء السنة اکثر علماء الزمن حماة البدع و محاة السنن یحسبون شیوع البدع تعاملا فیفتون بجوازھا بل استحسانھا ویدلون الناس علی اتیانھا یظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تعورف صار تعاملا ولا یدرون ان مثل ھذا التعامل بشیئ لیس دلیلا علی حسنه انما العبرہ بتعامل جاء من الصدر الاول او حصل اجماع جمیع الناس علیه ثم احتج بعبارة الغیاثیة المذکورة ثم قال ولا شك ان العلم بتعامل الناس کافة و عمل جمیع القری والبلدان خارج عن وسع البشر[1] اھ"۔ واکثر المخالفین لنافی المسئلة الدائرة انما یفتخرون بانھم من غلمان ھذا الشیخ و قد قری علیھم قوله ھذا مرارا افلا یسمعون	کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب نمبر ۵۴ میں ہے: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعوی کون کر سکتا ہے اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں اور بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہین اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جز ایں نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو (پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کرکے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے اھ" مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انہیں سنائی بھی (کہ اب سے

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب پنجاہ و چہارم نولکشور لکھنو ۲/ ۱۰۳

ولا ینتھون عن ادعاء التعامل ولا یرعوون انما اتخذوا شیخھم ھواھم، فھم بفتوی الھوی یعلمون نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار من الاجارات وفی رسالتہ "تحریر العبارۃ" وفی کتابہ "العقود الدریۃ" کلھا عن العلامۃ قنالی زادہ(عہ) "ان المسئلۃ النباء والغرس علی ارض الوقف کثیرۃ الوقوع فی البلدان واذا طلب المتولی او القاضی رفع اجارتھا الی اجر المثل یتظلم المستاجرون ویزعمون انہ ظلم وھم ظالمون وبعض الصدور والاکابر یعاونونھم ویزعمون ان ھذا تحریك فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیہ وان	وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعوی سے باز نہیں آئے دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انہوں اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت طلب کرتے ہیں۔ علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الاجارہ رسالہ تحری العبارۃ، عقود دریہ سب میں علامہ قنالی زادہ سے نقل کیا کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کہی جاتی ہے تو ان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں اور بعض صدر واکابر ان کی مدد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے اس لیے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدر آمد ہوتے رہنا چاہیے کہ

عــــہ: ھکذا فی ردالمحتار طبع فی قسطنطنیۃ وفی تحریر العبارۃ قنلی زادہ بغیر الالف وفی العقود الدرۃ منلی زادہ بالمیم ۱۲ منہ

عــــہ: یہ لفظ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے اور تحریر العبارۃ" میں قنلی زادہ بغیر الف کے ہے اور عقودالدریہ میں منلی زادہ میم کے ساتھ ہے ۱۲ منہ (ت)

شر الامور محد ثا تها ولا يعلمو ن ان الشر فى اغضا العين عن الشرع وا ن احياء النسة عند فسا د الا مة من افضل الجهاد واجزل القرب [1] اھ. وفى تحرير العبارة فعلم بهذا ان هذه علة قديمة ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم [2] اھ۔ وفى ردالمحتار: "اذا تكلم احد بين الناس بذلك يعد ون كلامه منكرا من القول و زورا وهذه بلية قديمة [3] اھ" وفيه وفى العقود الدرية: "وهذا علم فى ورق۔ [4]" وهذه لعمرك حال الناس فى تهالكهم على هذا المحدث و	ہر بات سے بری نئی بات پیدا کرنا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شرع سے چشم پوشی خود بری ہے اور امت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کازندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور بزرگ ترین عبادت ہے۔ تحریر العبارۃ میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے (کہ شر پھیل جائے تو لوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں) لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" ردالمحتار میں ہے: "لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم برائی ہے۔ اور اسی (ردالمحتار میں ہے) میں اور عقود الدریہ میں ہے: "یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔" واللہ! اس اذان ممنوع و محدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کا حال بھی ایسا ہی ہے، اور

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰، تحریر العبادۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[2] تحریر العبارۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰، العقود الدریہ کتاب الاجارۃ مسئلہ استبقاء البناوالغراس ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۲۵

هذه هی اعذار هم فی ایقا عه والقاء السنة والله المستعان ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

نفحه۱۰: اذقدظهران لا تعا مل الی الآن فما ظنك بالتوارث الذی به یلهجو ن واذا اخذوا با لحد یث والفقه فهم یتلجلجون۔

ویاسبحان الله انما التوارث التعامل فی جمیع القرون فا ذا لم یتحقق الی الان کیف یثبت من سالف الزمان اذ قد ارشد الحدیث الصحیح ان الذ ی فی عهد الر سالة و الخلا فة الر اشد ة کان علی خلا ف ما یزعمو ن فا نی یصح التوارث و الی من یسند و ن و عمن یر ثو ن قال المحقق حیث اطلق فی فتح القد یر مسالة الجهر فی الا و لیین والا خفاء فی الا خر یین قو له هذا هو المتو ارث یعنی انا اخذ نا عمن یلینا الصلوة هکذا فعلا و هم عن یلیهم کذلك و هکذا الی الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وهم بالضرور ه اخذوه عن صا حب الو حی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلا یحتا ج الی ان ینقل فیه نص معین[1]،

سنت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کیلئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار بار دہ تراش رکھے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

نفحہ ۱۰: جب یہ ظاہر ہو گیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں اور جب حدیث و فقہ ت ان امور پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج مج بیانی دکھاتے ہیں۔

سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اور جب آجکل کا تعامل ثابت نہ ہو سکا تو گزشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہوگا اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہد رسالت وزمانہ خلافت راشدہ میں عملدرآمد ان کے مزعومہ کے خلاف تھا تو کہاں سے توارث ثابت ہوگا کس سے اس کی نسبت ثابت کر ینگے اور کس کا ورثہ اس کو قرار یں گے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: "رکعتین اولین میں قراءت جہری اور اخریین میں سری ہی متوارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا اور انہوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم تک، اور انہوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیکھا اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں،

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ فی القراۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸۳

فھذا معنی التوارث المحتج بہ شرعا مطلقا المستغنی عن ابداء اسند خاص وانی لھم بذلك وکیف یصح فیما قد علمنا وعن صاحب الوحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و عن خلفائہ الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم خلافہ۔	یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعا دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔"
اقول: وتحقیق المقام ان الاحوال اربع: (۱) العلم بعدم الحدوث (۲) وعدم العلم بالحدوث (۳) والعلم بالحدوث تفصیلًا ای مع العلم بانہ حدث فی الوقت الفلانی (۴) والعلم بہ اجمالا ان علمنا انہ حادث ولانعلم متی احدث ومن احدث فالشیئ اذا کان ناشیا متعاملا بہ فی عامۃ المسلمین وعلمنا انہ ھو الذی کان علی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فھو القسم الاول وھو المتوارث الاعلی واذلم یعلم کیف کان الامر علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا علم حارث بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیحمل علی ان کل قرن اخذہ عن سابقہ و یجعل متوارثا تحکیمًا للحال	**اقول:** (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے (۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو (۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔ (۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (۴) حدوث کا علم اجمالی ہو، یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نوایجاد ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔ جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع وذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا یہ قسم اول ہے اور اسی کو متوارث اعلی بھی کہتے ہیں اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا،

حملا علی الظاھر والاصل اذ الاصل فی الامور الشرعیة ھو الاخذ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم والعمل بالسنة ھو الظاھر من حال عامة المسلمین وھذا ھو القسم الثانی"وھذا ما یقال فیه انه لا یحتاج الی سند خاص اما اذا علم حدوثه فلا یمکن جعله متوارثا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم سواء علمنا وقت حدوثه اولا،لان عدم العلم بوقت الحدوث لیس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعًا انه حادث ولانعلم متی حدث کاھرام مصر بل والسماء والارض فی الحدوث المطلق ومعالیق الحجرة الشریفة التی تعلق حولها من قنادیل الذھب والفضة ونحوھما فی الحدوث المقید قال السید السمھودی فی خلاصة الوفاء:ولم اقف علی بتداء حدوثها[1] الخ وحینئذ ینظر ھل یخالف	تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں یہ متوارث کی قسم ثانی ہے،اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک کی ایجاد ہے۔ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ۔کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں،یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا جیسے اہرام مصر بلکہ حدوث مطلق میں آسمان وزمین بھی اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا:"ہمیں ان کے ابتداء حدوث کا وقت نہیں معلوم تو ایسے نو پیدا امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب

[1] وفاء الوفاء الفصل الخامس والعشرون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۴

هذا سنة ثابتة فی خصوص الامر اولا۔ علی الثانی یحال الامر علی حال الشیئ فی نفسه فان کان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن فحسن علی تفاوته من الاستحباب الی الوجوب حسب ما تقتضیه القواعد الشرعیة، وقد یطلق علیه "المتوارث" اذتقادم عهده کذکر العمین الکریمین فی الخطبة، وهذا ادنی اقسامه ولا اطلاق له علی ما دونه الا مرالا لغة، کتوارث التقیة فی الرافضة والکذب فی الوهابیة وان کان قبیحا داخلا تحت قواعد القبح فقبیح علی تفاوته من الکراهة الی التحریم اولا و لا فلا ولا بل مباح عـــه والخروج عن العادة شهرة و مکروه کما نصوا علیه[1]۔ وورد	قواعد شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں، مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی "متوارث" کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں۔ تو یہ توارث کا سب سے ادنی درجہ ہے اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائیگا ہاں توارث لغوی ہوسکتا ہے جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے اور جھوٹ وہابیہ میں ابًا عن جدٍ رائج ہے اور اگر ایسی نوپید چیز ہو جو بعد عہد رسالت ہو اور اسکے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اگر یہی حادث نہ سنت ثابتہ کے خلاف ہو نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو، تو یہ صرف مباح ہے، نہ قبیح ہے، نہ مستحب، ہاں جب شہر وعلاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ

عـــه: بیاض فی الاصل۔

[1] الحدیقة الندیة من آفات السحر فهو حرام مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۸۲

"خالقوا الناس باخلاقهم"[1] وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم "بشروا ولا تنفروا"[2]۔ وعلی الاول یردو لا یقبل وان فشا ما فشا وقد اجار الله الامة عن الاجتماع علی مثله الا ان یکون شیئ تغیر فیه الحکم بتغییر الزمان کمنع النساء عن المساجد وهذا فی الحقیقة لیس مخالفا للسنة الثابتة بل موافق لها وان خالف الواقع فی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم لان الواقع لشیئ کان وبان والحادث لشیئ لو کان فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکان فهذا هو التحقیق و معلوم ان مسئلتنا هذه من القسم الرابع فی التقسیم الاول۔ والقسم الاول فی	علماء[عـــه] نے فرمایا کہ لوگوں ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو اور حدیث شریف میں ہے "لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ" سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعت مردودہ ہوگی اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا جماع نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالٰی نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہد رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری وساری ہوگیا جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ پُر نور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے ایسا نو زائیدہ امر حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہوگئی ہے اگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں

عـــه: حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامۃ القیامۃ ص ۲۰ رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین[3] ۱۲ نظام الدین۔

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزۃ الباب الثانی الفائدۃ الثانیہ دارالفکر بیروت ۶/ ۵۷۲ و ۳۵۴

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ حاکم کتاب السماع والوجد دارالفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

التقسیم الثانی ای نعلم انه حادث ان لم نعلم متی حدث۔ و نعلم ان الواقع علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان علی خلاف ذلك ولیس شیئا یتغیر فیه الحکم بتغیر الزمان و مع هذا تظافرت النصوص عن ائمة الفقه بنهی عام هو داخل فیه، بل ارشد الائمة الی النهی عن خصوصه و دلت الادلة علی قبحه و شناعته کما تقدمه کل ذلك فثبت انه یستحیل جعله متوارثا بل هو من المحدثات المرودة قطعا، والحمد لله، وبه استبان ان الجهل بمبدأه لا یجعله قدیما للعلم بحدوثه بل الجهل بالمبداء یؤخره جدا، لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات، وزعم انه

ایسا ہوتا تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے (کما قالت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا) ام المومنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔ یہ تحقیق مقام ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے، اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عملدرآمد رہا ہے، اور ئی ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانے کے بدلنے سے بدلتا ہو، اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہا کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے، اور متعدد دلیلیں اس کے قبح و شناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ساری تفصیل گزر چکی، تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے اور یہ قطعاً یقینا بدعات مردودہ میں سے ہے اس سے یہ امر بھی روشن ہو گیا یہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا اس کو قدیم نہیں بناتا جبکہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو، بلکہ جس کے حدوث کی بتداء نہ معلوم ہو، اس کے بارے میں یہ امر سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نوپید ہے کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور یہ گمان کرنا

حدث من زمن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه فریة بلا مریة واحتجاج التانوی الوھابی له بانه لما قال فی الھدایة اذا صعد الامام المنبر جلس و اذن المؤذنون بین یدی الامام بذلك جری التوارث[1] اھ قال علیه امام العینی فی البنایة ای فی زمن عثمان[2] اھ ولا یمکن ان یراد بقوله بین یدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتھا من زمن الرسالة فلا بد ان یرادبه کونه لدی المنبر متصلا به لیصح جعله متوارثا من زمن عثمان لا قبله اھ۔ وما زعم الوھابی المفتری وھذه فریة فوق فریة، ولقد صدق رسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: "اذا لم تستحی فاصنع ما شئت"[3]۔ فان عبارة البنایة ھکذا "م بذلك ش ای بالا اذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی	کہ اکا حدوث تو زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بلا شبہہ ایک افتراء ہے۔ اور وہابی تھانوی کا ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ "امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو موذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے"۔ اور امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت عثمان رضی اللہ رتعالٰی عنہ کے زمانہ سے ہے" غلط ہے۔ صاحب ہدایہ کے قول یہی متوارث ہے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سامنے اذان ہونا کیونکہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد ہے۔ اور اسی وقت سے متوارث ہے، حالانکہ اس اذان کا تو عہد رسالت سے ہونا منقول، متوارث ہے۔ اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل، ہدایہ او عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بے شرم ہوگئے ہو تو جو چاہو کرو" پوری عبارت یوں ہے: "یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ سے یہی جاری وساری ہوگیا کہ منارہ

[1] الھدایہ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۵۱

[2] البنایۃ فی شرح الھدایہ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ جلد ۱ جزء الثانی ص ۱۱۴

[3] امعجم الکبیر حدیث ۶۵۸و۶۶۱ المکتبۃ الفیصیلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷و۲۳۸

المنارة مر به جری التوارث من زمن عثمان بن عفان الی یومنا هذا" اھ[1] فالاشارة الی التاذین بعد التاذین۔لا الی التاذین بین یدیه۔ولکن الوهابیة قوم یفترون۔ولا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم۔	پر پہلی اذان ہو اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے" حضرت مام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالک کا مشاء الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا۔اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افتراپرداز ہوتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
وکذا زعمه بعد التنزل حدوثه من زمن هشام بن عبد الملك وهذا انما قاله بعض المالکیة فی التاذین بین یدی الامام لقولهم انه محدث وانما کان هذا الاذان علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وخلفائه الراشدین رضی اللّٰه تعالٰی عنهم علی المنار ایضا کما تقدم وقد ردہ محققوهم وبینوا ان هشام لم یتغیر هذا الاذان شیئا انما غیرا لاذان الاول الذی احدثه عثمان رضی اللّٰه تعالٰی عنه کان یفعل بالزوراء	(یونہی تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ "ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تصیق المنبر اذان ہشام ابن عبدالملک نے ایجاد کیا" زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ حجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث و مرکوہ قرار دیتے ہیں۔ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی، ہشام ابن عبد الملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام زوراء پر دلانا جاری کیا تھا منارہ پر دلانا شروع کیا اور اس دوسری اذان کو منارہ کے

[1] البنایه فی شرح الهدایة کتاب الصلوٰة باب صلوٰة الجمعة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة المجلد الاول، الجزء الثانی ص ۱۰۱۴

فنقله هشام الى المسجد على المنارة۔	بجائے خطیب کے سامنے کردیا۔ مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رد کردیا کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی، وہ عہد رسالت اور عہد شیخین بلکہ عہد عثمان ومابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کرکے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔)
قال العلامة الزرقانی المالکی رحمة الله تعالٰی علیه فی شرح المواهب (عبارة ابن الحاجب من المالکیة یحرم الاشتغال عن السعی عند اذان الخطبة وهو معهود) فی زمانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم، (فلماکان عثمان وکثروا امر بالاذان قبله علی الزوراء اه ثم نقله هشام الی المسجد وجعل الاٰخر بین یدیه بعمنی انه ابقاه بالمکان الذی یفعل فیه فلم یغیره بخلاف ماکان یفعل بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار[1] اهباختصار۔	چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح متن فرمایا: "خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نماز جمعہ کے لئے سعی حرام ہے" (یعنی اذان خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جانا چاہیے) زمانہ رسالت میں یہی معہود ومعروف تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ آیااور نمازیوں کی تعدادزیادہ ہوگئ توحضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے قبل بھی مقام زوراء پر ایک اذان پکارنے کاحکم دیا (پھرہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیااور دوسری اذان کو سامنے لایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہد رسالت میں ہوتی تھی،اس میں کچھ تغیرنہیں کیا، البتہ حضرت عثمان غنی نے جواذان مقام زوراء پر دلوانی شروع

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفة بیروت ۷ /۳۷۹

ولئن فرضنا ان هشامًا هوالذی غیر السنة فمن هشام وما هشام حتی یعتبر بتغییره ویوخذ بفعله و تترك سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وخلفاءه الراشدین لاجله لایرضی به احدمن اه الدین۔ و نسبة الوهابی ایاه الی ائمة الهدٰی مالك وابی حنیفة و غیرهما رضی الله تعالٰی عنهم، انهم اتبعوا هشامًا فیه وترکوا السنة الجلیه افتراء منه علیهم وسبة غلیظة فی حقهم حاشاهم عن ذٰلك، ولکن اذقدّ الخبیث اذقدسب محمدا وسب رب محمد جل وعلا وصلی الله تعالٰی علیه وسلم وطبعه واشاعه فمن بقی نعوذ بالله من حال کل مرتد وشقی ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

کی تھی اس کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا، اھ بالاختصار۔

اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا اور سنت رسول کو بدل دیا، تو یہ ہشام کون ہے اور کیا ہے کہ اسکے بدلنے کا لحاظ کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے، اور اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت چھوڑ دی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہوگا! اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدٰی مثل امام مالک وابوحنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔ یہ ان ائمہ ہدٰی پر اس کی افتراء پردازی ہے، اور ان کی طرف ایک غلیظ برائی کی نسبت ہے، ان کا دامن اسی آلودگی سے پاک ہے، لیکن اس خبیث نے جب گلہ گویوں کو دو ٹکڑے کردیا اور اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو گالی دیا اور اسے چھاپ کر شائع کیا، تو اب کون رہ گیا، ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نفحه۱۱: واذقدطولبوا مرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفٰی صلی الله تعالٰی

نفحہ ۱۱: ان سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس اب میں زمانہ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور

علیه وسلم فهل نص علیه احد، او عندکم علیه من دلیل، ام انتم شاهد تم زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ام کل ماترونه فی زمنکم فهو مستمر من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جاءهم عـــہ اضطرار الغریق الی التشبت بکل حشیش فتمسکوا بمنقول ومعقول، اما المنقول فقول الهدایة والهندیة: اذن المؤذنون بین یدی المنبر وبذٰلك جری التوارث[1]۔" وهذا کماتری نزغة من جهلهم بمعنی بین یدیه کما عرفت مفصلاً۔ فقول الهدایة حق وهدایة، وفهمهم منه ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جهل وغوایة۔ واما المعقول فهو انه لم یکذر فی شیئ من التواریخ ان هذا الاذان سری الیه التغیر بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعلم انه کمایفعل الاٰن کان هٰکذا یفعل	نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے یا آج تم لوگ کر رہے ہو یا دیکھ رہے ہو، حضور کے زمانہ سے آج تک مسلسل جاری ہے تو ان کو ڈوبنے والے کی بیقراری گھیر لیتی ہے جو ہر تنکے پر سہارے کے لیے ہاتھ مارتا ہے۔ اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے کہ "موذن نے منبر کے سامنے اذان دی، اور اسی پر توارث ہوا۔" ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انہوں نے سامنے کے معنٰی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے، تو ہدایہ کی بات تو حق وہدایت ہے لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے، ان کی جہالت ہے۔ اور عقلی دلیل ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔ اور آج کل متصل منبر ہو رہی ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

عـــہ: فی الاصل هکذا ولعله الجاء۔

[1] الهدایة کتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجمعة المکتبة العربیة کراچی ۱/۱۵۱، الفتاوی الهندیة کتاب الصلٰوة الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۴

علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وهذا قول من لیس له من العلم الا الاسم۔ فلا التواریخ التزمت ذکر جمیع الحوادث الجزئیة المتعلقة بالمسائل الشرعیة، ولا کل کتب التواریخ وجد المدعی، ولا کل ماوجد طالعه برمته، ولا عدم الوجدان عدم الوجود، ولا عدم الذکر ذکر العدم۔ ولو تنزلنا عن کل هذا فاذقد ثبت بالحدیث الصحیح ان الذی کان علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خلاف ماشاع فی هٰؤلاء فالتغیر ثابت لامرد له افترددون الحدیث الصحیح، ام تکذبون العیان الصریح، بان التواریخ لم تتعر لبیان التغیر، ولکن الجهل اذا تملك لم یخش الفضوح والتغییر، ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔

نفحہ ۱۲: لاحجة فی توارث البعض اذا خالف الحدیث والفقه، الا ترٰی ان اجل توارث واعظمه واهیبه وافخمه توارث اهل الحرمین المحترمین زادهما الله تعالٰی عزا وتعظیما واهلهما فضلا وتکریما

اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل کو علم سے کچھ مس ہی نہیں کیونکہ نہ تو تاریخ میں اس بات کا التزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے متعلق ہر ہر جزئی کا اس میں بیان ہوگا۔ نہ مدعی نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا، نہ سب کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ ہوا ہی نہیں۔ اور اگر سب کچھ من وعن تسلیم کرلیا جائے، تو یہاں تو صحیح حدیث سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہورہا تھا آج اس کے خلاف کیا جارہا ہے، تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔ صحیح حدیث سے تو ثابت ہورہا ہے کہ سنت رسول میں تغیر ہوا، تو کیا آپ لوگ اہل تاریخ کی خموشی کا سہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے، اور عین صریح کا انکار کریں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل جس پر سوار ہوجاتا ہے اسے رسوائی یا عار دلانے کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

نفحہ ۱۲: اور کچھ لوگوں کا توارث جب حدیث وفقہ کے خلاف ہو تو لائق استدلال نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں سب سے عظیم وبزرگ اور پرہیبت حرمین محترمین زادہم اللہ شرفاً وتعظیماً کا توارث ہے، وہ بھی قرون اولٰی کا مگر ہمارے امام اعظم

لاسیما فی القرون الأولٰی ومع ذٰلك لم یسلمه امامنا الاعظم وجمیع ائمة الفتوٰی فی مسألة الاذان الفجر من اللیل لمجی الحدیث بخلافه قال فی الھدایة: "لایوذن لصلٰوۃ قبل دخول وقتھا ویعادفی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجھیل وقال ابو یوسف وھو قول الشافعی رحمھما اللّٰہ تعالٰی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اھل الحرمین والحجة علی الکل قول صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی اللّٰہ تعالٰی عنه لاتؤذن حتی یستبین لك الفجر ھٰکذا ومدیدہ عرضًا[1] اھ" قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایة: "قوله والحجة علی الکل ای علی ابی یوسف والشافعی واھل الحرمین یعنی ان الحدیث حجة علی الأخذ والمأخوذ منه[2] اھ" فاذاکان ھذا فی توارث اھل الحرمین التابعین وتبع التابعین وھم ماھم فماظنك

اور تمام اہل فتاوٰی اذان فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے، ہدایہ میں ہے: "نماز فجر کے لئے دخول وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے، اور اگر پہلے دے دی گئی ہو تو وقت ہونے پر دہرائی جائے کہ اذان وقت کے اعلان کے لئے ہے، اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔ امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔ اور دونوں کے خلاف دلیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس وقت تک اذان نہ دو جب تک صبح یوں روشن نہ ہو جائے۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا۔" حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں: "صاحب ہدایہ کا حجۃ علی الکل فرمانا امام شافعی، قاضی ابویوسف اور اہل حرمین سب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آخذ اور ماخوذ منہم سب پر حجت ہے۔" تو جب اہل حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے، پھر ان مدعیوں کے

[1] الھدایة کتاب الصلٰوۃ باب الاذان المکتبة العربیة کراچی ۱/۶۷ تا ۶۷

[2] العنایة علی ھامش فتح القدیر باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۱

بتوارث تدعیه الاٰن فی بعض البلدان وما فیکم ولا فیمن ولی کم او ولی من ولی کم من یکون فعله اوسکوته حجة فی الشرع فضلًا عن ان یکون حجة علی الشرع واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نفحه۱۳: ظھر بھذا وللہ الحمد وھن تمسکه بفعل مؤذن الحرمین اشریفین فمع ان ھذا الاذان فی مکة زادھا اللہ شرفا علی حاشیة المطاف وما کان مسجد الحرام علی عھد سید الانام علیه افضل الصلٰوۃ و السلام الاقدر المطاف کما فی المسلك المتقسط علی القاری وغیرہ فاذن محل الاذان الاٰن ھو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادۃ کما ارساط بئر زمزم۔ وفی المدینة المنورۃ صلی اللہ تعالٰی علی من نورھا وبارك وسلم علٰی دکة بازاء المنبر فامر قدمت وقدتم الامر لما قدمنا ان الدکاك ومئذنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان فی احداثھا کما

مذعومہ توارث کا کیا حال ہوگا جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔ بس اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نفحہ ۱۳: اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو حرمین شریفین کے مؤذنوں کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ اذان مکہ شریف میں مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی، جیسا کہ ملا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے، تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔ اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آگئی ہے، جیسا کہ چاہ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، اور مدینہ منورہ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام میں چبوترے پر جو منبر کے ماقابل ہے۔ تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہو گئی کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔ تو ان سے

تقدم فیکیف یحتج بہ، واللہ الھادی۔ اذعلمت ان امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ وجمیع ائمۃ الفتوی بعدہ لم یقبلوا توارث التابعین وتبعھم من اھل الحرمین الشریفین لمخالفۃ الحدیث فما ظنك بفعل مؤذن الزمان وھل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجھر بکلام لسمتمع الخطبۃ ولو کان صلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوترضیا للصحابۃ اودعاء للسلطان اعزاللہ نصرہ وخذل اعداءہ اولسیدنا الشریف حفظہ اللہ تعالٰی۔ الیس قد اجمع ائمتنا علٰی تحریم الکلام اذ ذاك ولو دینیا و فوق ذٰلك بکثیر امر التمطیط فی التکبیر قد اقام علیہ النکیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد فساد صلٰوۃ من یفعلہ ای وکذا صلٰوۃ من یصلی بتکبیرہ و تبعہ علیہ فی الحلیۃ والنھر والدرر وغیرھا وجزم بفساد الصلاۃ بہ السید العلامۃ اسعد مفتی المدینۃ المنورۃ تلیمذ	اذان کے اندرون مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے۔ جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے بعد تمام اہل فتوٰی نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ تو آج کل کے مؤذنوں کی کیا حقیقت ہے، کیا کسی حنفی کو یہ اجزت ہے کہ خطبۂ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے، اگرچہ یہ کلام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو یا صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم ہی کیوں نہ ہو یا سلطان اسلام یا شریف مکہ کے لئے دعاء خیر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا؟ اور اس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبّر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا "ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔" یونہی اس کی نماز جو ایسے مکبّر کی آواز پر بنا کرے اور صاحبان حلیہ ودرر ونہر اور اس کے علاوہ علماء نے بھی اس کی ممانعت فرمائی اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتوٰی سید عالمہ مفتی اسعد مفتی مدینہ منورہ نے دیا جو

العلامة شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر معاصر المدقق العلامة محمد الحصکفی صاحب الدر المختار رحمھم العزیز الغفار قد حکی فی اوائل فتاواہ من ھذا مایفضی الی العجب فراجعھا ان شئت۔ وبالجملة دلائل الشرع محصورة ولا حجة فی فعل کل احد لاسیما من لیس بعالم ولا تحت العلماء ولکن العجب کل العجب من ھٰؤلاء الوھابیة الملاحدة الزنادقة السابة ﷲ ولرسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کیف یحتجون بفعل المؤذنین ویرمون حضرات سادتنا علماء الحرمین الشریفین نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم، فی کتبھم وخطبھم بشنائع فظیعة قد برأھم اللہ تعالٰی عنھا۔والوھابیة قوم یکذبون ثم لایقتدون بعلماء الحرمین فی عقائدھم الحقة فضلًا عن اعمالھم الحسنة کمجلس المیلاد الشریف والقیام فیہ لتعظیم من عظم اللہ تعالٰی	شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر کے شاگرد ہیں۔اور صاحب در مختار کے ہمعصر ہیں۔اللہ تعالٰی ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے،انہوں نے اپنے فتاوٰی کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجیب بات نقل کی جسے دیکھا جاسکتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں حدود ومشہور ہیں، اوران کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا بالخصوص جبکہ وہ عالم بھی نہ ہو،نہ علماء کازیر فرمان ہو۔لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح مؤذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اور حرمین شریفین کے حضرات سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے اوران کے حق فتووں کی اقتداء نہیں کرتی،توان کے اعمال حسنہ مثل میلاد وقیام کی کیا پیروی کریں گی!ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انہیں سادات حرمین کا فتوی حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتوٰی نہیں ہے؟تواگر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو مؤذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام کرنے کا کیا حق ہے؟اوراقرار کرکے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں توان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کافروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں آپ کو تو انکار کنے کا حق ہے۔(ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طالب ہیں، اوراس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے،

شانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **نفحہ ۱۴:** قدمنا من الخطبة ثم فی الاجمال فی بحث الوارث الباطل المظنون (وانہ کیف یسری الی الظنون) مایکفی ویشفی وبینا الحق ورفعنا اللوم عن اساتذتکم واشیاخکم بل وعنکم ایضًا یامخالفین ان رجعتم الی الحق بعد ماظھر ولم تنکروا الصبح حین زھر فراجعه فانه مھم ومن لم یرجع فھو جبل واقع بھم، ومن الدلیل علی ماذکرت ان العالم الدلیل علی امذکرت ان العالم ینکرفلا یسمع ماقدمت الاٰن عن ردالمحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر منذ ازمنة[1]، وعلٰی ماذکرت ان العالم یسکت حینئذ قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رأیت الناس قد مرجت عھودھم وخفت اماٰنتھم وکانوا ھٰکذا وشبك بین انامله فالزم بیتك واملك علیك لسانك وخذ ماتعرف ودع ماتنکروعلیك بخاصة امر نفسك ودع	نہ طاقت والا وہی علی وہی عظیم ہے جل جلالہٗ وعم نوالہٗ) **نفحہ ۱۴:** توارث باطل و مظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ کافی اور شافی ہے۔ ہم نے حق واضح کیا اور مدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی "سکوت عن الحق" کا الزام زائل کیا۔ کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے اور صبح چمکنے کے بعد اس کا انکار نہ کرتے، حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اور ایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انہیں کے اوپر آپڑے گا۔ ہمارے اس دعوی پر کہ "عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے" دلیل صاحب ردالمحتار کا مذکورہ بالا قول ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مدتوں سے معطل ہوچکا ہے۔" اور اس امر کی دلیل کہ "بسا اوقات عالم منکر دیکھ کر خاموش رہتا ہے" حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "جب تم لوگوں کو اس حال میں دیکھو کہ ان کے عہد ایک دوسرے سے گتھ گئے ہیں اور امانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں، اور وہ جال کی طرح بن گئے ہیں (حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرماکر جال کی صورت بنائی) تو تم اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی زبان کو قابو میں

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الجمعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۲

عنك امر العامة۔" رواه الحاکم[1] عن عبدالله بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححه واقره الترمذی۔ وابن ماجة عن ابی ثعلبة الخشنی رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحا مطاعًا وهوی متبعًا ودنیا مؤثرة واعجاب کل ذی رأی برایه ورأیت امرا لایدان لك به فعلیك خویصة نفسك ودع امر العوام[2]۔ (الحدیث) ونظیر ما ذکرت من شیوع امر من قبل السلطنة ما فی الهدایة فی تکبیرات العیدین: "ظهر عمل العامة الیوم بقول ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما لامر بینه الخلفاء فاما المذهب فالقول الاول[3] اھ"	رکھو، خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑدو۔" اسے حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور اسے ترمذی نے برقرار رکھا۔ ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تاآنکہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے، اور لوگ دنیا کو اختیار کرچکے ہوں۔ ہر رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑو۔" اور اس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ: "تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر عمل ہورہا ہے کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا، لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی، (یعنی چھ زائد تکبیریں)۔"

[1] المستدرك للحاکم کتاب الادب دارالفکر بیروت ۴/ ۲۸۲و۲۸۳

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۹

[3] الهدایة کتاب الصلٰوۃ باب العیدین المکتبة العربیہ کراچی ۱/ ۱۵۱

وما ذکرت من سکوت العلماء علیه سکوتهم وهم صحابة متوافرون وائمة اجلا تابعون علی زخرفة الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلة وما بین السقفین خمسة واربعون الف دینار مع ابن بعضهم قد انکر علی امیر المؤمنین عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه حین بناه بالحجارة مکان اللبن و قصصه وسقفه بالساج مکان الجرید۔ قال الامام العینی فی العمدة: "اول من زخرف المساجد الولید بن عبدالملك بن مروان وذٰلك فی اواخر عصر الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وسکت کثیر من اهل العلم عن انکار ذٰلك خوفًا من الفتنة اھ[1]۔"	اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علماء خاموش رہے ہیں، اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی، اس لئے دیوار قبلہ اور دونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ کی تھیں حالانکہ انہیں میں سے بعض امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس بات پر نکیر کرچکے تھے کہ انہوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "ولید بن عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا، صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے، بہت سارے اہل علم اس وقت اس لئے خاموش رہے کہ فتنہ برپا ہوگا۔"
ولابن عدی فی الکامل والبیهقی فی الشعب عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "اذا رأیتم امرًا لا تستطیعون تغییره فاصبروا حتی یکون الله هو الذی یغیره[2]۔"	ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی تم طاقت نہیں رکھتے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اسے بدل دے۔"

[1] عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلٰوة باب بنیان المسجد تحت الحدیث ۴۴۶ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۰۴

[2] شعب الایمان حدیث ۹۸۰۲ / ۷ / ۱۴۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ عفیر بن معدان الحمصی ۵/ ۲۰۱۷

والدلیل علی ماذکرت من اشتباہ الامر فی ذٰلك علی المتاخرین حتی العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشیخ المجدد وقد کان فی ماقررنا ابانة اعذار لمن عبر ومن غبرفان لم یرض به المخالفون فھم الذین یقضون علی اساتذتھم ومشائخھم اما بالجھل اوبالسکوت عن الحق وقد کانت لھم مندوحة الم یعلموا ان الخلیفة الراشد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی الله تعالٰی عنه کم من سنن احیاھا وظلمات بدع اجلاھا فکان له الاجر الجزیل والذکر الجمیل والفخر الجلیل ولم یکن عتب قط علٰی من قبله من الصحابة الکرام واکابرائمة التابعین الاعلام رضی الله تعالٰی عنھم انھم جھلوا الحق اوسکتوا عنه ولاقیل لامیر المومنین انك تقحمت ما اجتنبوہ او انکرت ما اقروہ افانت اعلم منھم بالسنة اواتقی منھم للفتنة وعلٰی ھذا درج امر کل مجدد فانه لایبعث الا لتجدید ماخلق وتشئید ما وھی وربما کان من قبله اعلم منه واتقی۔ وکذٰلك غیر المجددین

اوراس امر کی دلیل کہ اس معاملہ میں متاخرین پر معاملہ تعامل سے مشتبہ ہوگیا، حد یہ کہ علماء بھی شبہ میں پڑگئے۔ شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کرچکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے گزرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کا عذر ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہوتو خود اپنے ہی شیوخ اوراساتذہ پر جہل یا سکوت عن الحق کا فیصلہ کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیاء فرمایا اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امر ان کے لئے تو اجر عظیم اور بقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے، اور بجاطور پر باعث فخر ومباہات ہے لیکن ان سے قبل گزرنے والے صحابہ کرام اور اکابر ائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے یا اس سے خاموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیر المومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا، یا آپ نے ان امور کا انکار کیا، جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا، تو کیا آپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اوران سے زیادہ ذکی وعلیم ہیں؟ اور اسی میں تمام مجددین کا

من کل عالم تصدّٰی لاحیاء السنة اواخماد بدعة فاہ یحمد ویوجر ولا یذم من مضٰی قبلہ ولا یعیر بخلاف من غبر بل من المثل الدائر السائر کم ترك الاول للاٰخر وھذا سیدنا الغوث الاعظم القطب الاکرم سید الاولیاء وسند الائمة والعلماء صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہ الاکرم وعیہ وعلٰی اصولہٖ وفروعہ ومشائخہ ومریدیہ وکل من انتٰمی الیہ، روٰی عنہ الائمة الکبار باسنید صحیحة مفصلة فی البھجة الشریفة وغیرھا من الکتب المنیفة: "انہ قیل لہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ماسبب تسمیتك محی الدین؟ قال رجعت من بعض سیاحاتی مرة فی یوم جمعة فی سنة احدی عشرة وخمسمائة الی بغداد حافیا، فمررت بشخص مریض متغیر اللون نحیف البدن،	معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں اور جو کہنہ معلوم ہو رہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسا اوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علماء گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت و اماتت بدعت ہی کے درپے ہوتے ہیں اور کسی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے جس انہیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گزر گئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے نہ کرنے والوں کو عار دلایا جاتا ہے، اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کے لئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔ حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیاء، سند الائمہ اللہ تعالٰی ان کے جد کریم، خود ان پر اور ان کے اصول و فروع، مشائخ و مریدین اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ: "آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضور! آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا؟ آپ نے جواب دیا میں ۵۱۱ھ میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ یں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا،

فقال لی السلام علیك یا عبدالقادر، فرددت علیه السلام، فقال ادن منی فدنوت منه، فقال لی اجلسنی فاجلسته فنما جسدہ وحسنت صورته وصفا لونه فخفت منه، فقال اتعرفنی، فقلت لا، قال انا الدین وکنت دثرت کما رأیتنی وقد احیانی اللّٰه تعالٰی بك وانت محی الدین، فترکته وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل ووضع لی نعلًا وقال یا سیدی محی الدین، فلما قضیت الصلٰوۃ اھرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یا محی الدین، وما دعیت به من قبل[1] اھ کلامه الشریف۔" **قلت** هذا وان بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنة رضی اللّٰه تعالٰی عنه فلو ان الاسلام لم یبلغ فی عهدہ رضی اللّٰه تعالٰی عنه الی ان یعد میتا فما الذی احیاہ وعلامه سمی محی الدین وان کان بلغ الی تلك الغایة فما ظنك بائمة اجلاء	اس نے مجھے عبدالقادر کہہ کر سلام کیا میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تروتازہ ہوگیا سورت نکھر آئی اور ارنگ چک اٹھا مجھے اس سے خوف معلوم ہوا، تو اس نے کہا مجھے پہچانتے ہو، میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں اللہ تعالٰی نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی، اور آپ محی الدین ہیں۔ میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کئے اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا، میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا۔" **میں کہتا ہوں** یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے اور آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوچکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ اس کو مردہ کہا جائے گا یا نہیں، اگر کہا جائے کہ نہیں، تو آپ زندہ کس کو کیا، اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا۔ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور

[1] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۰۹

علماء والیاء کانواقبلہ اھم کانوا عنہ غافلین اوترکوانصرہ حتی بلغ الی ذٰلك الضعف المبین۔ام تزعمون ان لارض کانت خلت عن ولی اللہ وعالم امین کل ذٰلك من اجلی الاباطیل لایذھب الیہ عاقل ذودین۔	اولیاء فخام جو آپ سے پہلے تھے کیا اسلام کی اس کمزوری سے غافل تھے یا انہوں نے حق کی حمایت چھوڑدی تھی کہ دین ضعف کی اس حد تک پہنچ گیا تھا یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء واولیاء سے خالی ہو گئی تھی حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔
وانما الامرماوصفنا ان لمن احیالاحقااجرہ ولمن سکت سابقاعذرہ،والاشیاء مقسومۃ بید التقدیر القدیم "اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚ" [1]۔	توحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کیلئے اجر ہے،اور جو لوگ پہلے خاموش گزرے ان کے لئے عذر ہے۔اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔اور اللہ تعالٰی اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتاہے فضیلت عطافرماتاہے۔
وبالجملۃ انماھم الشریعۃ یردون وباب احیاء السنۃ یسدون اذ کلماقام عبداللہ یحی سنۃ اویمیت بدعۃ یقال لہ الم یك قبلك علماء بالدین، اکانوا جاھلین،ام غافلین،ام انت اعلم منھم اجمعین، وما ھو الا تصدیق قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ الکاذب [2]۔"وحدیث یکون المعروف	حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیروت مسجد شریعت کورد کرتے ہیں،اور احیاء سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی بندہ احیاء سنت واماتت بدعت کیلئے اٹھے اسے یہ کہہ کر روکا جاسکتاہے،کیاآپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں؟تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گااور جھوٹے کو شاباش ملے گی، معروف ومشروع باتیں ناپسند

[1] القرآن الکریم ۳/۷۳

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۳۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/۲۹۳

منکرًا والمنکر معروفا[1]۔ کما قدمنا فھذا مایریدون والدین یکیدون وما یکیدون الا انفسھم ولکن لایشعرون۔ نسأل اللہ العفو والعافیة۔ واذقد فرغنا بحمداللہ تعالٰی عن ابطال ما توافقوا علیه فلنأت علٰی ما انفرد به بعضھم عن بعض وباللہ التوفیق۔ **نفحه۱۵:** ذکر بعضھم اثرا جعله من روایة جویبر فی تفسیرہ عن الضحاك عن بردبن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه: ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنه امر مؤذنین ان یؤذنا للناس الجمعة خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وامران یؤذن بین یدیه کما کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وابی بکر رضی اللہ عنه ثم قال عمر نحن ابتدعناہ لکثرة المسلمین[2]۔ فدل بمفھومه ان الاذان بین یدیه لم یکن خارج المسجد ودل بقول کما کان انه فی عھد النبی	ہوں گی اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔" یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے اور دین سے مکر کرتے ہیں اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طلبگار ہیں۔ یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جدوجہد کی تنقید سے فارغ ہوچکے ہیں اور اب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، توفیق خیر تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ **نفحہ ۱۵:** بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا کہ: "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔" اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان میں بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اور اس اذان کے لئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہد رسالت

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ کان یجلس علی الارض دار الکتب العلمیة بیروت ۵/۲۶۲

[2] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایضًاداخل المسجد۔	اورزمانہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی، اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔
اقول اولًا :قداعطیناك فی النفحۃ التاسعۃ الفقھیۃ من معانی المسجد ما یغنیك ویعینك علٰی کل ما یاتیك من امثال ھذا التشکیك فامر مؤذنین ان یؤذنا خارج المسجد بالمعنی الثانی او الثالث ایضًاکما فعلہ امیرالمومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی ی عنھم اذ زاد اذانًا علی الزوراء عند کثرۃ المسلمین ویشیرالیہ فی نفس الاثر قولہ"حتّٰی یسمع الناس"وقولہ"نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین"[1] فلایدل ان دل الاعلٰی کون الاذان بین یدیہ داخل المسجد باحد ھٰذین المعنین وھو عین مرادنا"فلینظر ھل یذھبن کیدہ مایغیظ۔"	**اقول:** (میں کہتاہوں)اولًاہم نویں فقہی نفحہ میں بیان کرآئے ہیں کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں،اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں،اور معنی ثانی ہوتو بھی ہم کو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تواسی کے قائل ہیں کہ حدود مسجد کے اندر ہو،مگر موضع صلوٰۃ سے باہر ہو۔مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالاتوضیح ایسے تمام شبہوں کے لئے نسخہ شفاہے۔
وثانیًا: انظروا الٰی ظلم ھٰؤلاء یردون حدیث صحیح ابی داؤد لاجل محمد بن اسحٰق الذی اجمع عامۃ ائمۃ الحدیث والفقہ علی توثیقہ،و	**وثانیًا** یہ کتنابڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث صحیح کو تورد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث وفقہ متفق ہیں۔

[1] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

یحستجون باثر جویبر وما جویبر من ابن اسحٰق الا کالعتمة من الاصبح۔رجل لم یذکر فی تهذیب الکمال ولاتذهیب التهذیب ولا تهذیب التهذیب ولا میزان الاعتدال ولا اللالی المصنوعة ولا العلل المتناهیة ولا خلاصة التهذیب مع الزیادات توثیقا له عن احدمن ائمة التعدیل انام ذکروا عنهم جرحه۔قال النسائی وعلی بن جنید والدار قطنی" متروك"[1] قال ابن معین "لیس بشیئ ضعیف۔" [2] قال ابن المدینی"ضعیف جدا[3]۔"وذکرہ یعقوب ابن سفٰین"فی باب من یرغب عن الروایة عنهم[4]۔" وقال ابوداؤد"هو علٰی ضعفه[5]۔"وقال ابن عدی"الضعف علی حدیثه وروایاته بین[6]۔"وقال الحاکم ابو احمد"ذاهب الحدیث"[7]قال الحاکم ابوعبد الله "انا ابرأ الی الله من عهدته[8] "وقال ابن حبان"یروی عن الضحاك اشیاء مقلوبة[9]۔"وقال فی اللاآلی هالك تالف متروك جدا[10]۔ونقل فی ذیلها عن لسان المیزان	اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ جویبر اور ابن اسحٰق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے،نہ تو تہذیب الکمال میں جویبر کی توثیق کسی امام ائمہ تعدیل سے مروی،نہ تذھیب التہذیب میں،نہ تہذیب التہذیب میں،نہ میزان الاعتدال میں،نہ لآلی المصنوعہ،نہ علل المتناہیہ نہ خلاصۃ التہذیب مع زیادات میں،ہے تو صرف جرح ہے۔چنانچہ نسائی وعلی بن جنید اور دار قطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ابن معین فرماتے ہیں: کچھ نہیں ضعیف ہے۔ابن المدینی فرماتے ہیں: بے حد ضعیف ہیں۔یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے۔امام ابوداؤد نے فرمایا: وہ ضعف پر ہیں۔ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔حاکم ابواحمد نے فرمایا: ان کی حدیثیں ضائع ہیں۔حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا: میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالٰی کی طرف براءت ظاہر کرتا ہوں۔ابن حبان فرماتے ہیں: ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔لآلی میں فرمایا: ہلاک کرنے والے،برباد کرنیوالے،سخت متروک ہیں۔ اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے

[1] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[2] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[3] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[4] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[5] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[6] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[7] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[8] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[9] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[10] اللاآلی المصنوعة

"متروك الحديث عن المحدثين [1] ۔" وقال فی التقریب "ضعيف جدا [2]" وقال احمد بن سيار "حاله حسن فی التفسير وهو لين فی الرواية [3]" وعده يحيٰی ابن سعيد "هٰؤلاء لايحمل حديثهم ويكتب التفسير عنهم [4] ۔" وقال فی الاتقان بعد ذكران الضحاك عن ابن عباس مقطع" وان كان من رواية جويبر عن الضحاك فاشد ضعفالان جويبرا شديد الضعف متروك اھ [5] ۔" ولكن اذا لم تستحی فاصنع ماشئت [6] ۔ **وثالثًا** من ظلمهم الدندنة علٰی حديث ابن اسحٰق بالعنعنة وما فی عنعنة المدلس الاحتمال الانقطاع ثم عادوايتمسكون بهٰذا الاثر وفيه مكحول عن معاذ	منقول ہے: محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ تقریب یں ہے: بے حد ضعیف ہیں۔احمد بن سیار نے فرمایا: تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے اور روایت میں کمزور ہیں۔ یحیٰی ابن سعید نے فرمایا: حدیث میں ان پر بھروسانہیں کیا جاتا، روایت نہیں کی جاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا: ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے، اور ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے، اور یہ متروک ہیں۔تو یہ کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے، اور محمد بن اسحٰق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑدی جائے۔ **ثالثًا** ان حضرات کاایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحٰق کی حدیث پر معنعن ہونے کا الزام لگاتے ہیں جبکہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن

[1] ذیل اللآلی المصنوعة کتاب العلم المکتبة الاثریة سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۳۴

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۹۸۹ جویبر بن سعید دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۱۶۸

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[5] الاتقان النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۱

[6] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/۲۳۷، ۲۳۸

منقطع قطعا۔ **ورابعًا** من خیانتھم ان اثروا ھٰذا الاثر عن فتح الباری وترکوا قولہ "ھذا منقطع بین مکحول ومعاذ[1]۔" **خامسًا** ترکوا قولہ "ولا یثبت لان معاذًا کان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ما غزوا الشام واستمر الی ان مات بالشام فی طاعون عمواس[2]۔" **وسادسًا** ترکوا قولہ "وقد تواردت الروایات ان عثمٰن ھو الذی زادہ فھو المعتمد[3] اھ" فقد افاد ان الاثر منقطع ومعلول ومنکر لمخالفتہ لاحادیث صحیح البخاری وغیرہ الکثیرۃ المشھورۃ فترکوا کل ذٰلك خائنین۔	معاذ روایت ہے جو یقینًا منقطع ہے۔ **رابعًا** ان حجرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا اور اس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دی کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان منقطع ہے۔ **خامسًا** صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کردی "یہ روایت ثابت نہیں" کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیا جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے، پھر وہیں رہ گئے، مدینہ شریف واپس نہیں آئے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔ **سادسًا** ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑدی کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کا اضافہ کرنیوالے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ ابن حجر کی تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے، معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے، اور ان حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

[1] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[2] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[3] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

وسابعًا ان کان فیہ شیئ فلیس الا مفہوم وردہ عند ائمتنا معلوم، الاسیما مفہوم اللقب الذی ھو اضعف المفاھیم لم یقل بہ الاشرذمۃ قلیلۃ من الحنابلۃ ودقاق الشافعی وانداد المالکی۔	**سابعًا** اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بجو رعارۃ النص نہیں بلکہ بطور مفوہم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔ یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور انداد مالکی کا قول ہے۔
وثامنًا جاء الملك ثلثۃ سفراء ووصل احدھم الی باب تجاہ الملك واثنان متاخران، سأل عنھم الملك فقال الھاجب احدھم بین یدی الملك واثنان کارج الحضرۃ فھل یفھم منہ ان الذی بین یدیہ قدخل جوف الدار ولیس علی الباب ولکن الھل یاتی بالعجب العجاب۔	**ثامنًا** بادشاہ کے پاس تین نفر آئے، ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک، دو اور پیچھے رہے۔ بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حاجب نے جواب دیا ایک تو بادشاہ کے سامنے ہے اور دو دربار سے باہر ہیں۔ تو حاجب نے جسے بادشاہ کے سامنے کہا کیا وہ دربار کے اندر تھا، وہ تو دروازہ پر ہی تھا لیکن جہالت عجب عجب گُل کھلاتی ہے۔
نفحہ۱۶: ظھرلك الجواب وللہ الحمد عن اثر النسائی عن طلق بن علی فخرجنا حتی قدمنا بلدنا فکسرنا بیعتنا ثم نضحنا مکانھا واتخذناھا مسجدًا فنادینا فیہ بالاذان[1]۔	**نفحہ۱۶:** مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیا جو امام نسائی نے نقل کیا: "ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہنچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھادیا اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اور اس میں اذان دی۔"

[1] سنن النسائی کتاب المساجد اتخاذ البیع مساجد نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۱۴

واثر الترمذی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجدًا وقد اذن فیه ونحن نرید ان نصلی فیه فثوب المؤذن فخرج عبداللہ [1] (الحدیث)	اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ "ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے جس میں اذان ہوچکی تھی اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے تو مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔"
اثر اٰخر عن ابی الشعثاء قال خرج رجل من المسجد بعدما اذن فیه بالعصر وقال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه ما ھٰذا فقد عصٰی اباالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [2]۔	ایک اور اثر جو ابوشعثاء سے مروی ہے کہ اذان عصر کے عد ایک شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "اس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔"
فانھما علی وزان اثر اقوی لم یھتدوا له وھو اثر مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه: ان من سنن الھدٰی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیه [3]۔"	یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔: "جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدٰی ہے۔"
کماقدمنا فی النفحة التاسعة	یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کرآئے

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی تثویب الفجر امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی کراہیة الخروج من المسجد بعد الاذان امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلٰوۃ الجماعة وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

الفقهية وقد كفانا المؤنة الامامان الجليلان فی فتح القدير وغاية البيان اذقال فی المسجد ای فی حدوده لكراهة الاذان فی داخله [1]۔	مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا: "مطلب یہ کہ جس مسجد کی حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔"
والعجب ان المحتج باثر ابن عمر هذا قد احتج بعبارة اختلقها علی صلٰوة المسعودی لا اثرلها فيها ولم يرفی صلٰوة المسعودی انه ذكر هذا الاثر هٰكذا ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوة [2] (الحديث) وعزاه الصلٰوة الامام السرخسی وصلٰوة الامام ابی بكرخواهرزاده رحمهما الله تعالٰی، ومثله فی الضعف بل اضعف والتمسك بحديث مرفوع لم يهتدواله ايضا وانما دللنا هم عليه فتعلق به بعضهم وهو حديث ابن ماجة	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے فیہ کا اضافہ کر دیا اور حوالہ میں صلٰوۃ مسعودی کا نام لکھا، حالانکہ صلٰوۃ مسعودی میں یہ روایت صلٰوۃ امام سرخسی اور صلٰوۃ امام ابو بکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوة (الحديث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی، تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی، ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹

[2] صلٰوۃ المسعود باب بیست ویکم دربیان بانگ نماز مطبع محمدی بمبئی ۲/۹۵

عن امیرالمؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "من ادرکه الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجة وھو لایرید الرجعة فھو منافق[1]۔"	تعالٰی عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی: "جس نے کسی مسجد میں اذان پائی اس کے بعد مسجد سے بلاضرورت باہر ہوا اور واپس ہونے کا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔"
فان المسجد ظرف الادراك دون الاذان الا تری الی المناوی فی التیسیراذیقول فی شرحه(من ادرکه الاذان)وھو(فی المسجد[2])	استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی، امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)
بل کفی الحدیث شرحًاللحدیث فللامام احمد بسند صحیح عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "اذا کنتم فی المسجدفنودی بالصلٰوة فلا یخرج احدکم حتی یصلی[3]۔"	بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اسکی شرح یہی فرمائی گئی، امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: "جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو۔"
لکن السفیه کل السفیه والبلید کل البلید من تمسك بحدیث	اور انتہائی بیوقوفی یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث سے استدلال

[1] سنن ابن ماجه ابواب الاذان باب اذا اذن وانت فی المسجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من ادرك الاذان الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۹۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۵۳۷

ابی داؤد رأیت رجلا کان علیه ثوبین اخضرین فقام علی المسجد فاذن[1] (وروایة ابی الشیخ فی هذا الحدیث) علی سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه ونادٰی[2]، ورأی ذٰلك عبدالله بن زید فی المنام۔ وحدیث ابن سعد فی طبقاته عن نوار اُمّ زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنهما قالت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقه من اول ما اذن الی ان بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجده فکان یوذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شیئ فوق ظهره[3]۔ فان فی هٰذه تصریحات بکون الاذان خارج المسجد بالمعنی الاول والجهول لایمیز بین المنافع والمضار وقد اسلفنا عدة روایات لهذا محتجین بها والسفه یبحث عن حتفه بظلفه۔	کیا جائے: "میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دوہرے کپڑے تھے تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دی۔ (اور ابوالشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علٰی سطح المسجد، (مسجد کی چھت پر) کہا اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں اور اذان دی (دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا)"۔ اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ: "مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا، تو اسی پر اذان دینے لگے۔" ہم بیان کر آئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں، تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا، اور بیوقوف اپنے کُھر سے ہی اپنی موت کریدتا ہے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۴

[2] کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ومن النساء بنی عدی بن النجار ترجمہ النوار بنت مالك دار صادر بیروت ۸/۴۲۰

نفحہ۱۷: تعلق سفیهاں منهم بروایة ابن ماجة عن عبدالله بن زید رضی الله تعالٰی عنه فیها ،قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان صاحبکم قدرأی رؤیافاخرج مع بلال الی المسجدفالقها علیه ولیناد بلال فانه اندٰی صوتامنك قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القیها علیه وهو ینادی بها[1] و هذا کماتری اشبه بالهذیان۔ **فاولاً:** این الخروج الی المسجدعن الدخول فی المسجد، **ثانیًا:** لم یکن لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مجلس غیر مسجده الکریم ولا بین المسجدو الحجرات الشریفة شیئ انماکانت علی حافة المسجد الشرقیة واتیان عبدالله بن زید الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان من اٰخر اللیل قریبامن الصباح کما جمع به	**نفحہ ۱۷:** دو بیوقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے: "حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے تو اے عبداللہ! بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤتم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دُہراتے۔ " یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔ **اولاً:** مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے مسجد میں داخل ہونے کی نہیں۔) **ثانیًا:** حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارک اور حجرات ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر تھے، تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حضرت عبداللہ بن زید کا آنا قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا، اس کی تصریح امام ابوداؤد نے

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱

بین روایۃ ابی داؤد "فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔" وروایۃ ابن ماجۃ "فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلا[2]۔" ولم یکن ھذا ایان خروجہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسجدہ الکریم ولا دخول احد علیہ فی الحجرۃ الکریمۃ فلم یکن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذذاک الا فی المسجد الشریف اوالحجرۃ المنیفۃ۔ وعلٰی کل کان عبداللہ حین اتاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المسجد ھذا ھو الظاھرولو لم یکن ظاھرًا لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال ومعلوم ان من کان فی المسجد اذاقیل لہ اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد بہ اخرج حتی تدخل المسجد، وانما یرادبہ اخرج الٰی منتھٰی حد المسجد وحینئذٍ تکون	اپنی روایت میں کی ہے۔اورابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی،الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں: "صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا" (ابی داود)۔"رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئے" (ابن ماجہ) اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا،نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا،تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا تو مسجد مبارک میں تھے یا حجرہ شریفہ میں،تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے۔روایات سے یہی ظاہر ہے ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی جو استدلال کو باطل کردیتا ہے اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی حدود میں اذان دی جائے مسجد میں نہیں،نہ مسجد سے دور۔ جیسا کہ آسمان

[1] سنن ابی داود کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۲

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

الحکمۃ فی التعبیر بالی الارشاد الی ان یؤذن فی حدود المسجدلافیہ لابعیدًامنہ،کما اراہ النازل من السماء علیہ الصلٰوۃ والسلام فکان الحدیث دلیلًا لنا علیھم والجھلۃ یعکسون ومما یشھد لہ ان النازل من السماء اراہ الاذان خارج المسجد اذقام علی حصۃ الجدار فوق السطح وماکان امر عـــہ النازل الا للتعلیم فلذا امر ان یخرج من المسجد الی حدودہٖ وللہ الحمد۔	سے اترنے والے فرشتے نے انہیں دکھایا تھا۔پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے،اوروہ اس کو الٹ رہے ہیں۔اوراس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انہیں مسجد سے باہر اذان دے کر دکھایا تھا۔یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑاہوا تھااوروہ تعلیم کے لئے ہی آیاتھااس لئے آپ نے حکم دیاکہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ،فالحمدللہ۔
وثالثًا: لو تنزلنا عن الکل فقد ذکرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجد احد المعنیین الاخیرین،وللہ الحمد۔	**ثالثًا:** اوران سب سے قطع نظرکیا جائے توہم ایک تام اور عام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرے اور تیسرے معنٰی مراد ہیں۔

عـــہ:واذاضم الٰی ذٰلك قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد)لمخالفۃ صفۃ الملك النازل [1] لکان حدیث الملك علٰی کثرۃ روایاتہ التی قدمنا کثیرًا منھا دلیلابراسہ علی کراھۃ الاذان داخل المسجد فافھم منہ حفظہ ربہ ۱۲۔

اورجب اس کے ساتھ مراقی الفلاح میں مذکور قول شرنبلالی کوملایا جائے،یعنی بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اذان کے لئے اترنے والے فرشتے کی صفت کی مخالفت ہے،توفرشتے والی حدیث باوجودان روایات کثیرہ کے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں مسجد کے اندر کی کراہیت پر دلیل ہوگی۔پس اس کو سمجھ۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلٰوۃ باب الاذان دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۰۰

نفحہ۱۸: حاول بعض الوھابیۃ الفجرۃ ان یثبت مطلوبہ الباطل بآیات القراٰن العظیم وحاشا القراٰن ان یکون لباطل ظھیرًا قال قال عزوجل: "وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ"[1] واخرج سعید بن منصور واٰخرون عن مجاھد قال لما امر ابراھیم ان یوذن فی الناس بالحج، قام علی المقام فناذٰی بصوت اسمع من بین المشرق والمغرب، یا ایھا الناس اجیبوا ربکم[2]۔ واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاھد قال تطاول بہ المقام حتی کان کاطول جبل فی الارض فاذن فیھم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع[3]۔ واخرج ابن جریر عن مجاھد	**نفحہ۱۸:** بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا: "(اے ابراہیم!) لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔" اور سعید بن منصور اور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی: "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا (جسے مشرق و مغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔" ابن المنذر وابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ انہیں لے کر بلند ہونے لگا یہاں تک کہ زمین کے تمام پہاڑوں سے بلند ہوگیا، آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا جو سات سمندروں کی تہہ سے بھی سنا گیا۔ ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۷

[2] الدرالمنثور بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳، تفسیر القرآن لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

[3] تفسیر القرآن لابن ابی ھاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۰ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قام ابراھیم خلیل اللہ علی الحجر فنادٰی "یا ایھا الناس کتب علیکم الحج فاسمع من فی اصلاب الرجال وارحام النساء[1]۔"	اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا "اے لوگو! اللہ تعالٰی نے تم پر حج فرض کیا۔" تو باپوں کی پشتوں سے اور ماؤں کے شکموں سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔
قال قال ونحن ندری ان ھذا الحجر کان حین نادٰی علیہ خلیل اللہ داخل المطاف قریب جدار الکعبۃ لان علیا القاری قال فی شرح اللباب قال فی البحر "و الذی رجحہ العلماء ان المقام کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملصقًا بالبیت، قال ابن جماعۃ ھو الصحیح وروی الازرقی ان موضع المقام ھو الذی بہ الیوم فی الجاھلیۃ وعھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما اھ۔ والاظھر انہ کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامہ الحکمۃ ھنالك تقتضی ذلك اھ[2]۔"	مستدلین کا دعوی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا: بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جامعہ نے اسی کو صحیح کہا اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا، پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکا یا گیا۔
وذالك لان ابراھیم صلوات اللہ علیہ بنی الکعبۃ قائما علیہ فاستمر	حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو وہ

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷/ ۱۶۹

[2] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۳۲

مذذاك متصل الكعبة كما فى تاريخ القطبى وسائر كتب السير"وكان ابراهيم عليه الصلوات والسلام يبنى واسمٰعيل عليه الصلوٰة والسلام ينقل له الحجارة على عاتقه فلما ارفع البنيان قرب له المقام فكان يقوم عليه ويبنى [1]اھ"	اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔ ایسا ہی تاریخ قطبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے، جب دیواریں بلند ہو گئیں تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیا اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے۔"
فثبت انه كان حين اذن عليه للحج متصل جدار الكعبة واستمر كذٰلك الى زمانه صلى الله تعالٰى عليه وسلم ثم انتقل عنه بوجه قال ولئن سلمنا ان محله منذ القديم حيث هو الاٰن فالمدعٰى ثابت ايضًا لانه الاٰن ايضًا داخل المطاف لان المطاف هو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراهيم داخل فيه. فثبت ان التاذين فى المسجد جائز مطلقا ولا كراهة فيه اصلا وليس بدعة بل هو سنة ابراهيم عليه الصلوٰة والتسليم (انتهٰى) (كلامه الردى السقيم مترجمًا)	اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک وہیں پڑا رہا، بعد میں کسی مصلحت پر کچھ اور کھسکا دیا گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے تب بھی ہمارا دعوی ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے، اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے، اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقًا ناجائز ہے، اس میں نہ تو کوئی کراہت ہے اور نہ یہ بدعت ہے، یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔
اقول: انعم به من برهان تزرى بالهذيان ويغبط به المجانين والبله والصبيان۔	**اقول:** جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے اور پاگلوں، بیوقوفوں اور بچوں کے لئے بھی قابل رشک ہے۔

[1] سبل الهدٰى والرشاد الرابعه ۱/۱۵۵ والكامل فى التاريخ ۱/۱۰۶ وتاريخ مكة المشرفة ۴/ ۴۳ و۴۴

فاولًا کیف لزم من کون المقام ملصقًا بجدار البیت علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وفی الجاهلیة کونه کذٰلك علی عهد ابراهیم علیه الصلٰوة والتسلیم وتحکیم الحال لایجری فی شیئ منقول غیر مرکوز وان فرض فظاهر والظاهر حجة فی الدفع لاللاستحقاق وانت مستدل لادافع۔	**اولًا** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو اور موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایک ادھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور اظہر سے کی ہے، اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔اس سے معترض کو فائدہ پہنچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔
وثانیًا مانقل عن تاریخ القطبی فای رائحة فیه لما ادعاہ من انه استمر مذاذاك متصل الکعبة فالاستناد به جهل۔	**ثانیًا** تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے، پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔
وثالثًا بل فیه فلما ارتفع البنیان قرب له المقام فدل علی ان محله کان بعیدًا انما قرب الاٰن للحاجة والعادة ان الشیئ اذا نقل لحاجة یرد الی محله الاول بعد قضائها کما هو مشاهد فی السلالیم وفی منبر یوضع لدی باب الکعبة یوم دخول العام۔	**وثالثًا** قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم کا ٹھکانا کہیں اور تھا، تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کرلی جاتی ہے، خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگادئے جاتے ہیں، پھر علیحدہ کرلئے جاتے ہیں اور ان کے اصل مقام پر انہیں لوٹا دیا جاتا ہے۔
ورابعًا ان فرض کونه	**رابعًا** اور اگر یہ مان بھی لیا جائے

لصیق الجدار الجمیل علی عهد خلیل علیه الصلٰوۃ والسلام بالتبجیل کان ایضاًزعم انه کان کذٰلك حین اذن علیه للحج رجماً بالغیب بلادلیل غایه انه لم ینقل انه نقل حینئذ وعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیرداف للمستدل عند الاصحاب۔	کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا، تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیاہے، زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتاہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔ تو ہم بتاچکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہنچتا۔
وخامسًا بل قدوردما یدل علی انه کان فی غیرھٰذا المحل حین اذن علیه وکفٰی به قاطعا لشقشقته اخرج الازرقی عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال "سألت عبدالله بن سلام عن الاثر الذی فی المقام، فقال لما امر ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام، فلما فرغ امر بالمقام فوضعه قبله، فکان یصلی الیه مستقبل الباب[1]۔" (الحدیث)	**خامسًا** اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہوجاتاہے۔ ازرقی نے ہی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایاکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السالم کو اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیجا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے اور آپ اسی پتھر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔"
وسادسًا ان شئت قطعت	**سادسًا** اس شبہ کو جڑ بنیاد سے

[1] الدر المنثور بحوالہ الازرقی تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶-۱۲۵

راس الشبهة من راسها وذٰلك لان رواية قيامه عليه الصلٰوة والسلام حين الاذان على المقام رواية اسرائيلية كما رأيت وسيدنا ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما كان ياخذ عنهم كما هنا، وروٰی ابن ابی حاتم عن الربيع بن انس قال سمعنا عن ابن عباس انه حدث عن جال من علماء اهل الكتاب ان موسٰی دعا ربه[1] (الحديث) فی قصة ملاقاته الخضر عليهما الصلٰوة والسلام واقرها واخرج ابن ابی شيبة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال سئلت كعبًا ما سدرة المنتهٰی، قال سدرة ينتهی اليها علم الملٰئكة وسئلته عن جنة الماوٰی فقال جنة فيها طير خضر ترتقی فيها ارواح الشهداء[2]۔ واخرج ابن جرير عن شمر	اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے جیساکہ اس مبحوثہ روایت میں انہوں نے کیا۔ابن ابی حاتم ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔یہ حضرت موسٰی وخضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔مندرجہ ذیل روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ "میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماوٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ایسا باغ جس میں شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔" ان جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم سورۃ الکہف ۷۱ تا ۷۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۷۹

[2] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت الآیۃ ۵۳/۱۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/۵۷۲

قال جاء ابن عباس الی کعب فقال حدثنی عن قول اللہ "سدرۃ المنتھٰی "[1] (الحدیث) وقد صح عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ انہ اذن علٰی ثبیر ،روٰی عبدالرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن جریج قال ابن المسیب قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ لما فرغ ابراھیم من بنائہ، بعث اللہ جبریل فحج بہ حتی اذا رأی عرفۃ قال قد عرفت وکان اتاھا قبل ذٰلك مرۃ.فلذٰلك سمیت عرفۃ حتی اذا کان یوم النحرعرض لہ الشیطان فقال احصب فحصبہ بسبع حصبات۔ثم الیوم الثانی فالثالث، فلذٰلك کان رمی الجمار قال اعل علٰی ثبیر فعلاہ فنادٰی یا عباداللہ اجیبو اللہ یا عباداللہ اطیعوا اللہ فسمع	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا۔(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے) ادھر حضرت امیر المومنین مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے حضرت علی (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) سے روایت کی کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جبریل امین کو بھیجا اورانہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا،آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیاایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے اوراسی وجہ سے اس کانام "عرفہ "پڑا۔یوم نحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیاتو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مارنے کی ہدایت کی،اورآپ نے ابلیس کو سنگسار کیا،پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔اسی لئے حج میں رمی جمار مشروع ہوئی۔حضرت جبریل امین نے فرمایا: کوہ ثبیر پرچڑھو۔حضرت خلیل علیہ السلام نے

[1] جامع البیان تحت الآیۃ ۵۳/۱۴دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۷/۶۳

دعوته من بين الابحر السبع[1]۔(الحديث) وهذا كما ترى سند صحيح على اصولنا فهذا انص عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حكما لان الامر لادخل فيه للرأى وما كان امير المؤمنين على ليأخذ عن اهل الكتاب فلم يكن الا سماعًا عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم۔ فثبت ان الاذان كان على جبلٍ بمزدلفة وسقط انه كان داخل المسجد على المقام ولك ان تقول لاخلف فان ثبيرًا من الحرم وقد افاد ابن عباس نفسه "ان مقام ابراهيم الحرم كله[2]" اخرجه عنه عبد بن حميد وابن ابى حاتم بل اخرج هذا عنه قال "مقام ابراهيم الحج كله[3]۔"	ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا: اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو، اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا۔" یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج منٰی شریف کے پہاڑ سے ہوا اور یہ بات ساقط الاعتبار ہو گئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے۔
وسابعًا اضطربت الرواية عن	**سابعًا** اعلان حج کے مقام میں حضرت

[1] الدر المنثور بحوالہ عبدالرزاق تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۱

[2] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید وبن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۵، ۱/ ۲۶۴ وتفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۳/ ۹۷، ۳/ ۷۱۱

[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الآیۃ ۳/ ۹۷ حدیث ۳۸۴۷ و ۳۸۴۸ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ ۳/ ۷۱۱

ابن عباس ففی بعضھا "اذن علی المقام" وفی بعضھا علی ابی قبیس رواہ عنہ ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما امر اللہ ابراھیم ان ینادی فی الناس بالحج صعد اباقبیس فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ثم نادٰی، ان اللہ تعالٰی کتب علیکم الحج فاجیبو ربکم[1] الحدیث، وفی اخری لہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صعد ابراھیم اباقبیس، فقال اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان ابراھیم رسول اللہ ایھا الناس ان اللہ امرنی ان انادی فی الناس بالحج ایھاالناس اجیبوا ربکم[2]۔ وفی بعضھاعلی الصفا رواہ عبدبن حمید عن مجاھد قال "امر ابراھیم ان یوذن بالحج فقام علی الصفا فنادی بصوت سمعہ مابین المشرق والمغرب یا ایھا الناس اجیبوا الٰی ربکم[3]۔"	ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے، اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابوقبیس پر اعلان حج ہوا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام جبل ابو قبیس پر چڑھے اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھدان لاالٰہ الا اللہ، واشھد ان ابراھیم رسول اللہ۔ اے لوگو! مجھے اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں تو تم لوگ اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو۔" اور بعض روایتوں میں جبل ابو قبیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں، آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق ومغرب کے لوگوں نے سنا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے: اے لوگو! اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۷۸ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/۲۴۸۷

[2] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۴ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۸/۲۴۸۸،۲۴۸۷،

الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۴

[3] الدر المنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳

وروی هو وابن المنذر عن عطاء قال "صعد ابراهیم علی الصفا فقال یا ایها الناس اجیبوا ربکم[1]۔"	ابوحاتم اور ابن منذر نے عطا سے روایت کی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ سفا پر چڑھے اور پکارا: اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔
ومعلوم ان الروایة عن مجاهد روایة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم فالاضطراب بالتثلیث والافلاشك فی التثنیة فکان من هذا الوجه ایضاً حدیث امیر المومنین احق بالاخذ ولذا مشٰی علیه القطبی فی تاریخه ولم یلتفت لما سواه فاندحضت الشبهة عن رأس والحمد لله رب الناس۔	یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے، ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت راجح اور اولٰی بالاخذ ہے اس لئے قطبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔
ثامنًا بعد اللتیا والتی ان کان فشریعة من قبلنا فلا تکون حجة الا ذا قصها الله تعالٰی او رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من دون انکار کما نص علیه فی اصول الامام البزدوی والمنار وسائر المتون الاصولیة و الشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار انا شرطنا فی هذا ان یقص الله تعالٰی او رسوله من غیر انکار اذلا عبرة بما ثبت بقول اهل الکتاب،	**ثامنًا** ساری بحث ومباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گزشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا، اور گزشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں جب تک قرآن وحدیث میں اس کا بیان بلاانکار ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون وشروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا: "ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار

[1] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳

ولا بما ثبت بکتابهم لانهم حرفوا الکتب ولابما ثبت بقول من اسلم منهم لانه تلقن ذٰلك من کتابهم او سمع من جماعتهم [1] اھ ومثله فی کشف الاسرار للامام البخاری۔	نہیں اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی، کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کردی ہے۔" اور اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسا نہیں کہ ان لوگوں نے انہی محروف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انہی کی جماعت سے سنا ہوگا۔ اور اسی طرح کشف الاسرار للامام بخاری میں ہے۔
وفی فواتح الرحموت لبحر العلوم فان قلت فلم لم یعتمد باخبار عبداللّٰه بن سلام رضی اللّٰه تعالٰی عنه فانه لایحتمل کذبه قلت ھب لکن التحریف وقع قبل وجوده فھو لم یتعلم الا المحرف [2] اھ بالالتقاط۔	بحر العلوم حضرت علامہ عبدالعلی رحمہ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت مین فرمایا، خیال ہوسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ و بلا شبہ سچے تھے، اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا کیونکہ تحریف و ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہوچکی تھی۔
وھذا شیئ لم یقصه ربنا ولانبینا صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذلم یرد فی حدیث مرفوع فالاحتجاج به راسا مدفوع۔ ھذا علی التسلیم والا قد علمت ان الذی	اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے، تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے، یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعوی

[1] کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار فصل فی شرائع من قبلنا دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۷۳، کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب فی شرائع من قبلنا دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۱۳

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المصطفٰے المختار الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۸۴

يدعيه هذا الوهابی من انه اذن عليه فی جوف المسجد لم يقصه مسلم ولا كتابی ولا كافر سواه فاحتجاجه به ليس الا احتجاجا بهواه۔

وتاسعًا ان تعجب فعجب قوله ان المقام الاٰن ايضًا داخل المطاف وهذا شيئ يرده العيان ويشهد بكذبه كل من رزق حج البيت الحرام۔

وعاشرًا اعجب من الاحتجاج عليه بانه مفروش بالرخام وكان فی باله ان كل مافرش فيه الرخام صار المطاف الذی كان قدر المسجد الحرام علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم فليدخل ماحول زمزم ايضًا فيه ولو كان فرش بعض الملوك سائر المسجد الشريف ورواقاته بالرخام لحكم هذا الجاهل بان المسجد كان الی الرواقات علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم واذا بلغ الجهل الٰی هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هی دائرة الرخام حول البيت الحرام وعلٰی حرفها باب السلام ولا شك ان قبة المقام خارجة عنها و

جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے ورنہ تفصیل گزرچکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے، اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعوی میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

تاسعًا قابل تعجب بات تو یہ ہے کہ "مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔

عاشرًا اس سے زیادہ حیرت ناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے جہاں تک عہد رسالت مین مسجد تھی، تو زمزم شریف کا ارد گرد ہی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہوگیا کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔ اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسلات کی مسجد حرام ہوگئی حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے جو کعبہ مکرمہ کے گردا گرد ہے، اور جس کے کنارہ پر باب السلام ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے، اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

ماکان اھل مکۃ سفھاء کھٰذا لیبنواقبۃ فی نفس المطاف ویضیقوا المحل علی اھل الطواف نعوذباللہ من الجھل والاعتساف۔ نفحہ۱۹:ثم تمسك بقولہ تعالٰی:"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ"[1]۔وقولہ تعالٰی: "وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا"[2]۔وقولہ تعالٰی: "فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ"[3]۔ وفی حدیث الصحیحین عـــہ ان ھذہ المساجد لا تصلح لشیئ من ھذا البول والقذر وانما ھی لذکر اللہ والصلٰوۃ وقراءۃ القرآن[4]۔ اقول:اولا قضینا الوتر عن کشف ھذہ الشبھۃ فی النفحۃ الاولی القرآنیۃ،وبینا ان الاذان لیس ذکرًا خالصًا[5]۔	نفحہ۱۹: مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے "اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرے" اور آیت مبارکہ "اور مسجد جس میں اللہ تعالٰی کا ذکر بہت ہوتا ہے" اور آیت گرامی "ان گھروں کو اللہ تعالٰی نے بلند کرنے کا اور ان میں اپنا نام لینے کا حکم دیا" اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث، ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے "یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں، یہ تو ذکر الٰہی، نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں۔" اقول: (میں کہتا ہوں) اولا ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کرچکے ہیں کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے۔

عـــہ:تبع فیہ صاحب المشکوٰۃ وانما عزاہ المخرجون لمسلم وحدہ ۱۲منہ۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۶

[4] صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[5] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ صحیحین کتاب الطھارۃ باب تطہیر النجاسات الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۲

وثانیًا منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیه ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی بعض المواطن اذقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ایھا الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبنا ولکن تدعون سمیعًا بصیرا[1]۔" وماکان لینھاھم عن ذکر الله تعالٰی وقد قدمنا عن الدرروالاشباہ وغیرھما کراھة رفع الصوت بالذکر فی المسجد[2] وفی المسلك المتقسط لعلی القاری: "قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصورت فی المسجد حرام ولو بالذکر[3] اھـ" وصرح فی الکافی الامام الحاکم شھید الذی جمع فیه کلام الامام محمد وفی المحیط والفتح والبحر وشرح اللباب وردالمحتار وغیرھا بکراھة رفع	**ثانیًا** مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے اور ذکر الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ہے: "اے لوگو! اپنے نفسوں پر آسانی کرو تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو، تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔" بھلا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے روکتے تھے، ہم ماسبق میں درر وغیرہ کے حوالے سے واضح کرچکے ہیں "کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔ "ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیاء کی تصریح ہے کہ "مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔" کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد اور محیط، فتح القدیر، بحر الرائق، شرح لباب وشامی وغیرہا میں ہے: "طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف منع ہے۔" تو پناہ بخدا یہ کہا

[1] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا علا عقبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۹۴۴، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب خفض الصوت بالذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام امسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۳۳

[3] المسلك المتقسط مع ارشاد الساری فصل استلام الرکن الیمانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۰

الصوت بالقراٰن فی الطواف[1] فهل تراهم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھٰذا الوعید الشدید حاشاھم عن ذٰلك بل انت فی ضلال بعید۔

وثالثًا انما یعود ھٰذا التشنیع الشنیع الی الائمة الاجلاء الذین نهو عن الاذان فی المسجد ونصوا علی کراھة فیه وقد اجارھم اللہ تعالٰی عن ھٰذا ومن شنع علیهم فعلیه دائرة السوء وھو الملوم والمدحور۔

رابعًا ھٰؤلاء الوھابیة ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعة باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوسًا ینتظرون الصلٰوۃ فی کل حلقة رجل یقول کبروا مائة، ھللوا مائة، سبحوا مائة فیفعلون، فقال والذی نفسی بیدہٖ انکم لعلٰی ملة ھی اھدٰی من ملة محمدٍ؟ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

جائے گا کہ یہ سارے ائمہ وعلماء معاذاللہ قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔ وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔

ثالثًا یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنہوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی، وہ تو بلاشبہ اس سے اللہ تعالٰی کے دامن میں محفوظ ہیں، ہاں جو ان پر طعن وتشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڑھے میں مقہور ومردود ہے۔

رابعًا یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں جو آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں پر انکار کای جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کررہے تھے، ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو سو بار لاالٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی زیادہ

[1] ردالمحتار کتاب الحج باب الاحرام داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۸، فتح القدیر کتاب الحج باب الاحرام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۹۰، بحرالرائق کتاب الحج باب الاحرام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۲۹

اومفتحوا باب الضلالة؟ قالووالله یا اعبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیرات یصیبه[1]۔ (الحدیث)	ہدایت پر ہے یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبدالرحمٰن! اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہنچتے ہیں۔
وقد اجبنا عنه فی المجلد الحادی عشر من فتاوٰی نا باجوبة شافیة،لکن این ذهب هذا منهم ههنا ام یدخلون عبدالله بن مسعود ایضًافی وعید من اظلم نعم لاغروفقد سبوا الله وسبوا رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾"[2]۔	ہم نے اپنے فتاوٰی کی گیارہویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دئے ہیں لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی، یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وعید "من اظلم" میں شامل کرتے ہیں اوران سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تواللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں تو قیامت میں انہیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔
نفحه۲۰: قدمنا فی النفحة الثامنة العودیة ان امام دارالهجرة عالم المدینة سیدنا مالکارضی الله تعالٰی عنه وجماهیراصحابه ذهوا الٰی ان جعل هٰذاالاذان بین یدی الامام بدعة مکروهة،وانما السنة فیه ایضا المنارة وهذا مابلغهم ولکن نطق حدیث ابی داؤدالصحیح ان فعله بین یدی	**نفحہ۲۰:** ہم شامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کرآئے ہیں کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اوران کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے،اوراپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں، مگرابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے

[1] سنن الدارمی مقدمة الکتاب باب فی کراہیة اخذ الرائ نشر السنة ملتان ۱/ ۶۰و۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

الامام ھو السنۃ من لدن سید الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوۃ والسلام۔فبعض محققی اصحابه رحمھم اللّٰه تعالٰی ومنھم الحافظ ابو عمر بن عبد البر خالف فی ذٰلك ووجه الکلام الی بعض الاصحاب مع ذکرہٖ فی الکافی الفقھی عن صاحب المذحب رضی اللّٰه تعالٰی عنه وکانه وجد عنه روایۃ اخری اوسھا و الانسان للنسیان،فقال فی الاستذکار مانقله الشیخ خلیل فی التوضیح وعنه فی المواھب وھذا نصھا مع شرحھا للعلامۃ الزرقانی المالکی [1]۔ فی الاستذکار اسم الشرح الصغیر علی الموطاء لابن عبد البر ان ھذا اشتبه علٰی بعض اصحابنا فانکران یکون الاذان یوم الجمعۃ بین یدی الامام کان فی زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام وابی بکر وعمر وان ذٰلك حدث من زمن ھشام۔وھذا قول من قل عمله بالاحادیث وکانه یعنی الداؤدی ثم	اور یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے، اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابو عمر بن عبدالبر بھی ہیں،اس کی مخالفت کی اوراذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمہ اللہ علیہ کا قول بتایا،تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔اور یہ بھی ہوسکتاہے کہ انکو سہو لاحق ہوا ہو،اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔استذکار (یہ موطاء کی ایک مختصر شرح ہے جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیاہے) میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی،توان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہے اور اس سے صاحب استذکار

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۱

استشهد فی الاستذکار بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال" وقد رفع الاشکال فی ذٰلك روایة ابن اسحٰق عن الزهری عن السائب بن یزید۔ قال کان یوذن بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة وابی بکر وعمر[1] اھ" فانظر ان السادة المالکیة صاروا فرقتین جمهورهم علی ان الاذان بین یدی الامام بدعة وانما سنته علی المنارة۔ ونازعهم بعضهم بالحدیث فاستشهد بحدیث ابن اسحٰق ولابد اذلاذکر لبین یدیه الافی حدیثه فحدیث ابن اسحٰق هو السند بهؤلاء وبه ردوا علٰی جمهورهم لاانهم ردواعلیه ایضا کما ردوا علی قول جمهورهم ولکن اشتبه الردبالمردود علی العلامة علی فقال" اما الذی نقله بعض المالکیة عن ابن القاسم	کی مراد شاید داؤدی ہیں پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے استدلال کیاجو بخاری میں مروی ہے۔ پھر فرمایاکہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحٰق عن زہری عن سائب ابن یزید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے زائل کردیا۔ اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی، اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہماکے زمانہ میں بھی ہوتارہااھ۔ تودیکھئے کہ اعلام مالکیہ دو فرقہ ہوگئے۔ ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے، سنت تو منارہ کی اذان ہے۔ اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انہیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان توخطیب کے سامنے کی ہے، اور اس کی شہادت میں ابن اسحٰق کی حدیث محولہ بالا پیش کی، اور یہ ضروری بھی تھا کہ ابن اسحٰق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں " بین یدیہ "کالفظ نہیں ہے تو حدیث ابن اسحٰق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے جسے وہ اپنے جمہور پر رد کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کیا ہے لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہوااور انہوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا(یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح

[1] الاستذکار باب الجمعة باب ماجاء فی الانصات یوم الجمعة دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۷

عن مالك انه فی زمنه علیه الصلٰوۃ والتسلیم لم یکن بین یدیه بل علی المنارۃ۔ ونقل ابن عبدالبر عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وماذکرہ محمد بن اسحٰق عند الطبرانی وغیرہ فی ھذاالحدیث ان بلالًا کان یوذن علٰی باب المسجد فقد نازعه کثیرون ومنهم جماعة من المالکیة بان الاذان انما کان بین یدیه علیه الصلٰوۃ والسلام کما اقتضته روایة البخاری ھٰذہٖ[1] اھ ولیس فی روایة البخاری مایقتضی من ذٰلك شیئًا[2]۔	حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کرتے ہیں) اسی لئے وہ فرماتے ہیں: بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ ایسا ہی ابن عبداللہ نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں۔ اور محمد بن اسحٰق کی حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے، اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے وہ کہتے یں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی (دروازہ مسجد پر نہیں) اور یہی روایت بخاری کا مقتضی ہے۔ (ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول (اذان تو خطیب کے سامنے ہوتی جیسا کہ روایت بخاری کا مقتضا ہے" کا رد کرتے ہوئے فرمایا بخاری کی روایت میں نہ بین یدہ کا ذکر ہے نہ باب مسجد کا۔
اقول: قد صدق ان روایة البخاری لایقتضی شیئًا من کونه بین یدیه اوعلی لنارۃ ولکن الاستشهادکان بروایة ابن اسحٰق وانما	**اقول:** ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجا ہے لیکن منازعین کا استدلال دراصل روایت ابن اسحٰق سے ہے (جس میں لفظ بین یدہ

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

ذکر اسم البخاری ایذانًا بان اصل الحدیث عندہ و اوصحتہ روایۃ ابن اسحٰق کما ھو صریح لفظ الاستذکار وکیف یرد علی حدیث ابن اسحٰق بان الاذان انما کان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع ان حدیث ابن اسحاق ھو المصرح بھٰذا، افیرد علی الشیئ بنفس الشیئ ولکن الامر انہ کتب ھذا المحل معتمدا علی ما فی الصدور ولو راجع کلام المنازعین لعلم انھم لایقولون ان حدیث البخاری یقضی بالرد علی جمھورھم والرأی انھم لاینازعون حدیث ابن اسحٰق بل بہ یستشھدون وبہ علی جمھورھم یردون ولابعد ان کونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مصرح بہ فی حدیث ابن اسحٰق نفسہٖ بل لانعلم التصریح بہ الافیہ فکیف یرد علیہ بمفادنفسہٖ ولکن نسیئ ولم یتفق لہ مراجعۃ الحدیث ولامراجعۃ کلام المنازعین	مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے لیا گیا ہے کہ روایت ابن اسحٰق کی اصل بخاری میں ہے، بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحٰق کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی ہے، اور یہی استذکار کی عبارت سے ہو یدا ہے۔(ایسی صورت میں) بھلا حدیث ابن اسحٰق پر اس بات سے کیسے رد ہو سکتی ہے کہ "اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی" خود حدیث ابن اسحٰق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، تو ایک بات کو خود اسی سے رد کرنے کے کیا معنٰی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسا کرکے لکھا، اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا تو انہیں یہ معلوم ہوجاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے، وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں، اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے ہونے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحٰق میں ہے، تو جو بات خود حدیث ابن اسحٰق ہے، اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث کلام منازعین کو بھی

واللہ یفعل مایرید ولما سبق الی خاطرہ ان القائلین بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینازعون حدیث ابن اسحاق ولا تمکن المنازعۃ الا اذا ارید بباب المسجد فی حدیثہ باب لیس وجاہ المنبر خطر ببالہ ان المراد باب الشرقی او الغربی وایدھٰذا الخطور انہ لم یکن فی زمنہ رحمہ اللہ تعالٰی بل منذ نحو مائۃ وخمسین سنۃ من قبلہ باب شمالی فی المسجد الکریم کان الناس بنوا ھنالك دورھم کما ذکرہ السید العلامۃ السمھودی رحمہ اللہ تعالٰی فحق لہ ان یدخل حدیث ابن اسحٰق فیما ینازعہ القائلون بکونہ بین یدیہ فکر علیھم بالرد بانہ لامستدلھم فی انکار علی الباب ولا یقتضی حدیث البخاری شیئا من ذٰلك نقوی الی ھنا امر جمھور المالکیۃ وتم الرد علی المنازعین لانعدام مایثبت کونہ بین یدیہ، لکن کان ھذاھو مذھبہ

نہیں دیکھا، اور جو اللہ تعالٰی چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحٰق کا رد کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہوگی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروازہ ہو جو منبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حدیث ابن اسحٰق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کی مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ انکے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا ختم ہوگیا تھا اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنالئے تھے جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے، تو انہیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں اسی لئے انہوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔ پھر پلٹ کر اصحاب "بین یدیہ" کا لفظ ہے ہی نہیں پھر "بین یدیہ" روایت بخاری کا مقتضٰی کیونکر ہوا، اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن خود احناف اذان "بین یدیہ" کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں، اس لئے

ومذهب ائمته الکرام فحاول التوفیق بما یرحم الیٰ ما هو مذهبه بالتحقیق، فقال "لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقر بی اٰخر الامر هو الذی کان بین یدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم [1] الخ، ای لم یکن الاذان بین یدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی اول الامر بل علی الباب الشرقی اوالغربی(وهذا ما فی حدیث ابن اسحٰق وکلام مالك)ثم استقرالامر خیرًااعلیٰ کونه بین یدیه(وهو مراد المنازعین فیه)"	ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتداء میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو، جیسا کہ روایت ابن اسحٰق یا کلام مالک میں ہے لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام منازعین کی بھی ہے۔
اقول: انت تعلیم انه مبنی علی ماشبه له وتوجیه کلام مالك بما ذکرتوجیه بما لایرضی به فقد اسلفنا عنه انه رضی الله تعالیٰ عنه نهی عن الاذان بین ید الامام۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے، پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقًا اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل)
ثم حاول التطبیق بوجه اٰخر بعیدسحیق فقال و بان اذان بلال علی باب المسجدکان اعلامافیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن [2] اهـ	ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو۔ اور یہی حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعلان کی اصل ہو اھ۔

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلوة تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلوة تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

يشيرالى الاثرالمذكورعن تفسير جويبر وقد كان قدمه ورده وذكره ثمه توفيقا ينبغي نقله ليتضح به مرامه بهٰذاالتطبيق قال بعد ماذكران عثمان رضى الله تعالٰى عنه هو الذى احدث الاذان الاول مانصه، "ولا يعارض ان عثمٰن هو المحدث لذٰلك ماروى ان عمر هوالأمر بالاذان الاول خارج المسجد يسمع الناس ثم الاذان بين يده ثم قال نحن ابتدعنا ذٰلك لكثرة المسلين لانه منقطع ولا يثبت وانكر عطاء ان عثمٰن احدث اذانًا، وانما كان يامر بالاعلام ويمكن الجمع بان ماكان فى زمن عمر (رضى الله تعالٰى عنه) مجرد الاعلام واستمر فى زمن عثمٰن (رضى الله تعالٰى عنه) ثم رأى ان يجعله اذانًا على مكان عال

یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالااثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے زکر کرکے اس کا رد کیا ہے اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں، اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشاء بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دے کر فرماتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہوسکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔پھر اذان بین یدیہ دلائی اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع ہے اس کا ثبوت نہیں۔اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان کرتے تھے۔ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا حضرت عثمان کے دور تک جاری رہا، پھر انہوں نے اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے

ففعل واخذ الناس بفعله فی جمیع البلاد اذ ذاك لكونه خليفة مطاعا[1] اھ۔ **اقول**: ولا یذھب عنك ان ھذا قمع لاجمع اذقدأل الامر الی انه جعله اذانًافقد احدث اذانًاوعطاء ینکره فاین الجمع بل السبیل ما سلك فی فتح الباری وغیره ان المثبت مقدم علی النافی وقد ثبت احداث عثمٰن الاذان وانه ھو الذی احدثه لا امیر المومنین عمر باحادیث صحاح لامرد لھا فلاحجة فی انکار عطاء ولا فی روایة تفسیر جویبر۔ ولھذا الشیخ لما جمع بان عمر رضی الله تعالٰی عنه احدث اعلامًاواستمر	بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی اور ان کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عملدرآمد جاری کردیا۔ **اقول**: (میں کہتاہوں) شیخ علی قاری کی یہ جدوجہد جمع کے بجائے قمع ہے، کیونکہ آخر میں انہوں نے یہ اقرار کیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کردیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان اول کے موجد ہوئے۔ اور حضرت عطاء ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ونے کا ہی انکار کرتے ہیں۔ تو ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی! اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہا جائے (۱) مثبت روایت (یعنی ذو النورین کا موجد اذان اول ہونا) نافی (یعنی قول عطاء) پر مقدم ہے (۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ے جس کی تردید نہیں ہوسکتی، اس لئے نہ تو حضرت عطاء کے انکار کا کچھ فائدہ ہوگا نہ تفسیر جو یبر کی روایت اثرانداز ہوگی۔ المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنٰی واضح ہوگئے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

الی زمن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه وجعله بعد اذا نا فالٰی هذا یشیر بقوله "فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن "ولما کان یرد علیه ان علی تطبیقکم هذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالة فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناہ لکثرة المسلمین۔ حاول ان یرفو هذاالخرق فقال "ولعله ترك ایام الصدیق اواواخر زمنه علیه الصلٰوة والسلام ایضاً فلهذا اسماہ عمر بدعة وتسمیة تجدید السنة بدعة علی منوال ما قال فی التراویح نعمت البدعة هی[1] اھ"	علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب یا علی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جارہی ہے وہ در اصل اذان نہ تھی نماز جمعہ کا اعلان تھا۔ اور یہی حضرات فاروق وعثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے، لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان رواج عہد رسالت سے ہی تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ اعلان کراکے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی! ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ "یہ اعلان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پورے زمانے میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اوراس کا نام ایجاد رکھا ہوگا، جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعۃ کہا تھا حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی"
اقول: ولا یخفٰی علیك ان الشیخ انما یبدی هذه الاشیاء	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

بیمکن ولعل ومایبدہ سند علی شیئ من ھذا اولا لہ فیہ سلف ولا بہ حصول مارام من التوفیق فان مآل ترجباتہ واحتمالاتہ انہ کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلام بالجمعۃ علی باب المسجد ثم اذان بین یدیہ اذا جلس علی المنبرثم ترك الاعلام فی اواخر عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم ثم جددہ عمر لکثرۃ المسلین وابقاہ عثمٰن ثم حولہ الی الاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انہ کان علی الباب وفی کلام مالك انہ لم یکن بین یدیہ ھو ھذا الاعلام اما الاذان فما کان الابین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانت تعلم انہ۔ **اولًا:** لایلائم قول مالك	"ہوسکتا ہے" اور "ممکن ہے" کے لفظ سے شروع کیا ہے، کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے نہ انکی اس جدوجہد سے مختلف اقوال وروایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کے تمام امکانات و احتمالات کا حاصل یہ ہے کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا پھر امام جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔ تو وہ امسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی (مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں:) **اولًا:** امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

فانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ینھی عن الاذان بین یدی امام لاعن اعلان اٰخر قبلہ ولا کان فی عھدہٖ رضی اللہ تعالٰی عنہ اعلام بین یدی الامام غیر الاذان حتی ینکرہ ویقول انہ محدث لیس من الامر القدیم فاین التوفیق۔

وثانیًا لایلائم حدیث ابن اسحٰق لانہ ذکر ان الذی کان علی باب المسجد کان ھو بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین یجلس علی المنبر فکیف یفرق بین الشیئ ونفسہ ویقال ان ماعلی الباب کان اعلامًا وما بین یدیہ کان اذانًا فان کان الاذان فی حدیثہٖ بمعناہ فالذی کان علی الباب کان اذانًا وان کان بمعنی الاعلام فالذی بین یدیہ کان اعلامًا فکیف التفریق واین التطبیق۔

وثالثًا: اجمعت الامۃ ان الذی کان عند جلوسہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنبر کان ھذاالاذان المعروف وتظافرت الروایات واجمع من یعتد باجماعھم انہ لم یکن فی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجمعۃ شیئ غیر ھذا ولا علی عھد الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وانہ لم یکن علی عھدہ صلی اللہ تعالٰی

امام کے سامنے خطبہ دینے سے منع کرتے تھے، اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑتی۔

ثانیًا: یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اور وہی آپ کے سامنے بی تھی اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علیحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحٰق میں جو چیز مذکور ہے اگر اذان ہے تو وہ درمسجد پر ہوتی تھی اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا، پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی؟

وثالثًا: اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی، اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و

علیه وسلم تثویب فی شیئ من الصلوات الا الفجر علی جعل قوله الصلٰوۃ خیر من النوم تثویبًا۔ فلو کان هذا اعلامًا حملًا لحدیث ابن اسحٰق علیه المصرح فیه بکونه اذا جلس علی المنبر بقیت الجمعة علی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم بدون الاذان المعروف وهو خلاف الاجماع۔ **ورابعًا:** اذا ترك هذا فی اواخر عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوفی زمن الصدیق رضی الله تعالٰی عنه بقیت الجمعة من دون ایذان لا اعلام ولا اذان وهذا خلاف الاجماع۔ **وخامسًا:** اذن لا یستقیم قول عمر "نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین"[1] لا احداثا ولا تجدیدا لان الذی یفعل عند جلوس الامام لم یزل مستمرًا من زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام۔" **وسادسًا:** اذن کان اذان	عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا، ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا، ہاں نماز فجر کے لئے البتہ الصلٰوۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔ پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی، اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ **رابعًا:** اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہد رسالت کے اخیر یا عہد صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہوگیا تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ **خامسًا:** اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو ایجاد کیا" کا معنی درست نہ رہے گا نہ بطور احداث نہ بطور تجدید، کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔ **سادسًا:** اس تقدیر پر اذان خطبہ

[1] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

الخطبة هو المحدث فكان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔ **وسابعًا:** كيف يكون هذا اصلا لاعلام عمر وعثمان فانه كان قبل جلوس الامام وهذا عند جلوسه على المنبر۔ وبالجملة فيه مفاسد اظهر من ان تظهروا كثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالٰى كتب البحث مندون مراجعته^{عہ} للحديث ولا الكلام	ہی تو نوایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔ **سابعًا:** یہ اعلان حضرات فاروق وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل کیسے ہوا؟ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا، اور جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتارہے ہیں یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتا ہے۔ المختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث احادیث اور کلام منازعین، اور کلام امام مالک

عــہ: ولذا انسبه للطبرانی مع وجوده فی افضل السنن ابی داؤد وقال الزرقانی فی المقصد الثالث من شرح المواهب علی المؤلف المؤاخذه فی ترك الترمذی "ان الحديث اذا كان فی احد الستة لايعزی لغيرها كما قال مغلطائی[1]۔" انتهٰی منه حفظه ربه۔

اسی لئے اس کو طبرانی کی طرف منسوب کیا باوجود یہ کہ یہ اس سے افضل سنن ابو داود میں موجود ہے۔ امام زرقانی نے شرح مواہب کے مقصد ثالث میں ترک ترمذی کے بارے میں مؤلف پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کوئی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہو تو اسے ان کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، جیسا کہ مغلطائی نے کہا ہے انتہی منہ حفظہ ربہ۔ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية

المنازعين، ولا لكلام مالك واصحابه الاكثرين والا لم تعرض تلك الاوهام ولم يستقم له تاويل حديث ابن اسحٰق ولا ماينكر عليه مالك بالاعلام۔ فظهر ان تعلق بعض جهلة الزمان بهذا البحث الذى ليس له روح ليعيش انما هوتشبث الغريق بالحشيش وتقدم بعض مايليق به فى النفحة التاسعة الحديثية۔	اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر لکھ دیا، ورنہ یہ اوہام عارض نہ ہوتے اور نہ حدیث ابن اسحٰق کی تاویل درست ہوتی۔ عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا، ڈوبنے والے کے تنکے کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے، اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کرچکے ہیں۔
ثم ليس فيه على ماقررنا مايقرعينهم اذليس فيه ان الاذان كان على عهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى جوف المسجد وفيه الكلام والله المستعان ولله الحمد۔	لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا کہ ان کا دعوی تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے، اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔
نفحه۲۱: قال القهستانى فى شرح النقاية عند قولها (اذن ثانيا بين يديه) اى بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر والامام ويساره قريبامنه ووسطها بالسكون فيشمل ماذا اذن فى زاوية قائمة او حادة اومنفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين ولا بأس بشموله بحسب المفهوم ماذاكان	**نفحہ۲۱**: قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول "دوسری اذان خطیب کے سامنے ہوگی" کی شرح میں کہا: یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جارہی ہیں ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ و منفرجہ، سبھی صورتوں کو شامل ہے، یہ سب زاویے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار

ظهر المؤذن الیٰ وجه مایضاف الیه الیدان، فان قرینة الاذان تدل ان وجهه یکون الیه لکن یشکل بما اذاکان ظهره الیٰ ظهر المضاف الیه الا اذا قیل باخراجه بقرینة قوله استقبلوه مستمعین [1] اھ۔	سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتاہے کہ مؤذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔اوراس صورت کو بھی شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں اوراس کی بات سنیں۔اھ)
اقول: ھذا کلام تحیر ھٰؤلاء فی حله وتناقضوا فی حمله واستشھدبه بعضھم بجھله ولیس فیه الامشتت لشمله ومسفه لعقله ثم ھو غیر محرر فی اصله فنذکر بتوفیقه تعالیٰ اولا ما یشرحه ثم نکمل الفائدة ما یزیفه ویجرحه ثم نتوجه الیٰ اجھل ھٰؤلاء فنطرحه ولنقدم لذٰلك مقدمات نوضحه۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیاہےاوراس عبارت کا حل کرنا انہیں مشکل پڑرہاہے اوراس کا مطلب بیان کرنے میں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔اورفی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کا ذریعہ اوران کی بے وقوفی کے ظہور کاسبب بنی۔اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں تو بتوفیق اللہ تعالیٰ پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں، پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے، پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔
الاولیٰ: المنبر فی قولھم	**مقدمہ اولیٰ:** فقہاء کے قول

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۹۔۲۶۸

بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب النقل والعقل المصیب اما لنقل فقول العلامة المحقق البحر فی البحر "الضمیر فی قوله بین یدیه عائد الی الخطیب الجالس،وفی القدوری بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقاً لاسم المحل علی الحال کما فی سراج الوھاج فاطلق اسم المنبر علی الخطیب [1] اھ "واماالعقل فلان المنبر لو کان عریضا یسع رجالا فقام الاما علی احدطرفیه والمؤذن بحذاء طرفه الاخر فقد اخطأ السنة لانه لیس بین یدی المنبر مع انه بین یدی المنبرلاشك فعلم ان السنة ھو کونه بین یدی الخطیب دون المنبراذالعود غیر مقصودوقد مرت السنون لم یکن منبر فما کان یواجه الاالامام امام الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوۃوالسلام ھذاظاھر جدا۔	بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازًاخطیب مراد لیاگیا ہے۔یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحر الرائق کا یہ قول ہے جو انہوں نے بحر میں فرمایا: "قول بین یدہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے جو منبر پر بیٹھاہو۔" قدوری میں ہے: "لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازًاخطیب مراد ہے کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتاہے۔"ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے کہ "منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔" عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگراتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں،تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور مؤذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کردی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں منبر کے سامنے البتہ ہے۔تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ مؤذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں،اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے۔مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو محالہ مؤذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا، یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

[1] البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۵۱

الثانیة[۲]:فی المغرب الوسط بالتحریك اسم لعین مابین طرفی الشیئ کمرکز الدائرة۔وبالسکون اسم بھم لداخل الدائرة مثلًا ولذٰلك کان ظرفًافالاول یجعل مبتدأ وفاعلاومفعولابه وداخلاعلیه حرف الجرولایصح شیئ من ھذا فی الثانی۔تقول وسطه خیر من طرفه وتسع وسطه،وضربت وسطه، و جلست فی وسط الدار،وجلست وسطها بالسکون لا غیر،ویوصف بالاول مستویافیه المذکر والمؤنث و الاثنان والجمع وقال اللّٰه تعالٰی "جلعنا لکم امة وسطًا"وللّٰه علی ان اھدی شاتین وسطا الی بیت اللّٰه،او اعتق عبدین وسطا[1] اھ۔وفی الصحاح کل موضع صلح فیه بین فھو وسط بالتسکین	**مقدمہ ثانیہ**: مُغرب میں ہے: الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا، جیسے دائرہ کے لئے مرکز۔اور الوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے، تومثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون توکلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔اور وسط بالتحریک مبتداء، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتا ہے، اوراس پر حرف جر بھی داخل ہوتا ہے۔اور وسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔چنانچہ کہا جاتا ہے "وسط خیر من طرفه"اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔اس صورت میں وسط مبتداء واقع ہوا ہے۔"وتسع وسطه"یہ وسط کے فاعل ہونے کے مثال ہے کہ اس کا بیچ وسیع ہوا۔ "ضربت وسطه"اس کے بیچ میں مارا۔یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔اور "جلست فی وسط الدار"توگھر کے وسط میں بیٹھا، یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتا ہے، جیسے جلست وسطه میں گھر میں بیٹھا۔یہاں متوسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے،

[1] البحرالرائق بحوالہ المغرب کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱و۳۵۲

"کجلست وسط القوم وان لم یصلح فیه فهو بالتحریك "کجلست وسط الدار ،وربما سکن ولیس بالوجه اھ[1]۔	ایک علامت یہ بھی ہے کہ وسط بالتحریک مذکر، مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے "جعلنا کم امة وسط" ہم نے تم کو امت وسط بنایا، یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے "ﷲ علی ان اھدی شاتین وسطا" میں اﷲ تعالٰی کے لئے دو متوسط بکریاں نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مؤنث کی صفت ہے "واعتق عبدین وسطًا" میں اﷲ تعالٰی کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے اھ۔ صحاح جوہری میں ہے: جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے "جلست وسط القوم" میں قوم کے درمیان بیٹھا۔ اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہو تو وسط بالتحریک ہوگا جیسے "جلست وسط الدار" میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں اھ بحر۔
الثالثة[۳]:کل زاویة جعل منتصف وترها مرکزًا ورسمت علیه ببعدا حدطرفیه قوس الٰی جهة الزاویة حتی وصلت الی الطرف الاٰخرفان الزاویة ان کانت قائمة تمر القوس براسها او منفرجة فوراء رأسها اوحادة فدونه وبالعکس ان مرت القوس برأسها فهی قائمة اووقعت وراء ہ فمنفرجة اودونه فحادة۔	**مقدمہ ثالثہ:** جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے، اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا تو قوس زاویہ کے وراء سے اور زایہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گزرے گی۔ اسی کو اُلٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گزرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے وراء سے گزرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا اور قوس زاویہ کے نیچے سے گزرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

[1] الصحاح تحت اللفظ "وسط" دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۹۷۵

وبعبارة اخری کل خط نصف ورسمت علٰی منتصفه ببعد احد طرفیه قوس وصلت لطرفه الاٰخر فاذا جعلت هذاالخط قاعدة مثلث واقع الی جهة القوس فان وقع راسه علی نفس القوس فزاویة قائمة اوورا ءها فحادة اودونها فمنفرجة وبالعکس ان کانت زاویة الراس قائمة تقع علی نفس القوس اوحادة فورائها منفرجة فدونها۔	اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگر یوں بھی ہوسکتا ہے، کسی بھی خط کی تنصیف کے بعد اس منتصف پر خط کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہوجائے جو جانب قوس واقع ہے۔تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر وقع ہوتو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اوراس قوس سے باہر کی طرف واقع ہوتو زاویہ حادہ ہے۔اور قوس کے اندر واقع ہوتوزایہ منفرجہ ہوگا۔اوراسے الٹ کریوں بھی کہا جاسکتاہے کہ اگرزاویہ راس قائمہ ہوتو نفس قوس پر واقع ہوگااور حادہ ہوتو قوس کے باہر۔اور منفرجہ ہوتو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

توضیح دعوی

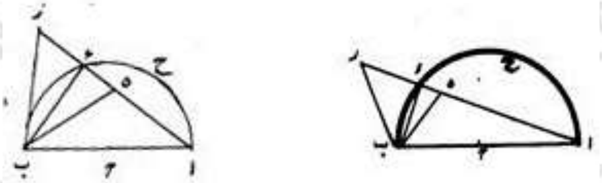

ولیکن اب خطًا رسمًا علٰی نصفه ح ببعد اقوس اح ب ثم جعلنا ہ قاعدة مثلثات ا ء ب.ا ر ب.اہ ب فزاویة الواقعة علی القوس قائمة والواقعة ورائها	ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کردیاگیا ہے اوراسی ح کو مرکز مانکراسے شروع کرکے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔اح ب، پھراسی خط اب کو تین مثلثوں اءب،ارب،اہ ب کا قاعدہ

حادۃ وہ الواقعۃ دونھا منفرجۃ۔وان کانت الزویۃ قائمۃ تقع علی نفس القوس مثل ء،اوحادۃ تقع خارجھا مثل ر،اومنفرجۃ فداخلھا مثل ہ۔	قرار دیا تو زاویہ ء جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے،اوزاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے،اورزاویہ ہ جو قوس کے اندر ہے منفرجہ ہے۔اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگرزاویہ قائمہ ہے تو قوس پر واقع ہے جیسے زاویہ ء،اورحادہ ہے تو قوس سے باہر ہے۔جیسے زاویہ ر اوراندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ۔

ثبوت دعویٰ کی تقریر

وذٰلك لان القوس نصف دائرۃ وقد وقعت فیھا زاویۃ ء فھی قائمۃ بحکم ل من ثالثۃ الاصول فتکون رحادۃ والاجتمع فی مثلث ب ء ر قائمتان وھو محال بحکم لب من اولی الاصول۔وکذا ب ہ ء حادۃ لعین ذٰلك فب ہ ا منفرجۃ بحکم بح من اولٰی ھا۔ ثم لتکن ء قائمۃ فلا موقع لھا الا علی نفس	یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے اوراسی پر زاویہ واقع ہے اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے،اورچونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے۔اس لئے زاویہ رکا حادہ ہونا ضروری ہے ورنہ مثلث ب ع ر میں بیک وقت دوزاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا جو مقالہ اولی کی شل بتیس کی رو سے محال ہے،اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ع کازاویہ ہ بھی حادہ ہے(چونکہ حادہ کے پہلو والازاویہ منفرجہ ہوتاہے)اس لئے مثلث ب اہ کازاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیساکہ مقالہ اولٰی کی تیرھویں شکل سے ظاہر ہے۔ یایوں کہئے زاویہ ء قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے اس لئے کہ یہ رکی

القوس اذلووقعت دونها مثل ہ او ورائها مثل ر وقد تبین ان ء ایضا قائمۃ لاجتمع فی مثلث قائمتان، ولتکن ہ منفرجہ فلا تقع الا داخل القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمۃ اوورائها کانت حادۃ لما امر۔ ولتکن رحادۃ فلا وقوع لها الا خارج القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمۃ۔او داخلها کانت منفرجۃ لما سبق،و ذٰلك ماأردناہ وبہ تبینت العبارۃ الاولٰی اصلًا وعکسًا۔ **الرابعة**[۳]:کل زاویۃ غیر حادۃ نزل من راسها عمود علٰی قاعدتها فانه یکون نصف القاعدۃ ان کانت الزاویۃ قائمۃ متساویۃ الساقین والاقل من نصفها سواء کانت منفرجۃ مطلقًا اوقائمۃ مختلفۃ الساقین۔	طرح خارج قوس واقع ہو۔یا ہ کی طرح تحت قوس ہو،توجس طرح زاویۂ قائمہ ہے اسی طرح ہ اورر بھی قائمہ ہوجائیں گے۔اورایک مثلث میں دو دو زاویہ قائمہ ہوں گے۔یا یوں کہئے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے تولامحالہ داخل قوس ہوگا کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہوتو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا،یا خارج قوس ہوتو حادہ ہونا لازم آئے گا دلیل مذکورہ بالا کی رو سے۔ یایوں کہئے کہ زاویہ ر اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لامحالہ وہ قائمہ ہوجائے گا،یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا۔دلیل اوپر مذکور ہوئی۔اوریہی ہمارا دعوٰی تھا۔ہماری اس دلیل سے پہلی عبارت اصلًا وعکسًا ثابت ہوئی۔ **مقدمہ رابعہ**:جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا(۲)خواہ زاویہ مطلقًا منفرجہ ہو۔(۳) یا قائمہ مختلفہ الساقین ہو۔

نمبرا کی توضیح اور ثبوت

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱ امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

فلتكن ا ح ب قائمة متساوية السقين فج أنصف ا ب بوجوه كثيرة منها ان زاويتی ج ا ب، ج ب ا متساويتان بخسمة الاولٰی لتساوی السقين وحيث ان ج قائمة فكلتاهما نصف قائمة بلب منهما وح ء ب قائمة بحكم العمودية فرح ب نصف قائمة بلب فح ء، ء ب متساويان بسادسة الاولٰی، وكذا بعين البيان ح ء، ء ا فيكون ا ء، ء ب متساويين، فكل منهما نصف ا ب مساويا لح ء۔	مان لیجئے کہ مثلث ا ح ب کا زاویہ ح قائمہ متساویۃ الساقین ہے تو عمود ح ا جو اس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیا ہے وہ خط ا ب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔اس کی بہت سی دلیلیں ہیں ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے: ح ا ب اور ح ب ا میں ا ء ب دونوں زاویے مقالہ اولے کی پانچویں شکل (شکل مامونی) کی رو سے برابر ہیں کیونکہ اس مثلث کی دو ساقین ا ح اور ح ب برابر ہیں، اور جب ح زاویہ قائمہ ہے تو اس کے بقیہ دونوں زاویے یعنی ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے اس سے دو مثلث بن گئے ہیں ا ء ح اور ح ء ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہ قائمہ ہے تو زاویہ ح نصف قائمہ ہوگا مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے، اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہوچکا ہے۔

	پس اس مثلث کی دو ساقین ح ء اور ء ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ کی چھٹی شکل کی رو سے اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ح ء اور ا ء بھی مساوی ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ا ء اور ء ب مساوی ہوگئے۔ اور قاعدے اب کا نسف نصف ہوں گے اور خط ح ء کے بھی مساوی ہوں گے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے راس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

نمبر ۲ کی توضیح اور ثبوت

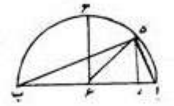

ثم لتکن ا ہ ب قائمۃ مختلفۃ الساقین فنقول ہ ر اصغر من نصف ا ب اعنی نصف القطر لان را لیس مرکزًا والا لکان فی مثلثی ا ر ہ، ہ ر ب ضلعا ا ر، ر ب متساویین و ر ہ مشترك وزاویتا ر قائمتان	ہم نے فرض کیا کہ مثلث اہ ب میں زاویہ ہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعوی یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں، ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ار ہ اور ہ ر ب میں دونوں خط ا ر اور ر ب برابر ہو جائینگے، اور ہ ر دنوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی

فبرابعة الاولٰی یتساوی ا ہ ہ ب ہف فلکن المرکز ء وقلتنا ہ ء نصف القطر فلو کان ہ ر مساویا له تساوت بلاما مونی زا یتار ء فاجتمع فی مثلث قائمتان۔	دو قائمے) پس مقالہ اولیٰ کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ اہ او رہ ب دونوں ساقیں مساوی ہو جائیں گے اور یہ خلاف مفرض ہوگا(کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا، تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ء ہے اور ہ کو ملا کر نصف قطر کر لیجئے۔ اس صورت میں ہر ر ہ ء کے برابر ہو تو (مقالہ اولیٰ کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ ر اور زایہ ء دونوں برابر ہوں گے تو ایک مثلث کے دو زاویے قائمہ ہو گئے(اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر، ہ ء دونوں ساقیں برابر نہیں۔)
وان کان ہ ر اکبر من ہ ء کانت ء الموترة بالاکبر اکبر من ر القائمة الموترة بالاسغر بحکم بح من الاولٰی فاجتمع فی مثلث قائمة ومنفرجة فلاجرم ان ہ ر اصغر من اء۔	ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ء سے بڑا مانا جائے و مقالہ اولیٰ کی اٹھارھویں شکل سے لازم آئے گا کہ زایہ ء جس کے وترہ ر کو ہم نے ہ ء سے بڑا مانا ہے، چھوٹے وتر والے زایویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہو جائے۔ اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہو گئے اور یہ بھی محال ہے اوہ ر کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہو گئیں، تو لامحالہ ہ ر، ہ ء نصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

نمبر ۳ کی توضیح اور ثبوت

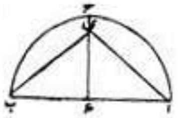

والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساوية الساقين مثل ا ی ب، او مختلفتهما مثل ا ح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل منها علی القطران مر بالمركز مثل ی ء کان جزءً من نصف القطر ح ء وان لم یمر به مثل ح ط۔	زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطرہ سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ا ی ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث ا ح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا، تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا یا تو مثلث ا ی ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا جیسے خط ء ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ء ح کا جزء ہوگا (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا)

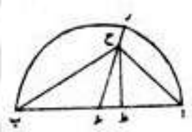

اخرجنا ح الی ء ك کان ح ء الاصغر من ء ك نصف القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم رط من الاولٰی وذٰلك ما اردناه۔ الخامسة: کل خط اقیم علٰی نصف عمود غیر محمد ودواخرج	تو ہم ح کو ء ک کی طرف لے چلیں گے (اور ء ک نصف قطر ہے) تو ء ح، ء ک سے چھوٹا ہوگا کیونکہ ء ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہیے جو ازاویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اُولیٰ کی شکل ۱۸ کی رو سے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ مقدمہ خامسہ: ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے، اور پھر اس خط کے

من طرفيه خطان يحدثان معه زاويتين مجموعهما اصغر من قائمتين فان تساوت الزاويان فملتقى لا خطين على نفس العمود والافخارجةً وعلى كل تحتمل زاوية ملتقاهما ان تكون قائمة اوحادة اومنفرجة۔	دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔اوراس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو خطین کا ملتقٰی عمود پر ہوگا۔اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقٰی عمود سے باہر ہوگا۔اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے کہ ان دونوں خطوں کے ملتقٰی کا زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح وثبوت)

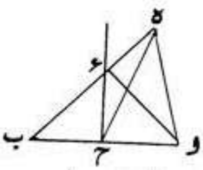

فليكن ا ب خطًا نصف علٰى ح و اقيم عليه عمود ح ء غير محدودفاخرج من جنبيه خطا اء۔ب ء محدثين زايتى ا ب مساويتين فانهما يلتقيان على نقطة ء من العمود والا قيلتقيا خارجه مثلاً على ه وصلناه ح ففى مثلثى اح ه ب حه نصف اا ح ب ح متساويان بالفرض وكذا ا ه ب ه لخامسة الاولٰى لتساوى زاويتى ا ب	مان لیجئے کہ اب ایسا خط ہے جس کا نصف نقطہ ح ہے اوراس پر ایک غیر محدود عمود ح ء قائم کیا گیا، پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط اء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں، تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔مثلاً مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں ہم نے ہ ح کو ملادیا تو یاہں دو مثلث اح ہ اور ب ح ہ پیدا ہوئے جس میں خط مفروض کے دونوں نصف اح اور ب ح بالفرض برابر ہیں،اور چونکہ زاویہ اور

بالفرض وہ ح مشترك فبثامنة الاولٰی تتساوی زاویتا ا ح ہ،ۃ ح ب بفحکم بح منھا کانتا قائمتین وقد کانت اح ء قائمة فتساوی الکل والجزء ہف۔	زاویہ ب برابر فرض کیا گیا ہے اس لئے مقالہ اولیٰ کی شکل خامس سے جس طرح اح اور ب ح برابر ہیں اسی طرح اہ اور ب ہ بھی برابر ہونگے، اورہ ح دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تولامحالہ مقالہ اولیٰ کی شکل ثامن کی وجہ سے زاویہ اح ہ اور زاویہ ہ ح ب برابر ہونگے اور مقالہ اولے کی شکل ۱۸ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہوں گے یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ اح ء قائمہ ہے اور اح ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا خبر ہے) اوراس صورت میں جزو کل مساوی ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔
ولیخرج عن جنبیه ا ہ ب ہ عن زایتین مختلفین فملتقٰی ھما خارج العمود علٰی ہ والافیلتقیاعلٰی ء من العمودففی مثلثی ا ح ء،ء ح ب نصف ا ح،ح ب متساویان و ء ح متشرك و زایتاح قائمتان فبالرابع تتساوی زاویتا ا ب و قد فرضنا مختفین ہف فالحکم ثابت وذٰلك ما اردناہ۔	**دوسری صورت** کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط اہ اور ب ہ کھینچتے ہیں خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں، تو ہمارا دعوی یہ ہے ملتقی عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں خط بھی عمود کے نقطہ ء پر ملے ہیں اور یہاں مثلث اح ء اور مثلث ء ح ب میں خط کے دونوں نصف اح اور ح ب برابر ہیں۔ اور ء ح دونوں مثلثوں میں مشترک اورزاویہ ح دونوں مثلث میں قائمہ، اس لئے بشکل رابع زاویہ اب برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا، اور یہ خلاف مفروض دعوی کہ نا ماننے سے لازم آیا، تو دعوی ثابت ہوا۔

اما احتمال الزوایا الثلث فی الملتقٰی علٰی کل تقدیر فظاھر لان الزایتین الحادتین منھما فحادۃ سواء کانت الزاویتان علی الخط الاول متساویتین او مختلفتین کل ذٰلك بلب من الاولٰی۔	**تیسری صورت** کہ دونوں قسم کے ملتقٰی پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔اس کی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقٰی زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے و ملتقٰی کا زاویہ منفرجہ ہوگا،اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے تو ملتقٰی کا زاویہ حادہ ہوگا خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔یہ ساری باتیں مقالہ اولٰی کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔
اذا عرفت ھذا واعلمناك فی النفحۃ الاولی العودیۃ ان معنی بین یدیہ الترکیبی الفضاء المحقق المحصور بالجارحتین عند بسطھما اوالموھوم عند ارسالھما اعنی الخط النافذ علی الاستقامۃ من وسط احد کتفیك الی وسط الکتف الاخر ولایمکن ارادتہ ھنا وفی عامۃ استعمالات ھذا اللفظ بل ارید فیھا بالیدین الجھتان الواقعتان علی سمتھما ای تخرج من طرفی کتفیہ خطین	مذکورہ بلا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شامہ کے نفحہ اولی میں کرآئے ہیں کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے "دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے۔اور ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے "اور"جب ہاتھ لٹکائیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعے

عمودین علیٰ ذالك الخط الواصل بین کتفیه فھٰذان الخطان هما الجهتان المسامتان لیمین من اضیف الیه الیدان وشماله کما قدمنا ثمه عن الکشاف و المدارك وغیرهما فکل ماوقع بین ھٰذین الخطین بشرط القرب اللائق بالشیئ المتفاوت تفاوتاشد یدا بحسب المقام فهو بین یدیه۔	" سمجھا جاسکتا ہے جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یالغوی مراد ہوتے ہیں جس میں دونوں لفظ کے علیحدہ علیحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی کو یوں سمجھئے دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا، اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط کو سامنے فرض کیا جائے جو اسی فاصلے پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔) اس مضمون پر مدارک اور کشاف کی شہادت بھی پیش کرچکے ہیں قہستانی کی مندرجہ بالاعبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہوگیا۔ "دوسری اذان بین یدیہ ہوگی یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔"
کما افدناك تحقیقه بمالا مزید علی الی هنا اتم معنی کلام القهستانی الیٰ قوله قریبا منه۔	یہاں قہستانی کے لفظ قریبًامنہ کے یہ معنٰی نہیں کہ مؤذن امام یامنبر کے متصل ہو بلکہ

ثم اذا نصفت الخط الواصل بین الکتفین ونسمیه الخط الکتفی واقمت وعلیه عمودًا ثالثًا وایاہ نسمی العمودکان هو ومایقع علیه وسط الجهتین المذکورتین بینهما بلاتحریك وماکان بینهما منحازا عن العمود فهو وسطهما بالسکون ووسطهما بالسکون فیشمل ماأذان اذن فی زاویة قائمة اوحادة منفرجة حادثة من خطین خارجین من هاتین الجهتین[1]۔

فالأن یرید الشیخ یفید ان لیس شرط کون الشیئ بین یدیك وقوعه علی العمود بل یکفی کونه بین خطی الجهة اینما کان فلاذا قال ووسطهما بالسکون وهو عطف علی قریبًا

ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقًا اذان منع ہے تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کی حدود کے اندر ہوگا۔ گزشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔

اب ہم اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کریں، تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا جس کو اہل لغت وسط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں متوازی خطوں کے درمیان جو کشادگی ہوگی اس کو وسط بالسکون کہا جاتا ہے۔ علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے: "اذان ثانی دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب مؤذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔ یہ سب زاویے ان دونوں خطوں کے نکتہ ایصال پر پیدا ہونگے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مؤذن کا عمود یعنی خط وسط پر کھڑا ہونا ضروری ہے بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود وسط سے ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی

[1] جامع الرموز للقهستانی کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعة مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲۶۸/۱

منه لانه قریب منه او علی بین الجهتین تفسیرًا له ثم فرع علیه جواز قیام المؤذن فی زاویة قائمة او حادة اومنفرجة وبیانه انه لایمکن جعل الخط الکتفی وتر زاویة قائمة اومنفرجة یقوم فیها ای بین ساقیها المؤذن لان مابین کتفی الانسان نحو زراع فان جعل وتر زویة غیر حادة کان مابینها وبین الکتفی شبرًا او اقل بحکم القاعدة الرابعة وقدم الانسان اکثر من شبر ولذا تعبر اهل الهیئة و المساحة ثلثی ذراع بالقدم حیث یقولون ان بارتفاع الناظر عن وجه الارض کذا قدما ینحط الافق کذا دقیقة کماذکرنا ضابطته وتفاریعها	کافی ہے، جیسا کہ شیخ قہستانی کے قول وسطھا بالسکون سے ظاہر ہے۔اب جی چاہے وسطھا کا عطف قریبًامنہ پر مانو کہ لفظ وسطھا اورقریبًا منہ پاس پاس ہی ہیں یابین الجھتین پر عطف تفسیری مانو، ہر طرح معنی درست ہے۔اسی عمود وسط کے آزاد بازواور خطین متوازیین کے درمیان کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے ہیں کہ مؤذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر، ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی الخطیب کہا جائے گا۔سوال یہ ہے کہ یہ زاویے جن کی ساقوں کے درمیان مؤذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو ان مثلثوں کا وترمانا جائے اوراس کے دونوں کناروں سے نکل کر جو دو۲ خط عمودوسط پر ملتے ہیں انہیں کہ نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جوزاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں وہی مؤذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لمبا ہوگا۔اوراس کا نصف ایک بالشت ہوگا، توزاویہ اوروتر کے درمیان ایک بالشت یااس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔جیسا کہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں،اور آدمی کے قدم کی لمبائی ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ اہل مساحت

النفیسة المحتاجة الیھا فی علم الاوقات فی تحریرا تنا التوفیق فلذا لم یخرج الخطین المحدثین زاویة مقام المؤذن بالتفائھما ونسیبھا خطی المقام عن یمین الامام وشمالہ بل عن موضع مامن امتداد خطی الھاتین وذلك قولہ خارجین من ھاتین الجھتین[1]۔	اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دو ثلث ہوتا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو، یا وہ کہتے ہیں کہ خط افق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔ان مسائل کے ضابطے اور تفریعیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کرچکے ہیں۔توجب مؤذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے اور وتر زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے، تو وہاں مؤذن کیسے کھڑا ہوگا، اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں کل سکتا جس پر مؤذن کھڑا ہوا (جسکا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کے زاویوں کے اندر مؤذن کھڑا ہو۔اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔"
وھما کما تری غیر محدودتین وانما یاتی التحدید من قبل قضیة المحل وھی ھنا کما یبنا بدلائل قاھرة ونصوص باھرة	دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ان کی تحدید تو محل ومقام کے تقاضے کے موافق ہوگی، جسے ہم دلائل قاہرہ ونصوص باہرہ سے ثابت کر آئے ہیں کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے

[1] جامع الرموز للقھستانی کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۷

کونه خارج المسدج فی حدوده وفنائه فتعین ھو وتر الزاویة المقام بحکم فقهاء الکرام وسنة الشارع سید الانام علیه وأله افضل الصلٰوة والسلام فکان الشکل ھذا:	حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام مؤذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی، اس کا شکل اس طرح ہوگی:

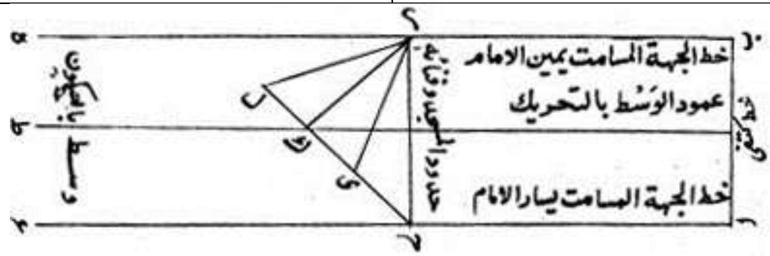

اب الخط الکتفی اء، ب ہ خطا الجهتین المسامتین ح ط العمود حر حد المسدج وفناؤه۔ اخرج مر ح ر خطا المقام ح ك رك فالتقیا علی العمود واحدثا قائمة ك اوخطاح ی ر ی فاھدثا ی المنفرجة او خطاح ل ر ل فاحدثا حادة ل ففی ایھا اذن المؤذن کان بین یدیه والقیام فی ك غیر متعین علیه۔	مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے اور اء، ب ہ دو خطوط جہت ہیں اور باہم متوازی ہیں اور ج ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے۔ ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے۔ مقام ح ر سے دو خط مقام مؤذن کے ح ک اور ر ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی ر ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل ر ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر مؤذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دے گا بین یدی الخطیب ہوگا۔

فان قلت ھذا کمایشمل الزوایا یشمل ما اذا کان ظھر المؤذن الی وجه الامام۔	**اگر یہ اعتراض** کیا جائے کہ یہ جس طرح زوایا ثلٰث کو شامل ہے اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن کی پشیت امام کی طرف ہو۔
قلنا نعم ھو داخل فی مفھوم بین یدیه ولکن لیس کل ما یشمله مفھوم اللفظ یکون مرادًا فان الاطلاق غیر العموم وقد دلت القرائن ھٰھنا ان المراد المواجھة بین الامام والموذن لان الامام علی المنبر مستدبر القبلة والمؤذن بین یدیه وقد امر ان یستقبل القبلة فی الاذان فتعین ان یکون وجھه الی وجه الامام کما ان مفھوم بین یدیه یشمل المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لکن دلت الدلائل ان داخل المسجد غیر مقصود ولا البعید بحیث الا یعد اذانه اذانًا لھذا المسجد فتعین کونه فی حدود المسجد وفنائه مرادًا والاعتراض علیه بشمول مفھوم اللفظ جھل بعید کشموله لمستدیر القبلة۔	جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں، کیونکہ اطلاق عموم کے مغایر ہے،اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور مؤذن میں سامنا ہے، اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوتا ہے، اور مؤذن کو اسکے سامنے ہو کر اذان میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔تو متعین ہوگیا کہ مؤذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد سبھی داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہوگیا کہ داخل مسجد مراد نہیں،نہ مسجد سے اتنا دور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جاسکے تو متعین ہوگیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجد اور صحن مسجد ہے۔تو جیسے اس پر مفہوم یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے،اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اذان کرے۔
فان قلت قرینة امر	یہاں یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ موذن کے

المؤذن باستقبال القبلة لاتنفی ماذاکان ظهر المؤذن لظهر الامام بان قام المؤذن بین الامام والقبلة متوجهًا لکعبة وربما یترکون متسعا کبیرًا بین المنبر والقبلة کما هو مشاهد فی مکة المکرمة وذٰلك لان الجهتین المسامتین تمتدان خلف الیدین ایضا کما تمتدان امامهما۔

روبقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس صورت کو نفی تو نہیں کرتا کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو،اور موذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایس اہی ہے ہ دو طرف متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہو سکتی تھی۔

قلنا نعم هذا مشکل الاان یقل باخراجه بقرینه قول الماتن واستقبلوه فان المؤذن داخل فی عموم هذا الجمع وفیه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعین وهذا بیان حال الخطبة والاذان قبلها و لذا مرضه بقوله الا اذا قیل[1] الخ۔هذا شرح کلامه حسب مرامه۔**اقول**:وفیه **اولًا** لا تفریع شمول الزوایا الثلث علیتسکین الوسط بل لو کان بتحریکه لشملها ایضًا کما علمت فی الخامسة۔

یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ متن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے،اور اس سب میں موذن بھی داخل ہے،اس لئے کہ اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے،مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کرنے کا حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔قہستانی نے اسی لئے اس سوالکا جواب لفظ قیل سے دیا ہے جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انہیں کے حسب منشا ہوئی مگر اس پر **پہلا شبہ** یہ ہے کہ زوایا ثلٰث کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کی صورت میں بھی متحقق ہوں گے۔یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہوچکی ہے

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۹

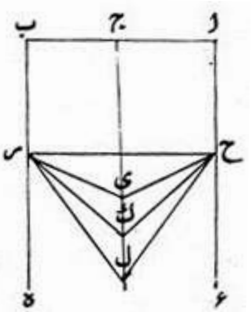

الا تری عند تساوی زاویتی ح ر تقع الکل علی العمود لما تقدم فی الخامسة مع ان ی منفرجة وك قاءمة ول ل حادة الاان یقال لیس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوایا الثلث کما تحدث علی العمود کذا خارجة فانما یشملها بالسکون۔	مندرجہ ذیل صورت میں جب ح ر کے زاویے برابر ہوں گے تینوں زاویے عمود پر ہی واقع ہونگے۔اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہوچکی ہے۔زاویہ ی منفرجہ ہے اور ک قائمہ ہے اور ل حادہ ہے مگر اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے۔افراد کا شمول بتانا ہے (یہ بتانا نہیں کہ تینوں زوایے کس صورت میں متحقق ہوسکتے ہیں اور کس میں نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاویے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہوں گے۔
وثانیًا:الذی استشکله لیس بوارد اصلاً فانك ان اردت المعنی الترکیب فالکل خارج وان اردت الاجمالی فهو للامام والقدام کما	**دوسرا شبہ** یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو مشکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ "بین یدیہ" کے معنی تفصیلی واجمالی کے بیان میں ہم یہ بتاچکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔تو

نصوا علیه وقدمناه ولا یقل سمت وجهك الا لجهة وجهك وان امکن مد الخط خلفًا وقدامًا ووجه یدیك الی جهة وجهك فلا یسامتهام الا الخط الممتد الی ھٰذه الجهة فالصواب اسقاط ھذا الاشکال، و الاصواب ان یقول ووسطهما بالسکون فشمل ما اذا کانت جهة المؤذن علی سمت جهة الخطیب اومنحرفة عنهما الی احدی کیفیه ما لم یخرج عن الخطین کما ان مستقبل القبلة مستقبل لها مالم یخرج عن الربع الذی الکعبة فی وسطه کما حققناه بتوفیق الله تعالٰی فی رسالتنا "ھدایة المتعال فی حد الاستقبال "ھذا مایتعلق بکلامه شرحًا وجرحًا۔

معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی! اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت وجہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ تو خطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کردیا جائے، اور وسطھما کے بجائے اوسطھام کہا جائے تاکہ عمود پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے اس پورے ربع کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمد اللہ ہماری کتاب "ھدایة امتعال فی حد الاستقبال "میں ہے۔ یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور ان پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔

اما ھٰؤلاء فتعرض لھٰذه العبارة منهم وھابیان ضالان واُخران جاھلان وخامسًا من الطلبة۔

اب ہم آذانیان ہند کی تگ ودو کی طرف رخ کرتے ہیں۔ علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں جن میں دو وہابی، دو جاہل،

اما احد الضالین واضلھما فجعله دلیلاعلی انه لاحاجة ای المحاذاة عینابین الخطیب المؤذن وجعله ردًا علی کلام اھل الحق من ھذہ الجهة وھٰذا جھل منه شدیدفان المحاذاة سنة لاشك،وان اراد بھا مسامتة جهتی الموذن والامام فلا محاذاة مقصرة علیه ولا کلام اھل الحق یومی الیه لکن الجهلة لا یفھمون۔والباقون استدلوابھا علٰی ان ھذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فان الضال الاٰخر فاقتصر علی الاستدلال بقوله قریبًامنه۔قد علمت ردہ مرارًاوفسرقوله الھتین لمسامتین الخ،بما بین جهتی الامام اما بیمینہٖ اویسارہٖ۔اترٰی مثل ھٰؤلاء الجھلاء اھلا لمخاطبة۔وامان الذی یعد من الطلبة فزادفی الطنبور نغمة وفی الشطرنج	ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کی اہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ مؤذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے،اور علمائے اہلسنت کے اس دعوی کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے اور یہ اسکا جہل شدید ہے۔"مؤذن اور خطیب کا سامنا بلا شبہ سنت ہے۔"ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے،تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ہم "سامنے"کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں۔اور باقیوں نے اس عبات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اذان ثانی مسجد کے اندر منبر سے متصل ہوگی۔دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریبًا منه سے استدلال کیا ہے(کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے "منبر کے قریب ہونے "کی تصریح کی ہے)لیکن اس سے کیا حاصل۔"قریب"کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔اوراسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین ویسار کی دوجہتوں کے درمیان۔بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں۔اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تواور گل کھلایا

بغلة فزعم ان القهستانی ذکر قوله ای قریبًامنه بعد قوله عند المنبر وهذا افتراء منه علیه فلیس هنا فی کلام القهستانی لفظة "عندالمنبر" اصلًا ولا لفظة "ای" ولو کان لم یکن فیه مایقر عینه فلا القرب ینکر ولا فی جوف المسجد یحصر کما تبین مرارًا واما الجاهلان فقتحما خوض بحر اغرقهما فقال احدهما ان وتر المثلث عرض المنبر وقد علمت رده ان المراد بالمنبر الامام اومابین کتفیه یستحیل ان یراد وترا وقال الاٰخر فی تفسیر کلام القهستانی یخرج خطان عن یمین الامام ویساره حتی یلتقیا علٰی زاویة قائمة اوحادة اومنفجرة فیقوم المؤذن فی ھٰذہ الزاویة ویؤذن قال وکان عرض منبررسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑادیا۔آپ فرماتے ہیں کہ قہستانی نے لفظ قریبًا منه کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا، حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔تو یہ طالب علم قہستانی پر افتراء کر رہے ہیں، وہ افتراء بھی بے مزہ، کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے، ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنٰی لفظ ہے،اس لئے قریب ہونے کیلئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ بار بار واضح ہوچکا اوران دو جاہل صاحبان نے (ریاضی کے) سمندر میں غوطہ لگایا جو خود انہیں کو لے ڈوبا۔ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑائی ہے، جبکہ ہم یہ طے کرآئے ہیں علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اوراس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔اور یہ بھی ظاہر کرآئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محل ہے۔اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے،اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دے گا،اس نے کہا چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑائی دو ہاتھ کی تھی،اورآدمی کا قدم

ذراعین وقدم الانسان شبرو ربع شبرٍ فان اخذ المثلث متساوی الاضلاع تحدث زاویۃ حادۃ وکون الفصل ذراعین الا قلیلاً وفی القائمۃ اقل منه وفی المنفرجۃ اقل من الاقل والحادۃ وان امکن اخرجها خارج باب المسجد لکن یسقط هذا الاحتمال قید ان یوذن المؤذن قائما فی زاویۃ لان الباب ان بعدار بعین ذراعًا والوترکما تقدم ذراعان فالزاویۃ الحادثۃ خارج الباب تکون ضیقۃ جدا لاتسع عودا دقیقا فضلا عن الانسان مع انا مقصود القهستانی ان تمکن الزوایا الثلاث ثمه ولا امکان هناك لغیر الحادۃ اھ۔	سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے توزاویہ حادہ پیدا ہوگا اور فاصلہ دو ہاتھ سے ذرا کم ہوگا، اور قائمہ میں اسے کم، اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔اور زاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیا جاسکتا ہے لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کردیتی ہے کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہو کر اذان دے کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔اور مثلث کا وتر وہی دو ہاتھ کا ہو تو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جو زاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بیحد تنگ ہوگا، وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی چہ جائیکہ انسان کی، حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاویے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کا امکان ہی نہیں۔
هذیانه المتعلق بالمبحث الهندسی وقد علمت انه جهل منه وسوء فهم۔	میری گزارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوء فہمی کی پیداوار ہے۔
فاولاً: لم یخرج القهستانی خطی المقام عن کتفی الامام بل عن خطی الجهتین کما مرّ۔	**اولاً**: قہستانی نے مقام مؤذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کی بلکہ وہ تو جہتین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں مونڈھوں سے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کر آئے۔

وثانیًا: لو اخرج من کتفیه استحال قیام المؤذن فی قائمة او منفرجة کما علمت۔ **وثالثًا:** جری علٰی لسانه بعض الحق من حیث لا یدری ان الملحظ ھٰھنا یمین الامام، ثم عاد الی الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانه۔ **ورابعًا:** تخصیصه الحادة بالمثلث المتساوی الاضلاع من ضیق العطن ولم یقدر علٰی تعیین قدر العمود فقال ذراعین الاقلیلًا والعلم ان نسبة الی ذرعین کنسبت ناحه نرماالط بد الی المرفوع ولو علم لقال فی القائمة ذرعاع او اقل ثم لایجب ان یکون الفصل فی المنفرجة اقل منه فی القائمة بل ربما یکون اکثر بکثیر مثلًا:	**ثانیًا:** اور اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے تو ان یدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں موذن کا قیام نا ممکن ہے، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے۔ **ثالثًا:** اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یاہیں امام کے دائیں بائیں پلٹا تو اس نے منبر کی چوڑائی کو مطمح نظر بنایا حالانکہ اوسکا بطلان بھی ظاہر ہوچکا ہے۔ **رابعًا:** زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرنا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کرسکا۔ اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذرا کم، حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف، مرفوع کی طرف ناحہ نرماالط بد کی نسبت کی طرح ہے۔ اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو، حالانکہ بسا اوقات منفرجہ کا فاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

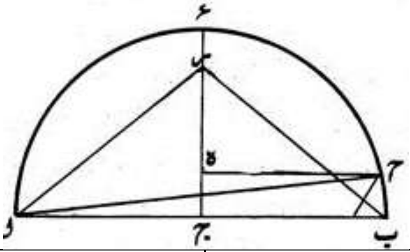

ادرنا علٰی ا ب القوس واقمنا علی نصفه ح عمود ح ء واخذنا ثمن ح ء فی الطرفین ح ہ ء ر ووصلنا ا ر ب ر فکانت ا ر ب منفرجة عمودھا ح ر ورسمنا من ہ، ہ ح موازی ح ب وصلنا ا ح ب ح فکانت ا ح ب قائمة نزلنا منھا عمود ح ط فکان مساویا لح ہ بحکم لد من اولی الاصول وھو سبع ح ر بالفرض فکانت فصل المنفرجة سبعة امثال فصل القائمة ویمکن ان یکون الف ضعف والف الف ضعف کمالایخفٰی۔	خط اب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اور اب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ء قائم کیا، اور ہم نے عمود کی دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ء ر ممتاز کیا، اور ل ر ب ر کو ہم نے خطوط سے ملادیا، تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا (کہ زاویہ کا راس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ح ر ہے، پھر ح ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا اور ہم نے ا ح ب ح کو بذریعہ خطوط ملادیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے، کیونکہ اس زاویہ کے راس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں تو یہ عمود مقالہ اولیٰ کی ۳۴ویں شکل کی روسے ح ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ح ر کا ۱/۷ فرض کرآئے ہیں، تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلہ سے سات گنا بڑھ گیا ہے اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا مطلقاً صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینون زاویوں کا حال یکساں ہے پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا: من جهله الاشد حسبانه ان الزاوية القائمة او المنفرجة عند ملتقى خطيها تسع انسانا بخلاف الحادة الذى ذكر ولم يدران التقاء الخطين علٰى نقطة لاتتجزٰی ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشير معشارها مالم يبلغ الجوهر الفرد۔

وسادسًا: رسم له قائمة ساقاها قدر شعيرة اونصفها مثل هذا امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

وقل له قم فی زاوية ا ب ج هذه بحيث تسعك ولايبقٰى شيئ منك خارجها فان قال لااستطيع فقد كذب نفسه لانه كانت تسعه حادة المثلث المتساوی الاضلاع عند المنبر، وهذه اكبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم كلها متساوية فكيف لاتسعك اكبرت او تخلخلت ام تكاثفت القائمة وضاقت حتى صارت اصغر من اصغر منها وحينئذ يصير جهله

خامسًا: اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو انسان کی گنجائش ہو سکتی ہے، مگر زاویہ حادۃ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی، اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو۲ خطوں کا نقطہ اتصال تو جزء لایتجزیٰ ہوتا ہے جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تاآنکہ وہ جوہر فرد نہ ہو جائے۔

سادسًا: اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انہیں سمجھانے کے لئے ایک مثلث بنایا جائے جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں اس طرح

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہو کر دکھایئے کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے تو انہوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی کہ زاویہ قائمہ میں انسان سماسکتا ہے کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث تساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سماسکتا ہے اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاویے قائمے برابر ہوتے ہیں، تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑ گیا، پس یا تو آپ ہی بھاری بھر کم ہوگئے یا آپ میں تخلخل ہوگیا، یا قائمہ ہی تنگ و

بمرأی عینیه فیعترف به اضطرار التجربة علٰی نفسه ومشاهدته جهارًا ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔	متکاثف ہوگیا یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹے سے بھی چھوٹا ہوگیا تب انہیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئیگی، اور خود بذاتہ علٰی رؤس الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔
وسابعًا: وزعمه ان لامکان هناك لغیر الحادة شهادة منه بجهله الشدید مبنی علی زعمه الطرید۔ ان الوتر عرض المنبر وقدعلمت مازهر الحق به فظهر و الحمدلله العلی الاکبرولیکن هذا اٰخر الکلام وقد اتینا بحمدالله تعالٰی علی جمیع ما ابد وامن الاوهام ولم نترك الاما یستنکف الهذیان ان شه به، وقد تکلف بالرد علی قضها وقضیضها رسائل اولادی و اصحابی فی هٰذه المسألة مثل "اذان من الله" و"وقایة اهل السنة" و"سلامة الله لاهل السنة" و"نفی العار" و "سیف القهار" و"تعبیرخواب" و"حق نما فیصله" و "اللطمات والاسواط" الٰی غیر ذٰلك ممّاتافت عشرًا ولم تبق لاحدعزرًا والحمدلله فی الاولٰی والاخرٰی فالمرجو من سادتنا واخوتنا العلماء الکرام ادام الله بهم نفع الاسلام ان ینظروا بعین الانصاف ویسمحوا برفع الخلاف ویظهروا الحق	**سابعًا:** اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا، اور بڑی جہالت ہے جس کا مبنٰی منبر کو وتر مثلث قرار دینا ہے، ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ تینوں زاویے خارج الباب کیسے پیدا ہوسکتے ہیں، اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حاوی ہے۔ ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔ ویسے ان کی ہر چھوٹی بڑی کتھا کا رد میری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللہ، وقایہ اہلسنت، سلامۃ اللہ لاہل السنۃ، نفی العار، سیف القہار، تعبیر خواب، حق نماز فیصلہ واللطمات والاسواط وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے، اللہ تعالٰی کے لئے ابتداء اور اسی کیلئے انتہاء میں حمد ہے۔ ہمارے سرداروں اور ان علمائے کرام سے (جن سے اللہ تعالٰی نے ہمیشہ نفع پہنچایا) امید ہے کہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں اور رفع خلاف میں کوشش کریں اور حق تعالٰی کیلئے حق کا اظہار کریں۔ بزرگ و برتر رب العالمین کے لئے حمد ہے، اور افضل درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین خاتم النبیین اور ان کے آل واصحاب عظام پر ہو

لاجل الحق تعالٰی الحق وجل الحق۔والحمدللہ رب العالمین وافضل الصلوات واکمل السلام علی سید المرسلین خاتم النبیین وٰالہ الکریم وصحبہ العظام وابنہ الکرام وحزبہ اجمعین عددکل ذرۃ ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الی ابدالاٰبدین استراح القلم واستنار الحق ان شاء الکریم الاکرم لعشر خلون من شوال المکرم ۱۳۳۳ھ من الھجرۃ القدسیۃ علی صاحبہا الکریم وٰالہ الکرام اکرم الصلٰوۃ والتحیۃ اٰمین۔ والحمدللہ رب العالمین سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔ قال بفمہ ورقمہ بقلمہ احد کلاب باب عبدالقادر احمد رضا المحمدی السنی الحنفی البریلوی غفراللہ لہ وحقق لہ املہ واصلح عملہ بجاہ المصطفٰی واھلہ صلی اللہ تعالٰی و بارك وسلم علیہ وعلیھم ابدًا اقدر حسنہ وجمالہ وجودہ ونوالہ وافضالہ اٰمین۔والحمدللہ رب العٰلمین۔	ان کے صاحبزادے اوران کی تمام جماعت پر ہو۔ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن وہر گھڑی ابدالآباد تک۔۱۰ شوال ۱۳۳۳ھ (صاحب ہجرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بزرگ تحیۃ اور سلام ہو) کو قلم نے آرام پایا اور حق روشن ہوا اللہ تعالٰی کیلئے حمد اور پاک پروردگار کے لیے پاکی ہے اس سے جو اسکے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں اور سلام ہے پیغمبروں پر، اوراسی کے لئے حمد ہے جو رب العالمین ہے۔اپنی زبان سے کہا،اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دروازے کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے۔اللہ تعالٰی اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے اوراس کے اہل کو صلاح وفلاح دے حضور نبی اکرم کے عمل مقبول کے طفیل ان پر اوران کے آل واصحاب پر برکت وسلام اتارے،اپنے حسن وجمال اورجودونوال اورانعامات وکرامات کے حساب سے۔آمین!

I.T. Majlis of DawateIslami

اضافات افاضات

اعلم ان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوھاب بما فیه غنیة لاولی الالباب، ثم کتابة فی الاخریات کشفت عن وجھھا النقاب وقد انطوٰی کتابنا، وللّٰه الحمد علی مایقضی علیھا بالتباب غیر ان زیادۃ خیر خیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامة الطلاب فاحببت اضافة افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا باللّٰه علیه توکلت والیه مآب۔	جاننا چاہئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کرچکا تھا جس میں سمجھداروں کے لئے بے نیازی تھی کہ ایک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرہ سے نقاب الٹی، اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں جو اس تحریر کو سوخت کرسکتی ہیں لیکن احباب کے لئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے، اور عام طالب علموں کے لئے تصریح تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے۔ میں نے ایسے افاضات کے اضافہ کو پسند کیا جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، میرا بھروسا اسی پر ہے، اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔
نفحہ۲۲: متقاص فی اللداد والعناد وشیمة الحساد بقی صامتاالٰی ان تمت الردود علٰی	**نفحہ ۲۲:** خصومت وعناد اور خصلت وحساد میں انتہاء کو پہنچا ہوا، رد کے تمام ہونے پر خاموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کرکے

کل مردودفنظر جمیع ذٰلك وحاول ان یستخرج له مضرجا من کل تلك المھالك فوسوس الیه وسواسه ان یفزع الی عرف عوام یخترعه مخالفا للغة و الشرع واصطلاح الاصول جمیعا لیردبه جمیع ما سردنامن نصوص القرآن المجید والحدیث الحمید واقاویل ائمة التفسیروشروح الحدیث وکبراء اللغة وعظماء الاصول فی تحقیق معانی "بین یدیه" و "عند"۔فزعم ان کل ذٰلك بمعزل عما ھو فیه فان کلامنا فی العرف العام وفیه بین یدیه وعندکلامھما للقرب ولیس فیه القرب الاالذلك الوجه لمخصوص الذی یوجب التصاق الاذان بالمنبر۔فتوھم بھٰذا النافذ قدخرج وشردعن کل ماوردفان مافی القراٰن و الحدیث والتفسیروالشروح کل ذٰلك معنی شرعی و ما فی کتب الاصول عرف خاص علمی والکلام فی العرب العام ولم یدران ھٰذہٖ حیلة ھدمت کل مابنی وضربت علی راس نفسھا فقضت علیھا بالفناء۔	اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا، تو اس کے شیطان نے یہ وسولہ ڈالا کہ لغت، شرع، اصطلاح اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔اوراسی ایک حربہ سے قرآن و حدیث واقاویل ائمۂ تفسیر وشروح حدیث اورائمہ لغت و اصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اورند کی تحقیق میں کہا ہے سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام ہے، اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی "قریب" کے ہیں۔اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں، جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عنداور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں، اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کو ساری عمارت ہی ڈھادی اور کاتا کوتا کپاس کردیا۔
فاوّلا استندت بقول الراغب فانما کتابه فی لغة العرب	**اوّلاً**: آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا۔ ان کی کتاب

اوالمحاورات الكريمة القراٰنية وقدعزلتهما معاً وقوله يقال ويستعمل [1] لايخرجه عن لغة العرب الى العرف الجديدوان اخرج عندك فقد قال فى التاج" يقال بين يديك لكل شيئ امامك [2] ـ" وفى الرضى" وان عند يستعمل فى القريب والبعيد [3] ـ" **وثانيًا:** مافزعك الى الكشاف والمدارك اوليسامن التفاسيروانا ذكر اماذكرا شرحا للمحاورة القراٰنية وهى عندك بمعزل عن الاستنادوقولهما"حقيقة قولهم [4] "والضميرفيه للعرب والعرب لاتتكلم الا بلغتها واللغة	تولغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے،اورآپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ لفظ اس معنٰی میں استعمال ہوتاہے۔اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنادے گا۔ اور اگر آپ کو یہی اصرار ہے کہ استعمال کا مطلب جدید ہے، توتاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے، وہ بھی توکہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی "ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو" (تاج) اورعند قریب اور بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتاہے (رضی)۔ **ثانیًا:** آپ نے انکشاف اورمدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں، ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورۂ قرآن کی شرح ہے، اورآپ قران عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پرہاتھ دھرتے ہیں۔ زمخشری یا امام نسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا "حقیقة قولھم" (ان کے قول کی حقیقت) تو "ان" سے مراد عرب ہی ہیں، اور عرب کی

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون لفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۳۵۳

[2] تاج العروس فصل الباء من باب الواؤوالیاء تحت اللفظ "ید" داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/۴۱۹

[3] الرضی فی شرح الکافیۃ الظروف منہالدی ولدن دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۲۳

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/۱ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۶۵، تفسیر الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱ دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/۴۱۹و۳۵۰

لاتثبت الا بکلامھافھما متلازمان وفی الاصل ولا امکان لادعاء النقل الابحجة وبرھان فصل کیف وان النقل خلاف الاصل۔ **وثالثًا:** کذٰلك القراٰن العظیم انما نزل بلسنان عربی مبین قال تعالٰی "اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا"[1] وقال تعالٰی "اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۠"[2]۔فمافیه الا کانوا یتحرونه فیما بینھم غیر ماثبت فیه النقل الشرعی فثبوت معنی فی القرآن ادل دلیل واجله علی محاورة العرب،اللھم الان یثبت النقل الشرعی ودون ثبوته خرط القتادواوادعاؤه جزافًا امر عظیم فی الفساد،قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح والبحرفی البحرو الشامی فی ردالمحتار:"الخطاب	بول چال تو لغت عرب ہے (تو پھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں آگرچہ ہوگا تو معنی منقول،اور چونکہ نقل خالف اصل ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی آپ کو دلیل لانا پڑے گی،وہ کہاں سے لائیں گے؟ **ثالثًا:** یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا،اس پاک کلام میں ہے "ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا" اور "یہ بیشک حق اور تمہارے ہی کلام کی طرح ہے۔" تو قرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔ عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگر کچھ ہو تو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔ تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ ہاس بات کی سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں،اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری ہے۔اور مسئلہ بین یدہ میں اس کا ثبوت محال،اور خالی دعوی لایعنی بڑ ہے۔ حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحر الرائق میں،اور علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا: "قرآن کا

[1] القرآن الکریم ۴۳/۳

[2] القرآن الکریم ۵۱/۲۳

انما باللغة العربية ما لم يثبت نقل كلفظ الصلٰوة ونحوه فيصير منقولًا شرعيًا[1] اھ "وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت دعوی النقل دعوی علی اللہ تعالٰی فلابد لاثباتها من قاطع وليس ھٰهنا امارة ظنية فضلا عن القاطع فلايليق بحال مسلم ان يجترأ علی اللہ بمالم يعلم[2]۔	خطاب لغت عرب میں ہی ہے جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلٰوۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائے گا۔" حضرت مولانا عبدالعلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں: " نقل کا دعوی اللہ تعالٰی پر ایک دعوی ہے تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں چہ جائیکہ قطعی ہو تو مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالٰی پر یہ جرات کرے۔" (توآپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔نہ محاورہ قرآنی ہے نہ حدیث کی بول چال ہے، نہ لغت واصول میں ہے۔یہ تو عرف عوام ہے۔بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)
ورابعًا: كل كلام انما يحمل علی عرف التكلم كما نصوا عليه فی غير ما مقام وسيدنا ساءب بن يزيد رضی اللہ تعالٰی عنهما من اهل اللسان ولايتكلم الاعلٰی عرفهم ولم يكن له اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقد اطلق "بين يديه" علی اذان كان	**رابعًا**: ہر کلام میں متکلم کے محاور اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت ساءب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔انہوں نے "بین یدیہ "کالفظ مسجد کے دروازہ پر اذان کیلئے استعمال کیا،اور اسی معنی پر ہم نے

[1] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۷

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئله فی ان الحقیقة الشرعیه لاتحتاج الی قرینه ۱/۲۲۳

على باب المسجد وكذٰلك بيّنا في "عند" عدة محاورات عامة لاينكرها الا مكابر فادعاء ان العرف العام خاص اللفظ بما يزعمونه جهل بالعرف او فرية عليه۔

وخامسًا: ياللعجب زعم ذاك امدعى في ردكلمات ائمة الاصول المتواتره المتظافرة علٰى ان عند للحضرة بقوله ان كل ذٰلك لغو لايجدى شيئًا انما النظر الى الحقيقة العرفية وكل سمع باسم اصول الفقه يعلم ان مايذكر فيه اصول للفقه وليس مصطلح الفقه مخالفًا لما ذكر من معاني الالفاظ في الاصول وانما البحث هٰهنا عن لفظ "عند" الواقع في كلام الفقهاء فان فرض ان هناك عرفا جديدا للعامة مخالفا لعرف الفقه والاصول لم يكن فيه ما يقر عينك فان كلام الفقهاء انما يحمل علٰى عرف الفقهاء انما دون العوام ولكن التعصب اذا تملك اهلك۔

لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعوی کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے، یا تو جہالت ہے یا افتراء پردازی۔

خامسًا: علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ فن علم فقہ کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے، اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہاء اور علم اصول فقہ کی اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں، جس لفظ کا جو معنٰی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا فقہاء کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔ مسئلہ اذان ثانی میں فقہاء نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے "عند" کے معنی "حضور" قرار دیے۔ توظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنٰی ہوں گے۔ بالفرض اس لفظ کے لئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو اور اس نے کوئی اور معنٰی قرار دیے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہاء کے عرف کی ہے یہاں یہ لفظ انہیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے، کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار۔ دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بیکار ہے لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کسی ڈھٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے کہ یہ سب فضول ہے

سادسًا:ماذا یقول المعاند فی قول العلامۃ خیر الدین الرملی رحمہ اللہ تعالٰی فی فتاواہ "فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انہ لایشتّی عند زوجتہ فی البلد فشتّی فی جامعھا لایقع علیھا الطلاق لان الشرط کون التشتیۃ فی البلد عندھا ولم یوجد وعند للحضرۃ الا ان ینوی ذٰلک واللہ تعالٰی تعالٰی اعلم [1] اھ" بالالتقاط فھٰذہ مسئلۃ الحلف انما مبنی الحلف علی العرف وقدافصح فیہ ان عند للحضرۃ فظھر ان ما ذکر ائمۃ الاصول ھو العرف،وبالجملۃ فالحق ان لا خلف ھٰھنا بین اللغۃ ولسان الشرع والاصول و الفقہ والعرف کل ذٰلک متوارد علی ماذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس ھنانقل ولا اشتراک و لا تجوزبل معنی مطلق منتخب علٰی مصادیقہ یتعین

یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلام فقہاء میں عرف عوام کی کیا ضرورت! سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتاہے۔

سادسًا: آخر یہ معانداس کا کیا جواب دیں گے کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاقیں اگر میں جاڑے میں اس شہر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔اوراس نے اس شہر کی جامع مسجد یں جاڑا گزارا، تو اس عورت پر طلاق نہ پڑے گی کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی،اوروہ نہیں پائی گئی۔اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے بان ھذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی نا عرف پر ہے۔اورامام رملی نے صاف بیان کردیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں۔اورزبان شرع اوراصول وفقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں، جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اورعند کے معنی

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸و۳۹

بعضها فی الکلام بقرائن الکلام کما فصلناه ولله الحمد۔ **وسابعًا:** لئن تنزلنا عن هذا کله فالذی لجاء الیه الحلیة امران الاول بین یدیه وعند للقرب وقد استندله بالراغب وغیره وقدمنا انه غیر مستنکر و لا یفیده ولا یضرنا والاٰخر ان القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وهذا هو الذی فیه مرامه ولم یستندفیه بشیئ سوٰی شقسقة اللسان وقد تقدم من المحاورات مایکذبه فلم یرجع سعیه الٰی طائل۔ **وثامنًا:** تنزلنا عن هذا ایضافرضنا ان ثمه عرفا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلك من العوام فمالك لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لانه الکلام هٰهنا فی عرف الفقهاء الکرام فهل عندك دلیل انهم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامهم	میں بیان کیا ہے، وللہ الحمد۔ **سابعًا:** اگران سب باتوں سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں یہ کہ عند اور بین یدہ کے معنی "قریب" کے ہیں۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں اور اسے ہمار نقصان نہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے کے لئے خاص ہے، اور یہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے، لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی۔ اور ہم نے ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ۔ **ثامنًا:** اگر اس سے بھی قطع نظر کرکے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگا تو ایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہاء کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنٰی

ناطق ببطلان ماتحکم ولنسرد علیك شیئا منه فستهدی الی الحق ان اراد الله والا فیستهدی غیرك ممن هدی الله۔	میں بولتے ہیں۔آپ کے اس دعوی کے بطلان پر بہت سے دلیلیں ہیں ان یں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہو گی۔
فاقول: وبالله التوفیق لاشك ان القرب امر اضافی فاذا ذکر الحاشیتان والتفاصل بینهما فلا یمتری غیر مجنون ان القرب لاینتهی الی حدلا یتجاوزه مالم ینقطع العالم کله فکل بعید من شیئ مهما بعد اقرب الیه بالنسبة الٰی ماهو ابعد منه کالکرسی اقرب الی الارض من العرش مع انه ابعد الاجسام من الفرش بعد العرش بحیث لایقدر بعده الا خالقه عزوجل ثم من علمه لکن ربما کون للشیئ بالنظر الٰی اُخر حالة یطلق علیه بالنسبة الیه لفظ القریب مطلقا بدون لحاظ اضافته الی شیئ ثالث وله وجوه کثیرة مختلفة باختلاف المقام۔منها"قرب التناول"ان	**فاقول:** وبالله التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں) بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے،تو جب دونوں حدوں کاذکر کر دیا جائے تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے،اوراس سے متجاوز نہ ہوگا ورنہ جب تک کل عالم ختم نہ ہو جائے۔ہر اگلی منزل قریب ہو سکتی ہے کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے،تو یہ قریب ہو جائے گی،جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے،اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ اس کا پیدا کرنے والا ہی کر سکتا ہے یا وہ جسے اللہ تعالٰی بتائے۔لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے،اوراس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا۔اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف کثیر قسمیں ہیں۔ان سے ایک قرب تناول ہے۔اس کا مطلب

یکون الشیئ منك بحیث تصل یدك الیه کقوله تعالٰی "فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍۙ(۲۶) فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ٘(۲۷)"[1]۔" ومنها"قرب السمع ان یبلغه صوتك۔ومنها قرب السیر"ان لایلحقك کبیر حرج فی الوصول الی۔فلو خص الفقهاء القرب لقرب التناول صلح کلامك وحصل مرامك لکنهم براء عنه قطعًا اکبر کلماتهم تراهم یطلقون القرب و یعنون به احدالوجوه الثلثة الاخیرة حتی تافت عباراتهم فی تفسیر القرب المطلق عشرًافیما یحضر فی الاٰن ولعل مالم اتذکرنحوها او اکثر۔ وبیان ذالك فی مسائل۔	یہ ہوتا ہے کہ وہ شے ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہنچ سکے۔ جیسے اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے اور ایک گرم بُھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔ "اور ان سے ہے "قرب سمع" جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکے اور ان سے ہے "قرب سیر" یہ کہ وہاں تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔ تو اگر فقہاء نے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتا تو آپ کا کلام درست ہوا اور آپ کا مقصد حاصل ہوتا، لیکن "حضرت اس سے قطعی طور پر بری ہیں انکے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے سی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہاء کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہوں گی) جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے:
المسألة الاولٰی: اطبقوا ان الماء ان کان قریبًا لم یجز التیمم للمسافروان کان بعیدًا اجاز واختلفوا ان ای ماء یسمّٰی قریبًا بالاتفاق علی ان المراد قرب	**مسئلہ ا:** سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہوت ومسافر کر تیمّم جائز نہیں، اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب وبعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو

[1] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۶۔۲۷

السیر والاجماع علٰی ان لیس المرادقرب التناول قال فی العنایة المنصوص علیه کون الماء معدوما وھٰهنا معدوم حقیقة لکن نعلم بیقین ان عدمه مع القدرة علیه بلاحرج لیس بمجوز للتیمم والالجاز لمن سکن بشاطئ البحر وقد عدم الماء من بیته فعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج [1] اھ۔ وفی البنایة لیس له ان یتیمم اذا کانلاماء قریبًا منه [2] اھ وفیها(م) "المیل ھو المختار فی المقدار" (ش) ای مقدار بعدالماء وجه کونه مختارًاان المساقة القریبة جدا مانع من جواز التیمم والبعد یجوز له فقدر البعد بالمیل لالحاق الحرج الی وصول الماء، و عند محمد رحمة اللّٰه تعالٰی علیه شرطه ان یکون بینه وبین المصر میلان وعن ابی یوسف رحمة اللّٰه تعالٰی علیه لوذھب الیه وتوضأتذھب	آسان ہو، مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں: "یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمّم کے لئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے لیکن یہ بھی یقینا معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بآسانی دستیاب ہوجائے۔ تو یہ جواز تیمّم کے لئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمّم کرنے لگے گا۔ اس لئے قرب وبُعد میں حد فاصل حرج کو قرار دیا گیا۔" بنایہ میں ہے کہ پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمّم کی اجازت نہیں۔" اسی میں ہے "مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے" یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمّم کو مانع ہے اور بعد سے تیمّم جائز ہوتا ہے۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی کہ اس سے زائد حد مقرر کرنے میں مکلّف کو پانی تک پہنچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے۔ اور قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی کی تلاش کیلئے

[1] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الطھارة باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۰۸

[2] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الطهارة باب التیمم المکتبة الامدادیة مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

القافلة وتغيب عن بصره ويجوز التيمم وهذا احسن جدًا ،وقيل اذا كان نائيًاعن بصره واختلفوا فى النائى قيل قطع ميل ،وعن محمد قطع ميلين وقيل فرسخ وقيل جواز قصر الصلٰوة ،وقيل عدم سماع الاذان، وقيل عدم سماع اصوات الناس ،وقيل لو نودى من اقصٰى المصرلايسمع ،وفى البدائع ان ذهب اليه لاينقطع عنه جلبة البعير ويحس اصواتهم واصواب وراء فهو قريب ،وقيل ان كان بحيث يسمع اصوات اهل الماء فهو قريب ۔قال قاضى خاں واكثر المشائخ عليه وكذاذكره الكرخى واقرب الاقوال اعتبار الميل، فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافة فلايجوز تقييده بالراى قلت المسافة القريبة غير مانعة بالاجماع والبعيدة غير مانعة	آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہوجائے تو تیمّم جائز ہوگااور یہ بہت عمدہ ہے۔اورایک قول یہ ہے کہ کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔دوری کی تعیین میں پھر اختلاف ہوا،تو کسی نے ایک میل کہا،امام محمد نے دو میل فرمایا۔ایک قول ایک فرسنگ کا ہے۔اور کہا گیاکہ اتنی دور جس کے بعد نماقصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہاکہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے۔ کسی نے کہاکہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے اور کہا گیاکہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔بدائع میں لکھا ہے: "اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شوروغوغا سنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔"ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضیخان نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کااعتبار ہے۔اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مسافت کے اشتراط کے بارے میں مطلق ہے،اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا،تو میں کہوں گاکہ قریب کامانع ہونا اور بعید کانہ مانع ہونا ایک اجماعی مسئلہ

بالاجماع فجعلنا الفاصل بینهما المیل[1] اھ۔ **المسألة الثانیة:** فی التنویر لوکانت البئر اوالحوض او النهر فی ملك رجل فله ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکه اذاکان یجد ماء بقربه[2] (قال العلامة الشامی)قال العلامة المقدسی ولم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیره بالمیل کما فی التیمم[3] اھ، و رأیتنی کتبت علیه اقول فیه تامل فان العطشان ربما یتضرر بذهابه میلًا ولافی طلب الماء کذٰلك المحدث فینبغی احالة الامر علی حالته ولعلهم لذا ارسلوه ولم یقدروه۔ **المسألة الثالثة:** فی شهادات الدر المختار یجب اداؤها بالطلب بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیره منها عدالة	ہے اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا اھ۔ **مسئلہ ۲:** تنویر الابصار میں ہے: "کنواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں، اس سے قریب ہی کیوں اور پانی ہو تو کھانے، پینے، دھونے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتاہے۔" علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گزری تو تیمّم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہئیے۔" میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے کہ پیاسوں میں بسااوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی، اور محدث کا یہ حال نہیں، شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑدیا، تو ہر ضرورت منداپنی ضرورت کے حساب سے قرب وبعد کی مقدار مقرر کرے۔ **مسئلہ ۳:** درمختار کے باب الشہادات میں ہے: "مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے جن کا ذکر بحر الرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے جس میں

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الطهارة باب التیمم المکتبة الامدادیة مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب احیاء الموات فصل الشرب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۷

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات فصل الشرب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۸۳

القاضی وقرب مکانه [1] اھ.قال البحر ثم الشامی فان کان بعیدا بحیث لا یمکنه ام یغدوا الی القاضی لاداء الشھادۃ و یرجع الی اھله فی یومه ذلك قالوا لا یاثم لانه یلحقه الضرر بذلك و قال الله تعالٰی ولا یضار کاتب ولا شھید [2] اھ	ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے۔شامی اور بحر الرائق دونوں میں ہی تصریح ہے کہ "اگر قاضی دور ہو کہ دن بھر میں گواہی دے کر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہنچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا،اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا۔" دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے۔(قرب تناول مراد نہیں ہے۔)
المسألة الرابعة:فی الذخیرۃ ثم العالمگیریة اذا کان المدعی علیه خارج المصرانه علی وجھین الاول ان یکون قریبًا من المصرفیعدیه بمجرد الدعوی وان کان بعیدالایعد یه والفاصل بین القریب والبعیدانه اذاکان بحیث لو ابتکر من اھله امکنه ان یحضر مجلس الحکم ویجیب خصمه ویبیت فی منزله فھٰذا قریب وان کان یحتاج الی ان یبیت	**مسئلہ ۴**:ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے جب مدعا علیہ شہر سے باہر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں،اگر وہ شہر کے قریب ہے تو قاضی مجرد دعوی کی بناپر اس کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم بھیجے گا اور اگر وہ دور ہے تو ایسا نہیں کرے گا،قریب و بعید میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں وہ صبح اپنے گھر والوں سے نکلے تو مجلس قضا میں حاضر ہو کر اپنے خصم کو جواب دے کر واپس اپنے گھر والوں کو آکر رات گزارنا ممکن ہو تو قریب شمار ہوگا اور اگر رات کہیں راستے میں گزارنا پڑے تو بعید شمار ہوگا۔ذخیرہ میں یونہی

[1] الدر المختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشھادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

فی الطریق فھٰذا بعید [1]۔ کذا فی الذخیرۃ ملتقطًا۔ **المسألۃ الخامسۃ**: قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنه فی کتاب الخراج: ثم حمل الاموال (ای الضحاك بن عبدالرحمن الاشعری) علی قدر قربھا وبعدھا فجعل علی کل مائۃ جریب زرع مما قرب دینارًا، وعلی کل الف اصل مما بعد دینارًا (ومثله ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون) وکان غایۃ البعد عندہ مسیرۃ الیوم والیومین واکثر من ذلك وما دون الیوم فھو فی القرب وحملت الشام علی مثل ذلك وحملت الموصل علی مثل ذٰلك [2] (فھٰذہ کلھا قرب السیر) **المسألۃ السادسۃ**: فی مختار الفتاوٰی ثم الھندیۃ ان کان فی کرم أوضیعۃ یکتفی باذان	ہے (التقاط) **مسئلہ ۵**: ہمارے امام ثانی امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الخراج میں فرمایا: پھر اس (ضحاک بن عبدالرحمٰن اشعری) نے اموال کو ان کے قرب وبعد کی مقدار پر محمول کیا، چنانچہ قریبی کھیتی کے ہر سو جریب پر ایک دینار، قریبی باغ کے انگوروں کی ہر ہزار بیلوں پر ایک دینار، اور دوری کی صورت میں ہر دو ہزار بیلوں پر ایک دینار مقرر فرمایا (اور اسی طرح زیتون میں بھی قریب وبعید کے فرق کو ذکر کیا) اور بُعد کی حد ایک یا دو یا زیادہ دنوں کی مسافت ہے، جو اس سے کم تر ہو وہ قریب ہے۔ شام اور موصل بھی اسی پر محمول ہیں۔ **مسئلہ ۶**: مختار الفتاوٰی پھر ہندیہ میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی جائداد یا باغ میں ہے، تو اس کے لئے اپنی بستی یا شہر کی اذان کافی

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵و۳۳۶

[2] کتاب الخراج فصل فی ارض الشام والجزیرۃ دار المعرفۃ بیروت ص ۴۱

القریة اوالبلدة ان کان قریبا والافلا ،وحد القریب ان یبلغ الاذان الیه منها[1]۔	ہے بشرطیکہ قریب ہو ورنہ کافی نہ ہوگی اور قریب ہونے کی حد یہ ہے کہ وہاں سے اذان کی آواز اس تک پہنچ سکتی ہو۔
المسألة السابعة: قال المحقق فی الفتح یحرم فی الخطبة الکلام و ان کان امرًا بمعروف اوتسبیحًا او الاکل والشرب والکتابة (الی ان قال) هذا کله اذا کان قریبًا بحث یسمع فان کان بعیدًا بحیث لایسمع اختلف المتأخرون فیه فمحمد بن مسلمة اختار السکوت ونصیر بن یحیٰی اختار القراءة[2] الخ۔	**مسئلہ ۷:** محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا: خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو، یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو، اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز نہیں سن رہا تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں اور نصیر الدین یحیٰی قراءت پسند کرتے ہیں۔
المسألة الثامنة: فی الهندیة من تکبیرات العیدین عن المحیط عن محمد یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیر ذٰلك اتبع الامام الااذا کبر الامام تکبیرًا لم یکبره احد من الفقهاء[3] اھ (ثم نقل عن البدائع) لکن هذا اذا کان بقرب الامام	**مسئلہ ۸:** عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے کہ "امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔" پھر بدائع سے نقل کیا" یہ اس وقت ہے جب

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب الصلٰوة الباب الثانی فی الاذان نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجمعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۸،۳۷

[3] الفتاوٰی الهندیة کتاب الصلٰوة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

یسمع الکبیرات منه فاما اذاکان یبعد منه یسمع من المکبرین یاتی بجمیع مایسمع وان خرج من اقاویل الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم لجواز ان الغلط من المکبرین فلو ترك شیئا منھا ربما کان المتروك ما اتی به الامام [1]۔	مقتدی امام کے قریب ہو کہ خود اس کے آواز سن رہا ہو، اور اتنی دور ہو کہ خود اس کی نہ سنتا ہو، بلکہ مکبّروں سے سن کر ادا کرتا ہو تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو، کیونکہ غلطی کا امکان مکبّروں کی طرف سے بھی ہے، وکچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔"
المسألة التاسعة: فی جمعة البحرالرائق ذکر فی المضمر اتقال الشیخ الاجل الامام حسام الدین تجب علٰی اھل المواضع القریبة الی البلدالتی ھی توابع العمران الذین یسمعون الاذان علی المنارة باعلی الصوت [2]۔	**مسئلہ ۹:** بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے: "مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں۔"
المسألة العاشرة: فی تنویر الابصار لانقتل من امنه حرًا اوحرة لو فاسقا بشرط سماعھم ذٰلك من المسلین فلاامان لوکان بالبعد منھم [3]۔	**مسئلہ ۱۰:** تنویر الابصار میں ہے: "جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دے دیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں اس کا قتل منع ہے اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انہوں نے خود سنی ہو، تو دور والوں کو امن نہیں ملے گا۔"

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الصلٰوۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

[2] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۱

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۱

المسألة الحادية عشرة :وفی شرح الدررو فی الدر المختار اذا احیٰی مسلم اوذمی ارضًاغیر منتفع بھا و لیست بمملوکة لمسلم ولا ذمی وھی بعیدة من القریة اذا صاح من باقصی العامر (وھو جھوری الصوت، بزازیة)لایسمع بھا صوته ملکھا[1] الخ۔ و فی الکفایة من الذخیرة الفاصل بین القریب والبعید مروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی یقوم رجل جھوری الصورت من اقصی العمرانات علی مکان عال وینادی باعلٰی صوته فای لموضع الذی لایسمع فیه یکون بعیدًا[2]۔

مسئلہ ۱۱: شرح درراور درمختار میں ہے: "کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو، نہ مسلمان کی نہ ذمی کی۔اور یہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے اور پکارنے والا بلند آواز ہو، بزازیہ تو آواز سننے میں نہ آئے، تو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہوگا۔" اور کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے: "قریب وبعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر پوری طاقت سے پکارے اور آواز وہاں نہ پہنچے تو وہ بعید ہے۔"

المسالة الثانية عشرة:وفی الدر المختار لوجد قتیلا فی الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامة و الدیة علی بیت المال ان کان نائیًا ای بعیدا عن المحلات والایکن نائیا بل قریبا منھا فعلی اقرب المحلات الیه[3] (قال الشامی قوله قریبا منھا) الظاھر ان

مسئلہ ۱۲: درمختار میں ہے: "اگر کوئی مقتول شارع عام میں، قید خانہ مں اور مسجد جامع میں پایا گیا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے البتہ اگس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں۔اور اگر قریب ہوں تو جو محلّہ وہاں سے سب سے قریب ہو اس پر تاوان ہے۔" امام شافعی نے فرمایا کہ "ظاہر

[1] الدرالمختار کتاب احیاء الموت مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۵

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب احیاء الموت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/۲

[3] الدرالمختار کتاب الدیات باب القسامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۲

I.T. Majlis of DawateIslami

المعتبر فیہ سماع الصوت[1]۔ **المسألة الثالثة عشرۃ**: فی الھدایۃ وان وجد فی بریۃ لیس بقربھا و مارۃ فھو ھدر وتفسیر القرب ما ذکرنا من استماع الصوت[2]۔ فھٰذہ کلھا قرب السمع۔ **المسألة الرابعة عشرة**: ماقدمنا عـــہ	یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے۔" **مسئلہ ۱۳:** ہدایہ میں ہے: اور اگر ویزرانہ میں مقتول پایا گیا جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔اور "قریب" کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہاں سے آواز سنی جارہی ہو۔" یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔ **مسئلہ ۱۴:** نفحہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر

عـــہ: وفی الھندیۃ من الفتاوی الکبرٰی وھی المسئلة الخامسة عشرۃ جری بینه وبین امرأته تشاجر من قبل اختہ فقال لھا ان سبت اختی بین یدی فانت طالق ثلثا ثم دخل الزوج علیھا وھی تشاجر مع اختہ وتسبھا فسمع الزوج ان سبتھا وھی تراہ طلقت لانھا سبتھا بین یدیہ[3] کذا فی الفتاوی الکبرٰی۔

ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی کبرٰی وارد ہے،اور یہ پندرھواں مسئلہ ہے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان خاوند کی بہن کے بارے میں جھگڑا واقع ہوا تو خاوند نے کہا اگر تو نے میرے سامنے میری بہن کو گالی دی تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ پھر خاوند اپنی بیوی کے ہاں آیا اور انحالیکہ وہ اس کی بہن کے ساتھ جھگڑا کر رہی تھی اوا سے گالیاں دے رہی تھی جنہیں خاوند نے سنا۔ اگر گالی دیتے وقت بیوی خاوند کی طرف دیکھ رہی تھی تو طلاق واقع ہو گئی کیونکہ اس نے خاوند کے سامنے اس کی بہن کو گالی دی۔ فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب القسامة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۰۷

[2] الھدایۃ کتاب الدیات باب القسامة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۳۸

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۳

فی النفحة الثانية العودية عن الجوهرة النيرة هذا اذا كان الحافظ قريبًا منه اى بحيث يراه اما اذا بعد بحيث لايراه فليس بحافظ[1]۔فهذا قرب البصر هذه مصاديق القرب المطلق فى عرف الفقهاء الكرام فان كان الرسم لديكم ان خطيبكم ياكل المؤذن او مؤذنكم يبتلع المنبر فنعم لابدمن قرب التناول والافما المعين له والحامل عليه نسأل الله اراءة الحق والهداية اليه اٰمين۔	کرآئے ہیں کہ جوہرہ نیرہ میں ہے: "یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو وہ حافظ اور نگراں ہی نہیں۔" یہ قرب بصر کی مثال ہے اور فقہاء کرام کے عرف میں یہ سارے مصادیق قرب مطلق کے ہیں، تو اگر آپ کے وہاں یہ رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو یا مؤذن منبر کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول امر وہوگا، ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے حق وہدایت کے طالب ہیں۔
وتاسعًا قداعترف الرجل ان فى العرف لعندفى كل محل حد عليٰحدة للقرب بقرينة القيام فكان عليه ان يثبت بالدليل ان قضية مقام الاذان فى القرب عن الامام الحد الفلانى،لكنه ادعى وقنع بالادعاء اللسانى ولو كفت الدعوى للثبوت لقام بالبرهان كل مبهوت،فمالك تقر ولاتقر وتميل الى الحق ثم تفر۔	**تاسعًا**: یہ شخص اعتراف کرچکا ہے کہ عندہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے لیکن اس نے ایک دعوی کیا اور ثبوت کے لئے اسی دعوی کا کافی سمجھا۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعوی کافی ہوتا تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کرکے انکار کرتے ہیں اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔
وعاشرًا: وقال الله	**عاشرًا**: اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

[1] الجوهرة النيرة كتاب السرقة مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۶۱

عزوجل "وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ۚ"[1] ولکل شیئ قسطاس وقسطاس الکلام لہ کفتان، الشرع والعقل، فمن رزق حظًا منھما لایحملہ الا علی مایوفقھما، اما الجاھل فلابیدہ میزان ولا ھو یعرف الاوزان فاذا امرہ م یفترض علیہ طاعتہ ان قم فصل رکعتین فلاتتأخر لمحۃ، فلعلہ یقول امر نی بالصلٰوۃ بغیر وضوء اذل وذھبت اسکب الماء ثم توضأت ثم الی محل الصلٰوۃ رجعت لفات الفور وقدنبأنی ان لا تأخر لحظۃ۔

ولوحلف زید واللہ لایسکن ھذہ الدار فتاھب من فورہ للخروج وجعل ینقل المتاع ولم یقصر ومکث فی ھذا یومًا مثلًا، یظن الجاھل انہ قد حنث لانہ لم ینقل یومًا لکن العالم یعلم ان قدر الوضوء مستثنٰی فی الاول شرعا وقدر ماتیسر لہ فیہ النقل مستثنی فی الثانی عقلافلاینتفی بھما الفور، فی الخانیۃ ثم الھندیۃ رجل حلف لایسکن ھٰذہ الدار

"درست میزان سے تولو۔" اور میزان ومعیار تو ہر چیز کے لئے ہے۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلڑے ہیں: شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کرے گا۔ اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے نہ وہ اوزان کو جانتا ہے۔ تو جب اس سے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے تو فی الفور نماز پڑھنے کا بغیر وضو کے حکم ہے اگر میں وضو کرنے کے لئے پانی بہاؤں پھر محل نماز کی طرف لوٹوں تو تاخیر ہوجائیگی حالانکہ مجھے ایک لمحہ بھی تاخیر کی اجازت نہیں۔

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور فورًا ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اسی میں ایک دن لگ گیا، تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہوگیا کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا۔ لیکن عالم خوب جانے گا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار شرعًا مستثنٰی ہے، اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہوسکے عقلًا مستثنٰی ہے تو اس دیر سے فورًا میں خلل نہیں پڑے گا۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے: "جس شخص نے

[1] القرآن الکریم ۱۷/۳۵

فخرج بنفسه واشتغل بطلب داراخری لینقل الیها الاهل والمتاع فلم یجد دارًااخری ایامًاویمکنه ان یضع المتع خارج الدار لایکون حانثا،وکذالو خرج واشتغل بطلب دابة لینقل علیها المتاع فلم یجد اوکانت الیمین فی جوف اللیل ولم یمکنه الخروج حتی الصبح اوکانت الا متعة کثیرة فخرج وهو ینقل الامتعة بنفسه ویمکنه ان یستکری الدواب فلم یستکر لایحنث فی جمیع ذٰلك،هذا اذا نقل الا متعة بنفسه کما ینقل الناس فان نقل لا کماینقل الناس یکون حانثا[1] اھ۔ وکذٰلك اذ جلس عالم یفید ویلقی الدرس او المسائل والناس جلوس صفوفاحتی الباب فجاء احد من الطلبة اوسائل المسائل فعاقته هیبة المجلس عن الاقتراب بهم وجعل یستمع من بعد	قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا،تو وہ خود گھر سے باہر ہوگیا،اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگاجو چند دن نہ مل سکا۔اہل وعیال اور اسباب اسی گھر میں رہے۔اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا،تب بھی حانث نہیں ہوگا،یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی جس پر سامان لاد کرلے جائے،یا قسم رات میں کھائی،اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہوسکا۔یوں ہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی اٹھا کر منتقل کرنے لگااس میں تاخیر ہوئی وہ سواری کرسکتا تھامگر سواری نہیں کی۔ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو،معمولاً جیسا اٹھاتے ہیں ویساہی اٹھایا،ورنہ حانث ہوگا۔" ایسے ہی کوئی عالم افادہ وتعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کررہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف درصف بیٹھے ہوئے تھے،کوئی طالب علم یا سائل مسئلہ پوچھنے آیا اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم کے قریب ہونے نہیں دیا،تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا،

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الایمان الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۵

فامرہ العالم ان یقترب اوامر السلطان بعض حواشیہ بالقرب،فالجاھل یقول القرب مطلق و المراد بہ فی العرف اقصی مایکون فیرکب اکتاف الناس ویتخطی رقابھم حتی یصل الی العالم و یجلس فی حجرہ ویطأفراش الملك ویطلع سریرہ الٰی ان یلزق جنبہ بجنبہ فیستحق التعذیر فی الدنیا والتعذیب فی الاٰخرۃ،والعیاذباللہ تعالٰی،والعاقل یعرف ان لیس المراد الا القرب السائغ شرعًاوعرفًا فالسائل لینتھی عندالباب دون مجلس العالم و الحاشیۃ یتقدم الٰی منتھٰی منصبہ والبواب الی الباب، والوزیرالٰی قرب السریرثم یقف ویعلم ان الجاھل المستند بالعرف ھوالذی اخطأ العرف فان لمفھوم بالقرب المطلق ھو القدر القدرالسائغ دون تحدی الحد۔	یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا، تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقاً قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے عالم کی گود میں جا بیٹھے گا،اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا تخت پر چڑھ جائے گااور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے گا اور بادشاہ کی تعزیر اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذاللہ اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جس کی شرعًا اور عرفاً گنجائش ہے،تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا، اور پتا چل جائے گا کہ عرف کے ساتھ دلیل پکڑنے والے جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی،اس لئے کہ مطلقاً قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو،نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔
وبالجملۃ الطباق الشرع والعقل والعرف جمیعًاان الشیئ یذکر مرسلا ولایراد الاعلٰی ماعرف منشروطہ وقیودہ وادابہ ومن یقطع النظر عن کال ذٰلك مقتصرًا علی القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابہ قال الامام الزیلعی فی ذبائح التبیین	خلاصہ کلام یہ کہ لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے اور عقل وشرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط وقیود وآداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے۔اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گا تو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے۔امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں

الشیئ اذاعرف شروطه وذکر مطلقًاینصرف الیها کقول الله تعالٰی اقم الصلٰوۃ ای بشروطها[1] اھ۔ واذاعرفت هذا فلئن فرضنا فرض باطل ان الفقهاء اذا اطلقوا القرب ارادوبه اقصٰی مایکون من القرب لم یکن فیه الا مایسخن عین السفیه فانه لایراد الا اقصٰی قرب سائغ شرعا۔وقد عرف من الشریعة المطهرۃ کراهة الاذان فی المسجد فمنتهی قرب المؤذن علٰی حدود المسجد ثم فی الحد ایضا استماع و اقرب مواضعه من المنبر ماکان علٰی محاذاته لانا اذا خرجنا من المنبر خطوطًا الٰی اسفل المسجد کان الخط الذاهب علی استقامة سمته وتر الحادۃ وسائرهن اوتار القائمة فان قام المؤذن فی احد الطرفین کان بعیدا عن المنبر وان قام بحذائه کان قریبًامنه بحیث لااقرب فوقه فکان هذا معنی قولهم عندالمنبر وهو	"کہ کسی شے کے شرائط معروف ہوں اوراسے مطلق بولا جائے تو انہیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز " کو شرائط کے ساتھ قائم کرو۔" جب صورت حال یہ ہے تو مان لو کہ فقہاء نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہئیے، کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو،اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے،ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدود مسجد تک ہوگی،اوراس حد میں بھی سماعت کی گنجائش ہے کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہواس لئے کہ جب ہم منبر سے مسجد کی نچلی طرف خطوط کھینچیں تو جو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا۔اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہوں گے۔تو مؤذن اگر ادھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تو منبر سے دور ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں، تو فقہاء کے قول قریبًامنہ کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونے کی جو انتہائی

[1] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۴۶۵

اقصٰی مایسوغ لہ من القرب فوضح الحق۔ وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد والٰہ وصحبہ اجمعین افضل صلٰوۃ المسلمین واکمل سلام المسلمین والحمدللہ رب العالمین۔	گنجائش نکل سکتی ہے، وہاں کھڑا ہو، تو حق ظاہر ہوگیا۔ اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے آل وجمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درود وسلام ہو۔آخری دعایہ ہے کہ حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

رسالہ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فضائل ومناقب

مسئلہ ۴: بعض اردو کتابوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا حیض ونفاس سے مبرا منزہ تھیں، یہ سچ ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ حدیث میں آیا ہے:

ان ابنتی فاطمۃ حوراء اٰدمیۃ لم یحض ولم تطمث [1]	بیشک میری صاحبزادی بتول زہرا انسانی شکل میں حوروں کی طرح حیض ونفاس سے پاک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: از بنگلور جامع مسجد سید شاہ مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ [2]" (میرایہ

---

[1] کنز العمال برمز خط عن ابن عباس حدیث ۳۴۲۲۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۱۰۹

[2] بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر تعظیم الاولیاء لہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۸

قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت) فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کی تفصیل قرآن واحادیث سے منصوص نہیں ایسے ماوراء متقدمین ومتاخرین سے ان کو فضیلت ہے۔اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے آخر مکتوبات میں ہے کہ مجدد نائب مناب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہیں اصل منبع فیوض حضرت غوث الثقلین ہیں [1]۔

پس اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث الاعظم ان سب اولیاء سے افضل اور ان کے بعد خواجہ خواجگان بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ وحضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ سب کے سب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نائب ہیں تو یہ عقیدہ بخیال صوفیہ جائز ہے یا جائز نہیں؟

الجواب:

عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد ومدار سنیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردد گمراہی وضلالت، اس قسم کے امور ان مسائل سے نہیں ہوتے، ہاں وہ مسلک جو ہمارے نزدیک محقق ہے اور بشہادت اولیاء وشہادت سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وبمرویات اکابر ائمہ کرام ثابت ہے یہ ہی ہے کہ باستثناء انکے جن کی افضلیت منصوص ہے جیسے جملہ صحابہ کرم وبعض اکابر تابعین عظام کہ "وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡھُمۡ بِاِحۡسَانٍ" [2] (اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے۔ت) ہیں، اور اپنے ان القاب سے ممتاز ہیں ولہٰذا اولیاء وصوفیہ ومشائخ ان الفاظ سے ان کی طرف ذہن نہیں جاتا اگرچہ وہ خود سرداران اولیاء ہیں، وہ کہ ان الفاظ سے مفہوم ہوئے ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں ہوں جیسے سائر اولیائے عشرہ کہ احیائے موتٰی فرماتے تھے، خواہ حضور سے متقدم ہوں جیسے حضرت معروف کرخی وبایزید بسطامی وسید الطائفہ جنید وابوبکر شبلی وابو سعید خراز، اگرچہ وہ خود حضور کے مشائخ ہیں، اور جو حضور کے بعد ہیں جیسے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند وحضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وحضرت سیدنا بہاؤ الملۃ والدین نقشبند اوان اکابر کے خلفاء ومشائخ وغیرہم قدس اللہ اسرارھم وافاض علینا برکتھم وانوارھم (اللہ تعالٰی انکے اسرار کو مقدس بنائے اور ان کی برکات وانوار ہمیں عطا فرمائے۔ت) حضور سرکار غوثیت مدار بلا استثنا ان سب سے اعلٰی واکمل وافضل ہیں، اور حضور کے بعد جتنے اکابر ہوئے اور تا زمانہ سیدنا امام مہدی ہوں گے کسی سلسلہ کے ہوں یا سلسلہ سے جدا افراد ہوں غوث، قطب، امامین، اوتاد اربعہ، مبدلائے سبعہ، ابدال سبعین، نقبا، نجبا، ہر دورہ کے عظماء، کبرا سب حضور

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۲۴۷

[2] القرآن الکریم ۹/۱۰۰

سے مستفیض اور حضور کے فیض سے کامل و مکمل ہیں۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پر تو آں ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک ہی چراغ ہے اس کی روشنی کے سے جہاں کہیں تو دیکھے انجمن بنائے ہوئے ہیں۔ت)

یہ چشتی نقشبندی، سہروردی ہر اک تیری طرف آئل ہے یا غوث[1]

ملائک کے بشر کے جن کے حلقے تیری ضوماہ ہر منزل ہے یا غوث

بخارا و عراق و چشت و اجمیر تیری لو شمع ہر محفل ہے یا غوث[2]

شجر سرو سہی کس کے اُگائے تیرے معرفت پھول سہی کسی کا کھلایا تیرا

تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا

نہیں کس چاند کی منزل میں تیرا جلوۂ نور نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا[3]

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنی سرکار کی بڑائی چاہتا ہے مگر من وتو زید و عمرو کے چاہے کچھ نہیں ہوتا، چاہنا اس کا ہے جس کے ہاتھ میزان فضل ہے، غلبۂ شوق اور چیز ہے اور ثبوت دلائل اور۔ ہم جو کہتے ہیں خود نہیں کہتے بلکہ اکابر کا ارشاد ہے اجلۂ اعاظم کا جس پر اعتماد ہے، ایک تو خود حضور والا کا وہ فرمان واجب الاذعان کہ قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ[4] (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت)

---

[1] حدائق بخشش وصل سوم مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۱۰

[2] حدائق بخشش وصل اول فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۸

[3] حدائق بخشش وصل سوم در حسن معافرت سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱/۷

[4] بھجۃ الاسرار و معدن الانوار ذکر اخبار المشائخ عنہ بذلك مصطفی البابی مصر ص ۴

کہ حضور والا سے متواتر ہوا اور اکابر اولیاء نے بحکم الٰہی اسے قبول کیا اور قدمِ اقدس اپنی گردنوں پر لیا، نیز ارشاد اقدس:

الانس لهم مشائخ والجن لهم مشائخ والملئكة لهم مشائخ وانا شيخ الكل لاتقيسوني باحد ولا تقيسوا علٰی احدًا۔ رواه الامام الاوحد ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی نورالملة والدین ابوالحسن قدس سرہٗ فی بهجة الاسرار قال اخبرنا ابو علی الحسن بن نجم الدین الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف ابو محمد علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر[1] رضی الله تعالٰی عنه فذکرہ۔	آدمیوں کیلئے شیخ ہیں اور جن کیلئے شیخ ہیں اور فرشتوں کیلئے شیخ ہیں اور میں ان سب کا شیخ ہوں، مجھے کسی پر نہ قیاس کرنہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو (اس کو روایت کیا امام یکتا ابوالحسن علی بن یوسف بن حریر لخمی شطنوفی نورالملۃ والدین قدس سرہٗ نے بہجۃ الاسرار میں، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو علی حسن بن نجم الدین حورانی نے، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی شیخ عارف ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی نے، انہوں نے کہا میں نے شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا (آگے وہی حدیث ذکر کی)۔ ت)

حضور کے زمانہ اقدس کے دو ولی جلیل حضرت سید ابوالسعود بن احمد بن ابی بکر حریمی و حضرت سیدی ابو عمر و عثمٰن الصریفینی قدس اللہ سرھما فرماتے ہیں:

والله ما اظهر الله تعالٰی ولا یضهر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه۔ رواه ایضًا فی بهجة الاسرار[2]۔	خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے کوئی ولی ظاہر کیا نہ ظاہر کرے مثل شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے۔ (اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں روایت کیا ہے۔ ت)

سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام فرماتے ہیں:

ما اوصل الله تعالٰی ولیا الٰی مقام الا وکان الشیخ عبد القادر اعلاه	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبد القادر اس سے اعلٰی رہے،

---

[1] بهجة الاسرار و معدن انوار ذکر کلمات اخبر بها عن نفسه محدثا بنعمة رب مصطفی البابی مصر ص ۲۳، ۲۲

[2] بهجة الاسرار و معدن انوار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

ولاوھب اللہ المقرب حالاالاوکان الشیخ عبدالقادر اجلہ وما اتخذ اللہ ولیا کان اویکون الاوھومتأدب معہ الی یوم القیمۃ۔رواہ ایضافی بھجۃ الاسرار[1] عن الشیخ القدرۃ جمال الدین بن ابی محمد بن عبد البصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام مشافۃ بلاوسطۃ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔	اور جس مقرب کو کوئی حال عطا کیا شیخ عبدالقادر اس سے بالا رہے،اللہ کے جتنے اولیا ہوئے اور جتنے ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا ادب کرتے ہیں۔(اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں شیخ مقتدا جمال الدین بن ابو محمد بن عبدالبصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے اس کو سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالمشافہ بلاواسطہ روایت فرمایا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔)

مسئلہ ۶ تا ۱۰: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ان مسائل میں کہ:

(۱) جناب باری عزّاسمہٗ کے کتنے نام ہیں اور شہنشاہ جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کتنے؟

(۲) سورہ فاتحہ وسورہ اخلاص میں صرف خداہی کی تعریف ہے یارسول کی بھی؟

(۳) جو بزرگ عالم حیات میں اپنے معتقدوں کو تعلیم فرماتے ہیں اگر بعد وصال کے خواب میں تعلیم کرے تواس پر یعنی خواب کی باتوں پر شرع کی رو سے چلنا کیسا ہے؟

(۴) سنا ہے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لال کافر کو مارا اور وہ بھاگا اور ہنوز زندہ ہے،آیا اس کی کوئی خبر حدیث سے ہے؟اور کب تک زندہ رہے گا؟پھر ایمان لائے گا یا نہیں؟

(۵) حنانہ لکڑی جو آپ کے فرق میں نالاں تھی قیامت کے دن اس کا کیا حال ہوگا؟

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں،رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ اسما مسمّی سے ناشی ہے،آٹھ سو ۸۰۰ سے زائد

[1] بھجۃ الاسرار ومعدن انوار ذکر الشیخ ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

مواہب وشرح مواہب میں [1] ہیں، اور فقیر نے تقریباً چودہ سو ۱۴۰۰ پائے، اور حصر ناممکن۔

(۲) سورۂ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سرتح مدح ہے الصراط المستقیم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اوران کے اصحاب ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، **انعمت علیھم** چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں انبیاء کے سردار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ شیخ محقق نے اخبارالاخیار میں بعض اولیاء کی ایک تفسیر بتائی جس میں انہوں نے ہر آیت کو نعت کردیا ہے اس میں سورہ اخلاص بھی داخل ہے۔

(۳) اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو۔

(۴) یہ بے اصل ہے۔

(۵) وہ (استن حنانہ) جنت کا ایک درخت کیا جائے گا، **کمافی حدیث** [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی دارالمعرفہ بیروت ۳/۱۱۲تا۱۵۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی دارالمعرفہ بیروت ۳/۱۱۲تا۱۵۱

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی ۱۳۳۶ھ

(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۱: از بڑودہ ملک گجرات محلّہ راجپورہ متصل مانڈوی مرسلہ میاں محمد عثمان ولد عبدالقادر ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جناب قطب الاقطاب غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ اپنے وقت میں غوث یا قطب الاقطاب نہیں تھے بلکہ سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب اور غوث الثقلین تھے اور جناب سید عبدالقادر جیلانی نے جناب سید احمد کبیر رفاعی سے مدینہ منورہ میں چند اولیاء کے ہمراہ بیعت کی ہے یہ بیعت اس وقت ہوئی کہ جب سید احمد کبیر رفاعی کے لئے مزار انور سے دست مبارک نکلا تھا، اور اکثر عرب میں سید عبدالقادر جیلانی کو مرقومۂ بالا صفتوں سے کوئی نہیں مانتا، ہاں سید احمد کبیر رفاعی کو مانتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ سیدنا احمد کبیر رفاعی کی ولایت اور قطبیت میں ہمیں بالکل کلام نہیں، مگر ان کی تفضیل سیدنا جناب سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر نہیں ہوسکتی، اور مدینہ منورہ کی بیعت کا کسی جگہ ثبوت نہیں ملتا، اور اکثر عرب سید عبدالقادر جیلانی

قدس سرہ کی بہت قدرومنزلت کرتے ہیں اور قطب الاقطاب وغوث الثقلین کی صفتیں حضرت پیران پیر صاحب ہی پر برتی جاتی ہیں۔

اس مضمون پر رودہ میں خفیہ خفیہ بحثیں ہوا کرتی ہیں، زید کے پیر مرحوم بڑودہ کے رفاعی خاندان کے سجادہ نشین تھے چند روز ہوئے انتقال ہوگیا ہے، یہ انہیں کی تحریک وتحریص کا نتیجہ ہے۔ ہم مستفسر نیچے دستخط کرنے والے نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ سید احمد کبیر اور سید عبدالقادر میں قطب الاقطاب اور غوث اعظم کون ہے، اور علمائے ماسلف وحال کس کو مانتے ہیں۔ دوسرے مدینہ منورہ کی بیعت کا اور غوث پاک کی نسبت عقائد اہل عرب کا وافی وکافی ثبوت کتب معتبرہ سے تحریر فرما کر مرہون منت فرمائیں، آپ کے فتوے کے آنے کے بعد ان شاء اللہ اندرونی تقسیم کا بہت سہولت سے فیصلہ ہوجائے گا اور یہ ابتدائی مواد بڑھ کر مرض مہلک تک نہ پہنچے گا۔

محمد عثمان ولد عبدالقادر بقلم خود، منشی سید قطب الدین، عظیم الدین بقلم خود، چھوٹے خاں، امام خان بقلم خود، ننھے بھائی، رسول بھائی دستخط خود۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ط

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[1]	تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ سے مسلمان کو دو۲ ہدایتیں ہوئیں۔

ایک یہ کہ مقبولات بارگاہ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

دوسرے یہ کہ جب دلیل مقبول سے ایک کی افضلیت ثابت ہو تو نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہ کو اصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۳

کہ اپنے آباواساتذہ ومشائخ کو اوروں سے افضل ہی کریں جسے خدا نے افضل کیا وہی افضل ہے اگرچہ ہمارا ذاتی علاقہ اس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیا وہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اس سے ہوں۔ یہ اسلامی شان ہے مسلمان کو اسی پر عمل چاہئے، اکابر خود رضائے الٰہی میں فنا تھے جسے اللہ عزوجل نے ان سے افضل کیا، کیا وہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس افضل بتائے۔ حاش للہ! وہ سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضبناک ہوں گے تو اس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطا کا بھی خلاف کیا جائے اور اپنے اکابر کو بھی ناراض کیا جائے۔ حضرت عظیم البرکۃ سیدا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ بسرہ الکریم بیشک اکابر اولیاء واعاظم محبوبان خدا سے ہیں، امام اجل اوحد سیدی ابوالحسن علی بن یوسف نور الملۃ والدین لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ھٰذا الشیخ من اعیان مشائخ العراق واجلاء العارفین او عظماء المحققین وصدار المقربین صاحب المقامات العلیۃ والجلالۃ العظیمۃ والکرامات الجلیلۃ والاحوال السنیۃ والافعال الخارقۃ و الانفاس الصادقۃ صاحب الفتح الموفق والکشف المشرق و القلب الانوار والسرا الظھر والقدر الاکبر[1]۔	یعنی حجر سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار ان مشائخ واکابر عارفین واعاظم محققین وافسران مقربین سے ہیں جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامتیں جلیل اوراحوال روشن اورافعال خارق عادات اورانفاس سچے عجیب فتح اورچمکا دینے والے کشف اورنہایت نورانی دل اورظاہر ترسر اور بزرگ ترمرتبہ والے۔

یوں ہی دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ ومناقب سامیہ وکرامات بدیعہ وفضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کا روضۂ انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور یہ اشعار عرض کرنا ہے:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا — تقبل الارض عنی وھی نائبتی

وھٰذہ دولۃ الاشباح قد حضرت — فامدد یمینك کی تحظی بھا شفتی[2]

---

[1] بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵

[2] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلك فی امکان رؤیۃ النبی والملك دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲۶۱

(زمانۂ دوری میں میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی، اب جسم کی نوت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے حضور دست مبارک بڑھائیں کہ میری لب سعادت پائیں۔)

اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک روضۂ انور سے باہر کرنا اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور و ماثور ہے، تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک للامام الجلیل السیوطی میں ہے:

لما وقف سید احمد الرفاعی تجاہ الحجرۃ الشریفۃ قال:۔ فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی وھی نائبتی وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامد یمینک کی تحظی بھا شفتی فخرجت الیہ الید الشریفۃ فقبلھا[1]۔	جب میرے سردار احمد رفاعی حجرہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو یوں کہا: جب میں دور ہوتا تو اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری نائب ہو کر میری طرف سے زمین بوسی کرتی تھی، یہ زیارت کا وقت ہے میں خود حاضر ہوا ہوں اپنا دست اقدس بڑھائیں تاکہ میری ہونٹ دست بوسی کی سعادت پائیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک آپ کی طرف نکلا جس کو آپ نے چوما۔ (ت)

اور بعینہٖ یہی کرامت جلیلہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے بھی مذکور و مزبور ہے۔ کتاب تفریح الخاطر مناقب الشیخ عبدالقادر میں ہے:

ذکروا ان الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جاء مرۃ الی المدینۃ المنورہ وقرأ بقرب الحجرۃ الشریفہ ھٰذین البیتین (فذکرھما کما مر وقال) فظھرت یدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصافحھا ووضعھا علی رأسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	یعنی راویوں نے ذکر کیا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ایک بار حاضر سرکار مدینۂ نور بار ہو کر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر پڑھے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست انور ظاہر ہوا حضرت غوث نے مصافحہ کیا اور بوسہ لیا اور اپنے سر مبارک پر رکھا۔

اور تعدد سے کوئی مانع نہیں حضور سرکار غوثیت نے پہلا حج ۵۰۹ھ (پانسو نو ہجری) میں فرمایا ہے جب عمر شریف اڑتیس ۳۸ سال تھی، حضور سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالٰی عنہ اس سفر میں ہم رکاب تھے حضرت

---

[1] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۶۱

[2] تفریح الخاطر مترجم معہ اصل عربی متن المنقبۃ الثانیۃ والعشرون سنی دار الاشاعت فیصل آباد ص ۵۶ و ۵۷

سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس وقت ام عبیدہ میں خورد سال تھے حضرت کو گیارھواں عـــہ سال تھا، ممکن کہ اس بار حضور سرکار غوثیت نے یہ اشعار بارگہ عرش جاہ میں عرض کئے اور ظہور دست اقدس وبوسہ مصافحہ سے مشرف ہوئے ہوں۔

جب حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ جوان ہوئے اور حج کو حاضر ہوئے باتباع سرکار غوثیت انہوں نے بھی وہ اشعار عرض کئے اور سرکار کرم کے اس کرم سے مشرف ہوئے ہوں، بہر حال اس پر وہ فقرۂ تراشیدہ کہ اس وقت حضور قطب العالمین غوث العارفین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت رفیع رفاعی کے ہاتھ پر معاذ اللہ بیعت فرمائی کذب وافتراء خالص و دروغ بیفروغ ہے اور اللہ واحد قہار جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے نہ کہ ایسا جھوٹ جس سے زمین آسمان ہل جائیں "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾"[1] لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو، "فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾"[2] پھر جب وہ گواہان عادل نہ لاسکے تو جو ایسا دعوٰی کریں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، "وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾"[3] خاب وخاسر اہوا جس نے افتراء باندھا۔ حضرت رفیع ورفاعی کی قطبیت سے کسے انکار ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد حضرتسیدی علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ قطب ہوئے، اور سرکار غوثیت کی عطا سے حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے مرتبۂ قطبیت پر فائز ہوئے۔ حضرت علی بن ہیتی کا وصال وصال اقدس سرکار غوثیت سے تین سال بعد ۵۶۴ھ میں ہے، پھر حضرت سید رفاعی قطب ہوئے

عـــہ: ابن خلکا کی روایت میں چند مہینے ہی کے تھے زیادہ سے زیادہ، یا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

حیث قال احمد بن ابی الحسن المعروف بابن الرفاعی توفی یوم الخمیس الثانی والعشرین من جمادی الاولی سنة ثمان وسبعین وخمسائة بام عبیدة وھو فی عشر السبعین رحمة اللہ تعالٰی[4]۔

اس نے کہا کہ احمد ابن ابوالحسن جو کہ ابن رفاعی کے نام سے مشہور ہیں، کا وصال ۲۲ جمادی الاولٰی ۵۷۸ھ بروز جمعرات ام عبیدہ کے مقام پر ہوا، چنانچہ آپ ستر کی دہائی میں ہوئے رحمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)

مگر بروایت بہجۃ الاسرار عنقریب آتی ہے اس پر ۵۰۹ھ میں سات آٹھ برس کے ہونگے انتہا درجہ دس ۱۰ سال کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۱

[2] القرآن الکریم ۲۴/۱۳

[3] القرآن الکریم ۲۰/۶۱

[4] وفیات الاعیان ترجمہ ۷۰ ابن الرفاعی دار الثقافت بیروت ۱/۱۷۲

اور ۵۷۸ھ میں وصال ہوا۔ بہجہ مبارکہ میں ہے:

الشیخ علی بن الهیتی رضی الله تعالٰی عنه احد من تذکر عنه القطبیة،سکن بلدة من اعمال نهر الملك الی ان مات بها سنة اربع وستین وخمسمائة [1]۔	جنکی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جو نہر الملک کے ایک قریہ میں سکونت پذیر ہوئے یہاں تک کہ اسی قریہ میں ۵۶۴ھ میں وصال فرمایا۔(ت)

اسی میں ہے:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی احد من تذکر عنه القطبیة،سکن بأم عبیدة قریة بارض البطائح الی ان مات بها فی سنة ثمان وسبعین وخمسمائة و قدنا هذا الثمانین [2]۔	جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ احمد بن ابو الحسن رفاعی ہیں جو سرزمین طبائح کے قریہ ام عبیدہ میں ساکن تھے اور وہاں ہی ۵۷۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔آپ نے اسی برس کے قریب عمر پائی۔(ت)

اسی میں ہے حضرت شیخ جاگیر مرید جلیل تاج العارفین ابوالوفاء نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رفعت شان وبے مثلی بیان کرکے فرمایا:

منه انتقلت القطبیة الی سیدی علی الهیتی رضی الله تعالٰی عنه [3]۔	ان سے قطبیت میرے سردار شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔(ت)

اسی میں ہے:

اخبرنا الشیخ الشریف ابوجعفر محمد بن ابی القاسم العلوی الحسنی قال اخبرنا الشیخ العارف ابو الخیر محمد بن محفوظ قال کنت انا(وفلان و فلان عدعشرة انفس من طالبی الاٰخرة وثلثة من اهل الدنیا)حاضرین	ہمیں شیخ شریف ابو جعفر محمد بن ابوالقاسم علوی حسنی نے بحوالہ شیخ ابوالخیر خبردی کہ ایک روز عارف باللہ محمد بن محفوظ اور دس حضرات اور طالبان آخرت اور تین شخص طالبان وزارت وغیرہا مناصب دنیا حاضر بارگاہ عالم پناہ سرکار غوثیت تھے حضور نے

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ علی بن الهیتی دار الکتب العلمیة بیروت ص ۲۸۹ تا ۲۹۴

[2] بهجة الاسرار ذکر الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ۲۳۵ تا ۲۳۷

[3] بهجة الاسرار ذکر الشیخ جاکیر رضی الله عنه مصطفی البابی مصر ص ۱۶۹

عند شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال لیطلب کل منکم حاجۃ اعطیھا لہ (فذکر حوائجھم منھا) قال الشیخ خلیل بن الصرصری اریدان الاموت حتی انال مقام القطبیۃ قال فقال الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ "کل نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وماکان عطاء ربك کان محظورا۔" قال فواللہ لقد نالوا کلھم ماطلبوا[1]۔	ارشاد فرمایا ہر ایک اپنی حاجت عرض کرے میں اسے عطا فرماؤں، سب نے اپنی اپنی دینی و دنیوی مرادیں عرض کیں، ان میں شیخ خلیل صرصری کی عرض یہ تھی کہ میں اپنی زندگی میں مرتبۂ قطبیت پاؤں۔ حضور نے فرمایا "ہم ان کی اور انکی سب کی مدد کرتے ہیں رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں۔" عارف موصوف فرماتے ہیں خدا کی قسم جس نے جو مانگا تھا پایا۔

اسی میں حضرت سید ابو عمرو عثمٰن بن یوسف و حضرت علی بن سلیمٰن خباز و حضرت ابو الغیث ابن جمیل یمنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے کہ ان سب نے فرمایا:

قطب الشیخ خلیل الصرصری رحمہ اللہ تعالٰی قبل موتہ بسبعۃ ایام[2]۔	حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب کئے گئے۔

یہ قطبیت بمعنی غوثیت ہے اور اقطاب اصحاب خدمت کو بھی کہتے ہیں جو ہر شہر و ہر لشکر میں ہیں شک نہیں کہ ہر غوث اپنے دورہ میں ان سب اقطاب کا افسر و سرور ہے کہ وہ تمام اولیائے دورہ کا سردار ہوتا ہے تو اس معنٰی پر ہر قطب یعنی غوث قطب الاقطاب ہے بلکہ غوث کے نیچے جو عہدہ داران تمام اصحاب خدمت کا افسر ہو بایں معنی قطب الاقطاب ہے، مگر قطب الاقطاب بمعنی اول یعنی غوث الاغواث کہ دوروں کے غوثوں کا غوث ہو، غوثوں کو غوثیت اس کی عطا سے ملیت ہو اور غوث اپنے اپنے دورے میں اس کی نیابت سے غوثیت کرتے ہوں وہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد حضور پر نور محی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ والدین ابو محمد ولی الاولیاء، امام الافراد، غوث الاغواث، غوث الثقلین، غوث الکل، غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں اور تا ظہور سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ مرتبہ عظمٰی اسی سرکار غوثیت بار کے لئے رہے گا۔ حضرت رفاعی اور ان کے امثال قبل و بعد کے قطبوں کو حضور پر تفضیل دینی ہوس باطل و نقصان دینی ہے، والعیاذباللہ تعالٰی۔ اس کے بیان کو ہم چند احادیث مرفوعۃ الاسانید امام اجل اوحد

[1] بهجة الاسرار ذکر فصلو منکالمہ مرصعا بشئی من عجائب اھوالہ مختصرًا مصطفٰی البابی مصر ص ۳۰ و ۳۱

[2] بهجة الاسرار ذکر فصول من کالمہ مرصعا بشئی من عجائب اھوالہ مختصرًا مصطفٰی البابی مصر ص ۳۲

سیدی نورالملۃ والدین ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہٗ الشریف کی تکاب مستطاب بہجۃ الاسرار معدن الانوار سے ذکر کرتے ہیں اور اس سے پہلے اتنا واضح کردیں کہ یہ امام جلیل صرف دو واسطہ سے حضور سرکار غوثیت کے مستفیضین بارگاہ میں ہیں ان کو محدث جلیل القدر ابوبکر محمد ابن امام حافظ تقی الدین انماطی سے تلمذ ہے ان کو امام اجل شہیر علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسہ سے ان کو حضور قطب الاقطاب غوث الاغواث غوث الثقلین غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، نیز ان کو امام قاضی القجاۃ محدم ابن امام ابراہم بن عبدالواحد مقدسی سے ان کو امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن منصور نقیب السادات سے ان کو حضور سید السادات سے، نیز ان کو شیخ جنید ابومحمد حسن بن علی لخمی سے ان کو ابوالعباس احمد بن علی دمشقی سے ان کو سرکار غوثیت سے، نیز ان کو امام صفی الدین خلیل بن ابی بکر مراغی وامام عبدالواحد بن علی بن احمد قرشی سے ان دونوں کو امام اجل بونصر موسٰی سے ان کو اپنے والد ماجد حضور سیدنا غوث اعظم سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اوان کے سوااور بہت طرق سے ان امام جلیل کی سند حضور تک ثنائی یعنی صرف دو واسطہ سے ہے، ۷۱۳ھ میں ان کا وصال شریف ہے، اکابر اجلاء نے انہیں امام مانا یہاں تک کہ امام فن رجال شمس ذہبی نے باآنکہ **اولًا** ان کی نگاہ دربارۂ رجال کس درجہ بلند ودشوار پسند واقع ہوئی ہے۔

ثانیًا انہیں حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اور انکے علوم الٰہیہ سے ہتکم عقیدت بلکہ تقریبًا بلاکلیہ مجانبت ہے۔

ثالثًا اشاعرہ کے ساتھ انکا برتاؤ معلوم ہے خود انکے تلمیذ اجل امام تاج الدین سبکی ابن امام اجل برکۃ الانام تقی الملۃ والیدن علی بن عبدالکافی قدس رہما نے تصریح فرمائی کہ **شیخنا الذھبی اذا مر باشعری لایبقی ولا یذرا**[1] ہمارے استاذ ذہبی جب کسی اشعری پر گزرتے ہیں تو لگی نہیں رکھتے کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔ اور امام اجل صاحب بہجہ اشعری ہی ہیں۔

رابعًا معاصرت دلیل منافرت ہے اور ذہبی ان اماما جلیل کے زمانے میں تھے انکی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے ہیں باینہمہ انکے مداح ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کو الامام الاوحد کے لفظ سے یاد فرمایا یعنی امام یکتا، امام الشان ذہبی کے یہ دو لفظ تمام مدائح ومدارج توثیق وتعدیل واعتماد وتعویل کو جامع ہیں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا

1

الامام الاوحد المقری نور الدین شیخ القراء بالدیار المسریۃ ابو الحسن اصلہ من الشام ومولدہ بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء والتدیس بالجامع الازھر وقدر حضرت مجلس اقرائہ واستانست بسمتہ وسکوتہ[1]۔	صاحب تعلیم فرقان حمید تمام بلاد مصریں شیخ القراء ابوالحسن کنیت انکی اصل شام سے اور ولادت قاہرہ میں ۶۴۴ھ چھ سو چوالیس میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں درس و تعلیم کی صدارت فرمائی مین انکی مجلس درس میں حاضر ہوا اور انکی روش وخاموشی سے انس پایا۔

امام جلیل عبداللہ بن سعد یافعی قدس سرہ الشریف مرأۃ الجنان میں فرماتے ہیں:

اما کرامتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فخارجۃ عن الحصر وقد ذکرت شیئا منہا فی کتاب نشر المحاسن وقد اخبرنی من ادرکت من اعلام الائمۃ الاکابر ان کرامتہ تواترت وقریب منالتواتر ومعلوم بلا اتفاق انہ لم یظھر ظھور کراماتہ لغیرہ من شیوخ الآفاق، وھا انا اتصر فی ھٰذا الکتاب علی واحدۃ منہا وھی ماروی الشیخ الامام الفقیہ العالم المقری ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافعی اللخمی فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسندہ من خمس طرق وعن جماعۃ من الشیوخ الجلۃ اعلام الھدی العارفین المقنتین للاقتداء	یعنی حضور پرنور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کرامات شمار سے زیادہ ہیں انہیں سے کچھ ہم نے اپنی تکاب نشر المحاسن میں ذکر کیں اور جتنے مشاہیر اکابر اماموں کے وقت میں نے پائے سب نے مجھے یہی خبر دی کہ سرکار غوثیت کی کرامات متواتر یا قریب تواتر ہیں اور بالاتفاق ثابت ہے کہ تمام جہان کے اولیاء میں کسی سے ایسی کرامتیں ظاہر نہ ہوئیں جیسی حضور پرنور سے ظہور میں آئیں اس کتاب میں ان میں سے صرف ایک ذکر کرتا ہوں وہ جسے روایت کیا شیخ امام فقیہ العالم مقری ابوالحسن علی بن یوسف بن جریری بن معضاد شافعی لخمی نے مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف) میں اپنی پانچ سندوں سے اور عظیم اولیاء ہدایت کے نشانوں عارفین باللہ کی ایک جماعت (یعنی سیدی ۱عمران کیمانی و ۲سیدی عمر زار و ۳سیدی ابوالسعود)

[1] طبقات المقرئین

قالوا جاءت امرأۃ بولدھا الحدیث۔	مدلل و مسیدی ابوالعباس احمد صرصری وامام اجل سیدنا تاج الملۃ والدین ابو بکر عبدالرزاق وسیدی امام ابو عبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قائداوانی رضی اللہ تعالٰی عنہم)

وقد خرجت عن حقی فیه لله عزوجل ولک) سے کہ ایک بی بی اپنا بیٹا خدمت اقدس سرکار غوثیت میں چھوڑ گئیں کہ اس کا دل حضور سے گرویدہ ہے میں اللہ کے لئے اور حضور کے لئے اس پر اپنے حقوق سے درگزری، حضور نے اسے قبول فرما کر مجاہدے پر لگادیا ایک روز اس کی ماں آئیں دیکھا لڑکا بھوک اور شب بیداری سے بہت زار نزار زرد رنگ ہو گیا ہے اور اسے جو کی روٹی کھاتے دیکھا، جب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں دیکھا حضور کے سامنے ایک برتن میں مرغی کی ہڈیاں رکھی ہیں جسے حضور نے تناول فرمایا ہے، عرض کی اے میرے مولی! حضور تو مرغ کھائیں اور میرا بچہ جو کی روٹی۔ یہ سن کر حضور پرنور نے اپنا دست اقدس ان ہڈیوں پر رکھا اور فرمایا:

قومی باذن اللہ تعالٰی الذی یحیی العظام	جی اٹھ اللہ کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو جِلائے گا۔

یہ فرمانا تھا کہ مرغی فوراً زندہ صحیح سالم کھڑی ہو کر آواز کرنے لگی، حضور اقدس نے فرمایا: جب تیرا بیٹا ایسا ہو جائے وہ جو چاہے کھائے[1]۔

اور انہیں سب ائمہ عارفین نے فرمایا کہ ایک بار حضور کی مجلس وعظ پر ایک چیل چلّاتی ہوئی گزری اس کی آواز سے حاضرین کے دل مشوّش ہوئے حضور نے ہوا کو حکم دیا: اس چیل کا سر لے۔ فوراً چیل ایک طرف گری اور اس کا سر دوسری طرف۔ پھر حضور نے کرسی وعظ سے اتر کر اس چیل کو اٹھا کر اس پر دست اقدس پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا فوراً وہ چیل زندہ ہو کر سب کے سامنے اڑتی چلی گئی[2]۔ ع

قادرا قدرت توداری ہر چہ خواہی آں کنی　　　مردہ راجانے دہی وزندہ را بے جاں کنی

(اے قادر! تو قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، مردہ کو تو جان دیتا ہے اور زندہ کو بے جان کرتا ہے۔ ت)

امام محدث شیخ القراء شمس الملۃ والدین ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کتاب نہایۃ الدرایات

---

[1] مرأۃ الجنان سنۃ احدی وستین وخمس مائۃ ذکر نسبہ ومولدہ الخ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/۲۶۸

[2] بہجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشئی من عجائب احوالہ مختصراً مصطفی البابی مصر ص ۶۵

فی اسماء رجال القراءات میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر فضل بن معضاد نور الدین ابو الحسن اللخمی الشطنوفی الشافعی الستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریة ولد بالقاهرة سنة اربع واربعین وستمائة وتصدر للاقراء بالجامع الازهر و تکاثر علیه الناس الاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انه عمل علی الشاطبیة شرحًا فلو کان ظهر لکان اجود شروحها وله تعالیق مفیدة. قال الذهبی وکان ذا عزام بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنه جمع اخباره ومناقبه فی ثلاث مجلدات. قلت وهذا الکتاب موجود بالقاهرة بوقف الخانقاه الصلاحیة و اخبرنی به و اجازه شیخنا الحافظ محی الدین عبد القادر الحنفی وغیره توفی یوم السبت اوان الظهر و دفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجة سنة ثلاث عشرة و سبعمائة رحمه اللہ تعالٰی[1]۔	یعنی علی بن یوسف بن جریر بن فل بن معضاد نور الدین ابو الحسن لخمی شطنوفی شافعی استاد محقق بارع یعنی ایسے جلیل فضائل والے کہ انہیں دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے۔ تمام بلاد مصریہ کے شیخ ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند درس پر جلوس فرمایا اور ان کے فوائد و تحقیق کے باعث لوگوں کا پر ہجوم ہوا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ شاطبیہ مبارکہ پر انکی شرح ہے اگر یہ شرح ملتی تو اس کی سب شرحوں سے بہترین شروح میں ہوتی۔ ان کے حواشی فائدہ بخش ہیں۔ ذہبی نے کہا ان کو سرکار غوثیت سے عشق تھا۔ حضور کے حالات و کمالات تین مجلد میں جمع کئے ہیں۔ میں شمس جزری کہتا ہوں کہ یہ کتاب قاھرہ میں خانقاہ حضرت صلاح الدین انار اللہ برہانہٗ کے وقف میں موجود ہے۔ ہمارے استاذ حافظ الحدیث محی الدین عبدالقادری حنفی وغیرہ استاذوں نے ہمیں اس کتاب کی روایات کی خبر و مضامین کی اجازت دی۔ حضرت مصنف کتاب ممدوح کا روز شنبہ وقت ظہر وصال ہوا اور روز یکشنبہ ذی الحجہ ۷۱۳ھ کو دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

امام عمر بن عبدالوہات عرضی حلبی نے اپنے نسخہ میں کتاب مبارکہ بہجۃ الاسرار شریف میں لکھا:

قد تتبعتها فلم اجد فیها نقلا الا وله	یعنی بیشک میں نے اس کتاب بہجۃ الاسرار شریف کو

[1] نہایۃ الرایات فی اسماء رجال القراءات

فیه متابعون وغالب ما اورده فیها نقله الیافعی فی اسنی المفاخر وفی نشر المحاسن وروض الریاحین عــہ وشمس الدین الزکی الحلبی ایضا فی کاب الاشراف وعظم شئی نقل عنه انه احیی الموتی کاحیائه الدجاجة ولعمری ان هذه القصه نقلها تاج الدین السبکی ونقل ایضا عن ابن الرفاعی وغیره وانّٰی لغبی جاهل حاسد ضیع عمره فی فهم ما فی السطور وقنع بذٰلك عن تزکیة النفس واقبالها علی الله سبحٰنه وتعالٰی وان یفهم مایعطی الله سبحٰنه وتعالٰی اولیاءه من التصریف فی الدنیا والاٰخرة ولهذا قال الجنید التصدیق بطریقتنا ولایة[1]۔	اول تاآخر جانچا تو اس میں کوئی روایت ایسی نہ پائی جسے اور متعدد اصحاب نے روایت نہ کیا ہو اور اس کی اکثر روایتیں امام یافعی نے اسنی المفاخر ونشرالمحاسن وروض الریاحین میں نقل کیں۔ یوں ہی شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں اور سب سے بڑی چیز جو بہجہ شریفہ میں نقل کی حضور کا مردے جلانا ہے۔ جیسے وہ مرغ زندہ فرمادیا، اور مجھے اپنی جان کی قسم یہ روایت امام تاج الدین سبکی نے بھی نقل کی، اور یہ کرامت ابن الرفاعی وغیرہ اولیاء سے بھی منقول ہوئی، اور کہاں یہ منصب کسی غبی جاہل حاسد کو جس نے اپنی عمر تحریر سطور کے سمجھنے میں کھوئی اور تزکیہ نفس وتوجہ الی اللہ چھوڑ کر اسی پر بس کی کہ اسے سمجھ سکے جو کچھ تصرفوں کی قدرت اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں کو دنیا وآخرت میں عطا فرماتا ہے، اسی لئے سیدنا جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہمارے طریقے کا سچ ماننا بھی ولایت ہے۔

اقول: بحمداللہ یہ تصدیق ہے امام مصنف قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی خطبہ بہجہ کریمہ میں فرمایا کہ:

لخصته کتابا مفردامرفوع الاسانید معتمد افیها علی الصحة دون	یعنی میں نے اس کتاب یکتا کرکے مہذب ومنقح فرمایا اور اس کی سندیں منتہی تک پہنچائیں جن میں خاص اس صحت پر اعتماد کیا کہ شذوذ

عــــہ: یرید تکملته ۱۲ منه غفرله۔

[1] حاشیة امام عمر بن عبدالوهاب علی ابهجة الاسرار

الشذوذ[1]۔	سے منزہ ہو، یعنی خالص صحیح ومشہور روایات لیں جن میں نہ ضعیف ہے، نہ غریب وشاذ۔ والحمدللہ رب العالمین۔

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین ابوالحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع اربعین وستمائۃ و تصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الطلبۃ مات فی ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشر وسبعمائۃ[2]۔	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا نور الدین ابوالحسن دیار مصر میں شیخ القراء قاہرہ یں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور جامع ازہر میں مسند تدریس پر جلوس فرمایا طلبہ کا ہجوم ہوا، ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ زبدۃ الآثار میں فرماتے ہیں:

بھجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الاوحد البارع نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینہ وبین الشیخ واسطتان[3]۔	بہجۃ الاسرار تصنیف شیخ امام اجل فقیہ عالم مقری یکتا بارع نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی ان میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں دو واسطے ہیں۔

نیز اپنے رسالہ صلاۃ الاسرار میں فرماتے ہیں:

کتاب عزیز بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار معتبر ومقرر ومشہور و مذکور ست ومصنف آں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلماء ست، میان وے وحضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است و مقدم است بر امام عبداللہ یافعی	کتاب عزیز "بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار" قابل اعتبار، پختہ اور مشہور ومعروف ہے۔ اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمہ مشہور علماء ومشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، آپ امام عبداللہ

[1] بھجۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۲

[2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاھرۃ

[3] زبدۃ الآثار مقدمۃ الکتاب بکسنگ کمپنی واقع جزیرہ ص ۵

رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشان نیز از منتسبان سلسلہ ومحبان جناب غوث الاعظم اند[1]۔	یافعی علیہ الرحمہ پر مقدم ہیں۔امام یافعی علیہ الرحمہ بھی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سلسلہ عالیہ سے نسبت رکھنے والوں اورآپ سے محبت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

ایں فقیر درمکہ معظّمہ وددرخدمت شیخ اجل اکرم اعدل شیخ عبدالوہاب متقی کہ مرید امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہما بودند فرمودند بہجۃ الاسرارکتاب معتبرست،مانزیک ایں زمان مقابلہ کردہ ایم وعادت شریف چناں بودکہ اگرکتابے مفید ونافع باشد مقابلہ می کردند وتصحیح می نمودند دریں وقت کہ فقیر رسید بمقابلۂ بہجۃ الاسرار مشغول بودند[2]۔	یہ فقیر مکہ مکرمہ میں انتہائی جلالت،کرم اورعدل کے ماک شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت اقدس میں حاضر تھاجوامام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہ کے مرید ہیں،آپ نے ارشاد فرمایاکہ "بہجۃ الاسرار"ہمارے نزدیک معتبر کتاب ہے جس کا ہم نے حال ہی میں مقابلہ کیا ہے۔آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ اگر کوئی کتاب فائدہ منداور نفع بخش ہوتی تو اس کا مقابلہ کرتے اور تصحیح فرماتے تھے،جس وقت یہ فقیر وہاں پہنچاتو آپ بہجۃالاسرارکے مقابلہ میں مصروف تھے۔(ت)

الحمدللہ ان عبارات ائمہ واکابر سے واضح ہواکہ ۱امام ابوالحسن علی نورالدین مصنف کتاب مستطاب بہجۃالاسرارامام اجل امام یکتا محقق بارع فقیہ شیخ القراء منجملہ مشاہیر مشاءخ علماء ہیں،اوریہ ۲کتاب مستطاب معتبر ومتعمد کہ اکابر ائمہ نے اس سے استناد کیا اورکتب حدیث کی طرح اس کی اجازتیں دیں۔ ۳کتب مناقب سرکار غوثیت میں باعتبارعلواسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں موطائے امام مالک کا۔اور ۴کتب مناقب اولیاء میں باعتبار صحت اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں صحیح بخاری کا،بلکہ صحاح میں بعض شاذ بھی ہوتی ہیں اوراس میں کوئی حدیث شاذ بھی نہیں،امام بخاری نے صرف صحت کاالتزام کیا اور ان امام جلیل نے صحت وعدم شذوذ دونوں کا،اوربشادت علامہ عمر حلبی وہ التزام تام ہواکہ اس کی ہر حدیث

---

[1] رسالہ صلٰوۃ الاسرار

[2] رسالہ صلٰوۃ الاسرار

کے لئے متعدد متابع موجود ہیں والحمدللہ رب العالمین ایسے امام اجل اوحد نے ایسی کتاب جلیل معتمد میں جواحادیث صحیحہ اس باب میں روایت فرمائیں ہیں یہاں عدد مبارک قادریت سے تبرک کے لئے ان سے گیارہ حدیثیں ذکر کرکے باذنہٖ تعالٰی برکات دارین لیں وباللہ التوفیق۔

حدیث اول: قال رضی اللہ تعالٰی عنه اخبرنا ابومحمد سالم بن علی الدمیاطی قال اخبرنا الاشیاخ الصلحاء قداۃ العراق الشیخ ابو طاھر بن احمد الصرصری والشیخ ابوالحسن الخفاف البغدادی والشیخ ابو حفص عمر البریدی والشیخ ابوالقاسم عمر الدر دانی والیشخ ابوالولید زید بن سعید والشیخ ابو عمر وعثٰمن بن سلیمٰن قالوا اخبرنا(الشیخان) ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی ابنا اخت الشیخ القدوۃ احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنه،قالا کنا عند شیخنا الشیخ احمد بن الرفاعی بزاویته بام عبیدۃ فمد عنقه وقال علی رقبتی،فسئلناہ عن ذٰلك فقال قد قال الشیخ عبدالقادر الاٰن بغداد قدمی ھذہٖ علی رقبة کل ولی اللہ[1]۔ **حدیث دوم:** (قال قدس سرہ)اخبرنا الشریف الجلیل ابوعبداللہ محمد بن الخضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد الحسینی الموصلی قال:اخبرنا ابوالفرج عبدالمحسن ویسمّٰی حسن ابن محمد بن احمد بن	مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ ہم سے ابو محمد سالم بن علی ومیاطی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو چھ مشائخ کرام پیشوایان عراق حضرت ابوطاہر صرصری وابوالحسن خفاف وابو حفص بریدی وابوالقاسم عمر و ابوالید زید وابوعمرو عثمان بن سلیمان نے خبر دی ان سب نے فرمایا کہ ہم کو حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دونوں بھانجوں حضرت ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی نے خبر دی کہ ہم اپنے شیخ حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ان کی خانقاہ مبارک میں میں ام عبیدہ میں ہے حاضر تھے حضرت رفاعی نے اپنی گردن مبارک بڑھائی اور فرمایا: علی رقبتی میری گردن پر۔ہم نے اس کا سبب پوچھا،فرمایا:اسی وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر۔ مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے شریف جلیل ابوعبداللہ محمد بن خضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد حسینی موصلی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ ابوالفرج عبدالمحسن حسن بن محمد بن احمد بن دویرہ مقری حنبلی نے خبر دی کہ شیخ ابو بکر عتیق بن ابوالفضل محمد بن عثمٰن بن

[1] بهجة الاسرار ذکر من حنارأسه من المشایخ عند ما قال ذلك الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

الدویرۃ المقری الحنبلی البصری قال:قال الشیخ ابوبکر عتیق بن ابی الفضل محمد بن عثمٰن بن ابی الفضل البندلجی الاصل البغدادی المولد والدار و الازجی المعروف بمعتوق زرت الشیخ سید احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ عنہ بام عبیدۃ فسمعت اکابر اصحابہ وقدماء مریدیہ یقولون:کان الشیخ یومًا جالسًا فی ھذا الموضع،فحنارأسہ وقال:علی رقبتی،فسألوہ عن ذٰلک فقال:قد قال الشیخ عبد القادر الاٰن ببغداد:قدمی ھذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ ، فارخنا ذٰلک الوقت فکان کما قال فی ذٰلک الوقت بعینہ[1]۔

ابوالفضل بندلجی الاصل بغدادی المولدازجی المعروف بہ معتوق نے کہا کہ میں نے شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی رضی اللہ عنہ کی ام عبیدہ میں زیارت کی تو میں نے آپ کے اکابر اصحاب اور قدیم مریدوں کو کہتے ہوئے سنا کہ آج شیخ اس جگہ (برآمدے کی طرف انہوں نے اشارہ کیا) تشریف فرماتھے کہ اپنا سر جھکا دیا اور فرمایا کہ میری گردن پر۔جب آپ سے لوگوں نے اس کے بارے میں پوچھا و فرمایا کہ ابھی ابھی بغداد میں شیخ سید عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ہم نے اس تاریخ کو محفوظ رکھا تو جیسا آپ نے کہا بعینہٖ وہ اسی وقت رونما ہوا تھا۔(ت)

حدیث سوم:اخبرنا الشیخ الصالح ابوحفص عمر بن ابی المعالی نصر بن محمد ابن احمد القرشی الھاشمی الطفسونجی المولد والدارالشافعی قال:اخبرنا الشیخ الاصل الصالح ابوعبداللہ محمد بن ابی الشیخ الصالح ابی حفص عمر بن الشیخ القدوۃ ابی محمد عبدالرحمن الطفسونجی قال:اخبرنا ابوعمر قال:حنا ابی یومًا عنقہ بین اصحابہ بطفسونج وقال: علی رأسی،فسألناہ فقال:قدقال الشیخ عبد القادر الاٰن

ہمیں شیخ صالح ابوحفص عمر بن ابوالمعالی نصر بن محمد بن احمد قرشی ہاشمی طفسونجی شافعی نے خبردی کہ ہم سے شیخ اصل صالح ابوعبداللہ محمد بن ابوالشیخ صالح ابوحفص عمر بن شیخ قدوۃ ابومحمد عبدالرحمٰن طفسونجی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے ابوعمر نے حدیث بیان کی کہ ایک دن طفسونج میں میرے والد نے اپنے مریدوں کے درمیان گردن جھکائی اور کہا کہ میرے سر پر۔ہمارے پوچھنے پر فرمایا کہ ابھی شیخ سید عبد القادر علیہ الرحمۃ نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن

[1] بھجۃ الاسرار ذکر من حنارأسہ من المشائخ عند ما قال ذٰلک الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ۱۳

ببغداد: قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله. فأرخناه عندنا، ثم جاء الخبر من بغداد انه قال ذٰلك فی الیوم الذی أرخناه[1]۔

پر ہے۔ ہم نے اپنے پاس تاریخ نوٹ کرلی پھر بغداد سے خبر موصول ہوئی کہ شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے بالکل اسی دن یہ اعلان فرمایا تھا جو تاریخ ہم نے نوٹ کر رکھی تھی۔ (ت)

حدیث چہارم: اخبرنا الفقیه ابو علی اسحٰق بن علی بن عبدالله بن عبدالدائم بن صالح الهمد انی الصوفی الشافعی المحدث قال: اخبرنا الشیخ الجلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف ابن الشیخ ابی النجیب عبد القاهر بن عبدالله بن محمد بن عبد الله السهروردی ثم البغدادی الفقیه الشافعی الصوفی قال: حضر ابی ابو النجیب ببغداد بمجلس الشیخ عبد القادر رضی الله عنهما، فقال الشیخ عبد القادر قدمی هٰذه علی رقبة کل ولی الله. فطأطأ ابی رأسه حتی کادت تبلغ الارض، وقال علی رأسی علی رأسی علی رأسی یقولها ثلاثا[2]۔

ہم سے فقیہ ابو علی اسحاق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح ہمدانی صوفی شافعی محدث نے حدیث بیان کی کہ ہم سے شیخ جلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف بن شیخ ابو نجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ سہروردی ثم بغدادی فقیہ شافعی صوفی نے حدیث بیان کی کہ میرے والد ماجد ابوالنجیب بغداد میں شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مجلس میں حاضر تھے شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجلس میں فرمایا: میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ تو میرے والد نے اس حد تک سر جھکایا کہ وہ زمین کے قریب جا پہنچا اور تین بار کہا: میرے سر پر، میرے سر پر، میرے سر پر عــــہ (ت)

عــــہ: نوٹ: اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ یہاں ہم بہجۃ الاسرار سے گیارہ" حدیثیں ذکر کرینگے مگر حدیث دوم، سوم اور چہارم تین حدیثیں اصل (فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ۱۲) میں موجود نہیں ہیں بلکہ انکی جگہ بیاض چھوڑا ہوا ہے۔ حدیث دوم کی سند کا ابتدائی حصہ اصل میں مذکور ہونے کی وجہ سے اس کی نشان دہی ہو گئی مگر حدیث سوم وچہارم کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سی تھیں، تاہم احادیث مذکورہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے حدیث دوم کے متصل بعد والی دو حدیثیں ہم نے بہجۃ الاسرار سے نقل کردی ہیں جن کا مضمون کافی حد تک احادیث مذکورہ سے یگانگت رکھتا ہے۔ اس طرح گیارہ احادیث پوری ہو گئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔ (مترجم)

---

[1] بهجة الاسرار ذکر من حنا رأسه من المشائخ عندما قال ذالك الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

[2] بهجة الاسرار ذکر من حنا رأسه من المشائخ عندما قال ذالك الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳ و ۱۴

حدیث پنجم: اخبرنا الفقیه الجلیل ابو غالب رزق الله ابن ابی عبدالله محمد بن یوسف الرقی قال اخبرنا الشیخ الصالح ابو اسحٰق ابراهیم الرقی قال اخبرنا منصور قال اخبرنا القدوة الشیخ ابو عبدالله محمد بن ماجد الرقی ح واخبرنا عالیا ابو الفتوح نصر الله بن یوسف بن خلیل البغدادی المحدث قال اخبرنا الشیخ ابو العباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزة الازجی قال اخبرنا الشیخان ابو المظفر منصور بن المبارك والامام ابو محمد عبدالله بن ابی الحسن الاصبهانی قالو اسمعنا السید الشریف الشیخ القدوة ابا سعید القیلوی رضی الله تعالٰی عنه یقول لما قال الشیخ عبدالقاد قدمی هذہ علی رقبة کل ولی الله تجلی الحق عزوجل علی قلبه وجاء ته خلعة من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم علی ید طائفة من الملئكة المقربین والبسها بمحضر من جمیع الاولیاء من تقدم منهم وما تاخر الاحیاء باجسادهم والاموات بارواحهم وکانت الملئكة ورجال الغیب حافین بمجلسه واقفین فی الهوأ صفوفا حتی استد الافق بهم ولم یبق ولی فی الارض الاحنا عنقه[1]۔

مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے فقیہ جلیل القدر رزق اللہ بن ابو عبداللہ محمد بن یوسف رقی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ صالح ابواسحٰق ابراہیم رقی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن ماجد رقی نے خبر دی۔ نیز ہمیں سند عالی سے ابوالفتح نصراللہ بن یوسف بن خلیل بغدادی محدث نے خبر دی کہ ہم کو شیخ اوالعباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزہ ازجّی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالمظفر منصور بن مبارک وامام ابو محمد عبداللہ بن ابی الحسن اصبہانی نے خبر دی ان سب حضرات نے فرمایا کہ ہم نے سید شریف شیخ امام ابو سعید قیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اس وقت اللہ عزوجل نے ان کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ ملائکہ مقربین کے ہاتھ انکے لیے خلعت بھیجی اور تمام اولیائے اولین وآخرین کا مجمع ہوا، جو زندہ تھے وہ بدن کے ساتھ حاضر ہوئے اور جو انتقال فرماگئے تھے ان کی ارواح طیبہ آئیں، ان سب کے سامنے وہ خلعت حضرت غوثیت کو پہنایا گیا، ملائکہ اور رجال الغیب کا اس وقت ہجوم تھا ہوا میں پَرے باندھے کھڑے تھے، تمام افق ان سے بھر گیا تھا اور روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہ تھا جس نے گردن نہ جھکادی ہو۔ (ت) والحمدللہ رب العالمین۔

[1] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن هیئة الحال حین قال ذٰلك مصطفٰی البابی مصر ص ۸و۹

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلٰی تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا — اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا[1]
تاج فرقِ عرفا کس کے قدم کو کہئے — سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا
گردنیں جھک گئیں سر بچھ گئے دل ٹوٹ گئے — کشف ساق آج کہاں یہ تو قدم تھا تیرا[2]

حدیث ششم: (قال اعلی اللہ تعالٰی مقاماتہ) اخبرنا ابو محمد الحسن بن احمد بن محمد وخلف بن احمد بن محمد الحریمی قال اخبرنا جدی محمد بن دنف قال اخبرنا الشیخ ابوالقاسم بن ابی بکر بن احمد قال سمعت الشیخ خلیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ وکان کثیرا الرؤیا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت لہ یارسول اللہ لقد قال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علی رقبة کل ولی اللہ، فقال صدق الشیخ عبدالقادر وکفی لاوھو القطب وانا ارعاہ[3]۔	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی اس کے مرتبے بلند فرمائے) کہ ہم کو ابو محمد حسن بن احمد بن محمد اور خلف بن احمد بن محمد حریمی نے خبر دی کہ ہم کو میرے جد محمد بن دنف نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالقاسم بن ابی بکر احمد نے خبر دی کہ میں نے شیخ خلیفہ اکبر ملکی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدار مبارک سے بکثرت مشرف ہوا کرتے تھے فرمایا خدا کی قسم بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا عرض کی یارسول اللہ! شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "عبدالقادر نے سچ کہا اور کیوں نہ ہو کہ وہی قطب ہیں اور میں ان کا نگہبان۔"

کلب باب عالی عرض کرتا ہے الحمدللہ! اللہ نے ہمارے آقا کو اس کہنے کا حکم دیا، کہتے وقت ان کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خلعت بھیجا، تمام اولیاء اولین وآخرین جمع کئے گئے، سب کے مواجہ میں پہنایا گیا۔ ملائکہ کا جمگھٹ ہوا، رجال الغیب نے سلامی دی۔ تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکادیں۔ اب جو چاہے راضی ہو، جو چاہے ناراض۔ جو راضی ہو اس کے لئے رضا، جو ناراض ہو اس کیلئے ناراضی۔ جس کا جی جلے اس سے کہو "مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ

[1] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۴و۸
[2] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۴و۸
[3] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن هیئة الحال حین قال ذٰلك مصطفی البابی مصر ص ۱۰

الصُّدُوۡرِ﴿۱۱۹﴾ "[1] مر جاؤ اپنی جلن میں بے شک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔وللّٰہ الحجۃ البالغہ۔

حدیث ہفتم:(قال بیض اللہ تعالٰی وجھہ)اخبرنا الحسن بن نجیم الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول الانس لھم مشائخ والملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل،قال وسمعتہ فی مرض موتہ یقول لاولادہٖ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض لاتقیسونی باحد ولا تقیسوا علیّ احدا[2]۔	مصنف نے کہا(اللہ تعالٰی اس کے چہرے کو روشن کرے)کہ ہم سے حسن بن نجیم حورانی نے حدیث بیان کی،کہا ہم کو ولی جلیل حضرت علی بن ادریس یعقوبی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خبر دی،کہا میں نے حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنا کہ فرماتے تھے:آدمیوں کے لئے پیر ہیں،قوم جن کے لئے پیر ہیں،فرشتوں کے لئے پیر ہیں،اور میں سب کا پیر ہوں،اور میں نے حضور کو اس مرض مبارک میں جس میں وصال اقدس ہوا سنا کہ اپنے شاہزادگان کرام سے فرماتے تھے:مجھ میں اور تم میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان و زمین میں۔مجھ سے کسی کو نسبت نہ دو اور مجھے کسی پر قیاس نہ کرو۔اے ہمارے آقا!آپ نے سچ کہا،خدا کی قسم!آپ صادق مصدوق ہیں۔(ت)
حدیث ہشتم:(قال طیب اللہ تعالٰی ثراہ)اخبرنا ابو المعالی صالح بن احمد المالکی قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن البغدادی المعروف بالخفاف والشیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف بالمطرز قال ابوالحسن اخبرنا شیخنا الشیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر الحریمی سنۃ ثمانین وخمسائۃ وقال ابو محمد	مصنف(اللہ تعالٰی اس کی قبر کو خوشبودار بنائے)نے کہا کہ ہم کو ابوالمعالی صالح بن احمد مالکی نے خبر دی کہ ہم کو دو مشائخ کرام نے خبر دی،ایک شیخ ابوالحسن بغدادی معروف بہ خفاف،دوسرے شیخ ابو محمد عبداللطیف بغدادی معروف بہ مطرز۔اول نے کہا ہمارے پیر و مرشد حضرت شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر حریمی قدس سرہٗ نے ہمارے سامنے ۵۸۰ھ میں فرمایا،اور دوم نے کہا ہم کو ہمارے

[1] القرآن الکریم ۳/۱۱۹

[2] بہجۃ الاسرار ذکر کلمات اخبر بہا عن نفسہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۲ و ۲۳

اخبرنا شیخنا عبدالغنی بن نقطۃ قال اخبرنا شیخنا ابوعمروعثمٰن الصریفینی قالا واللہ ما اظہر اللہ تعالٰی ولا یظہر الی الوجود مثلا لشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	مرشد حضرت عبدالغنی بن نقطہ نے خبر دی کہ ان کے سامنے ان کے مرشد حضرت شیخ ابوعمرو عثمان صریفینی قدس سرہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اولیاء میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے۔

؎ بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم

کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا[2]

حدیث نہم: (قال رفع اللہ تعالٰی کتابہ فی علیین) اخبرنا الشیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد البصری قال سمعت الشیخ العالم اباطالب عبد الرحمٰن بن محمد الہاشمی الواسطی قال سمعت الشیخ القدوۃ جمال الدین ابا محمد بن عبد البصری بہا یقول وقد سئل عن الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام أحی ہو ام میت قال اجتمعت بابی العباس الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام وقلت اخبرنی عن حال الشیخ عبدالقادر قال ہو فرد الاحباب وقطب الاولیاء فی ہذا الوقت وما واللہ تعالٰی ولیا الی مقام الاوکان الشیخ عبدالقادر اعلاہ ولا سقی اللہ حبیبًا کأسا من حبہ الا وکان للشیخ عبدالقادر	مصنف (اللہ تعالٰی اس کے نامۂ اعمال کو علیین میں بلند کرے) نے کہا کہ ہم کو شیخ ابوالمحاسن یوسف بن احمد بصری نے خبر دی کہ میں نے شیخ ابوطالب عبدالرحمٰن بن محمد ہاشمی واسطی سے سنا کہتے تھے میں نے شیخ امام جمال الملۃ والدین حضرت ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بصرہ میں سنا، ان سے سوال ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہوا؟ فرمایا: میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور عرض کی: مجھے حضرت شیخ عبدالقادر کے حال سے خبر دیجئے۔ حضرت خضر نے فرمایا: وہ آج تمام محبوبوں میں یکتا اور تمام اولیاء کے قطب ہیں اللہ تعالٰی نے کسی ولی کو کسی مقام تک نہ پہنچایا جس سے اعلٰی مقام شیخ عبد القادر کو نہ دیا ہو نہ کسی حبیب کو اپنا جام محبت پلایا جس سے خوشگوار تر شیخ عبدالقادر

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعًا بشیئ من عجائب احوالہ مختصرًا مصطفی البابی مصر ص ۲۵

[2] حدائق بخشش فصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

اهناه، ولا وهب الله لمقرب حالا الا وكان الشيخ عبد القادر اجلهٗ، وقد اودعه الله تعالٰى سرا من اسرارہ سبق به جمهور الاولياء وما اتخذالله وليا كان اول يكون الا وهو متأدب معه الٰى يوم القيٰمة[1]۔	نے نہ پیا ہو، نہ کسی مقرب کو کوئی حال بخشا کہ شیخ عبدالقادر اس سے بزرگ تر نہ ہوں۔ اللہ نے ان میں اپنا وہ راز ودیعت رکھا ہے جس سے وہ جمہور اولیاء پر سبقت لے گئے، اللہ نے جتنوں کو ولایت دی اور جتنوں کو قیامت تک دے سب شیخ عبدالقادر کے حضور ادب کئے ہوئے ہیں۔

؎ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا[2]

حدیث دہم: قال رفع الله تعالٰى درجاته فى الفردوس اخبرنا الشريف ابو عبدالله محمد بن الخضر الحسينى الموصلى، قال سمعت ابى يقول كنت يوما جالسا بين يدى سيدى الشيخ محى الدين عبد القادر رضى الله تعالٰى عنه فخطر فى قلبى زيارة الشيخ احمد رفاعى رضى الله عنه فقال لى الشيخ احمد؟ قلت نعم فاطرق يسيرًا، ثم قال لى ياخضرها الشيخ احمد فاذا انا بجانبه فرأيت شيخًا مهابا فقمت اليه وسلمت عليه، فقال لى ياخضرو من يرى مثل الشيخ عبد القادر سيد الاولياء يتمنى رؤية مثلى وهل انا الامن رعيته ثم غاب وبعدوفاة الشيخ انحدرت	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی جنت فردوس میں اس کے درجے بلند فرمائے) کہ ہم کو سید حسینی ابو عبداللہ محمد بن خضر موصلی نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا کہ ایک روز میں حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر تھا میرے دل میں خطرہ آیا کہ شیخ احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زیارت کروں، حضور نے فرمایا: کیا شیخ احمد کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: ہاں۔ حضور تھوڑی دیر سر مبارک جھکایا پھر مجھ سے فرمایا: اے خضر! لو یہ ہیں شیخ احمد۔ اب جو میں دیکھوں تو اپنے آپ کو حضرت احمد رفاعی کے پہلو میں پایا اور میں نے اُن کو دیکھا کہ رعب دار شخص ہیں میں کھڑا ہوا اور انہیں سلام کیا۔ اس پر حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا: اے خضر! وہ جو شیخ عبدالقادر

---

[1] بهجة الاسرار ذکر الشيخ ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفٰی البابی مصر ص ۱۷۳

[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

من بغداد الی ام عبیدۃ لازورہ، فلما قدمت علیه اذا ھو الشیخ الذی رأیته فی جانب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه فی ذٰلك الوقت لم تجددرؤیته عندی زیادۃ معرفة به فقال لی یاخضر الم تکفك الاولٰی[1]۔	کو دیکھے جو تمام اولیاء کے سردار ہیں وہ میرے دیکھنے کی تمنا میں تو انہیں کی رعیت میں سے ہوں۔ یہ فرما کر میری نظر سے غائب ہوگئے پھر حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد بغداد شریف سے حضرت سیدی احمد رفاعی کی زیارت کو ام عبیدہ گیا انہیں دیکھا تو وہی شیخ تھے جن کو میں نے اس دن حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پہلو میں دیکھا تھا۔ اس وقت کے دیکھنے نے کوئی اور زیادہ ان کی شناخت مجھے نہ دی۔ حضرت رفاعی نے فرمایا: اے خضر! کیا پہلی تمہیں کافی نہ تھی!
حدیث یازدہم: (قال جمعنا اللہ تعالٰی وایاہ یوم الحشر تحت لواء الحضرۃ الغوثیة) اخبرنا ابو القاسم محمد بن عبادۃ الانصاری الحلبی قال سمعت الشیخ العارف اباسحٰق ابراھیم بن محمود البعلبکی المقری قال سمعت شیخنا الامام اباعبداللہ محمد البطائحی، قال انحدرت فی حیاۃ سید الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه الی ام عبیدۃ، واقمت برواق الشیخ احمد رضی اللہ تعالٰی عنه ایامًا فقال لی الشیخ احمد یومًا اذکر لی شیئًا من مناقب الشیخ عبدالقادر وصفاته فذکرت له شیئا منھا، فجاء رجل فی اثناء حدیثی فقال لی مه لاتذکر عندنا مناقب غیر مناقب ھذا، اواشار الی الشیخ احمد فنظر	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی ہمیں اور اسے یوم محشر کو غوث اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع فرمائے) کہ ہم کو ابوالقاسم محمد بن عبادہ انصاری حلبی نے خبر دی کہ میں نے شیخ عارف باللہ ابواسحٰق ابراہیم بن محمود بعلبکی مقری کو فرماتے سنا، کہا میں نے اپنے مرشد امام ابوعبداللہ بطائحی کو سنا کہ فرماتے تھے: میں حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ام عبیدہ گیا اور حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خانقاہ میں چند روز مقیم رہا ایک روز حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا ہمیں حضرت شیخ عبدالقادر کے کچھ مناقب واوصاف سناؤ، میں نے کچھ مناقب شریف ان کے سامنے بیان کئے میرے اثنائے بیان میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا کیا ہے اور حضرت سید رفاعی کی طرف اشارہ کرکے کہا ہمارے سامنے ان کے سوا کسی کے

[1] بھجۃ الاسرار ذکر احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۷،۲۳۸

الیه الشیخ احمد مغضبا، فرفع الرجل من بین یدیه میتًا ثم قال و من یستطع وصف مانقب الشیخ عبد القادر و من یبلغ مبلغ الشیخ عبد القادر ذٰلك رجل بحر الشرعة عن یمینهٖ، و بحر الحقیقة عن یساره، من ایهما شاء اغترف الشیخ عبد القادر لاثانی له فی عصرنا هٰذا، قال وسمعته یوما یوصی اولاد اخته و اکابر اصحابه، وقد جاء رجل یودعه مسافرًا الی بغداد قال له اذا دخلت الی بغداد فلا تقدم علٰی زیارة الشیخ عبد القادر شیئًا ان کان حیا ولا علی زیارة قبره ان کان میتا، فقد اخذ له العهد ایما رجل من اصحاب الاحوال دخل بغداد ولم یزره سلب حاله ولو قبیل الموت، ثم قال والشیخ محی الدین عبد القادر حسرة علی من لم یره رضی اللہ عنه[1]۔	مناقب ذکر نہ کرو، یہ سنتے ہی حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس شخص کو ایک غضب کی نگاہ سے دیکھا کہ فورًا اس کا دم نکل گیا لوگ اس کی لاش اٹھا کر لے گئے، پھر حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر کے مناقب کون بیان کرسکتا ہے، شیخ عبدالقادر کے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے، شریعت کا دریا ان کے دَہنے ہاتھ پر ہے اور حقیقت کا دریا ان کے بائیں ہاتھ پر جس میں سے چاہیں پانی پی لیں، ہمارے اس وقت میں شیخ عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے حضرت رفاعی کو سنا کہ اپنے بھانجوں اور اکابر مریدین کو وصیت فرماتے تھے ایک شخص بغداد مقدس کے ارادے سے ان سے رخصت ہونے آیا تھا فرمایا جب بغداد پہنچو تو حضرت شیخ عبدالقادر اگر دنیا میں تشریف فرما ہوں تو ان کی زیارت اور پردہ فرماجائیں تو ان کے مزار مبارک کی زیارت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا کہ اللہ عزوجل نے ان سے عہد فرمارکھا ہے کہ جو کوئی صاحب حال بغداد آئے اور ان کی زیارت کو نہ حاضر ہو اس کا حال سلب ہوجائے اگرچہ اس کے مرتے وقت پھر حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر حسرت ہیں اس پر جسے انکا دیدار نہ ملا۔

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ احمد بن الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۸

یہ کمینہ بندہ بارگاہ عرض کرتا ہے:

اے حسرت آنانکہ ندیدند جمالت محروم مدار ایں سگ خود راز نوالت [1]

(جنہوں نے آپ کا جمال نہ دیکھا ان پر حسرت ہے، اپنے اس کتے کو اپنی عطا سے محروم نہ رکھیں۔ت)

بحرمة جدك الکریم علیه ثم علیك الصلوٰة والتسلیم (اپنے کریم نانا کے صدقے میں۔ان پر پھر آپ پر درود وسلام ہو۔ت)

مسلمان ان احادیث صحیحہ جلیلہ کو دیکھے اور اس شخص کے مثل اپنا حال ہونے سے ڈرے جس کا خاتمہ حضرت غوثیت کی شان میں گستاخی اور حضرت سید رفاعی کے غضب پر ہوا، **والعیاذ باللّٰہ رب العالمین**۔اے شخص! ظاہر شریعت میں حضرت سرکار غوثیت کی محبت بایں معنٰی رکنِ ایمان نہیں کہ جو ان سے محبت نہ رکھے شرع اسے فی الحال کافر کہے یہ تو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے لئے ہے مگر واللہ کہ ان کے مخالف سے اللہ عزوجل نے لڑائی کا اعلان فرمایا ہے خصوص کا انکار نصوص کے انکار کی طرف لے جاتا ہے، عبدالقادر کا انکار قادر مطلق عزجلالہٗ کے انکار کی طرف کیوں نہ لے جائے گا۔

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا [2]

والعیاذ باللّٰہ القادر رب الشیخ عبدالقادر وصلی اللّٰہ تعالٰی وبارك وسلم علی جد الشیخ عبدالقادر ثم علی الشیخ عبدالقادر اٰمین۔	شیخ عبدالقادر کے قدرت والے معبود کی پناہ، شیخ عبدالقادر کے نانا جان پھر خود شیخ عبدالقادر پر اللہ تعالٰی درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، آمین۔

تذییل: اخیر میں ہم دو جلیل القدر اجلۃ المشاہیر علماء کبار مکہ معظّمہ کے کلمات ذکر کریں جن کی وفات کو تین تین سو برس سے زائد ہوئے، **اوّل** امام اجل ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی، **دوم** علامہ علی قاری مکی حنفی صاحبِ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا کتب جلیلہ۔دو غرض سے:

ایک یہ کہ اگر دو مطرودوں، مخذولوں، گمناموں، مجہولوں واسطی وقرمانی کی طرح کسی کے دل میں

[1]

[2] حدائق بخشش وصل چہارم در منافحت اعداء واستعانت از آقا رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۹

کتاب مستطاب بہجۃالاسرار شریف سے آگ ہو تو ان سے لاگ کی تو کوئی وجہ نہیں یہ بالاتفاق اجلہ اکابر علماء ہیں۔
دوسرے یہ کہ دونوں صاحب اکابر مکہ معظّمہ سے ہیں، تو اس افتراء کا جواب ہوگا جو مخالف نے اہل عرب پر کیا حالانکہ غالبًا تاریخ الحرمین وغیرہ میں ہے، اور حاضری حرمین طیبین سے مشرف ہونے والا جانتا ہے کہ اہل حرمین طیبین بعد حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اٹھتے بیٹھتے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضور کے برابر کسی کا نام نہیں لیتے۔ان حضرات کی بھی گیارہ ہی عبارات نقل کریں۔:

(۱) علامہ علی قاری حنفی مکی متوفی ۱۰۱۴ھ کتاب نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر میں فرماتے ہیں:

لقد بلغنی عن بعض الاکابر ان الامام الحسن ابن سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما لما ترك الخلافۃ لما فیہا من الفتنۃ والاٰفۃ عوضہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی القطبیۃ الکبرٰی فیہ وفی نسلہ وکان رضی اللہ تعالٰی عنہ القطب الاکبر سیدنا السید الشیخ عبدالقادر ھو القطب الاوسط والمھدی خاتمۃ الاقطاب[1]۔	بیشک مجھے اکابر سے پہنچا کہ سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب بخیال فتنہ وبلایہ خلافت ترک فرمائی اللہ عزوجل نے اس کے بدلے ان میں اور انکی اولاد امجاد میں غوثیت عظمٰی کا مرتبہ رکھا۔ پہلے قطب اکبر خود حضور سید امام حسن ہوئے اور اوسط میں صرف حضور سیدنا سید عبدالقادر اور آخر میں حضرت امام مہدی ہوں گے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۲) اسی میں ہے:

من مشائخہ حماد الدباس رضی اللہ تعالٰی عنہ روی ان یوما کان سیدنا عبدالقادر عندہ فی رباطہ ولما غاب من حضرتہ قال ان ھذا الاعجمی الشریف قدمًا یکون علی رقاب اولیاء اللہ یصیر مامورا من عند مولاہ	حضرت حماد دباس حضور سیدنا غوث اعظم کے مشائخ سے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ایک روز انہوں نے سرکار غوثیت کی غیبت میں فرمایا، ان جوان سید کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا انہیں اللہ عزوجل حکم دے گا کہ فرمائیں میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۶

بأن یقول قدمی ھٰذا علی رقبۃ کل ولی اللہ ویتواضع لہ جمیع اولیاء اللہ فی زمانہ ویعظمونہ لظھور شانہ[1]۔	کی گردن پر، اور ان کے زمانے میں جمیع اولیاء اللہ انکے لئے سر جھکائیں گے، اور ان کے ظہور مرتبہ کے سبب ان کی تعظیم بجا لائیں گے۔

مامور من اللہ ہونا ملحوظ رہے اور جمیع اولیاء زمانہ میں بے شک حضرت سیدی رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی داخل۔

(۳) اسی میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ"[2] فرمانا اور اولیاء حاضرین و غائبین کا گردنیں جھکانا اور قدم مبارک اپنی گردنوں پر لینا اور ایک شخص کا انکار کرنا اور اس کی ولایت سلب ہو جانا بیان کرکے فرماتے ہیں:

وھذا تنبیہ بینۃ علی انہ قطب الاقطاب والغوث الاعظم[3]۔	یہ روشن دلیل قاطع ہے اس پر کہ حضور تمام قطبوں کے قطب اور غوث اعظم ہیں۔

(۴) اسی میں ہے:

ومن کلامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تحدثا بنعم اللہ تعالٰی علیہ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض فلاتقیسونی باحد ولاتقیسوا علی احدًا یعنی فلایقاس الملوك بغیر ھم وھٰذا کلہ من فتوح الغیب المبرء من کل عیب۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ عزوجل کی اپنے اوپر نعمتیں ظاہر فرمانے کا جو کلام ارشاد فرمائے ان میں سے یہ ہے کہ فرمایا مجھ میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں، مجھے کسی سے نسبت نہ دو اور مجھ پر کسی کو قیاس نہ کرو۔ اس پر علامہ علی قاری فرماتے ہیں اس لئے کہ سلاطین کا رعیت پر قیاس نہیں ہوتا اور یہ سب غیب کے فتوحات سے ہے جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۸

[2] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۹ و ۱۰

[3] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۹ و ۱۰

(۵) اسی میں ہے:

وعن عبدالله بن علی بن عصرون التمیمی الشافعی قال دخلت وانا شاب الٰی بغداد فی طلب العلم وکان ابن السقا یومئذ رفیقی فی الاشتغال بالنظامیة وکنا نتعبد ونزور الصالحین وکان رجل ببغداد یقال له الغوث، وکان یقال عنه انه یظهر اذا شاء ویخفی اذا شاء فقصدت انا وابن السقا والشیخ عبدالقادر الجیلانی وھو شاب یومئذ الٰی زیارته فقال ابن السقا ونحن فی الطریق الیوم اسأله عن مسئلة لایدری لھا جوابا، فقلت وانا اسئله[1] (نزھة الخاطر والفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخه) ص۳۰) عن مسئلة فانظر ماذا یقول فیھا وقال سیدی الشیخ عبد القادر قدس سرہ الباھر معاذ الله ان اسأله شیئا، وانا بین یدیه اذًا انظر برکات رویته فلما دخلنا علیه لم نرہ فی مکانه فمکثنا ساعة فاذا ھو جالس فنظر الی ابن السقا مغضبا وقال له ویلك یا ابن السقا تسألنی عن مسئلة لم أردلھا جوابا، ھی کذا وجوابھا کذا، انی لاری نار الکفر تلھب فیك۔ ثم نظر الی وقال	امام عبداللہ بن علی بن عصرون تمیمی شافعی سے روایت ہے میں جوانی میں طلب علم کے لئے بغداد گیا اس زمانے میں ابن السقا مدرسہ نظامیہ میں میرے ساتھ پڑھا کرتا تھا، ہم عبادت اور صالحین کی زیارت کرتے تھے، بغداد میں ایک صاحب کو غوث کہتے، اور ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں، ایک دن میں اور ابن السقا اور اپنی نوعمری کی حالت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ان غوث کی زیارت کو گئے، راستے میں ابن السقا نے کہا آج ان سے وہ مسئلہ پوچھوں گا جس کا جواب انہیں نہ آئے گا۔ میں نے کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں کیا جواب دیتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ الاعلی نے فرمایا معاذاللہ کہ میں ان کے سامنے ان سے کچھ پوچھوں میں تو انکے دیدار کی برکتوں کا نظارہ کروں گا۔ جب ہم ان غوث کے یہاں حاضر ہوئے ان کو اپنی جگہ نہ دیکھا تھوڑی دیر میں دیکھا تشریف فرما ہیں ابن السقا کی طرف نگاہ غضب کی اور فرمایا: تیری خرابی اے ابن السقا! تو مجھ سے وہ مسئلہ پوچھے گا جس کا مجھے جواب نہ آئے تیرا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے، بے شک میں کفر کی آگ تجھ میں بھڑکتی دیکھ رہا ہوں۔ پھر میری طرف نظر کی اور فرمایا

[1] نزھة الخاطر الفاتر فی ترجمه سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۳۰

یاعبداللہ تسألنی عن مسألۃ لتنظر ماأقول فیھا ھی کذا وجوابھا کذا لتخرن علیك الدنیا الٰی شحمتی اذنیك باساء ۃ ادبک۔ثم نظر الی سید عبدالقادر و ادناہ منہ واکرمہ وقال لہ یا عبدالقادر لقد ارضیت اللہ ورسولہ بادبك کانّی اراك ببغدادوقد صعدت علی الکرسی متکلما علی الملا وقلت قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ ،وکانّی اری الاولیاء فی وقتك وقد حنوا رقبھم اجلالا لک،ثم غاب عنا لوقتہ فلم نرہ بعد ذٰلک، قال واما سیدی الشیخ عبدالقادر فانہ ظھرت امارۃ قربہٖ من اللہ عزوجل واجتمع علیہ الخاص والعام، وقال قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ واقرت الاولیاء بفضلہ فی وقتہ واما ابن السقافرأی بنتا للملك حسینۃ ففتن بھا وسأل ان یزوجھا بہ فابٰی الاان یتنصّر فاجابہ الٰی ذٰلک۔والعیاذباللہ تعالٰی۔واما انا فجئت الی دمشق واحضرنی السلطان نورالدین الشھید وولانی علی الاوقات فولیتھا واقبلت علی الدنیا اقبالا کثیراقدصدق	اے عبداللہ ! تم مجھ سے مسئلہ پوچھوگے کہ میں کیا جواب دیتا ہوں تمہارا مسئلہ یہ ہےاور اس کا جواب یہ،ضرور تم پر دنیا اتنا گوبر کرے گی کہ کان کی لَوتک اس میں غرق ہوگے،بدلہ تمہاری بے ادبی کا۔پھر حضرت شیخ عبدالقادر کی طرف نظر کی اور حضور کو اپنے نزدیک کیااور حضور کا اعزاز کیااور فرمایا:اے عبدالقادر ! بے شک آپ نے اپنے حسن ادب سے اللہ و رسول کو راضی کیا گویا میں اس وقت دیکھ رہاہوں کہ آپ مجمع بغداد میں کرسی وعظ پر تشریف لے گئےاور فرمارہے ہیں کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر،اور تمام اولیائے وقت نے آپکی تعظیم کیلئے گردنیں جھکائی ہیں۔وہ غوث یہ فرما کر ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئے پھر ہم نے انہیں نہ دیکھا۔حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تو نشان قرب ظاہر ہوئے کہ وہ اللہ عزوجل کے قرب میں ہیں خاص وعام ان پر جمع ہوئے اورانھوں نے فرمایا: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔اور اولیاء وقت نے اس کا ان کے لئے اقرار کیا،اورابن السقا ایک نصرانی بادشاہ کی خوبصورت بیٹی پر عاشق ہوااس سے نکاح کی درخواست کی اس نے نہ مانا مگر یہ نصرانی ہوجائے،اس نے یہ نصرانی ہونا قبول کرلیا،والعیاذ باللہ تعالٰی۔رہامیں، میرا دمشق جاناہوا وہاں سلطان نورالدین شہید نے مجھے افسر اوقاف کیا اور دنیا بکثرت میری طرف آئی۔غوث کا ارشاد ہم سب کے بارے میں

کلام الغوث فیناکلنا۔	جو کچھ تھا صادق آیا۔

اولیاءِ وقت میں حضرت رفاعی بھی ہیں۔ یہ مبارک روایت بہجۃ الاسرار شریف[1] میں دو سندوں سے ہے، اور ایک یہی کیا۔ علامہ علی قاری نے اس کتاب میں چالیس ۴۰ روایات اور بہت کلمات کہ ذکر کئے سب بہجۃ الاسرار شریف سے ماخوذ ہیں، یونہی اکابر ہمیشہ اس کتاب مبارک کی احادیث سے استناد کرتے آئے مگر محروم محروم۔

(۶) اسی میں ہے:

قال رضی اللہ تعالٰی عنہ وعزّۃ ربّی ان السعداء و الاشقیاء یعرضون علی وان بؤبؤ عینی فی اللوح المحفوظ انا حجۃ اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووارثہ فی الارض و یقول الانس لھم مشائخ والجن لھم مشائخ و الملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل، رضی اللہ تعالٰی عنہ، ونفعنابہ[2]۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "مجھے عزت پروردگار کی قسم! بے شک سعید و شقی مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، بیشک میری آنکھ پُتلی لوح، محفوظ میں ہے، میں تم سب پر اللہ کی حجت ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب اور تمام زمین میں ان کا وارث ہوں۔ اور فرمایا کرتے: آدمیوں کے پیر ہیں، قوم جن کے پیر ہیں، فرشتوں کے پیر ہیں اور میں ان سب کا پیر ہوں۔" علی قاری اسے نقل کر کے عرض کرتے ہیں: اللہ عزوجل کی رضوان حضور پر ہو اور حضور کے برکات سے ہم کو نفع دے۔

(۷) اسی میں ہے:

روی عن السید الکبیر القطب الشھیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال الشیخ عبد القادر بحر الشریعۃ عن یمینہ وبحر الحقیقۃ عن یسارہ من ایھما شاء اغترف السید	سید کبیر قطب شہیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: شیخ عبدالقادر وہ ہیں کہ شریعت کا سمندر ان کے دہنے ہاتھ ہے اور حقیقت کا سمندر ان کے بائیں ہاتھ، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں۔ اس ہمارے

[1] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشایخ منه بذلك مصطفی البابی مصر ص ٦

[2] نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۲

عبدالقادر لاثانی له فی عصرنا هذا رضی الله تعالٰی عنه[1]۔	وقت میں سید عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸) امام ابن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

انهم قد یؤمرون تعریفا لجاهل اوشکرا وتحدثا بنعمة الله تعالٰی کما وقع الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه انه بینما هو بمجلس وعظه واذا هو یقول قدمی هٰذه علی رقبة کل ولی الله تعالٰی فاجابه فی تلك الساعة اولیاء الدنیا قال جماعة بل واولیاء الجن جمیعهم وطأطئوا رءوسهم وخضعواله واعترفوا بما قاله الارجل باصبهان فابٰی فسلب حاله[2]۔	کبھی اولیاء کو کلمات بلند کہنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جو ان کے مقامات عالیہ سے ناواقف ہے اسے اطلاع ہو یا شکر الٰہی اور اس کی نعمت کا اظہار کرنے کے لئے جیسا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ہوا کہ انہوں نے اپنی مجلس وعظ میں دفعۃً فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، فورًا تمام دنیا کے اولیاء نے قبول کیا (اور ایک جماعت کی روایت ہے کہ جملہ اولیاء جن نے بھی) اور سب نے اپنے سر جھکا دئے اور سرکار غوثیت کے حضور جھک گئے اور ان کے اس ارشاد کا اقرار کیا مگر اصفہان میں ایک شخص منکر ہوا فورًا اس کا حال سلب ہوگیا۔

(۹) پھر فرمایا:

وممن طأطأرأسه ابوالنجیب[۱] السهروردی وقال علی رأسی واحمد[۲] الرفاعی قال علی رقبتی وحیدمنهم وسئل فقال الشیخ عبدالقادر یقول کذا وکذا، وابو مدین[۳] فی المغرب وانا منهم اللهم انی اشهدك واشهدملٰئکتك	حضور کے ارشاد پر جنہوں نے اپنے سر جھکائے ان میں سے (سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے پیران پیر) حضرت سید عبدالقاہر ابوالنجیب سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے اپنا سر مبارک جھکا دیا اور کہا (گردن کیسی) میرے سر پر میرے سر پر۔ اور ان میں سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے کہا میری گردن پر، اور کہا

[1] نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذه الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

انی سمعت واطعت، وکذا الشیخ عبدالرحیم [4] القناوی مدّ عنقه وقال صدق الصادق المصدوق [1]۔	یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے جن کی گردن پر حضور کا پاؤں ہے، اس کہنے اور گردن جھکانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ "میرا پاؤں ہر ولی کی گردن پر" لہٰذا میں نے بھی سر جھکایا اور عرض کی کہ یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے، اور انہیں میں حضرت سید ابو مدین شعیب مغربی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے سر مبارک جھکایا اور کہا میں بھی انہیں میں ہوں الٰہی میں تجھے اور تیرے فرشتوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے قدمی کا ارشاد سنا اور حکم مانا۔ اسی طرح حضرت سیدی شیخ عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی گردن مبارک بچھائی اور کہا سچ فرمایا سچے مانے ہوئے سچے نے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۱۰) پھر فرمایا:

ذکر کثیرون من العارفین الذین ذکرنا ھم وغیر ھم انه لم یقل الا بامر اعلاما بقطبیته فلم یسع احدًا التخلف بل جاء باسانید متعددة عن کثیرین انهم اخبر واقبل مولده بنحو مائة سنة انه سیولد بارض العجم مولودله مظهر عظیم یقول ذٰلك فتندرج الاولیاء فی وقته تحت قدمه [2]۔	اولیاء کرام کہ ہم نے ذکر کئے یعنی حضرت نجیب الدین سہروردی و حضرت سید احمد رفاعی و حضرت شعیب مغربی و حضرت عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالٰی عنہم انہوں نے اور ان کے سوا اور بہت عارفین کرام نے تصریح فرمائی کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی طرف سے ایسا نہ فرمایا بلکہ اللہ عزوجل نے ان کی قطبیت کبرٰی ظاہر فرمانے کے لئے انہیں اس فرمانے کا حکم دیا ولہٰذا کسی ولی کو گنجائش نہ ہوئی کہ گردن نہ بچھاتا اور قدم مبارک اپنی گردن پر نہ لیتا بلکہ متعدد سندوں سے بہت اولیاء کرام متقدمین سے مروی ہوا کہ انہوں نے سرکار غوثیت کی ولادت مبارکہ سے تقریبًا سو برس پہلے خبر دی تھی کہ عنقریب عجم میں ایک صاحب عظیم مظہر والے پیدا ہونگے اور یہ فرمائیں گے کہ "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اس فرمانے پر اس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے سر رکھیں گے اور اس

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

	قدم کے سایہ میں داخل ہوں گے۔اللھم لك الحمد صل علی محمد وابنہ وذریتہ۔

(۱۱) پھر فرمایا:

وحکی امام الشافعیة فی زمنه ابو سعید عبدالله بن ابی عصرون قال دخلت بغداد فی طلب العلم فوافقت ابن السقاو رافقته فی طلب العلم بالنظامیة، وکنا نزور الصالحین وکان ببغداد رجل یقال له الغوث[1]۔ (الٰی اٰخر الحدیث المذکور)	"امام ابوسعید عبداللہ بن ابی عصرون نے کہ اپنے زمانہ میں شافعیہ کے امام تھے ذکر فرمایا کہ میں بغداد مقدس میں طلب علم کے لئے گیا ابن السقا اور میں مدرسہ نظامیہ میں شریک درس تھے اور اس وقت بغداد میں ایک شخص کو غوث کہتے تھے (وہی پوری حدیث کہ نمبر ۵ میں گزری، ان غوث کا ہمارے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بشارت دینا کہ آپ برسرِ منبر مجمع میں فرمائیں گے "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر "اور تمام اولیائے عصر آپ کے قدم پاک کی تعظیم کے لئے اپنی گردنیں خم کریں گے، اور پھر ایسا ہی واقع ہونا، حضور کا یہ ارشاد فرمانا اور تمام اولیائے عالم کا اقرار کرنا کہ بے شک حضور کا قدم ہم سب کی گردن پر ہے)

آخر میں ابن حجر نے فرمایا:

وھٰذہ الحکایة التی کادت ان تتواتر فی المعنی لکثرۃ ناقلھا وعدالتھم[2]۔	یعنی یہ حکایت قریب تواتر ہے کہ اس کے ناقلین بکثرت ثقہ عادل ہیں۔

فتاوٰی حدیثیہ نے ابن السقا کی بدانجامی میں یہ اور زائد کیا کہ جب وہ بدبخت کہ بہت بڑا عالم جیّد اور علوم شرعیہ میں اپنے اکثر اہل زمانہ پر فائق اور حافظ قرآن اور علم مناظرہ میں کمال سربرآوردہ تھا جس سے جس علم میں مناظرہ کرتا اسے بند کردیتا، ایسا شخص جب شان غوث میں گستاخی کی شامت سے معاذاللہ نصرانی ہوگیا بادشاہ نصارٰی نے اسے بیٹی تو دے دی مگر جب بیمار پڑا اسے بازار میں پھنکوادیا بھیک مانگتا اور کوئی نہ دیتا، ایک شخص کہ اسے پہچانتا تھا گزرا اس سے پوچھا تو حافظ تھا اب بھی قرآن کریم میں سے کچھ یاد ہے۔ کہا سب محو ہوگیا صرف ایک آیت یاد رہ گئی ہے۔

"رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ②"[3]	کتنی تمنائیں کریں گے وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ کسی طرح مسلمان ہوتے۔

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[3] القرآن الکریم ۱۵/ ۲

امام ابن ابی عصرون فرماتے ہیں پھر ایک دن میں اسے دیکھنے گیا اسے پایا کہ گویا اس کا سارا بدن آگ سے جلا ہوا ہے، وہ نزع میں تھا، میں نے اسے قبلہ کی طرف کیا ہو وہ پُورب کو پھر گیا، میں نے پھر قبلہ کو کیا وہ پھر پھر گیا۔ اسی طرح میں جتنی بار اسے قبلہ رخ کرتا وہ پُورب کو پھر جاتا یہاں تک کہ پورب ہی کی طرف منہ کئے اس کا دم نکل گیا، وہ ان غوث کا ارشاد یاد کیا کرتا اور جانتا تھا کہ اسی گستاخی نے اس بلا میں ڈالا[1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی انتہٰی۔"

اگر کہیے پھر اسلام کیوں نہیں لاتا تھا، کلمہ پڑھ لینا کیا مشکل تھا اقول اس کا جواب قرآن عظیم دے گا:

"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۲۹" [2]	تم کیا چاہو جب تک اللہ نہ چاہے جو مالک سارے جہان کا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"كَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۱۴" [3]	کوئی نہیں بلکہ ان کی بداعمالیوں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دی ہے۔

اور فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ۝۳" [4]۔	یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر کفر کیا تو ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی کہ اب انہیں کچھ سمجھ نہ رہی والعیاذ باللہ تعالٰی۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

وفی هذه ابلغ زجر واکد ردع عن الانکار علی اولیاء اللہ تعالٰی خوفا من ان یقع المنکر فیما وقع فیه ابن السقامن تلك الفتنة المهلكة الابدية التی لا اقبح منها، نعوذ باللہ	اس واقعہ میں اولیاء کرام پر انکار سے کمال جھڑکنا اور سخت منع ہے اس خوف سے کہ منکر اس مہلک فتنے میں پڑ جائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کا ہلاک ہے اور جس سے بدتر کوئی خباثت نہیں جس میں ابن السقا پڑ گیا، اللہ عزوجل کی پناہ۔ ہم اللہ عزوجل سے

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذه علی رقبة الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] القران آلکریم ۸۱/۲۹

[3] القران الکریم ۸۳/۱۴

[4] القرآن الکریم ۶۳/۳

من ذٰلک، ونسأله بوجهه الکریم وحبیبه الرؤف الرحیم ان یؤمننا من ذٰلك ومن کل فتنة ومحنة وبمنه وکرمه وفیها ایضا اتم حث علی اعتقادهم والادب معهم وحسن الظن بهم ما امکن[1]۔	اس کے وجہ کریم اور اس کے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتے ہیں کہ ہم کو اپنے احسان و کرم کے ساتھ اس سے اور ہر فتنہ ومحنت سے امان بخشے۔ نیز اس واقعہ میں کمال ترغیب ہے اس کی کہ اولیاء کرام کے ساتھ عقیدت وادب رکھیں اور جہاں تک ہو ان پر نیک گمان کریں۔

فقیر کوئے قادری امید کرتا ہے کہ اتنے بیان میں اہل انصاف وسعادت کے لئے کفایت ہو۔ اللہ عزوجل مسلمان بھائیوں کو اتباع حق وادب اولیاء کی توفیق دے اور ابن السقا بجہنم اس شخص کے حال سے پناہ دے جس نے بزعم خود حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارگاہ میں حق نیاز مندی ادا کیا اور نتیجہ معاذاللہ وہ ہوا کہ سید کبیر کے غضب اور حضور غوثیت کی سرکار میں اساءتِ ادب پر خاتمہ ہوا، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

اے برادر! مقتضائے محبت اتباع وتصدیق ہے نہ کہ نزاع وتکذیب۔ سچا محب حضرت احمد کبیر کے ارشادات کو بالائے سر لے گا اور جس بارگاہ ارفع کو انہوں نے سب سے ارفع بتایا اور ان کا قدم اقدس اپنے سر مبارک پر لیا انہیں کو ارفع واعظم مانے گا۔ عبد الرزاق محدث شیعی تھا مگر حضرات عالیہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہٗ سے افضل کہتا، اس سے پوچھا جاتا تو جواب دیتا **کفٰی بی ازرا ان احب علیا ثم اخالفه**[2] یعنی امیر المومنین نے خود حضرات شیخین کو اپنے نفس کریم سے افضل بتایا ہے مجھے یہ گناہ بہت ہے کہ علی سے محبت رکھوں پھر ان کا خلاف کروں۔ واقعی تکذیب مخالفت اگرچہ بزعم عقیدت ومحبت ہو اعلٰی درجہ کی عداوت ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اللہ عزوجل اپنے محبوبوں کا حسن ادب روزی کرے اور انہیں کی محبت پر خاتمہ فرمائے اور انہیں کے گروہ پاک میں اٹھائے، آمین! آمین۔

اٰمین بجاههم عندك یا ارحم الراحمین	اے بہترین رحم فرمانے والے ان محبوبوں کا تیرے

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذه علی رقبة الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۰۴۴ عبدالرازق بن ہمام دار المعرفة بیروت ۲/ ۶۱۲

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین الی یوم الدین عدد کل ذرۃ ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الی ابدالاٰبدین، اٰمین، والحمد للہ رب العالمین۔	نزدیک جو مرتبہ ہے اس کے صدقے ہماری دعا قبول فرما۔ اللہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت کے روز تک ہر گھڑی ہر لمحے ہمارے آقا و مولٰی، انکی آل، صحابہ، بیٹے اور ان کے گروہ سب پر کروڑوں درود بھیجے، آمین۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

طرد الافاعی عن حمٰی ھادٍ رفع الرفاعی

ختم ہوا۔

رسالہ
فتاوٰی کرامات غوثیہ

مسئلہ اولٰی:

از اوجین ریاست گوالیار مرسلہ جناب محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے حق الیقین اور مفتیان پابند شرع متین اس مسئلہ میں کہ عبارت نظم "شام ازل اور صبح ابد" سے بیٹھ جانا براق کا وقت سواری آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ثابت ہے۔

"مقولۂ جبرئیل علیہ السلام"

نظم

مسند نشین عرش معلٰی یہی تو ہے — مفتاح قفل گنج فاوحٰی یہی تو ہے
مہتاب منزل شب اسرٰی یہی تو ہے — خورشید مشرق فتدلّٰی یہی تو ہے
ہمراز قرب ہمدم او قاتِ خاصہ ہے — مژدہ ہزار عالمِ رب کا خلاصہ ہے
سن کر یہ بات بیٹھ گیا وہ زمیں پر — تھامی رکاب طائر سدرہ نے دوڑ کر
رونق افزائے دیں ہوئے سلطان بحر و بر — کی عرض پھر براق نے یا سید البشر
محشر کو جب قدم سے گہر پوش کیجئے — اپنے غلام کو نہ فراموش کیجئے

خیر الورٰی نے دی اسے تسکین کہا کہ ہاں

خوش خوش وہ سوئے مسجد اقصٰی ہوا رواں

صاحب "تحفہ قادریہ" لکھتے ہیں کہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑا اور اونچا ہوگیا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔ ارباب معرفت کے نزدیک اس معاملہ میں عمدہ تر حکمت یہ ہے کہ جس طرح آج کی رات محبوب اپنا دولت وصال سے فرح (خوشحال) ہوتا ہے اسی طرح محبوب کا محبوب بھی نعمت قرب خاص اور دولت اختصاص اور ولایت مطلق اور غوثیت برحق اور قطبیت اصطفاء اور محبوبیت مجد وعلا سے آج مالامال ہی کردیا جائے۔

چنانچہ صاحب "منازل اثنا عشریہ" "تحفہ قادریہ" سے لکھتا ہے کہ اس وقت سیدی ومولائی مرشدی وملجائی، قطب الاکرم، غوث الاعظم، غیاث الدارین وغوث الثقلین، قرۃ العین مصطفوی نور دیدۂ مرتضوی، حسنی حسینی سروحدیقہ مدنی، نور الحقیقت والیقین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح پاک نے حاضر ہوکر گردن نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور اس طرح عرض کیا: (بیت)

بر سر و دیدہ ام بنہ اے مہ نازنین قدم ۔۔۔ بود بسر نوشت من فیض قدم ازیں قدم

(اے نازنین میرے سر اور آنکھوں پر قدم رکھئے تاکہ اس کی برکت سے میری تقدیر پر فیضان قدم ہو۔ت)

خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث الاعظم پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندان ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزل بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا: تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے کل تیرا قدم کُل اولیاء کی گردن پر ہوگا۔

بیت قصیدہ غوثیہ:

وکل ولی لہ قدم وانی ۔۔۔ علٰی قدم النبی بدر الکمال[1]

(ہر ولی میرے قدم بقدم ہے اور میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں جو آسمان کمال کے بدر کامل ہیں۔ت)

---

[1] فتوح الغیب علی ھامش بہجۃ الاسرار القصیدۃ الغوثیۃ مصطفی البابی مصر ص۲۳۱

پس ان دونوں عبارت کتب سے کون سی عبارت متحقق ہے؟ کس پر عمل کیا جائے؟ یا دونوں ازروئے تحقیق کے درست ہیں؟ بیان فرمائیے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسے تنبیہ فرمانا کہ:

"اے براق! کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ! واللہ! تجھ پر کوئی ایسا سوار نہ ہوا جو اللہ عزوجل کے حضور ان سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو۔"

اس پر براق کا شرمانا، پسینہ پسینہ ہو کر شوخی سے باز رہنا، پھر حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کا سوار ہونا، یہ مضمون تو ابوداود وترمذی ونسائی وابن حبان وطبرانی وبیہقی وغیرہم اکابر محدثین کی متعدد احادیث صحاح وحسان وصوالح سے ثابت۔

کما بسط اکثرھا المولی الجلال السیوطی قدس سرہ فی خصائصہ الکبرٰی [1] وغیرہ من العلماء الکرام فی تصانیفھم الحسنٰی۔	جیسا کہ اس میں سے اکثر کی تفصیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبرٰی" میں اور دیگر علماء کرام نے اپنی شاندار تصانیف میں فرمائی ہے۔ (ت)

اور اس کا حیا کے سبب براہ تذلل وانقیاد پست ہو کر لپٹ جانا بھی حدیث میں وارد ہے۔

ففی روایۃ عند ابن اسحٰق رفعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فارتعشت حتی لصقت بالارض فاستویت علیہا [2]۔	اور ایک روایت میں ابن اسحٰق سے مرفوعًا مروی ہے کہ حضور پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں: جب جبریل نے اس سے کہا تو براق تھرّا گیا اور کانپ کر زمین سے چسپاں ہو گیا، پس میں اس پر سوار ہو گیا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

[1] الخصائص الکبرٰی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء حدیث ام سلمہ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۱۷۹، المواہب اللدنیۃ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر الاسراء والمعراج دار ابن کثیر بیروت الجزأین الاول والثانی ص ۳۹۸

[2] المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن اسحٰق المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳ / ۳۹

اور یہ روایت کہ سوال میں تحفہ قادریہ سے ماثور، اس کی اصل بھی حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم میں مذکور۔۔۔۔۔
فاضل عبدالقادر قادری عـــہ بن شیخ محی الدین اربلی، تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لکھتے ہیں کہ
جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب حرز العاشقین میں فرماتے ہیں:

ان لیلۃ المعراج جاء جبرئیل علیہ السلام ببراق الٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسرع من البرق الخاطف الظاہر، ونعل رجلہ کالھلال الباہر،	یعنی شب معراج جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام خدمت اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں براق حاضر لائے کہ چمکتی اُچک لے جانیوالی بجلی سے زیادہ شتاب رو تھا، اوراس کے پاؤں کا نعل آنکھوں میں چکاچوند ڈالنے والا ہلال

عـــہ: حضرت علامہ عبدالقادر قادری بن محی الدین الصدیقی الاربلی جامع علوم شریعت وحقیقت تھے۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام میں عمدہ مقام پایا۔ آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبدالرحمٰن الطالبانی جیسے اجلّہ فضلاء شامل ہیں۔ اور فہ میں ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں وصال پایا۔ آپ کی تصانیف میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں:

۱۔ آداب المریدین ونجاۃ المسترشدین ۲۔ تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر
۳۔ النفس الرحمانیۃ فی معرفۃ الحقیقۃ الانسانیہ ۴۔ الدر المکنون فی معرفۃ السر المصون
۵۔ حدیقۃ الازھار فی الحکمۃ والاسرار ۶۔ شرح الصلاۃ المختصرۃ للشیخ اکبر
۷۔ الدرر المعتبرۃ فی شرح الابیات الثمانیہ عشرہ ۸۔ شرح اللمعات للفخر الدین العراقی
۹۔ القواعد الجمعیۃ فی الطریق الرفاعیۃ ۱۰۔ مجموعۃ الاشعار فی الرقائق والآثار
۱۱۔ مرآۃ الشھود فی وحدۃ الوجود ۱۲۔ مسک الختام فی معرفۃ الامام، مختصر فی کراستہ
۱۳۔ الالھامات الرحمانیہ فی مراتب الحقیقۃ الانسانیۃ ۱۴۔ حجۃ الذاکرین ورد المنکرین۔
۱۵۔ الطریقۃ الرحمانیہ فی الرجوع والوصول الی الحضرۃ العلیۃ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

ا۔ معجم المولفین، عمر رضا کحالہ، الجزء الخامس ص ۳۵۴
ب۔ ھدیۃ العارفین، اسماعیل باشا البغدادی جلد اول ص ۶۰۵

ومسمارہ کالانجم الظواھر، ولم یأخذہ السکون والتمکین لیرکب علیہ النبی الامین، فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لم لم تسکن یابراق حتی ارکب علٰی ظھرک، فقال روحی فداءً لتراب نعلک یارسول اللہ اتمنی ان تعاھدنی ان لاترکب یوم القیٰمۃ علٰی غیر حین دخولک الجنۃ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون لک ماتمنیت، فقال البراق التمس ان تضرب یدک المبارکۃ علٰی رقبتی لیکون علامۃ لی یوم القیٰمۃ، فضرب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدہ علٰی رقبۃ البراق، ففرح البراق فرحا حتی لم یسع جسدہ روحہ ونمٰی اربعین ذراعامن فرحہ وتوقف فی رکوبہ لحظۃ لحکمۃ خفیۃ ازلیۃ، فظھرت روح الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال یا سیدی ضع قدمک علٰی رقبتی وارکب، فوضع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمہ علٰی رقبتہ ورکب، فقال قدمی علٰی رقبتک وقدمک علٰی رقبۃ کل اولیاء اللہ تعالٰی[1] انتھٰی۔	اور اس کی کیلیں جیسے روشن تارے۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے اسے قرار وسکون نہ ہوا، سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے سبب پوچھا: بولا: میری جان حضور کی خاک نعل پر قربان، میری آرزو یہ ہے کہ حضور مجھ سے وعدہ فرمالیں کہ روز قیامت مجھی پر سوار ہو کر جنت میں تشریف لے جائیں۔ حضور معلّٰی صلوات اللہ تعالٰی و سلامہ علیہ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔ براق نے عرض کی: میں چاہتا ہوں حضور میری گردن پر دست مبارک لگادیں کہ وہ روز قیامت میرے لیے علامت ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ دست اقدس لگتے ہی براق کو وہ فرحت وشادمانی ہوئی کہ روح اس مقدار جسم میں نہ سمائی اور طرب سے پھول کر چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا۔ حضورپُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک حکمت نہانی ازلی کے باعث ایک لحظہ سواری میں توقف ہوا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح مطہر نے حاضر ہو کر عرض کی: اے میرے آقا! حضور اپنا قدم پاک میری گردن پر رکھ کر سوار ہوں۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی گردن مبارک پر قدم اقدس رکھ کر سوار ہوئے اور ارشاد فرمایا: "میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر۔"

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبۃ الاولی سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۴، ۲۵

نوٹ: زیر نظر نسخہ حضرت مولانا ابوالمنصور محمد صادق قادری فاضل جامعہ رضویہ فیصل آباد کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اس کے بعد فاضل عبدالقادر اربلی فرماتے ہیں:

فایاك یااخی ان تکون من المنکرین المتعجبین من حضور روحه لیلة المعراج لانه وقع من غیرہ فی تلك اللیلة کما ھو ثابت بالاحادیث الصحیحة کرؤیته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ارواح الانبیاء فی السمٰوٰت وبلالا فی الجنة واویسا القرنی فی مقعد الصدق و	یعنی اے برادر! بچ اور ڈر اس سے کہ کہیں تُو انکار کر بیٹھے اور شعب معراج حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری پر تعجب کرے کہ یہ امر تو صحیح حدیثوں میں اوروں کے لئے وارد ہوا ہے، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام عـــہ۱ کو ملاحظہ فرمایا، اور جنت میں بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ عـــہ۲ کو دیکھا اور مقعد صدق میں اویس قرنی اور

عـــہ۱: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المطبعة الشرکة الصحافیة ۱/۱۴۵

عـــہ۲: حدیث شریف میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لبلال صلوٰۃ الغداۃ یا بلال حدثنی بارجی عمل عملته عندك فی الاسلام منفعة فانی سمعت اللیلة خشف نعلیك بین یدی فی الجنة[1]، الحدیث

ایک اور حدیث میں یوں ہے: عن ابن عباس قال لیلة اسری برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دخل الجنة فسمع فی جانبها خشفا فقال یاجبریل من ھذا فقال ھذا بلال المؤذن فقال قد افلح بلال رأیت له کذا کذا[2]۔

حضرت ابوامامہ کی روایت میں مرفوعًا ہے: فقیل ھذا بلال یمشی امامک[3]۔

مذکورہ روایات اور احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جنت میں ملاحظہ فرمایا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم، ام انس بن مالك وبلال ۲/۲۹۲

[2] منتخب کنزالعمال علی ھامش مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۶۹

[3] الکامل لابن عدی ترجمه یحیٰی بن ابی حیة ابوجناب الکلبی دارالفکر بیروت ۷/۲۶۷۰

امرأة ابی طلحة فی الجنة، وسماعه صلی الله تعالٰی علیه وسلم خشخشة الغمیصاء	بہشت میں زوجۂ ابوطلحہ عــہ۱ کو اور جنت میں غمیصاء بنت ملحان کی پہچل عــہ۲ سنی، جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کرچکے ہیں۔

عــہ۱: حدیث میں ہے: عن جابر بن عبدالله ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال رأیت الجنة فرأیت امرأة ابی طلحة الحدیث[1]۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے جنت میں ابوطلحہ کی زوجہ کو دیکھا۔

عــہ۲: حدیث شریف میں ہے: عن انس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت من هذا قالوا هٰذه الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالك[2]۔

ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا: عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخلت الجنة فسمعت خشخشة بین یدی فاذا هی الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالک[3]۔

مسند احمد کی دوسری روایت یوں ہے: عن انس قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخلت فسمعت بین یدی خشفة فاذا انا بالغمیصاء بنت ملحان[4]۔

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کی والدہ حضرت غمیصاء بنت ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہا کی جنت میں پہچل سنی۔

نوٹ: یاد رہے کہ غمیصاء بنت ملحان یہی زوجۂ ابوطلحہ ہیں۔ **فاعلم ذٰلك**

(حاشیہ منجانب امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم ام انس بن مالك وبلال ۲/ ۲۹۲

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم ام انس بن مالك وبلال ۲/ ۲۹۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹

[4] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۰۶

بنت ملحان فی الجنة کما ذکرنا قبل ھذا،وذکرفی حرز العاشقین وغیرہ من الکتب ان نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقی لیلۃ المعراج سیدنا موسٰی علیہ السلام فقال موسٰی مرحبابالنبی الصالح والاخ الصالح انت قلت علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، ارید ان یحضراحد من علماء امتك لیتکلم معی فاحضر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روح الغزالی رحمہ اللہ تعالٰی الی موسٰی علیہ السلام(وساق القصۃ ثم قال)،وفی کتاب رفیق الطلاب لاجل العارفین الشیخ محمد الجشتی نقلا عن شیخ الشیوخ قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی رأیت رجالا من امتی فی لیلۃ المعراج ارانیھم اللہ تعالٰی(الخ ثم قال)وقال الشیخ نظام الدین الکنجوی کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راکبا علی البراق و	اورحرز العاشقین وغیرہ کتابوں میں کہ حضرت سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست پر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حکم حاضری دیا۔روح امام نے حاضر ہوکر موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا۔ عـــہ۱ اورعارف اجل شیخ محمد چشتی نے کتاب رفیق الطلاب میں حضرت شیخ الشیوخ قدست اسرارہم سے نقل کیاکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج کچھ لوگ اپنی امت کے ملاحظہ فرمائے عـــہ۲ اور شیخ نظام الدین گنجوی رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے تھے: جب حضورپُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ رونق افروز پشت براق پر تھے اور براق کازین پوش میرے کندھے پر تھا۔ اور عمدۃ المحدثین امام نجم الدین غیطی کتاب المعراج میں فرماتے ہیں: جب حضور معلّٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی تک تشریف لے گئے اس پر ایک ابر چھایا عـــہ۳ جس میں ہر قسم کا رنگ تھا، جبریل امین

عـــہ۱: (ا) نبراس شرح شرح عقائد،علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص ۳۸۸

(ب) مقابیس المجالس اردو ترجمہ از واحد بخش سیال ص ۲۵۵

(ج) معراج النبی از علامہ سید احمد سعید کاظمی ص ۲۸ اور مابعد

(د) عرفان شریعت (مجموعہ فتاوٰی امام احمد رضا) مرتبہ مولانا محمد عرفان علی حصہ سوم ص ۸۴ تا ۹۱

عـــہ۲: رفیق الطلاب مجتبائی دہلی ص ۲۸

عـــہ۳: عمدۃ الفضلاء المحققین امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: واماالرفرف فیحتمل ان المراد بہ السحابۃ التی غشیتہ وفیھامن کل لون التی رواھاابن ابی حاتم عن انس وعندماغشتہ تاخرعنہ جبریل۔ (کتاب المعراج (مؤلفہ رجب ۹۹۹ھ) مطبوعہ مصر، ص ۸۹)

غاشیته علی کتفی انتهی وقال عمدة المحدثین الامام نجم الدین الغیطی فی کتاب المعراج ثم رفع الی سدرة المنتهٰی فغشیه سحابة فیها من کل لون فتأخر جبریل علیه السلام ثم عرج لمستو سمع فیه صریف الاقلام ورأی رجلا مغیبا فی نور العرش فقال من هذا أملک؟ قیل:لا۔قال:أنبی؟ قیل:لا، هذا رجل کان فی الدنیالسانه رطب من ذکر الله تعالٰی وقلبه معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیه قط[1] الخ مافی التفریح ملخصا۔	علیہ الصلوٰۃ والسلام پیچھے رہ گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مستوی پر جلوہ عـــہ۱ فرماہوئے وہاں قلموں کے لکھنے کی آواز گوشِ اقدس میں آئی اور ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ نور عرش میں چھپاہوا ہے، حضور نے دریافت فرمایا: کیا یہ فرشتہ ہے؟جواب ہوا: نہیں۔پوچھا کیا یہ نبی ہے؟ کہا: نہیں بلکہ یہ ایک مرد ہے کہ دنیا میں اس کی زبان یا دخدا میں تر رہتی اور دل مسجدوں میں لگا رہتا۔ کبھی کسی کے ماں باپ کو بُرا کہہ کر اپنے والدین کو بُرا نہ کہلوایا عـــہ۲ انتہی۔

یعنی جب معراج میں اتنے لوگوں کی ارواح کا حاضر ہونا احادیث واقوال علماء واولیاء سے ثابت ہے تو روح اقدس حضور پرنور سید الاولیاء غوث الاصفیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری، کیا جائے تعجب وانکار ہے بلکہ ایسی حالت میں حاضر نہ ہونا ہی محل استعجاب ہے۔اک ذرا انصاف واندازہ قدر قادریت درکار ہے۔

اقول وبالله التوفیق (میں کہتاہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سید الاکوان" میں بعونہ تعالٰی ایک فائدہ جلیلہ لکھا کہ مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدا اور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ۔اس قسم مطالب احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں، بلکہ کلمات علماء ومشائخ میں ان کا ذکر کافی۔

عـــہ۱: امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: ثم عرج به حتی ظهر لمستوی سمع فیه صریف الاقلام۔(کتاب المعراج، مطبوعہ مصر، ص۸۹،۸۷)

عـــہ۲: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب المعراج ص۹

---

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبة الاولی سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص۲۸تا۲۵

امام خاتمۃ المحدثین جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ الشریف نے "**مناھل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء** "میں اس روایت کی نسبت کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے وصال اقدس کے بعد کلام طویل میں حضور کو ہر جملہ پر بکلمہ "**بابی انت وامی یارسول الله**" (یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ت) ندا کرکے فضائل جلیلہ وخصائص جمیلہ بیان کئے، تحریر فرمایا:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلك سندا لمثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام[1] ۔	یعنی میں نے یہ روایت کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے ایک حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں انتہی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نسیم الریاض[2] شرح شفاء قاضی عیاض میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

بالجملہ روح مقدس کا شب معراج کو حاضر ہونا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت غوثیت کی گردن مبارک پر قدم اکرم رکھ کر براق یا عرش پر جلوہ فرمانا، اور سرکار ابد قرار سے فرزند ارجمند کو اس خدمت کے صلہ میں یہ انعام عظیم عطا ہونا ـــــ ان میں کوئی امر نہ عقلاً اور شرعاً مہجور اور کلماتِ مشائخ میں مسطور وماثور، کتبِ حدیث میں ذکر معدوم، نہ کہ عدم مذکور، نہ روایات مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور، اور قدرت قادر وسیع وموفور، اور قدر قادری کی بلندی مشہور پھر ردوانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔

اب یہ رہا کہ اس حدیث میں کہ براق برق رفتار زمین سے لپٹ گیا۔ اور اس روایت میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردنِ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر قدم رکھ کر زیب پشتِ براق ہوئے، بظاہر تنافی ہے۔

اقول: اصلاً منافات نہیں، بلکہ جب اسی روایت میں مذکور کہ براق فرط فرحت سے

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا اور پُر ظاہر کہ جو مَرْکَب عہ۱ اس قدر بلند ہو وہ کیسا ہی زمین سے ملصق عہ۲ ہو جائے تاہم قامتِ انسان سے بہت بلند رہے گا اور اس پر سواری کے لئے ضرور حاجتِ نردبان عہ۳ ہوگی۔ اب ایک چھوٹے سے جانور فیل عہ۴ ہی کو دیکھئے کہ جب ذرا بلند و بالا ہوتا ہے اسے بٹھا کر بھی بے زینہ سواری قدرے دقت رکھتی ہے۔ تو اگر براق بوجہ حیاء وتذلل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے زمین سے لپٹ گیا ہو اور پھر بھی بوجہ طول ارتفاع حاجت زینہ ہو جس کے لئے روح سرکار غوثیت مدار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حاضر ہو کر اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زیر قدم اکرم اپنا شانہ مبارک رکھا ہو، کیا جائے استعجاب عہ۵ ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب الاکرم واٰلہ وصحبہ اھل الکرم وابنہ الکریم الغوث الاعظم وعلینا بجاھھم وبارك وسلم۔	اللہ تعالٰی اپنے حبیب اکرم، آپ کے کرم والے آل واصحاب، آپ کے کریم بیٹے غوث اعظم اور ان کے صدقے میں ہم پر رحمت، برکت اور سلام نازل فرمائے۔ (ت)
واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	

مسئلہ دوم:

از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن پرب مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان اقوال کے باب میں:

اول: ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے عرش معلّٰی پر اپنے اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر جانے کی معاونت کی، یعنی یہ کام اوپر جانے کا براق اور حضرت جبریل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انجام کو نہ پہنچا حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔

عہ۱: مَرْکَب بمعنی سواری عہ۲: ملصق ہونا: چمٹ جانا، مل جان عہ۳: سیڑھی عہ۴: ہاتھی عہ۵: تعجب۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے۔

تیسرے یہ کہ زنبیل ارواح کی عزرائیل علیہ السلام سے حضرت پیران پیر نے ناراض اور غصہ میں ہو کر چھین لی تھی۔

چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق سے زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔

ان اقوال کا کیا حال ہے؟ مفصل بیان فرما کر اجر عظیم اور ثواب کریم پائیں اور رفع نزاع بین الفریقین فرمائیں۔

المستفتی

عبدالحق عفاعنہ کٹھور، ضلع سورت، گجرات (بھارت)

مؤرخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

الجواب:

اللھم لك الحمد فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ کلمات چند مجمل وسود مند [عہ۱] گزارش کرے اگرچہ فریقین میں سے کسی کو پسند نہ آئیں مگر بعونہ تعالیٰ حق وانصاف ان سے متجاوز نہیں والحق احق ان یتبع واللہ الھادی الی صراط مستقیم (اور حق ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، اور اللہ تعالیٰ سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔)

جواب سوال ۲: یہ قول کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ہوتے اگرچہ اپنے مفہوم شرطی پر صحیح وجائز الاطلاق ہے کہ بے شک مرتبہ علیہ رفیعہ حضور پُر نور رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلو مرتبہ نبوت [عہ۲] "

عہ۱: مفید

عہ۲: مرتبہ غوثیت، مرتبہ نبوت کے پیچھے اور اس سے نیچے ہے۔

ہے۔ خود حضور معلّٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: "جو قدم میرے جدِّ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھایا میں نے وہیں قدم رکھا سوا اقدام نبوت کے، کہ ان میں غیر نبی کا حصہ نہیں۔

از نبی بر داشتن گام از تو بنہادن قدم غیر اقدام النبوۃ سدّ ممشاھا الختام [1]

(نبی کا کام قدم اٹھانا اور آپ کا کام قدم رکھنا ہے علاوہ اقدام نبوت کے، کہ وہاں ختم نبوت نے راستہ بند کردیا ہے)

اور جواز اطلاق یوں کہ خود حدیث میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے وارد:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب رواہ احمد [2] والترمذی والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا (اس کو امام احمد، ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے جبکہ طبرانی نے معجم کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے وارد:

لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا۔ رواہ ابن عساکر [3] عن جابر بن عبداللہ وعن ابن عباس وعن ابن ابی اوفٰی والباوردی	اگر ابراہیم جیتے تو صدیق و پیغمبر ہوتے۔ (اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ اور ابن عباس اور ابن ابی اوفٰی سے، جبکہ الباوردی نے حضرت

[1]

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ لوکان بعدی نبی لکان عمر دارالفکر بیروت ۳/ ۸۵، المعجم الکبیر حدیث ۴۷۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۱۸۰، مسند امام احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۵۴

[3] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلوۃ والسلام وازواجہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۵ تا ۷۹، کنزالعمال بحوالہ الباوردی عن انس وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ، ابن عباس وابن ابی اوفٰی حدیث ۳۲۲۰۴ ۱۱/ ۴۶۹

عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهم۔	انس بن مالک سے روایت کیا، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔)

علماء نے امام ابو محمد جوینی قدس سرہٗ کی نسبت کہا ہے کہ: "اگر اب کوئی نبی ہو سکتا تو وہ ہوتے۔" امام ابن حجر مکی اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

قال فی "شرح المهذب" نقلا عن الشيخ الامام المجمع علی جلالته وصلاحه وامامته ابی محمد الجوينی الذی قيل فی ترجمته لو جاز ان يبعث الله فی هذه الامة نبيا لكان ابامحمد الجوينی [1]۔	شرح مہذب میں کہا نقل کرتے ہوئے اس شیخ وامام سے جن کی جلالت وصلاحیت وامامت پر اجماع ہے یعنی ابو محمد جوینی علیہ الرحمہ جن کے تعارف میں کہا گیا ہے کہ اگر اب اللہ تعالٰی کی طرف سے اس امت میں کسی نبی کو بھیجنا جائز ہوتا تو وہ ابو محمد جوینی ہوتے (ت)

مگر ہر حدیث حق ہے، ہر حق حدیث نہیں۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں، اور قول مذکور ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال ۴: حضرت ام المومنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وسلم کا روح اقدس سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دودھ پلانا، بعض مداحین حضور اسے واقعہ خواب بیان کرتے ہیں **كما رأيت فی بعض كتبهم التصريح بذٰلک** (جیسا کہ میں نے ان کی بعض کتابوں میں اس پر تصریح دیکھی۔ ت)

اس تقدیر پر تو اصلاً استبعاد عـــہ۱ نہیں اور اب اس پر جو کچھ ایراد کیا گیا سب بے جا و بے محل ہے اور اگر بیداری ہی میں مانا جاتا ہو، تاہم بلاشبہہ عقلاً اور شرعاً جائز اور اس میں درایۃً کوئی استحالہ عـــہ۲ درکنار استبعاد بھی نہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾" [2]۔ (بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ت)

عـــہ۱: دور از قیاس عـــہ۲: محال ہونا

---

[1] الفتاوٰی الحدیثیہ مطلب قیل لو جاز ان یبعث اللہ فی هٰذه الامة نبیا الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۳۲۵، ۳۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/۲۰

نہ ظاہر میں ام المومنین کے پاس شیر نہ ہونا کچھ اس کے منافی کہ امور خارقہ للعادہ عـــہ۱ اسباب ظاہر پر موقوف نہیں، نہ روح عام متکلمین کے نزدیک مجردات سے ہے اور فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادہ سے اس کا تعلق بدیہی۔ نہ جسم، جسم شہادت میں منحصر۔ جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے کہ ہزاروں احادیث. برزخ وغیرہ اس پر گواہ عـــہ۲، کیفما کان عـــہ۳ شک نہیں کہ روح مفارق عـــہ۴ کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود ووضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیت قطعاً منسوب اور وہ نسبتیں اہل حق کے نزدیک ظاہر پر محمول عـــہ۵ یالیت شعری جب ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت۔

الترمذی عن کعب بن مالك قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان ارواح الشهداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنة[1]۔	(امام ترمذی کعب ابن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں میوہ ہائے جنت سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔

جبکہ دوسری روایت میں ارواح عام مومنین کے لئے یہی ارشاد:

الامام احمد عن الامام الشافعی عن الامام مالك عن الزهری عن عبدالرحمن بن کعب بن مالك عن ابیه رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه الله تعالٰی فی جسده یوم یبعثه[2]۔	امام احمد امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ) مومن کی روح پرندہ کی صورت میں جنت کے درختوں میں رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالٰی اسے اپنے جسم کی طرف لوٹادے گا۔

عـــہ۱: عادت کے خلاف، کرامت وغیرہ عـــہ۲: وہ احادیث جو احوال برزخ پر مشتمل ہیں ان میں جسم مثالی بکثرت ذکر آیا ہے لہٰذا وہ احادیث جسم مثالی کے وجود پر گواہ ہیں۔ عـــہ۳: کوئی بھی صورت ہو

عـــہ۴: جسم سے جدا روح عـــہ۵: اہل سنت کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر ہے ان میں کوئی تاویل نہیں کی گئی۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل الجہاد باب ماجاء فی ثواب شہید امین کمپنی دہلی ۱/۱۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث کرب بن مالك انصاری المکتب الاسلامی بیروت ۴۵۵/۳

تو دودھ پلانے میں کیا استحالہ ہے۔ حال روح بعد فراق وپیش از تعلق میں فارق عــــہ۱ کیا ہے؟ آخر حضرت ابراھیم علی ابیہ الکریم وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم کے لئے صحیح حدیث میں ہے: "جنت میں دو دایہ ان کی مدتِ رضاعت پوری کرتی ہیں۔"

رواہ احمد ومسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابراھیم ابنی وانہ مات فی الثدی وانہ لو ظئرین یکملان رضاعہ فی الجنۃ[1]۔	اس کو امام احمد ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم میرا بیٹا جو شیر خوارگی کی عمر میں وصال فرماگیا ہے بیشک جنت میں اس کیلئے دو دایہ ہیں جو اس کی مدت رضاعت پوری کریں گی۔ (ت)

بایں ہمہ یہ باتیں نافی استحالہ ہیں نہ مثبت وقوع عــــہ۲ قول بالوقوع تاوقتیکہ نقل ثابت نہ ہو جزاف عــــہ۳ وبے اصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال ۳: زنبیل ارواح عــــہ۴ چھین لینا خرافات مخترعہ جہّال سے ہے۔ سیدنا عزرائیل علیہ الصلٰوۃ والسلام رسل ملائکہ سے ہیں اور رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل۔ تو مسلمانوں کو ایسے اباطیل واہیہ

عــــہ۱: روح کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد کی حالت اور جسم سے متعلق ہونے سے پہلے کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔

عــــہ۲: ان دلائل سے استحالہ کی نفی ہوتی ہے لیکن اس کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

عــــہ۳: من گھڑت، جھوٹ، بے ہودہ

عــــہ۴: روحوں کا تھیلا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال الخ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۵۴، مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۱۲

سے احترام لازم عـــہ ۔ واللہ الھادی الٰی سبیل الرشاد۔

جواب سوال ۵: یونہی جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت جناب افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے افضل ہیں یا ان کے ہمسر ہیں،

عـــہ: **تنبیہ:** مبنائے انکار یہ طرز ادا ہے ورنہ ممکن کہ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے کچھ روحیں بامر الٰہی قبض فرمائی ہوں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعا سے باذن الٰہی پھر اپنے اجسام کی طرف پلٹ آئی ہوں کہ احیاء مردہ حضور پر نور ودیگر محبوبان خدا سے ایسا ثابت ہے کہ جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

یوں ہی ممکن کہ حضرت ملک الموت نے بنظرِ صحائف محو واثبات قبض بعض ارواح شروع کیا اور علم الٰہی میں قضائے ابرام نہ پایا تھا ببرکت دُعائے محبوب قبض سے باز رکھے گئے ہوں۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب لواقح الانوار میں حالات حضرت سیدی شیخ محمد شربینی قدس سرہٗ میں لکھتے ہیں:

لما ضعف ولدہ احمد واشرف علی الموت وحضر عزرائیل لقبض روحہ قال لہ الشیخ، ارجع الی ربك فراجعه فان الامر نسخ فرجع عزرائیل وشفی احمد من تلك الضعفة وعاش بعدھا ثلاثین عاما[1]۔

یعنی جب ان کے صاحبزادے احمد ناتواں ہو کر قریب مرگ ہوئے اور حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی روح قبض کرنے آئے حضرت شیخ نے ان سے گزارش کی کہ اپنے رب کی طرف واپس جایئے اس سے پوچھ لیجئے کہ حکم موت منسوخ ہوچکا ہے۔ عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پلٹ گئے، صاحبزادے نے شفا پائی اور اس کے بعد تیس برس زندہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی (لواقح الانوار) خاتمۃ الکتاب ترجمہ ۲۰ شیخ محمد الشربینی دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۵

گمراہ بد مذہب ہے۔ سبحان اللہ، اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام اولیاء مرجع العرفاء امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اکرم وافضل واتم واکمل ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی، شیعی، رافضی مانتے ہیں، نہ کہ حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل عـــہ دینی کہ معاذاللہ انکار آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ وخرق اجماع امت مرحومہ ہے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

یہ مسکین اپنے زعم میں سمجھا جائے کہ میں نے حق محبت حضور پر نور سلطان غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادا کیا کہ حضور کو ملک مقرب پر غالب یا افضل بتایا، حالانکہ ان بیہودہ کلمات سے پہلے بیزار ہونے والے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، **وباللہ التوفیق**۔

جواب سوال ۱: رہاشب معراج میں روح پر فتوح حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حاضر ہو کر پائے اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا، اور وقتِ رکوب براق یا صعود عرش زینہ بننا، شرعًا وعقلًا اس میں کوئی بھی استحالہ نہیں۔

سدرۃ المنتہٰی اگر منتہائے عروج ہے تو باعتبار اجسام نہ بنظر ارواح۔ عروج روحانی ہزاروں اکابر اولیاء کو عرش بلکہ مافوق العرش تک ثابت وواقع، جس کا انکار نہ کرے گا مگر علوم اولیاء کا منکر۔ بلکہ باوضو سونے والے کے لئے حدیث میں وارد کہ:

"اس کی روح عرش تک بلند کی جاتی ہے۔"

نہ اس قصہ میں معاذاللہ بوئے تفضیل یا ہمسری حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نکلتی ہے، نہ اس کی عبارت یا اشارت سے کوئی ذہن سلیم اس طرف جاسکتا ہے۔ کیا عجب سواری براق سے بھی یہی معنی تراشے جائیں کہ اوپر جانے کا کام حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے انجام کو نہ پہنچا براق نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔ درپردہ اس میں براق کو فضیلت دینا لازم آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تو نہ پہنچ سکے اور براق پہنچ گیا اس کے ذریعے سے حضور کی رسائی ہوئی۔

عـــہ: فضیلت دینا

یا ھذا خدمت کے افعال جو بنظر تعظیم واجلال سلاطین بجالاتے ہیں کیا ان کے یہ معنٰی ہوتے ہیں کہ بادشاہ ان امور میں عاجز اور ہمارا محتاج ہے ؟۔۔۔۔۔۔علاوہ بریں کسی بلندی پر جانے کے لئے زینہ بننے سے یہ کیونکر مفہوم کہ زینہ بننے والا خود بے زینہ وصول پر قادر۔۔۔۔۔۔نردبان عــہ۱ ہی کو دیکھیں کہ زینہ صعود ہے اور خود اصلاً صعود پر قادر نہیں۔

فرض کیجئے کہ ہنگام بت شکنی حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہٗ کی عرض قبول فرمائی جاتی اور حضور پرنور افضل صلوات اللہ واکمل تسلیماتہ علیہ وعلٰی آلہ ان کے دوش مبارک پر قدم رکھ کر بت گراتے تو کیا اس کا یہ مفاد ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو معاذاللہ اس کام میں عاجز اور حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ قادر تھے۔ غرض ایسے معنے محال، نہ ہرگز عبارت قصہ سے مستفاد، نہ ان کے قائلین بے چاروں کو مراد، واللہ الھادی الی سبیل الرشاد (اور اللہ تعالٰی ہی درست راستے کی طرف ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ت)

یہ بیان ابطال استحالہ واثبات صحت بمعنی امکان کے متعلق تھا۔ رہا اس روایت کے متعلق بقیہ کلام، وہ فقیر غفراللہ تعالٰی کے مجلد دوم عــہ۲ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب مسائل شتی میں مذکور کہ یہ سوال پہلے بھی اوجین سے آیا اور اس کا جواب قدرے مفصل دیا گیا۔

خلاصہ مقصد اس کا مع زیادات جدیدہ یہ کہ اس کی اصل کلمات بعض مشائخ میں مسطور، اس میں عقلی و شرعی کوئی استحالہ نہیں، بلکہ احادیث واقوال اولیاء وعلماء میں متعدد بندگان خدا کے لئے ایسا حضور روحانی وارد۔

(۱،۲) مسلم اپنی صحیح اور ابوداود طیالسی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبد بن حمید بسند حسن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ودخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ قالوا ھذا بلال ثم دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ	میں جب جنت میں داخل ہوا تو ایک پہچل سنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: یہ بلال ہیں۔ پھر تشریف لے گیا، پہچل سنی، میں نے پوچھا

عــہ۱: سیڑھی

عــہ۲: یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں یہ مسائل شاملِ اشاعت نہیں ہوسکے تھے اب ان کو اشاعت جدید میں کتاب الشتّی کے پیش نظر جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

قالوا ھذہ الغمیصاء بنت ملحان[1]۔	یہ کیا ہے؟ عرض کیا: غمیصاء بنت ملحان، یعنی ام سلیم مادرِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

ان کا انتقال خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوا کما ذکرہ الحافظ فی التقریب[2] (جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۳) امام احمد وابویعلٰی بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس اور

(۴) طبرانی کبیر اور ابن عدی کامل بسند حسن ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت فی جانبھا وجسا فقلت یا جبرئیل ماھذا قال ھذا بلال المؤذن[3]۔	میں شب معراج جنت میں تشریف لے گیا اس کے گوشہ میں ایک آواز نرم سنی، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی: یہ بلال مؤذن ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۵) امام احمد ومسلم ونسائی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور والاصلوات اللہ تعالٰی وسلامہٗ علیہ فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ بین یدی، فقلت ماھذہ الخشفۃ، فقیل الغمیصاء بنت ملحان[4]۔	(میں بہشت میں رونق افروز ہوا، اپنے آگے ایک کھٹکا سنا، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی گئی: غمیصاء بنت ملحان۔

---

[1] کنزالعمال بحوالہ عبد بن حمید عن انس والطیالسی عن جابر حدیث ۳۳۱۶۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۵۳، مسند ابی داود الطیالسی عن جابر حدیث ۱۷۱۹ دار المعرفۃ بیروت الجزء السابع ص ۲۳۸، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۲

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۸۷۸۰ ام سلیم بنت ملحان دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶۸۸

[3] کنزالعمال حدیث ۳۳۱۶۲ و ۳۳۱۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۵۳، الکامل لابن عدی ترجمہ یحیٰی بن ابی حبۃ ابن جناب الکلبی دار الفکر بیروت ۷/ ۲۶۷۰

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۲، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹

(۶)امام احمد ونسائی وحاکم باسناد صحیحہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنة فسمعت فیها قراء ۃ.فقلت من هذا ؟ قالوا حارثة بن نعمان کذٰلکم البر کذٰلکم البر [1]۔	میں بہشت میں جلوہ فرما ہوا، وہاں قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی، پوچھا: یہ کون ہے ؟عرض کی گئی: حارثہ بن نعمان۔نیکی ایسی ہوتی ہے نیکی ایسی ہوتی ہے۔

یہ حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں راہی جنان ہوئے **قالہ ابن سعد فی الطبقات وذکرہ الحافظ فی الاصابة**[2] (ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ نے اصابہ میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۷)ابن سعد طبقات میں ابوبکر عدوی سے مرسلًا راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنة فسمعت نحمة من نعیم [3]۔	میں جنت میں تشریف فرما ہوا تو نعیم کی کھکارسنی۔

یہ نعیم بن عبداللہ عدوی معروف بہ نحام (کہ اسی حدیث کی وجہ سے ان کا یہ عرف قرار پایا) خلافت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

کما ذکرہ موسٰی بن عقبة فی المغازی عن الزهری و کذا قاله ابن اسحٰق ومصعب الزبیری واٰخرون کما فی الاصابة[4]۔	جیسا کہ موسٰی بن عقبہ نے مغازی میں زہری کے حوالے سے اس کو ذکر کیا یوں ہی کہا ابن اسحٰق اور مصعب زبیری اور دیگر علماء نے جیسا کہ اصابہ میں ہے۔(ت)

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۶، المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة مناقب حارثہ بن نعمان دار الفکر بیروت ۳/ ۲۰۸، الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دار صادر بیروت ۱/ ۲۹۸

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲حارثہ بن نعمان دار صادر بیروت ۱/ ۲۹۹، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ حارثہ بن نعمان دار الفکر بیروت ۳/ ۴۸۸

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد الطبقة الثانیة من المهاجرین والانصار ترجمہ نعیم بن عبداللہ المعروف النحام دار صادر بیروت ۴/ ۱۳۸

[4] الاصابة فی تمییز الصحابة ترجمہ نعیم بن عبداللہ ۸۷۷۶ دار صادر بیروت ۳/ ۵۶۸

سبحان اللہ! جب احادیث صحیحہ سے احیائے عالم شہادت کا حضور ثابت تو عالم ارواح سے بعض ارواح قدسیہ کا حضور کیا دور۔

(۸) امام ابو بکر بن ابی الدنیا، ابو المخارق سے مرسلاً راوی، حضور پر نور صلوات اللہ سلامہ علیہ فرماتے ہیں:

مررت لیلۃ اسرٰی بی برجل مغیب نور العرش، قلت: من ھذا، املک؟ قیل: لا۔ قلت: نبی؟ قیل: لا۔ قلت: من ھذا؟ قال: ھذا رجل کان فی الدنیا لسانہ رطب من ذکر اللہ تعالٰی وقلبہ معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیہ قط[1]۔	یعنی شب اسرٰی میرا گزر ایک مرد پر ہوا کہ عرش کے نور میں غائب تھا، میں نے فرمایا: یہ کون ہے، کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: نبی ہے عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا کون ہے؟ عرض کرنے والے نے عرض کی: یہ ایک مرد ہے دنیا میں اس کی زبان یادِ الٰہی سے تر تھی اور دل مسجدوں سے لگا ہوا، اور (اس نے کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر) کبھی اپنے ماں باپ کو برا نہ کہلوایا۔

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) کیوں راہ دور سے مقصد قرب نشان دیجئے، زفیض قادریت جوش پر ہے، بحر حدیث سے خاص گوہر مراد حاصل کیجئے۔ حدیث مرفوع مروی کتب مشہورہ ائمہ محدثین سے ثابت کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مع اپنے تمام مریدین واصحاب وغلامان بارگاہ آسمان قباب کے شب اسرٰی اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس کے ہمراہ بیت المعمور میں گئے حضور پر نور کے پیچھے نماز پڑھی، حضور کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ **والحمد للہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

اب ناظر غیر وسیع النظر متعجبانہ پوچھے گا کہ یہ کیونکر؟ ــــــــ ہاں ہم سے سنے۔ **واللہ الموفق**۔ ابن جریر وابن ابی حاتم و ابو یعلٰی وابن مردویہ و بیہقی وابن عساکر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت الآیۃ ۲/ ۱۵۲ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/ ۱۴۹، الترغیب والترھیب بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹۵

تعالٰی عنہ سے حدیث طویل معراج میں راوی، حضور اقدس سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثم صعدت الی السماء السابعة فاذا انا بابراھیم الخلیل مسند الظھرہ الی البیت المعمور (فذکر الحدیث الی ان قال) واذا بامتی شطرین شطر علیھم ثیاب بیض کانھا القراطیس وشطر علیھم ثیاب رمد فدخلت البیت المعمور ودخل معی الذین علیھم الثیاب البیض وحجب الاخرون الذین علیھم ثیاب رمد وھم علی خیر فصلیت انا ومن معی من المومنین فی البیت المعمور ثم خرجت انا ومن معی[1] (الحدیث)	پھر میں ساتویں آسمان پر تشریف لے گیا، ناگاہ وہاں ابراہیم خلیل اللہ ملے کہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے تشریف فرماہیں اور ناگاہ اپنی امت دو قسم پائی، ایک قسم کے سپید کپڑے ہیں کاغذ کی طرح، اور دوسری قسم کا خاکستری لباس۔ میں بیت المعمور کے اندر تشریف لے گیا اور میرے ساتھ سپید پوش بھی گئے، میلے کپڑوں والے روکے گئے مگر ہیں وہ بھی خیر وخوبی پر۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے مسلمانوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ پھر میں اور میرے ساتھ والے باہر آئے۔

ظاہر ہے کہ جب ساری امت مرحومہ بفضلہٖ عزوجل شریف باریاب سے مشرف ہوئی یہاں تک کہ میلے لباس والے بھی۔ تو حضور غوث الورٰی اور حضور کے متنسبان باصفا تو بلاشبہہ ان اجلی پوشاک والوں میں ہیں، جنہوں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بیت المعمور میں جاکر نماز پڑھی، والحمدللہ رب العالمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

اب کہاں گئے وہ جاہلانہ استبعاد کہ آج کل کے کم علم مفتیوں کے سدراہ ہوئے، اور جب یہاں تک بحمد اللہ ثابت تو معاملۂ قدم میں کیاوجہ انکار ہے کہ قولِ مشائخ کو خواہی نخواہی رد کیا جائے۔ ہاں سند محدثانہ نہیں۔۔۔۔ پھر نہ ہو۔۔۔۔ اس جگہ اسی قدر بس ہے۔ سند معنعن عہ کی حاجت نہیں،

عہ: ایسی روایت جس میں ایک راوی دوسرے راوی سے "عن فلان" کے لفظ سے روایت کرے۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجه الی السماء الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۴، دلائل النبوۃ للبیہقی باب الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیه وسلم عرج به الی السماء دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۳۹۴۔۳۹۳، الدر المنثور بحوالہ ابن جریر وابن حاتم وغیرہ الخ تحت الآیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۲

کما بیناہ فی رسالتنا "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سید الاکوان" (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفیئی عن سید الاکوان" میں اسے بیان کیا ہے۔)

امام جلال الدین سیوطی نے "مناھل الصفافی تخریج احادیث الشفاء" میں مرثیہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ "بابی انت وامی یارسول اللہ"[1]

لم اجدہ فی شیئ من کتب الحدیث الاثر (الٰی قولہ) بالاحکام[2]۔	میں نے یہ روایت کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں۔

اور یہ تو کسی سے کہا جائے کہ حضرات مشائخ کرام قدست اسرارھم کے علوم اسی طریقہ سند ظاہری حدثنافلان عن فلان میں منحصر نہیں، وہاں ہزارہا ابواب وسیعہ واسباب رفیعہ ہیں کہ اس طریقہ ظاہرہ کی وسعت ان میں سے کسی کے ہزارویں حصہ تک نہیں، تو اپنے طریقہ سے نہ پانے کو ان کی تکذیب کی حجت جاننا کیسی ناانصافی ہے۔

انسان کی سعادت کبرٰی ان مدارج عالیہ ومعارک غالیہ تک وصول رہے۔۔۔۔۔۔ اور اس کی بھی توفیق نہ ملے تو کیا درجہ تسلیم، نہ کہ معاذاللہ انکار وتکذیب کو سخت مہلکہ ہائلہ ہے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) ۔۔۔۔۔۔ جیسے آج کل ایک بحرینی بے بہرہ نے رسالہ "لباب المعانی" سیاہ کرکے مصر میں چھپوایا اور صرف اس پر کہ حضرت امام عارف باللہ، ثقہ، حجت، فقیہ، محدث، امام القراء، سیدی ابوالحسن علی نور الملۃ والدین شطنوفی قدس سرہ الصافی الصوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں باسناد صحیحہ حضرت امام اجل سیدی احمد رفاعی قدس سرہ الرفیع پر حضور پرنور سید الاولیاء حضرت غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل روایت فرمائی، نہ صرف اس امام جلیل وکتاب جمیل بلکہ خاک بدہن گستاخ جناب اقدس میں

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفافی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۲۴۸

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفافی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۲۴۸

کوئی دقیقہ بے ادبی اٹھانہ رکھا۔ نعوذ باللہ من الخذلان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ القادر المستعان (ہم ذلت ورسوائی سے اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں جو قدرت والا ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ت)

یہ لباب عجاب اول تاآخر جہالات فاضحہ وخرافات واضحہ کالب لباب ہے۔ کثرت مسائل کے نام فرصت عنقانہ ہوتا تو فقیر اس کا رد لکھ دیتا۔ مگر الحمدللہ نار باطل خود منطفی عـــہ۱ ہے اور ہمارے بلاد میں اس کا شریکسر منتفی عـــہ۲ فلاحاجۃ الی اشاعۃ خرافاتہ ولو علٰی وجہ الرد (اس کی خرافات کو شائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ بطور رد ہو۔ت)

بالجملہ روایت نہ عقلاً دور نہ شرعاً مہجور، اور کلمات مشائخ میں مسطور وماثور اور کتب احادیث میں ذکر معدوم نہ کہ عدم مذکور۔۔۔۔۔۔نہ روایاتِ مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور، اور قدرت قادر وسیع وموفور، اور قدر قادری کی بلندی مشہور، پھر ردوانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔ والحمدللہ العزیز الغفور، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے اور اللہ سبحانہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم خوب تام اور خوب مضبوط ہے۔ت)

مسئلہ ثالثہ

مسئلہ ۸: مسؤلہ مولوی نور محمد صاحب کانپوری، ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع دیوان، ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ۔

ماقولکم یا علماء الملۃ السمحۃ البیضاء ومفتی الشریعۃ الغراء فی ھٰذہ:	آپ کا کیا ارشاد ہے اے فراخ وروشن ملت کے عالمو اور اے چمکدار شریعت کے مفتیو! اس مسئلہ میں)ت)

مولود غلام امام شہید، صفحہ ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ: "شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک

عـــہ۱: بُجھی ہوئی۔ عـــہ۲: ختم، نیست ونابود۔

نے حاضر ہو کر گردنِ نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں، اگر آج اس نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ: "تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔"

اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحب منزل اثنا عشریہ بھی تحفۃ القادریہ سے لکھتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ ۵۸ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ:

"خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے براق نے شوخی شروع کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا بیجرمتی ہے، تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے؟ خلاصہ ہژدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اٹھارہ ہزار جہانوں کے خلاصہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ت) براق نے کہا کہ اے امین وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس ہے۔ فرمایا: بیان کرو۔ عرض کیا: آج دولت زیارت سے مشرف ہوں کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپکی سواری کے واسطے آئیں گے، امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔"

صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ: "وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔"

پس استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ احادیث وشفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن میں موجود ہے یا نہ۔ بیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتقدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرا۔ بینوا توجروا (معتبر ومعتمد سندوں کے ساتھ کافی و شافی بیان پوری شرح وتفصیل کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

کتب احادیث وسِیَر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر، بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثنا عشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری نہ کہیں اس کا

تذکرہ دیکھا۔

تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا اور جو میری نظر سے گزرا ان میں یہ روایات اصلا نہیں۔ [عہ۱]

بایں ہمہ اس زمانہ کے مفتیان جہول، مخطیان غفول [عہ۲] نے جو اس کا بطلان یوں ثابت کرنا چاہا کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیا اور اس میں معاذاللہ حضور اقدس وانور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حضور پُر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل نکلتی ہے [عہ۳] یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کا رد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کٹھور ضلع سورت سے ایک سوال آیا تھا۔ [عہ۴]

فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی الدین اربلی نے کتاب "تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر" رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ روایت لکھی ہے [عہ۵] اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمہ اللہ

عہ۱: تحفہ قادریہ، حضرت شاہ ابوالمعالی قادری (۱۱۱۶ھ) کی فارسی تالیف ہے جس میں حضور غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ہے۔ آپ اپنے وقت کے سربرآوردہ مشائخ میں شمار ہوتے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے آپ کے ارشاد پر اشعۃ اللمعات اور شرح فتوح الغیب مکمل فرمائی۔ آپکا مزار لاہور میں واقع ہے۔

تحفہ قادریہ کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں، اصل فارسی نسخہ تاحال طبع نہ ہوا، البتہ اس کا اردو ترجمہ (۱) سیرت الغوث مولفہ محمد باقر نقشبندی (۱۳۲۳ھ) مطبع منشی نولکشور پریس لاہور اور (۲) تحفہ قادریہ (اردو ترجمہ) مولفہ مولانا عبدالکریم (۱۳۲۴ھ) ملک فضل الدین تاجر کتب لاہور کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔

عہ۲: جاہل، غافل اور خطاکار مفتی۔

عہ۳: دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی، مدرسہ دیوبند کے اساطین مولوی خلیل احمد اور مولوی رشید احمد انبیٹھوی کے فتاوٰی کی تردید ہو رہی ہے، یہ فتاوٰی موجودہ رسالہ مبارکہ میں شامل کردیے گئے ہیں۔

عہ۴: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ رسالہ ہذا۔

عہ۵: تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ، المنقبۃ الاولٰی، سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۲۵، ۲۴

کی کتاب حرزالعاشقین سے نقل کیا ہے۔اور ایسے امور میں اتنی ہی سند بس ہے۔اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوے میں ہے جس کا سوال ۷ اربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا، [عـــہ] **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم** (اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے،اور اللہ تعالٰی خوف جانتا ہے۔ت)

رسالہ

فتاوٰی کرامات غوثیہ

ختم ہوا۔

عـــہ: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ، رسالہ ہذا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

خلاصۂ جواب تھانوی دیوبند

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف بلا دلیل شرعی کسی قول یا فعل کو منسوب کرنا جمہور کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔ پس روح مقدس حضرت غوث اعظم پر آپکا سوار ہو کر عرش پر پہنچنے کی نسبت فعل اور آپ کا فرمانا کہ "میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے" قول کی نسبت بلا دلیل۔ پس سخت معصیت وحرام ہے۔

اور چونکہ منقولین اور ان امور کے اصرار کرتے اور اس کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ پس اصرار علی المعصیۃ قریب کفر اور اس کا استحسان صریح کفر ہے۔ ایسے لوگوں کے ایمان میں کلام اور اشتباہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ درپردہ اس قصہ میں حضرت غوث اعظم کو فضیلت دینا لازم آتا ہے حضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر کہ آپ تو وہاں نہ پہنچ سکے اور حضرت غوث اعظم پہنچ گئے اور ان کے ذریعے سے آپ کی رسائی ہوئی، **نعوذ باللہ منہ۔**

قطع نظر اس سے سدرۃ المنتہٰی کو اس لئے سدرۃ المنتہٰی کہتے ہیں کہ وہ منتہٰی عروج مخلوقات کا ہے۔ پس جس کا عروج اس سے اوپر بالدلیل ہو، مستثنٰی ہے۔ دوسرے کے عروج کا دعوٰی رجم بالغیب جس کی مذمت قرآن مجید میں منصوص ہے۔ اسی طرح یہ اعتقاد کہ زنبیل چھین لی، مخالف نص قرآنی منجر الی کفر ہے۔ ایسے ہی حضرت عائشہ کا دودھ پلانا، اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔ اول تو حضرت عائشہ کے دودھ ہی نہ تھا، دوسرے روح منہ اور لب اور پیٹ سے پاک ہے۔ یہ چیزیں خواص اجسام سے ہیں۔ پھر دودھ پینے کے کیا معنی۔ اور حضرت ابوبکر سے کسی بھی صحابی کو افضل سمجھنا خلاف اجماع امت ہے نہ کہ ایک ولی کو کہ سخت معصیت و بدعت و مخالف سنن مشہورہ کے ہے۔ اور یہ قول کہ قدمی علٰی رقاب اولیاء "خود حضرت غوث صاحب سے ثقات نے نقل فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف دروغ ہے۔

کتبہ محمد اشرف علی

مُہر

I.T. Majlis of DawateIslami

۲۔فی الواقع یہ اوہام خیالات باطلہ اور جہالات فاسدہ ہیں جو جُہال معتقدین اپنے معتقد علیہ کی نسبت شائع کیا کرتے تھیں۔
نعوذباللہ من تلك الکفریات والھفوات۔

حررہ خلیل احمد (انبھیٹھی) مدرسہ دیوبند

۳۔جواب صحیح ہے۔رشید احمد گنگوہی

رشید احمد

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ ۱۳۱۲ھ
(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقام حیدری کی پاکی کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۹: از بنارس کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۹ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکت، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، جناب مولٰینا مولوی احمد رضا خان صاحب **مداللہ فیضانہ** (اللہ تعالٰی آپ کا فیضان ہمیشہ جاری رکھے۔ت) از جناب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، اس مسئلہ میں یہاں درمیان علماء کا اختلاف ہے لہٰذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکت ہے امید کہ جواب سے مطلع فرمائیں۔

زید کہتا ہے کہ جناب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ چونکہ قبل از بلوغ ایمان لائے اور نہ پہلے بت پرستی شرک وکفر وغیرہ کے آپ مبتلا ہوئے نیز بلحاظ حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرۃ[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت)

یہ کہنا کہ آپ پہلے کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے صحیح نہیں، اور جملہ مذکورہ بہ نسبت آپ کے سوئے ادب میں داخل ہے۔
عمرو کہتا ہے چونکہ اطفال تابع والدین کے ہوتے ہیں اور والدین آپکے حالت کفر پر تھے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے علی مرتضی کافر تھے بعد ازاں مسلمان ہوئے فقط۔ اس صورت میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ **بینوا توجروا**۔(بیان فرمائیے اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ الذی کرم وجہ علی ن المرتضٰی: فلم یزل محظوظاً منہ بعین الرضٰی: والصلوٰۃ والسلام علی السید العلی الرضی الارضٰی: شفیع المذنبین یوم فصل القضا: وعلٰی اٰلہ وصحبہ بعدد کل من یاتی ومضٰی:	اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا ہے۔ ساری تعریف اللہ کے لئے جس نے علی مرتضی کے چہرے کو عزت وکرامت بخشی تو وہ ہمیشہ اس کی رضا وخوشنودی سے بہرہ ور رہے۔ اور درود وسلام ہو بلند، پسندیدہ، پسندیدہ تر سردار، فیصلہ قضا کے دن گنہگاروں کے شفیع پر اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر تمام اگلے پچھلوں کی تعداد کے برابر۔(ت)

قول زید حق وصحیح قول عمرو باطل وقبیح ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) یہ توظاہر ومعلوم وثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی وقت بعثت سراپا برکت حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوراً مشرف بتصدیق وایمان ہوئے، اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی اور بالیقین جو عاقل بچہ اسلام لائے

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

حکم اسلام میں مستقل بالذات ہے پھر کسی کی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔

فی المواھب : کان سن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اذذاک عشر سنین فیما حکاہ الطبری[1] اھ قال الزرقانی:وھو قول ابن اسحٰق واقتصر المصنف علیہ لقول الحافظ انہ ارجح الاقوال[2]۔ وروی ابن سفٰین باسناد صحیح عن عروۃ قال اسلم علی وھو ابن ثمان سنین وصدربہ فی العیون الخ[3]۔ وفی ردالمحتار:قولہ وسنّہٗ سبع وقیل ثمان وھو الصحیح،واخرجہ البخاری فی تاریخہ عن عروۃ۔ وقیل عشر اخرجہ الحاکم فی المستدرک۔ وقیل خمسۃ عشر وھو مردود وتمام ذٰلک مبسوط فی الفتح[4] اھ وفی نکاحہٖ عن احکام الصغار	مواہب اللدنیہ میں ہے: اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے اھ۔ زرقانی نے فرمایا: یہی ابن اسحٰق کا بھی قول ہے، مصنف نے صرف اسی قول کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ سب سے راجح قول یہی ہے۔(ت) اور ابن سفٰین نے بسند صحیح حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ عیون الاثر (لابن سید الناس) میں اسی قول کو پہلے ذکر کیا۔(ت) ردالمحتار میں ہے: قولہ ان کی عمر سات سال تھی اور کہا گیا کہ آٹھ سال تھی۔ یہی صحیح ہے، اسی کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عروہ سے روایت کیا۔ اور کہا گیا کہ دس سال تھی، اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔۔۔۔ اور کہا گیا کہ پندرہ سال تھی، یہ قول مردود و نامقبول ہے۔ پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے۔ اھ (ت) ردالمحتار کتاب النکاح میں احکام الصغار

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الاول اول من اٰمن المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۶

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[4] ردالمحتار کتاب الجہاد باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۰۷

للاستروشنی انه قبل البلوغ تبع لابویه فی الدین مالم یصف الاسلام اھ قال:فافادان التبعیة لا تنقطع الابالبلوغ اوبالاسلام بنفسه وبه صرح فی البحر عــــه والمنح من باب الجنائزاھ۔[1]	للاستروشنی سے نقل ہے: بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جب کہ خود مسلمان نہ ہوا ہو،شامی نے کہا: افادہ فرمایا کہ یہ تبعیت بالغ ہونے یا خود اسلام لانے ہی سے ختم ہوتی ہے،اسی کی تصریح بحرالرائق اور منح الغفار باب الجنائز میں بھی ہے اھ (ت)

توبعد بعثت تواس خیال شنیع کی زنہار گنجائش نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی کہ جب قریش مبتلائے قحط ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوطالب پر تخفیف عیال کے لئے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو اپنی بارگاہ ایمان پناہ میں لے آئے تھے کماذکرہ ابن اسحٰق فی سیرتہ[2] (جیساکہ اس کو ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔ت)

حضرت مولٰی نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی،حضور کی گود میں ہوش سنبھالا،آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جمال جہاں آراء دیکھا،حضور ہی کی باتیں سنیں،عادتیں سیکھیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہ بارک وسلم۔توجب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا قطعًا یقینًا رب عزوجل کو ایک ہی جانا،ایک ہی مانا۔ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے اس کا دامن پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔اسی لئے لقب کریم "کرم اللہ تعالٰی وجہہ "ملا۔ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء

عــــه:ولفظه:ولاتزول التبعیة الی البلوغ،نعم تزول التبعیة اذا اعتقد دیناً غیردین ابویه اذا عقل الادیان فحینئذصار مستقلاً[3]۔	ولفظہ:تبعیت بلوغ تک ختم نہیں ہوتی،ہاں اس وقت تبعیت ختم ہوجاتی ہے جب ادیان کی سمجھ رکھ کر اپنے ماں باپ کے دین کے علاوہ کسی دین کا معتقد ہوجائے اب وہ(تابع نہ رہا)خود مستقل ہو گیا۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

[2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اول ذکر اسلم الجزئین الاولین۔دار ابن کثیر بیروت ص ۲۶۴

[3] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

ذوالفضل المبین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہے عطافرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے۔ت)

اب رہ گئے صرف چند برس جو روز پیدائش سے بالکل ناسمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہاجاسکتا کہ صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم۔کفر تکذیب ہے، اور تکذیب بے ادراک و تمیز نامتصور عہ بلکہ اس وقت تک ہر بچے کا دین فطری اسلام ہے **کما نطقت بہ صحاح الاحادیث** (جیسا کہ صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں۔ت)

ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جاتا ہے جبکہ تبعیت متصور بھی ہو ورنہ نہیں، جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کر لائیں اوراس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں، کہ بوجہ اختلافِ دار تبعیت ابوین منقطع ہو گئی،اب بہ تبعیت داراسے مسلم کہاجائیگا۔

فی جنائز الدر "صبی سبی مع احد ابویہ لایصلی علیہ لانہ تبع لہٗ ولو سبی بدونہ فمسلم تبعًاللدار او للسابی[1] اھملخصًا۔"	درمختار کتاب الجنائز میں ہے: کوئی بچہ اپنے حربی والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ (دارالحرب سے) گرفتار کرکے (دار الاسلام میں) لایاگیا(اور مرگیا) تواس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ(کافر حربی کے)تابع ہے۔ہاں اگر تنہا گرفتار ہوتو دارالاسلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع ہونے کے باعث مسلم ہے اھ ملخصًا۔(ت)

عــہ: نتیجہ یہ نکلا کہ کفر بے ادراک وتمیز غیر متصور ہے۔لہٰذا ناسمجھ بچہ کفر سے خالی ہوگا۔جب کفر اس کے ساتھ قائم نہیں تواس پر کافر کا اطلاق بھی درست نہیں کیونکہ کافر، کفر سے مشتق ہے اور کسی پر مشتق صادق ہونے کے لئے مصدر سے اس کا متصف ہونا لازم ہے جیسے لفظ عالم کسی پر صادق آنے کے لئے علم سے اس کا متصف ہونا لازم ہے۔لہٰذا بچہ جب مبدا(کفر) سے خالی ٹھہرا تواس پر مشتق (کافر) کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا ۱۲ محمد احمد مصباحی۔

[1] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

وفی نکاحہ:الولد یتبع خیر الابوین دینًاان اتحدت الدار[1] الخ۔	در مختار کتاب النکاح میں ہے: باعتبار دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اسی کا تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہو الخ (ت)

جب یہ امر منقح ہولیا اب یہاں اس نرے ناسمجھ کی عمر پر بھی یہ ناگوار و ناسزا خیال دو امر کے ثبوت کا فی کا محتاج:

امر اول حضرت فاطمہ عـــہ۱ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ابوطالب دونوں کا اس وقت تک کافر ہونا کہ ان میں ایک بھی موحد ہو تو بچہ اس کی تبعیت سے موحد کہا جائے گا کافر کی تبعیت ہر گز نہ کرے گالما نصوا علیہ قاطبۃ من ان الولد یتبع خیر الابوین دینا[2] (کیونکہ تمام علماء نے نص فرمایا کہ ماں باپ میں سے باعتبار دین جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ت)

امر دوم اس وقت حکم تبعیت صادق وثابت ہونا

ان دو امر سے اگر ایک بھی پایہ ثبوت سے ساقط رہے گا تو یہ بیہودہ خیال، خیال کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا، مگر مولٰی علی کے رب جل وعلا کو حمد وثنا ہے کہ بفضلہ تعالٰی ان دو میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

اولا اہل فترت جنہیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی تین قسمیں ہیں:

اول موحد جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ عـــہ۲ وزید بن عمرو بن نفیل وعامر بن الظرب عدوانی وقیس بن عاصم تمیمی وصفوان

عـــہ۱: حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی والدہ ماجدہ جو صحابیہ ہوئیں ۱۲ محمد احمد

عـــہ۲: یہ دونوں مقبول بندے زمانہ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے بلکہ پیش از بعثت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے میں اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے۔ اور مکہ کی طرف اشارہ کیا، لوگوں نے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

بن ابی امیہ کنانی وزہیر بن ابی سلمٰی[1] شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم۔
دوم مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔
سوم غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی۔ اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی۔ بہت زنان (عورتوں) وچوپایوں واہل بوادی (صحرا جنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔

قال العلامۃ الزرقانی: ومن جاھلیۃ عم الجھل فیھا شرقًا وغربًا	علامہ زرقانی نے کہا: ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق و مغرب ہر طرف جہالت عام ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہا وہ حق کیا ہے؟ لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمہیں کلمہ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا تم اس کی بات ماننا، اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو سب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ[2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (اس کو ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت) عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم واسمٰعیل کا تابع ہوا، وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہے، اے عامر! اگر تمہاری عمر وفا کرے تو انہیں میرا اسلام پہنچانا۔ عامر فرماتے ہیں: جب میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زید کا یہ قصہ بیان کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کررہا ہے۔ رواہ ابن سعد والفاکھی عنہ[3] رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ غفرلہ (اس کو ابن سعد اور فاکہی نے عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ وما یتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن سعد والفاکھی المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

وفقد فیھا من یعرف الشرائع ویبلغ الدعوۃ علٰی وجھھا الانفرا یسیرا من احبار اھل الکتاب مفرقین فی اقطار الارض کالشام وغیرہا واذاکان النساء الیوم مع فشو الاسلام شرقًاوغربًالایدرین غالب احکام الشریعۃ لعدم مخالطتھن الفقھاء ،فما ظنك بزمان الجاھلیۃ والفترۃ الذی رجالہ لایعرفون ذٰلك فضلاعن نسائہ،ولذالما بعث صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم تعجب اھل مکۃ وقالواأبعث اللّٰہ بشرا رسولا ، وقالوالوشاء ربنالانزل ملئکۃ،ربما کانوا یظنون ان ابراھیم علیہ السلام بعث بما ھم علیہ فانھم لم یجدوامن یبلغھم شریعتہ علٰی وجھھا لدثورھا وفقد من یعرفھا،اذکان بینھم وبینہ ازید من ثلثۃ اٰلاف سنۃ،قالہ فی مسالك الحنفاء والدرج المنیفۃ اھ باختصار[1]۔	احکام شریعت جاننے والے اور صحیح طور سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں، صرف چند علماء اہل کتاب ہیں جو اطراف زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں۔۔۔۔۔اور آج جبکہ اسلام شرق وغرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہیں کیونکہ علماء سے ان کا ربط اور وابستگی نہیں۔پھر عہد جاہلیت اورزمانہ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ عورتیں در کنارمرد بھی ان سب سے ناآشنا ہوتے تھے،اسی لئے تو جب رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اہل مکہ کو تعجب ہوا،بولے:کیا اللہ نے کسی انسان کو رسول بناکر مبعوث کیا ہے؟اور بولے:اگر ہمارا رب چاہتاتوفرشتے اتارتا۔ وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کررہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اس غلط خیال کی یہی وجہ تھی کہ شریعت ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی انکو نہ ملا، کیونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھےاوراس کے جاننے والے بھی ناپید ہوچکے تھے،اس لئے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔یہ مسالک الحنفاء اور الدرج المنیفہ میں فرمایا گیاہےاھ باختصار(ت)

[1] شرح الزرقانی علی مواھب اللدنیۃ المصد الاول باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴

جماہیر ائمہ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو کر دعوتِ الٰہیہ انہیں نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذب تھے۔

لقولہ تعالٰی "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝" [1]۔ (الجواب بتعمیم الرسول العقل او تخصیص العذاب بعذاب الدنیا خلاف الظاہر فلا یصار الیہ الا بموجب ولا موجب اقول بلٰی احادیث صحیحۃ صریحۃ کثیرۃ بثیرۃ ناطقۃ بعذاب بعض اھل الفترۃ کعمرو بن لحی وصاحب المحجن وغیرھما وبہ علم ان ردھا یجعلھا معارضۃ للقطعی کما صدر عن العلامۃ الابی والامام السیوطی و کثیر من الاشعریۃ لاسبیل الیہ فان قطعیۃ الدلالۃ غیر مسلم فلا یھجم بمثل ذٰلك علٰی ردالصحاح والکلام	اللہ تعالٰی کے اس قول کے مطابق: ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔ (اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ عذاب سے مراد صرف عذاب دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذاب آخرت دعوت رسول پہنچے بغیر بھی ہوسکتا ہے) یہ (تاویل) خلاف ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی موجب نہیں۔ **اقول:** کیوں نہیں بہت ساری صحیح صریح حدیثیں بعض اہل فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لحہ اور ٹیڑھے ڈنڈے والا آدمی جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اچک کر چُرالیتا تھا) اوران دونوں کے علاوہ۔۔۔۔اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحیح حدیثوں کا رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہتے ہوئے کہ یہ احادیث نص قطعی کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ ابی، امام سیوطی اور بہت سے اشعریہ نے یہی کہہ کر رد کردیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معنٰی پر آیت کی دلالت

[1] القرآن الکریم ۱۷/۱۵

ھٰھنا طویل لیس ھذا موضعہ ولا نحن بصددہ۔	قطعی ہونا مسلم نہیں تو پھر غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے ردکا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ کلام یہاں پر طویل ہے جس کا یہ محل نہیں اور نہ ہی یہاں پر ہمارا مقصود ہے ۱۲ مترجم۔

خصوصًا جُہال عرب جنہیں قرآن عظیم جابجا امی وجاہل وبے خبر وغافل بتارہا ہے، صاف ارشاد ہوتا ہے:

"تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾"[1]	اتارا ہوا زبردست مہر والے کا کہ تو ڈرائے ان لوگوں کو کہ نہ ڈرائے گئے انکے باپ دادا تو وہ غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے:

"ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾"[2]۔ **قلت** ای وھذا وان کان ظاھرًا فی عذاب الدنیا وعذاب الاٰخرۃ منتف بالفحوٰی فان الملك الکریم الذی لم یرض للغافل بعذاب منقطع لایرضٰی بعذاب دائم من باب اولٰی اقول لٰکن الغفلۃ انما ھی علٰی امر الرسالۃ والنبوۃ والسمعیات کبعث وغیرہ، وقد قلنا بموجبھا فی ذٰلک۔ اما التوحید فلاغفلۃ عنہ مع وضوح الدلائل وکفایۃ العقل	یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت میں ہوں۔ **قلت** یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذاب دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذاب آخرت کی نفی مفہوم سے ہو جاتی ہے کیونکہ جس بادشاہ کریم نے غافل کے لئے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجہ اولٰی پسند نہ فرمائیگا۔ اقول لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت، نبوت اور سمع عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو، اور اس باب میں موجب غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جبکہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اس کی

[1] القرآن الکریم ۳۶/۵و۶

[2] القرآن الکریم ۶/۱۳۱

وقد قال الله تعالٰی: "قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ "[1] وقال تعالٰی:۔ "وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ "[2] الٰی غیر ذٰلك من الاٰیات۔ کل ذٰلك مع قوله عزمن قائل۔ "اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰي طَاۤىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ "[3] ۔فافهم۔	رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: تم فرماؤ کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہیں اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے اللہ کی۔ تم فرماؤ پھر تم کیوں دھیان نہیں دیتے؟ تم فرماؤ کون ہے ساتوں آسمانوں کا مالک اور بڑے عرش کا مالک؟ بولیں گے: یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ تم فرماؤ کون ہے جس کے ہاتھ ہر چیز کا اقتدار ہے اور وہ پناہ دینے والا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو۔ اور ارشاد باری ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند، تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ اور ان کے علاوہ آیات۔ ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہے: کبھی تم کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے، غور کیجئے۔ (ت)

ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ائمہ بخارا وغیرہم بھی اسی کے قائل ہوئے۔ امام محقق

[1] القرآن الکریم ۸۹/۸۴تا۲۳

[2] القرآن الکریم ۶۱/۲۹

[3] القرآن الکریم ۱۵۶/۶

کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال ائمة البخاری عندنا لایجب ایمان ولایحرم کفر قبل البعثت کقول الاشاعرة[1]۔	ائمہ بخاری نے اشاعرہ کی طرح فرمایا: ہمارے نزدیک قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔(ت)

فواتح الرحموت میں ہے:

عندالاشعریة والشیخ ابن الهمام لایؤاخذون ولو اتوا بالشرك والعیاذباللہ تعالٰی[2]۔	اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں، والعیاذباللہ تعالٰی۔(ت)

حاشیہ طحطاویہ علی الدرالمختار میں ہے:

اهل الفترة ناجون ولو غیروا وبدلوا علی ماعلیه الاشاعرة وبعض المحققین من الماتریدیه ونقل الکمال فی التحریر عن ابن عبدالدولة انه المختار لقوله تعالٰی: "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾" وما فی الفقه الاکبر من ان والدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام[3] الخ۔	اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغیر و تبدیل کے مرتکب ہوں۔ اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں۔ کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبدالدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیونکہ ارشاد باری تعالٰی ہے: ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔۔۔۔۔۔اور فقہ اکبر میں جو ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین نے حالت کفر میں انتقال کیا تو یہ مصنف فقہ اکبر امام اعظم پر دسیسہ کاری ہے(ت)

اس قول پر توظاہر کہ اہل فترت کو تازمان فترت کافر نہ کہا جائے گا کہ وہ ناجی ہیں، اوکافر ناجی نہیں تو شکل ثانی نے صاف نتیجہ دیا کہ وہ کافر نہیں۔

وعلٰی هذا استدل به السید العلامة	اسی بنیاد پر اس سے سید علامہ طحطاوی نے

---

[1] منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر معنی قرب الباری الخ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ص ۳۰۷

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیۃ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲۹/۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۸۰/۲

علٰی نزھۃ الابوین الشریفین عن الکفر۔رضی اللہ تعالٰی عنھما وعن کل من احب اجلالھما اجلالا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	والدین کریمین کے کفر سے منزہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہوا اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔(ت)

ولہذا ائمہ اشاعرہ میں کوئی انہیں مسلم کہتا ہے کوئی معنی مسلم میں۔

قال الزرقانی "ثم اختلف عبارۃ الاصحاب فیمن لم تبلغہ الدعوۃ فاحسنھا من قال انہ ناج، وایاھا اختار السبکی، ومنھم من قال علی الفترۃ عـــہ منھم من قال مسلم قال الغزالی والتحقیق ان یقال فی معنٰی مسلم [1]۔"	زرقانی نے فرمایا: پھر اصحاب (ائمہ رحمہم اللہ کی عبارتیں اس کے بارے میں مختلف ہوگئیں جسے دعوت نہ پہنچی سب سے عمدہ عبارت اس کی ہے جس نے کہا وہ ناجی ہے۔ اسی کو امام سبکی نے اختیار کیا، کسی نے کہا وہ فترۃ پر ہے۔ کسی نے کہا مسلم ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ اسے معنٰی مسلم میں کہا جائے۔(ت)

اس طور تو خود ابوطالب پر حکم کفر اس وقت سے ہوا جب بعد بعثت اقدس تسلیم واسلام سے انکار کیا، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی خود اسلام لاکر حکم تبعیت سے قطعًا منزہ ہوچکے تھے وللہ الحمد۔

بعض علماء قائل تفصیل ہوئے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب اور موحد وغافل مطلقًا ناجی۔ یہ قول اشاعرہ سے امامین جلیلین نووی ورازی رحمہما اللہ تعالٰی کا ہے۔

وتعقبہ الامام الجلال السیوطی فی رسائلہ فی الابوین الکریمین	اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے متعلق اپنے

عـــہ: ھکذا فی نسختی بالتاء ویترأای لی انہ "الفطرۃ" بالطاء ۱۲منہ۔	اعلٰی حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میرے نسخہ میں اسی طرح تا سے ہے میرا خیال ہے کہ یہ طا کے ساتھ "فطرۃ" ہے ۱۲منہ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۲

رضی اللہ تعالٰی عنہما بما یرجع الی القول بالامتحان۔ والعلامۃ ابوعبداللہ محمد بن خلف ن الابی فی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم کما نقل کلامہ فی المواھب۔اقول لکنہ عاد.اٰخر الٰی تسلیمہ حیث قال اولا لما دلّت القواطع علی انہ لاتعذیب حتی تقوم الحجۃ علینا انھم غیر معذبین [1] اھ ثم استشعر ورود الاحادیث وقسمھم اٰخر الکلام الی موحد ومبدل و غافل.ثم قال فیحمل من صح تعذیبہ علی اھل القسم الثانی لکفرھم بما تعدوا بہ من الخبائث. و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی قدسمّٰی جمیع ھٰذا القسم کفارا ومشرکین فانا نجدالقرآن کلما حکٰی حال احد سجل علیھم بالکفر والشرک.کقولہ تعالٰی " مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآىٕبَةٍ "ثم قال اللہ تعالٰی " وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا	رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ پہلے اہل فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)۔علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلف ابی مالکی نے بھی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام منقول ہے،اقول مگر آخر میں چل کر انہوں نے اس قول کو تسلیم کرلیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا اھ۔پھر انہیں خیال پیدا ہوا کہ تعذیب کے بارے میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں توآخر کلام میں اہل فترت کو انہوں نے تین قسموں موحد(۱)، مبدّل(۲)،اور غافل(۳) میں تقسیم کیا۔پھر فرمایا کہ جن کی تعذیب کی صحت ثابت ہے انہیں قسم ثانی والوں پر محمول کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اپنے برے افکار واعمال کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے کے باعث کافر ہوئے اور اللہ تعالٰی نے اس قسم کے سارے لوگوں کو کفار ومشرکین کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف صاف انکے کافر ومشرک ہونے کا حکم ثبت فرمادیتا ہے جیسے یہ ارشاد باری ہے:

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول قضیہ نجاۃ والدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۷۹

یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ "[1]۔الخ، فھذا کماتری رجوع الی ما قالہ ھذاان الامامان من تعذیب من اشرك منھم۔**اقول:** وفی استدلالہ بالاٰیۃ خفاء ظاھر اذلیست نصّافی ان المراد بھم من اخترع ذلك من اھل الفترۃ،بل الکفار لما تدینوا بتلك الاباطیل سجل علیھم بانھم یفترون علی اللہ الکذب۔۔۔۔وبالجملۃ فمفاد الاٰیۃ ان الکافرین یفترون لا ان المفترین کلھم کافرون،حتی یکون تسجیلاعلٰی کفر اھل الفترۃ۔	اللہ نے مقرر نہ کیا بحیرہ (کان چرا) اور نہ سائبہ۔ پھر یہ ارشاد ہے: لیکن جو لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر بے عقل ہیں الخ۔ تو یہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے، جو امام نووی و امام رازی نے فرمایا کہ اہل فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہاں علامہ ابی نے آیت مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہوا خفا ہے کیونکہ آیت اس بارے میں نص نہیں ان سے اہل فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ کا اختراع کرنیوالے مراد ہیں، بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین و اعتقاد میں داخل کرلیا تو ان کے بارے میں یہ حکم ثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں، نہ یہ کہ سارے افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہل فترت کے فکر کی تصریح ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا:

علی خلاف ماقدمنا عن القاری والطحطاوی وبحر العلوم رحمھم اللہ تعالٰی،حیث قال"نعم البخاریّون من الماتریدیۃ وافقوا الاشاعرۃ،وحملوا قول الامام، لاعذرلاحدفی الجھل بخالقہ،علی مابعد	اس کے برخلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری، طحطاوی اور بحرالعلوم رحمہم اللہ تعالٰی سے نقل کیا، علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے انہوں نے امام اعظم کے قول "اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں۔" کو

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول قضیۃ نجاۃ والدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۸۱

البعثة،واختارہ المحقق ابن الھمام فی التحریر۔ لکن ھذا فی غیر من مات معتقدا للکفر۔فقد صرح النوری والفخر الرازی بان من مات قبل البعثة مشرکا فھو فی النار،وعلیه حمل بعض المالکیة ماصح من الاحادیث فی تعذیب اھل الفترة[1] الخ۔"	مابعد بعثت پر محمول کیا،اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مرگئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالت شرک میں مرگئے جہنم میں ہوں گے۔اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہل فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔(ت)

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارھم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک[۱]، معاقب، موحد[۲]، ناجی، غافلوں[۳] میں جس نے مہلت فکروتامل نہ پائی، ناجی، پائی[۴]، معاقب۔

وھو المؤید بما نقل عن امام المذھب رضی اللہ عنه من قوله لاعذر لاحد[2] الخ وحمل البخاریین لا یجری فی قوله الاٰخر فیما نقل عنه وانه لو لم یبعث اللہ رسولا لو جب علی الخلق معرفته بعقولھم لٰکن اوله المحقق بحمل الوجوب علی العرفی۔ای لکان ینبغی لھم ذلک۔ **اقول:** ویرد علٰی ظواھر ھذہ الاقوال جمیعا احادیث الامتحان وھی صحیحة	یہی قول تائید یافتہ ہے اس سے جو امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ کسی کے لئے اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کوئی عذر نہیں الخ اور اہل بخارا کا بعدِ بعثت والوں پر اس قول کو محمول کرنا امام سے منقول اس دوسرے قول میں نہ چل سکے گا کہ اگر اللہ تعالٰی کوئی رسول مبعوث نہ فرماتا تو بھی مخلوق پر اپنی عقلوں کے ذریعہ خالق کی معرفت واجب ہوتی۔ لیکن محقق ابن الہمام نے اسے وجوب عرفی پر محمول کرکے تاویل کی ہے یعنی ان کے لئے یہی مناسب ہوتا۔**اقول:** ان تمام اقوال کے ظاہر پر احادیث امتحان سے اعتراض وارد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۸۶/۲

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۸۶/۲

كثيرة ولا ترد ولا ترام۔ وقد عد السيوطى جملة منها قال "والمصح منها ثلثة۔ **الاول** حديث الاسود بن سريع وابى هريرة معًا مرفوعًا، اخرجه احمد وابن راهويه والبيهقى و صححه وفيه واما الذى مات فى الفترة فيقول رب ما اتانى لك رسول، فيأخذ مواثيقهم ليطيعنه، فيرسل اليهم ان ادخلوا النار، فمن دخلها كانت عليه بردًا وسلامًا، ومن لم يدخلها سحب اليها[1]۔ **والثانى** حديث ابى هريرة موقوفًا، وله حكم الرفع لان مثله لايقال من قبل الرأى۔ اخرجه عبدالرزاق وابن جرير وابن ابى حاتم وابن المنذر فى تفاسيرهم، اسناده صحيح على شرط الشيخين[2]۔ **والثالث** حديث ثوبان مرفوعًا، اخرجه البزار و الحاكم فى المستدرك وقال صحيح على شرط الشيخين، واقره الذهبى[3]۔ الخ	ہوگا۔ اور یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں کہ کثیر بھی۔ اس قابل نہیں کہ رد کی جائیں یا انہیں رد کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ امام سیوطی نے ان میں کچھ حدیثیں شمار کرائی ہیں، فرمایا کہ ان میں صحیح یافتہ تین ہیں۔ **اول:** اسود بن سریع اور ابوہریرہ دونوں حضرات کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج امام احمد اور ابن راہویہ اور بیہقی نے کی ہے۔ اور بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔ اس حدیث میں ہے: لیکن وہ جو فترت میں مرگیا تو عرض کرے گا خداوندا! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہ آیا۔ تو ان سے عہد و پیمان لے گا کہ اب ضرور اس کا حکم مانیں گے۔ تو انہیں پیغام بھیجے گا کہ دوزخ میں داخل ہوجاؤ، جو داخل ہوگا اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوجائے گی۔ جو نہ داخل ہوگا اسے گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ **دوم:** حضرت ابوہریرہ کی حدیث موقوف، یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کی تخریج عبدالرزاق نے کی ہے اور ابن جریر وابن ابی حاتم وابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں کی ہے، اسکی اسناد صحیح بر شرط شیخین ہے۔ **سوم:** حضرت ثوبان کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج بزار نے کی ہے، اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کرکے فرمایا کہ صحیح بر شرط شیخین ہے، اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا۔

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بحواله السیوطی المقصد الاول، باب وفاة امه الخ دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۷۳۔ ۱۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بحواله السیوطی المقصد الاول، باب وفاة امه الخ دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۷۳۔ ۱۷۲

[3] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بحواله السیوطی المقصد الاول، باب وفاة امه الخ دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۷۳۔ ۱۷۲

وذٰلك لان الامتحان یوجب الوقف والقول بشیئ یخالفه بید انّ تمام وروده انما هو علی الاشاعرة الذین اطلقوا القول بالنجاة اما المفصلون من اصحابنا فلهم ان یقولوا ینجو هذا یعاقب ذاک۔ ولٰکن یکون ذٰلك بعد الامتحان۔ ولی ھٰھنا کلام اٰخر فی تحقیق المرام لااذکره لخوف الاطالة وغرابة المقام فلنرجع الی ما کنا فیه۔	وجہ اعتراض یہ ہے کہ جب فیصلہ بعد امتحان ہوگا تو ہم پر توقف لازم ہے، اور کوئی صریح حکم لگا دینا اس کے خلاف ہے، لیکن یہ سارا اعتراض ان اشاعرہ پر ہے جو مطلقاً نجات کے قائل ہیں لیکن ہمارے اصحاب میں سے اہل تفصیل یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ناجی ہوگا وہ معاقب۔ لیکن فیصلہ بعد امتحان ہوگا۔ اور یہاں تحقیق مقصود میں میرا ایک دوسرا کلام ہے جسے خوف طوالت اور اجنبیت مقام کے باعث ترک کر رہا ہوں، اب ہم اصلی بحث کی طرف رجوع کریں۔ (ت)

ان دونوں قولوں پر بس حکم کفر کے لئے صراحۃً اختیار شرک، یا بر قول آخر وصف مہلت تامل، ترک توحید کا ثبوت لازم۔ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی (جیسا کہ ہم بحوالہ زرقانی امام سیوطی سے ماقبل میں ذکر کرچکے ہیں۔ ت) مخالف جو دلیل رکھتا ہے پیش کرے اور جب نہ پیش کرسکے تو رجماً بالغیب حکم تبعیت پر کیونکر منہ کھول دیا۔ کیا اطلاق کفر اور وہ بھی معاذ اللہ ایسی جگہ محض اپنے تراشیدہ اوہام پر ہوسکتا ہے؟ کیا محتمل نہیں کہ وہ اس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی ہیں، تو ولد انہیں کا تابع ہوگا اور بالتبع بھی حکم کفر ہرگز صحیح نہ ہوسکے گا۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار میں مسلم و کافرہ سے مولود بالزنا کی نسبت فرماتے ہیں:

یظهر لی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح کل مولود یولد علی الفطرة حتی یکون ابواه هما اللذان یهودانه او ینصرانه، فانهم قالوا انه صلی اللہ تعالٰی علیه	مجھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم کرنا ہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ دونوں ہی اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ

وسلم جعل اتفاقهما ناقلالہ عن الفطرة فاذا لم یتفقا بقی علی اصل الفطرة، وایضًاحیث نظروا للجزئیة فی تلك السائل احتیاطافلینظر الیها هنا احتیاطا ایضا، فان الاحتیاط بالدین اولی ولان الکفر اقبح القبیح فلاینبغی الحکم به علی شخص بدون امر صریح[1] اھ ملخصًا۔	تعالٰی علیہ وسلم نے ماں اور باپ دونوں کے اتفاق کو دین فطرت سے منتقل کرنے والا ٹھہرایا۔ تو اگر دونوں متفق نہ ہوں تو بچہ اصل فطرت پر رہے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء نے جب ان مسائل میں احتیاطًا جزئیت کا لحاظ کیا تو یہاں بھی احتیاطًا لحاظِ جزئیت ہونا چاہئے کیونکہ دین کے معاملہ میں احتیاط ہی اولٰی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ کفر سب سے بدتر قبیح ہے تو کسی شخص پر کسی امر صریح کے بغیر حکم کفر لگانا مناسب نہیں۔ اھ ملخصًا (ت)

سبحان اللہ! اس جرأت کی کوئی حد ہے کہ مدعا علیہ اسد اللہ الغالب اور دلیل و گواہ مفقود و غائب۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ت)

ثانیًا: باجماع ائمہ اشاعرہ قدست اسرارھم، حسن و قبح مطلقًا شرعی ہیں۔ تو قبل شرع اصلًا کسی شیئ کی نسبت ایجاب یا تحریم کچھ نہیں۔ بعض ائمہ ماتریدیہ تمت انوارھم بھی باآنکہ قائل عقلیت ہیں مگر تعرف عقل قبل سمع کو مستلزم حکم و شغل ذمہ مکلّف عـــہ نہیں جانتے۔ یہی مذہب امام ابن الہمام نے اختیار فرمایا اور انہیں کی تبعیت فاضل محب اللہ بہاری نے کی۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(عندنا) وعند المعتزلة عقلی لکن عند نا من متاخری الماتریدیه لایستلزم هذا الحسن والقبح حکمًا	اشیاء کا حسن و قبح ہمارے نزدیک اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے لیکن ہم متاخرین ماتریدیہ کے نزدیک یہ حسن و قبح بندے کے بارے میں اللہ

عـــہ: یعنی بعض ائمہ ماتریدیہ مانتے ہیں کہ کچھ اشیاء کے حسن و قبح کا ادراک عقل سے ہوتا ہے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت آنے سے پہلے ہی محض عقل کے ادراک پر مکلّف بندہ ذمہ دار ہو جائے اور اس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم ہو جائے ۱۲ محمد احمد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

من اللہ سبحٰنہ فی العبد فمالم یحکم اللہ تعالٰی بارسال الرسل وانزال الخطاب لیس ھناك حکم اصلًا ومن ھٰھنا اشترطنا بلوغ الدعوۃ فی تعلق التکلیف فالکافر الذی لم تبلغہ الدعوۃ غیر مکلف بالایمان ایضًا ولا یؤاخذ بکفرہ[1] اھ ملخصًا۔	سبحٰنہٗ کی طرف سے کسی حکم کو مستلزم نہیں، تو جب تک اللہ نے رسولوں کو بھیج کر اور خطاب نازل فرما کر کوئی حکم نہ فرمایا یہاں بالکل کوئی حکم نہیں۔ یہیں سے ہم نے کہا کہ مکلّف ہونے کا تعلق اس شرط کے ساتھ ہے کہ دعوت پہنچی ہو تو وہ کافر جسے دعوت نہ پہنچی وہ ایمان کا بھی مکلّف نہیں اور اس کے کفر پر بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اھ ملخصًا (ت)

نیز فواتح میں ہے:

حاصل البحث ان ھٰھنا ثلٰثۃ اقوال: **الاول** مذھب الاشعریہ ان الحسن والقبح فی الافعال شرعی وکذٰلك الحکم۔ **الثانی** انھما عقلیان وھما مناطان لتعلق الحکم۔ فاذا ادرك فی بعض الافعال کالایمان والکفر و الشرك والکفر ان یتعلق الحکم منہ تعالٰی بذمۃ العبد وھو مذھب ھٰؤلاء الکرام والمعتزلۃ. الا انہ عندنا لا تجب العقوبۃ بحسب القبح العقلی کما لا تجب بعد ورود الشرع لاحتمال العفو بخلاف ھٰؤلاء[2]۔ **الثالث** عقلیان ولیسا موجبین للحکم	حاصل بحث یہ ہے کہ یہاں تین اقوال ہیں: **اول** مذہب اشعریہ کہ افعال کا حسن وقبح شرعی ہے۔ اسی طرح حکم افعال بھی شرعی ہے۔ **دوم** حسن وقبح عقلی ہیں اور ان پر تعلق حکم کا مدار ہے۔ تو جب بعض افعال میں حکم کا ادراک ہوجائے جیسے ایمان کفر، شرک اور کفران میں تو اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کے ذمہ حکم متعلق ہوجائے گا، یہی ان علمائے کرام اور معتزلہ کا مذہب ہے، مگر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبح عقلی کے اعتبار سے عقوبت واجب نہیں ہوجاتی جیسا کہ ورود شرع کے بعد واجب نہیں کیونکہ عفو کا احتمال ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ واجب مانتے ہیں۔ **سوم** حسن وقبح عقلی ہیں۔ اور اتنے ہی سے

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیہ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۵

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیہ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

ولا کاشفین عن تعلقه وهو مختار الشیخ ابن الهمام وتبعه المصنف ورأیت فی بعض الکتب وجدت مشائخنا الذین لاقیتهم قائلین مثل قول الاشعریة [1] اھ بتلخیص۔	وہ تعلق حکم کے موجب یا مظہر نہیں۔یہی شیخ ابن الہمام کا مختار ہے اور مصنف نے اسی کا اتباع کیا ہے۔میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ میں نے اپنے ان مشائخ کو جن سے میں نے ملاقات کی ہے اشعریہ کے قول کا قائل پایا اھ بتلخیص۔(ت)

ان دونوں قولوں پر قبل شرح حکم اصلا نہیں،تو عصیان نہیں،کہ عصیان مخالفت حکم کا نام ہے۔

ولذا قال الامام ابن الهمام کیف تحقق طاعة او معصیة قبل ورود امر ونهی۔	اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا کہ امر ونہی وارد ہونے سے پہلے کسی طاعت یا معصیت کا تحقق کیسے!(ت)

اورجب عصیان نہیں کفر بالاولٰی نہیں کہ وہ اخبث معاصی ہے اور انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص۔یوں بھی خود ابوطالب پرتا زمان فترت حکم کفر نہ تھا،جب کفر کیا تبعیت کا اصلاً محل نہ تھا۔

جماہیر ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اگرچہ عقل کو معرف حکم مانتے ہیں،مگر نہ مطلقاً کہ یہ تو سفاہت سفہائے معتزلہ و روافض و کرامیہ وبراہمہ خذلھم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی ان کو رسوا کرے۔ت) ہے۔بلکہ امثال توحید وشکر وترک کفران وکفر وغیرہا امور عقلیہ غیر محتاج سمع میں۔اس مذہب پر پھر وہی سوال ہوگا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا زمان فترت میں ارتکاب شرک واجتناب توحید ثابت کرو۔اگر نہ ثابت کرسکو تو کیا مولی المسلمین ولی رب العلمین حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کردیا جائے گا؟

ثالثًا اس سب سے تنزل کیجئے اور تا ظہور بعثت ان دونوں زن وشو کا کفر مان ہی لیجئے تو اب ایک ذرا نظر انصاف درکار کہ امر دوم کا پتا نہ لگا رہا نہ رہے۔

ناسمجھ بچے کو بہ تبعیت والدین یادار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثالثہ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

یہ تو بداہۃً باطل۔ وصف کفر یقیناً اس سے قائم نہیں، بلکہ اسلام فطری سے متصف ہے کما قدمنا (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) یہ اطلاق صرف از روئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ احکام ہیں جو اس کے باپ یا اہل دار پر ہیں وہ بھی نہ مطلقاً بلکہ صرف دنیوی، مثلاً وہ اپنے کافر مورث کا ترکہ پائے گا نہ مسلم کا، کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا نہ مسلم کو، کافرہ سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے نہ مسلمہ سے، وہ مر جائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل وکفن نہ دیں گے، مقابر مسلمین میں دفن نہ کریں گے الی غیر ذٰلك من الاحکام الدنیویۃ (اس کے علاوہ دیگر دنیوی احکام۔ت) فتح القدیر میں ہے:

تبعیۃ الابوین اواحدھما ای فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[1]۔	والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع ہونا یعنی دنیوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں (ت)

بحر الرائق میں ہے:

اعلم ان المراد بالتبعیۃ التبعیۃ فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[2]۔	تو جان لے کہ تابع ہونے سے مراد دنیاوی احکام میں تابع ہونا ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔ (ت)

شرنبلالیہ میں ہے:

التبعیۃ انما ھی فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[3]۔	تابع ہونا تو محض دنیاوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔ (ت)

در مختار میں ہے:

تبع لہ ای فی احکام الدنیا لاالعقبی لمامر انھم خدم اھل	بچہ والدین میں سے کسی کے تابع ہے یعنی دنیاوی احکام میں نہ کہ اخروی احکام میں، کیونکہ گزر چکا ہے کہ انکے بچے جنتیوں کے خادم

[1] فتح القدیر باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۴

[2] بحر الرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر باب الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

الجنة[1]۔	ہوں گے۔(ت)

اور جب یہ تبعیت صرف احکام دنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکام دنیا کے وجود پر موقوف۔اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی؟ اور پر ظاہر کہ قبل بعثت ان امور میں کوئی حکم شرعی اصلاً اجماعاً متحقق نہ تھا۔تو اس وقت تک کسی ناسمجھ بچے کا بہ تبعیت والدین کافر قرار پانا ہر گز وجہ صحت نہیں رکھتا کہ نہ حکم نازل، نہ تبعیت حاصل۔ھکذا اینبغی التحقیق واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ت)

اس تحقیق انیق سے بتوفیق اللہ تعالٰی روشن ہوگیا کہ بحمدہ سبحٰنہ تبعاً حکماً اسماً وہماً کسی طرح کسی نوع یہ لفظ شنیع حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی پر صادق نہ ہوا۔روز الست سے ابدالآباد تک ان کا دامن ایمان مامن اس لوث (آلودگی) سے اصلاً جزئاً قطعاً مطلقاً پاک وصاف منزہ رہا۔والحمدللہ رب العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

ھذا کلہ ما فاض علی قلب الفقیر: من فیض اللطیف الخبیر: واسأل اللہ تعالٰی ان یجعلہ ذریعة مقبولة لحفظ ایمان ھٰذا الضعیف الحقیر لیوم لقاء الملک الجواد القدیر۔ولاحول ولاقوة الاباللہ العلی الکبیر: وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی الامان المؤمن المولی النصیر الشفیع الرفیع المبشر البشیر: وعلٰی اٰلہ وصحبہ واھلہ وحزبہ وعلیؓ المرتضٰی الامام الامیر: وعلینا بھم ولھم وفیھم. اٰمین یاربنا السمیع البصیر۔	یہ سب وہ ہے جو قلب فقیر پر لطیف خبیر کے فیض سے فائض ہوا اور میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ اس کو بادشاہ جواد قدیر کی ملاقات کے دن تک اس ضعیف حقیر کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ مقبولہ بنادے، اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر اللہ علی کبیر ہی سے۔اور اللہ رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے امن دینے والے امان، نصرت فرمانے والے مولٰی، بلند شفیع، خوشخبری دینے والے مبشر پر اور ان کی آل، اصحاب، اہل جماعت اور علی مرتضٰی امام امیر پر، اور ہم پر ان حضرات کے وسیلہ اور ان کے سبب سے اور ان کے زمرہ میں، قبول فرما اے ہمارے سننے دیکھنے والے رب!

[1] الدرالمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

تکمیل: بحمد اللہ تعالٰی یہی فضل اجل واجمل، بلکہ اس سے بھی اعلٰی واکمل، نصیب حضرت امیر المومنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیدنا ومولانا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ حکم تبعیت تو انہیں وجوہ بالا سے باطل۔ چند برس کی عمر شریف ہوئی کہ پر توشانِ خلیل اللہ بت خانہ میں بت شکنی فرمائی۔ ان کے والد ماجد سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ وہ بھی صحابی ہوئے) اس زمانۂ جاہلیت میں انہیں بت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر کہا: ھٰذہٖ الھتك الشم العلی فاسجدلھا یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور براہ اظہار عجز صنم وجہل صنم پرست ارشاد فرمایا: انی جائع فاطعمنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا: انی عار فاکسنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا: میں تجھ پر پتھر ڈالتا ہوں۔ فان کنت الھًا فامنع نفسك اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر بقوت صدیقی پتھر پھینکا کہ وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گرا۔ والد ماجد واپس آتے تھے یہ ماجرا دیکھا، کہا: اے میرے بچے! یہ کیا کیا؟ فرمایا: وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں؟ وہ انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس (کہ وہ صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا: اس بچے سے کچھ نہ کہو، جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا، میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے۔

یا امۃ اللہ علی التحقیق: ابشری بالولد العتیق: اسمہٗ فی السماء الصدیق: لمحمد صاحب ورفیق: رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد ن الزبیدی بسندہ فی "معالی الفرش الی عوالی العرش"[1] وقد ذکرنا الحدیث بطولہ فی کتابنا المبارک	اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی، اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یار ورفیق ہے۔ (اسے قاضی ابوالحسین احمد بن محمد زبیدی نے "معالی الفرش الی عوالی العرش" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ہم نے پوری حدیث طویل اپنی کتاب "مطلع القمرین فی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری بحوالہ معالی الفرش الی عوالی العرش باب اسلام ابی بکر دار الکتاب العربی بیروت ۱۸۸/۶، ۱۸۷

ان شاء اللہ تعالٰی مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔	ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بیان کیا ہے جو بابرکت (کتاب) ہے اگر اللہ نے چاہا۔ت)

سولہ برس کی عمر میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روز قیامت دست بدست حضور اٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخل خلد بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے فوراً بے تامل ایمان لائے، ولہذا سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم یزل ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بعین الرضامنہ[1]۔	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوشنودی میں رہے۔(ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

اختلف الناس فی مرادہ بھٰذا الکلام فقیل لم یزل مؤمنا قبل البعثۃ وبعدھا وھو الصحیح المرتضٰی[2]	اس کلام سے امام اشعری کی مراد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بیان مراد میں ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے، قبل بعثت بھی، بعد بعثت بھی۔ یہی قول صحیح وپسندیدہ ہے(ت)

امام اجل سید ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی قدس سرہ الملکی فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یثبت عنہ حالۃ کفر باللہ کما ثبتت عن غیرہ ممن اٰمن۔ وھو الذی سمعناہ من اشیاخنا ومن یقتدٰی بہ وھو الصواب ان شاء اللہ تعالٰی[3]۔	صحیح یہ کہنا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متعلق کوئی حالت کفر ثابت نہ ہوئی جیسا کہ دوسرے ایمان والوں سے متعلق ثابت ہوئی۔ یہی ہم نے اپنے شیوخ اور پیشواؤں سے سنا ہے اور یہی حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/۱۸۷

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/۱۸۷

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/۱۸۷

الحمدللہ یہ اجمالی جواب، موضح، نہم جمادی الاخری روز شنبہ کو تمام اور بلحاظ تاریخ "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا ومولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔	اور ہماری دعا کا اختتام یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے بہترین مخلوق، اس کے افق کے سراج ہمارے آقا و مولٰی محمد پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اس کا علم اتم اور اس کا حکم مضبوط ہے۔ (ت)

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ

ختم ہوا۔

مسئلہ ۲۰: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب (رحمہ للہ تعالٰی) ۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاھم اللہ تعالٰی الی یوم الدین (اللہ تعالٰی انہیں روز جزاء تک قائم رکھے۔ ت) اس میں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہمیشہ کے مسلمان تھے یا کہ علی مافی تاریخ الخلفاء للسیوطی وردالمحتار لابن عابدین و جامع المناقب وغیرہ (جیسا کہ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء، علامہ ابن عابدین کی ردالمحتار اور جامع المناقب وغیرہ میں ہے۔ ت) تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کے سن میں ایمان لائے ہیں، اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر ایمان لانا چہ معنٰی دارد۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل (تفصیل سے بیان کرو اجر عظیم دیے جائے گا۔ ت)

الجواب:

حضرت امیر المومنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سیدنا علی المرتضٰی مشکل کشا،

کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی اور حضرت امیر المومنین امام المشاہدین افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا و مولانا صدیق اکبر عتیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالمِ ذریت سے روزِ ولادت، روزِولادت سے سنِ تمیز، سنِ تمیز سے ہنگامِ ظہورِ پُر نور آفتاب بعثت، ظہورِ بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے ابدالآباد تک بحمد اللہ تعالٰی موحد موقن و مسلم و مومن وطیب وزکی و طاہر و نقی تھے، اور ہیں، اور رہیں گے، کبھی کسی وقت کسی حال میں ایک لحظہ ایک آن کو لوثِ کفروشرک وانکار ان کے پاک، مبارک، ستھرے دامنوں تک اصلًا نہ پہنچا نہ پہنچے، **والحمدللہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

عالم ذریت سے روزِ ولادت تک اسلام میثاقی تھا کہ "**اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ**"[1] (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا کیوں نہیں۔)

روز ولادت سے سنِ تمیز تک اسلام فطری کہ **کل مولود یولد علی الفطرۃ**[2] ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت)

سنِ تمیز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی کہ ان حضرات والا صفات نے زمانہ فترت میں کبھی بت کو سجدہ نہ کیا، کبھی غیر خدا کو خدا نہ قرار دیا ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا، ایک ہی سے کام رہا۔

"**ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝**"[3]۔	یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔(ت)

پھر ظہور بعثت سے ابدالآباد تک حال تو ظاہر و قطعی و متواتر ہے **والحمدللہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) فقیر غفرلہ اللہ المولی القدیر نے یہ نفسی مطلب بقدر حاجت اپنے رسالہ موجزہ **تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ** میں واضح کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/۱۷۲

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ ۲/۲۹۲ وجامع الترمذی ابواب القدر ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

[3] القرآن الکریم ۶۲/۴

ثم اقول: وباللہ التوفیق (میں پھر کہتا ہوں اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے) ظاہر ہے کہ تا اوان (وقت) فترت اس زمان جاہلیت ومکان اُمیت وہیجان غفلت میں سمعیات پر اطلاع کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے، اسی طرح نبوت وکتاب کہ وہ لوگ ان امور سے واقف ہی نہ تھے، ولہذا براہِ عجب کہتے ہیں: "اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا" [1] کیا خدا نے آدمی کو رسول بنایا۔ اور کہتے:

"مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ" [2]	یہ رسول کیسا ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

اور پُر ظاہر کہ حکم، بے تصور محکوم علیہ محال قطعی۔ تو جس چیز سے ذہن اصلاً خالی اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی۔

وقد قال تعالٰی: "مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ" [3]۔	بے شک اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔ (ت)

لہذا اس زمانے میں صرف توحید مدار اسلام ومناطِ نجات ونافی کفر تھی۔ موحدان جاہلیت کا مسئلہ اجماعیہ کسے نہیں معلوم؟ بایں ہمہ وہ اسلام ضروری تھا کہ اس وقت اسی قدر ممکن تھا اصل دین ومرضی رب العلمین جسے "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" [4] (بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ ت) فرمایا گیا تمام ایمانیات پر ایمان لانا ہے،

"كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ" [5]	سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ (ت)

یہ بغیر بعثت وبلوغ دعوت ناممکن ـــــ اور اس کا بھی فرد اکمل وہ ہے جس کی نسبت ابراہیم خلیل واسمٰعیل ذبیح صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم نے دعا کی:

"وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" [6]	اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۹۴

[2] القرآن الکریم ۲۵/۷

[3] القرآن الکریم ۳۶/۶

[4] القرآن الکریم ۳/۱۹

[5] القرآن الکریم ۲/۲۸۵

[6] القرآن الکریم ۲/۱۲۸

جس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

"هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ"[1]۔	اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں۔(ت)

یعنی اس نبی کریم افضل المسلمین خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی امت مرحومہ میں داخل ہونا۔یہ اسلام کا اطلاق اخص واکمل واجل واجمل ہے۔ان دونوں معنوں پر ان حضرات عالیات رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ یا دس برس کی عمر میں اسلام لائے،یہ ارشاد اقدس سنتے ہی فورًا بلاتامل مسلمان ہوئے۔معہذا اس میں ایک سِرّ یہ ہے کہ بعد بعثت وبلوغ دعوت صرف اس اسلام ضروری پر قناعت کافی ووجہ نجات نہیں۔اگر کوئی شخص فترت میں صدہا سال موحد رہتا اور بعد دعوت تصدیق نہ کرتا وہ اسلام سابق یقینا زائل ہوکر کافر مخلد فی النار ہوجاتا۔تو جس نے فورًا تصدیق کی اس پر حکم اسلام اس وقت سے تام وقائم ومحکم ومستقر ہوا۔

علاوہ بریں رب العزت عزوجل اپنے خلیل جلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت فرماتا ہے:

"اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾"[2]	جب اس سے فرمایا اس کے رب نے کہ اسلام لا،بولا میں اسلام لایا رب العالمین کیلئے۔

جب خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور انکا عرض کرنا کہ اسلام لایا،معاذاللہ ان کے ایمان قدیم واسلام مستمر کامنافی نہ ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کی طرف بعد نبوت وپیش از نبوت کبھی کسی وقت ایک آن کے لئے بھی غیر اسلام کو اصلًا راہ نہیں،توصدیق ومرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے،انکے اسلام سابق کے معاذاللہ کیا مخالفت ہوسکتے ہیں۔

ھذا کلہ واضح مبین۔والحمدللہ رب العالمین۔	یہ سب واضح نمایاں ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے کل جہانوں کا۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/۱۳۱

بحمد اللہ تعالٰی نے فقیر کی اس تقریر سے جس طرح روافض کا نفیِ خلافت صدیقی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے براہ عناد ومکابرہ آیہ کریمہ "لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾"[1] (میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ت) سے سفیہانہ استدلال، جس کا نہ صغرٰی صحیح نہ کبرٰی ٹھیک، ہباءً منثورا ہوگیا، یونہی تفضیلیہ کا وہ باطل خیال کہ "قدم اسلام خاصہ حضرت مرتضوی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہے لہٰذا خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل" مدفوع ومقہور ہوگیا۔

فاقول وباللّٰہ التوفیق (پس میں کہتاہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لحاظ سے تو یہ تخصیص ہی غلط کہ وہ بھی اس فضل جلیل میں شریک حضرت اسد اللہ الغالب، بلکہ انصاف کیجئے تو شریک غالب ہیں اگرچہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن ایک لمحہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے، مگر اسلام میثاقی واسلام فطری کے بعد اسلام توحیدی واسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایہ ارفع واعلٰی ہے۔ توحیدی میں یوں کہ صدیق اکبر کی ایک عمر کثیر اس زمانہ ظلمت وجہالت میں گزری۔ ابتداء میں مدتوں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہِ اسلام پناہ سے دوری رہی۔ اس پر بچپنے کی کچی سمجھ میں انکے والد ماجد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کہ اس وقت تک مبتلائے شرک تھے اپنے دین باطل کی تعلیم دینا، بت خانے میں لے جاکر سجدہ بت کی تفہیم کرنا، غرض رہنما مفقود، رہزنی موجود۔ بایں ہمہ انکا توحید خالص پر قائم رہنا، اللہ اکبر کیسا اجل واعظم ہے۔ حضرت امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی گود میں پرورش پائی، حضور ہی کی باتیں سنیں، حضور ہی کی عادتیں سیکھیں، شرک وبت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالٰی نے کبھی نہ دکھائی، آٹھ یا دس سال کے ہوئے کہ آفتاب جہاں تابِ رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا، **والحمد للّٰہ رب العٰلمین** (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) اسلام اخص میں یوں کہ صدیق اکبر نے فورًا اپنا اسلام سب پر ظاہر وآشکار کردیا، ہدایتیں فرمائیں، کفار کے ہاتھوں سے اذیتیں پائیں، جن کی تفصیل ہماری کتاب **مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین** وغیرہ کتب حدیث میں ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

اور امیر المومنین مولیٰ علی کی نسبت آیا کہ کچھ دنوں اپنے باپ ابو طالب کے خوف سے کہ لازمہ صغر سنّ ہے اپنے اسلام کا اخفا فرمایا، امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان قرشی وامام دارقطنی ومحب الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضرت سیدنا علی مرتضٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ان ابا بکرٍ سبقنی الی اربع لم اوتھن، سبقنی الی افشاء السلام، وقدم الھجرۃ، مصاحبتہ فی الغار واقام الصلوۃ وانا یومئذٍ بالشعب، یظھر اسلامہ واخفیہ[1]۔ الحدیث	بیشک ابوبکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں: انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکار اکیا، اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے یار غار ہوئے، اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

اول من اسلم علی ابن ابی طالب وھو صبی لم یبلغ الحلم، وکان مستخفیا باسلامہ، واول رجل عربی بالغ اسلم واظھر اسلامہ ابو بکر بن ابی قحافۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما[2]۔	سب سے پہلے ایمان لانے والے مذکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جبکہ آپ بچے تھے اور سنِّ بلوغ کو نہ پہنچے تھے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے، اور سب سے پہلے ایمان لانے والے عربی مرد جنہوں نے اسلام ظاہر کیا وہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں۔ (ت)

امام ابوعمر ابن عبدالبر روایت فرماتے ہیں:

سئل محمد بن کعب القرظی عن اول من اسلم ولی او ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنھما: قال	محمد بن کعب قرظی سے سوال کیا گیا کہ ابوبکر وعلی میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟

[1] المواھب اللدنیہ بحوالہ خیثمہ بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۸و۲۱۹

[2] المواھب اللدنیہ بحوالہ خیثمہ بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۹

سبحان اللہ علیّ اولھما اسلامًا وانما شبّہ علی الناس لان علیًّا اخفٰی اسلامہ من ابی طالب واسلم ابو بکر فاظھر اسلامہ[1]۔	تو انہوں نے کہا سبحان اللہ ان دونوں میں سے حضرت علی پہلے اسلام لائے مگر انہوں نے اسلام کو اپنے والد سے پوشیدہ رکھا جس وجہ سے ان کا اسلام لوگوں پر مشتبہ رہا جبکہ ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔ (ت)

ولہٰذا احادیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآثار صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل، اور ان کا ایمان تمام امت کے ایمان سے ازید واکمل ہے کما بیناہ فی کتابنا المذکور المبارك ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کردیا ہے کتاب مذکور میں جو ان شاء اللہ بابرکت ہوگی۔ت)

رہے امیر المومنین فاروق وامیر المومنین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما مذہب جمہور اہلسنت میں امیر المومنین حیدر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو وہ دونوں افضل اور امیر المومنین صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ سب سے افضل مگر اس وجہ سے افضل نہیں کہ یہ قدیم الاسلام ہیں وہ جدید الاسلام، کہ یہ فضل جُزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے۔ فضل کلی اور شیئ ہے جس کی تحقیق انیق ہم نے کتاب مذکور میں ذکر کی۔ قدم اسلام اگر موجب افضیلت ہو تو لازم آئے کہ من وتو زید وعمرو کہ بعونہ تعالٰی باپ دادا پر دادا پشت ہا پشت سے مسلمان چلے آتے ہیں۔ عمرو عثمان، ابوذر وسلمان وحمزہ وعباس وغیرہم صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے معاذاللہ افضل ٹھہریں، تو اس بناپر دعوی افضیلت محض جہالت اور فضل جُزئی وکلی کے تفرقہ سے غفلت ہے۔

واللہ الھادی وولی الایادی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہٗ جل مجدہ اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا اور نعمتوں کا مالک ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۱: ازبنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۴رجب ۱۳۱۲ھ

ماقولکم ایھا العلماء ابقاکم اللہ تعالٰی	اے علماء کرام اللہ تعالٰی یوم جزا تک آپ کو باقی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۸۷۵علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹/۳

الٰی یوم الجزء فی المسئلة التی نرسل الیکم۔	رکھے آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔(ت)

زید کہتا ہے چونکہ علی مرتضٰی نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اس سے پہلے کبھی دامن پاک آپ کا نجاست شرک وکفر سے آلودہ نہیں ہوا اور حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرة[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے(ت)

دلالت کرتی ہے کہ کل بچے کا دین اسلام ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جناب علی مرتضٰی ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ عمرو کہتا ہے کہ جب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تو یہ کہنا کہ آپ ہمیشہ سے مسلمان تھے محض غلط ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قول زید حق ومقبول وزعم عمرو باطل ومخذول ہے۔

کما حققنا بتوفیق اللہ تعالٰی فی "تنزیة المکانة الحیدریه عن وصمة عهد الجاهلیة۔"	جیسا کہ ہم نے "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاہلیۃ" میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق کر دی ہے۔(ت)

ہاں عبارت زید میں یہ لفظ قابل گرفت ہے کہ "ہم کہہ سکتے ہیں" اس سے بوئے ضعف آتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ہم بالیقین کہتے ہیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ"[2]۔	سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنة باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملة امین کمپنی دہلی ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۲

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۳

بیشک حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی ہمیشہ سے مسلمان صحیح الایمان تھے اور بیشک انہوں نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، ان دونوں باتوں میں اصلاً تنافی نہیں۔ یہ اسلام متاخر وہ ہے جس کا ذکر اللھم صل علی علم الایمان اصل الایمان عین الایمان وٰلہ وسلم۔ اے اللہ درود وسلام نازل فرما علامت ایمان، اصل ایمان، عین ایمان پر اور آپ کی آل پر۔ (ت) آیۂ کریمہ:

"مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ وَ لٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا"[1] الاٰیۃ۔	اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل، ہاں ہم نے اسے نور کیا۔ (ت)

یعنی اسلام خاصّ زمان بعثت کہ کتاب ورسول پر ایمان وعقائد سمعیہ کے اذعان پر مشتمل ہو۔ یہ بے شک بعد بعثت حاصل ہوا۔ اس کا حدوث قدم اسلام توحیدی کا منافی نہیں،

کما لا یخفٰی علی من کا ن لہ قلب اوالقی السمع وھو شھید۔	جیسا کہ یہ پوشیدہ نہیں اس شخص پر جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ (ت)

تفسیر کبیر میں زیر آیہ کریمہ منجملہ وجوہ تاویل مذکور:

الرابع الایمان عبارۃ عن الاقرار بجمیع ماکلف اللہ تعالٰی بہ وانہ قبل النبوۃ ماکان عارفا بجمیع تکالیف اللہ تعالٰی، بل انہ کان عارفا م باللہ تعالٰی وذٰلک لاینافی ماذکرناہ۔ الخامس صفات اللہ تعالٰی علی قسمین منھا مایمکن معرفتہ بمحض دلائل العقل، ومنھا مالایمکن معرفتہ الا بالدلائل السمعیۃ، فھذا القسم الثانی لم تکم معرفتہ حاصلۃ قبل النبوۃ۔[2]	وجہ چہارم، ایمان ان تمام چیزوں کے مان لینے کا نام ہے جن کا اللہ تعالٰی نے بندوں کو مکلّف بنایا، اور حضور قبل نبوت اللہ تعالٰی کے عائد کردہ تمام احکام وتکالیف سے واقف نہ تھے بلکہ وہ خداوند تعالٰی کے عارف تھے اور یہ اس کے منافی نہیں جو ہم نے ذکر کیا (کہ قبل وحی بھی انبیاء کا کفر سے منزہ ہونا اجماعی ہے) وجہ پنجم، صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہوسکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں۔ تو اسی قسم دوم کی معرفت قبل نبوت نہ تھی۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴۲/۵۲

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۲/۵۲ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۷/۱۹۱

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

ای الایمان بتفاصیل مافی تضاعیف الکتاب من الامور التی لاتہتدی الیہا العقول، لاالایمان بما یستقبل بہ العقل والنظر، فان درایتہ علیہ الصلٰوۃ والسلام لہ ممالاریب فیہ قطعاً۔[1]	اس آیت میں ایمان سے مراد ان امور کی تفصیلات پر ایمان ہے جو کتاب کے وسیع صفحات میں مندرج ہیں جن تک از خود عقلوں کی رسائی نہیں، ان امور سے متعلق ایمان کی نفی مراد نہیں جن کو عقل وفکر خود جان لیتی ہے اور کتاب وغیرہ کی محتاج نہیں ہوتی، قبل نبوت بھی اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آشنا ہونے میں قطعًا کوئی شک وشبہ نہیں۔(ت)

اسی کے قریب قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے شفا شریف میں نقل کرکے فرمایا: **وھو احسن وجوھہ**[2]۔ (وجوہ تاویل میں یہ سب سے عمدہ ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیہ

ختم ہوا

---

[1] ارشاد العقل السلیم تحت الآیۃ ۴۲/ ۵۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۸

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واما عصمتہم من ھذا الفن قبل النبوۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/۱۰۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق ۱۳۳۱ھ
(تحقیق کی انتہاء حضرت علی مرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلّما

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۲: اول: رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وعترتہٖ وسلم نے وقتِ رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا؟

الجواب:

جانشینی ونیابت دو ۲ قسم ہے:

اول ۱: جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لئے دوسرے کو اپنانائب کرے، جیسے بادشاہ کالڑائی میں کسی کو سردار بناکر بھیجنا یا کسی کو ضلع کی حکومت دینا یا تحصیل خراج پر مامور کرنا، یا کہیں جاتے ہوئے انتظام شہر سپرد کرجانا، اس قسم کااستخلاف صریح حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وعترتہٖ وازواجہ وصحابتہٖ اجمعین وبارک

وسلم سے بازہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیق اکبر بعض میں حضرات اسامہ بن زید۔ غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تحصیل زکوۃ پر امیر المومنین فاروق اعظم وحضرت خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم کو مقرر فرمایا۔ یہ بھی یقینا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت تھی کہ اخذ صدقات اصل کام حضور والا صلوات اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ کا ہے۔ قال تعالٰی:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ"[1]	اے محبوب ان کے مال میں سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔ (ت)

تعلیم قرآن ودین کے لئے قرائے کرام شہدئے عظام کو مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظّمہ، حضرت معاذ بن جبل کو ولایت جَنَد، حضرت ابو موسٰی اشعری کو زبید وعدن، حضرت ابوسفیان والد امیر معاویہ یا حجرت عمرو بن حزم کو شہر نجران، حضرت زیاد بن لبید کو حضر موت، حضرت خالد سعید اموی کو صنعا، حضرت عمرو بن العاص کو عمان کا ناظم صوبہ کیا۔ باذان بن سباسان کیانی مغل کو صوبہ داری یمن پر مقرر رکھا۔ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو ملک یمن کا عہدۂ قضا بخشا۔ ۸ھ میں حضرت عتّاب، ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق اکبر کو امیر الحاج بنایا۔ بعض وقائع میں امیر المومنین فاروق اعظم، بعض میں حضرت معقل بن یسار، بعض میں حضرت عقبہ کو حکم قضا دیا۔ غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت امیر المومنین علی مرتضٰی کو اہلبیت کرام، اور غزوہ بدر میں حضرت ابولبابہ، اور تیرہ غزوات واسفار کو نہضت فرماتے حضرت عمرو ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا امیر ووالی فرمایا۔ ازانجملہ غزوہ ابواء کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا وغزوہ بواط وغزوہ ذی العشرہ وغزوہ طلب کرز بن جابر وغزوۂ سویق وغزوۂ غطفان وغزوۂ احد وغزوۂ حمراء الاسد وغزوہ نجران وغزوہ ذات الرقاع وسفر حجۃ الوداع کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پچھلا سفر تھا رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

لخصنا کل ذٰلك من صحیح البخاری	یہ سب ہم نے تلخیص کی صحیح بخاری اور اس کی

[1] القرآن الکریم ۹/۱۰۳

وشروحه ولمواهب اللدنية بالمنح المحمدية و شرحها للزرقانی والاصابة فی تمییز الصحابة للامام الحافظ العسقلانی رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین۔	شرحوں، مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ اوراسکی شرح زرقانی اورحافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف الاصابہ فی تمییزالصحابہ سے۔اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔(ت)

دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کیلئے امامت کبرٰی کی وصیت فرمانا اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح نام حضور اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کے واسطے نہ فرمایا، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش وانصار میں دربارہ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے، امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے باسانید صحیحہ قویہ ثابت کہ جب ان سے عرض کی گئی استخلف علینا ہم پر کسی کو خلیفہ کردیجئے۔فرمایا: لاولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے اخرجه الامام احمد[1] بسند حسن والبزار بسندی قوی والدارقطنی وغیرهم (اس کو امام احمد نے بسند حسن اور بزار نے بسند قوی اور دارقطنی وغیرہم نے رویت کیا۔ ت) بزار کی روایت میں بسند صحیح ہے حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے فرمایا:

مااستخلف رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاستخلف علیکم[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہ کیا کہ میں کروں۔

دارقطنی کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا:

دخلنا علی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقلنا یارسول الله	ہم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۱/۱۳۰، الصواعق المحرقة الباب الاول الفصل الخامس دار التکب العلمیة بیروت ص ۷۰، کشف الاستار عن زوائد البزار باب فی قتلہ حدیث ۲۵۷۲ موسسة الرسالة بیروت ۳/ ۲۰۳، کنز العمال بحوالہ ك وابن السنی حدیث ۳۶۵۶۲ موسسة الرسالة بیروت ۱۳ / ۱۸۹

[2] الصواعق المحرقة بحوالہ البزار الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیة بیروت ص ۷۰

استخلف علینا قال لا ،ان یعلم الله فیکم خیرا یول علیکم خیرکم قال علی رضی الله تعالٰی عنه فعلم الله فینا خیرا فولی علینا ابابکر (رضی الله تعالٰی علیهم اجمعین[1])	ہم پر کسی کو خلیفہ فرمادیجئے۔ارشاد ہوا: نہ،اگر اللہ تعالٰی تم میں بھلائی جانے گا تو جو تم سب میں بہتر ہے اسے تم پر والی فرما دے گا۔حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلانے ہم میں بھلائی جانی پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

امام اسحق بن راہویہ ودارقطنی وابن عساکر وغیرہم بطرقِ عدیدہ واسانید کثیرہ راوی،دو شخصوں نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ان کے زمانہ خلافت میں دربارۂ خلافت استفسار کیا اعھد عھدہ الیک النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ام رائ رایتہ۔کیا یہ کوئی عہد وقرارداد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا آپ کی رائے ہے بلکہ ہماری رائے ہے اما ان یکون عندی عهد من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عهده الی فی ذٰلك فلا ،والله لئن کنت اول من صدق به فلاکون اول من کذب علیه رہا یہ کہ اسباب میں میرے لئے حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی عہدہ قرارداد فرمادیا ہو سوخدا کی قسم ایسا نہیں اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی تو میں سب سے پہلے حضور پر افتراء کرنے والا نہ ہوں گا ولو کان عندی منه عهد فی ذٰلك ماترکت اخابنی تیم بن مرة وعمر بن الخطاب یثوبان علٰی منبره ولقاتلتهما بیدی ولولم اجد الابردتی هذه اور اگر اسباب میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا تو میں ابوبکر وعمر کو منبر اطہر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جست نہ کرنے دیتا اور بیشک اپنے ہاتھ سے ان سے قتال کرتا اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا ولٰکن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یقتل قتلا ولم یمت فجأة مکث فی مرضه ایاما ولیالی یاتیه المؤذن فیؤذنه بالصلاة فیامر ابابکر فیصلی بالناس

[1] الصواعق المحرقہ بحوالہ الدارقطنی الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۰

وھو یری مکانی ثم یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس وھو یری مکانی بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معاذاللہ کچھ قتل نہ ہوئے نہ یکایک انتقال فرمایا بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے، مؤذن آتا نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابوبکر کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں حضور کے پیش نظر موجود تھا پھر مؤذن آتا اطلاع دیتا حضور ابوبکر ہی کو امامت دیتے حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا ولقد ارادت امرأۃ من نسائہ ان تصرفہ عن ابی بکر فابی وغضب وقال "انتن صواحب یوسف مروا ابابکر فلیصل بالناس اور خدا کی قسم ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابوبکر سے پھیرنا چاہا تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا تم وہی یوسف (علیہ السلام) والیاں ہو ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کرے فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نظرنا فی امورنا فاخترنا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لدیننا فکانت الصلٰوۃ عظیم الاسلام وقوام الدین، فبایعنا ابابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فکان لذٰلك اھلا لم یختلف علیہ منا اثنان پس جبکہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لئے اسے پسند کرلیا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمنے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی لہٰذا ہم نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے ہم میں کسی نے اس بارہ میں خلاف نہ کیا۔ یہ سب کچھ ارشاد کرکے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی نے فرمایا: فادیت الی ابی بکر حقہ وعرفت لہ طاعتہ وغزوت معہ فی جنودہ وکنت اٰخذ اذا اعطانی واغزو اذا غزانی واضرب بین یدیہ الحدود بسوطی [1]۔ پس میں نے ابوبکر کو ان کا حق دیا اور ان کی اطاعت لازم جانی اور ان کے ساتھ ہو کر ان کے لشکروں میں جہاد کیا جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے میں لے لیتا اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا اور انکے سامنے اپنے تازیانہ سے حد لگاتا______ پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ہاں البتہ اشارات جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً:

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۰۲۹ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۵/۳۳۷ تا ۳۳۹، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی وابن عساکر واسحٰق بن راہویہ الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیۃ ص ۷۰ تا ۷۲

(۱) ایک بار ارشاد ہوا میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اس پر ایک ڈول ہے میں اس سے پانی بھرتا رہا جب تک اللہ نے چاہا پھر ابوبکر نے ڈول لیا دو ایک بار کھینچا پھر وہ ڈول ایک پل ہوگیا جسے چرسہ کہتے ہیں اسے عمر نے لیا تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں انکے مثل نہ دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کردیا کہ پانی پی پی کر اپنی فرودگاہ کو واپس ہوئے۔ **رواہ الشیخان**[1]**۔ عن ابی ھریرۃ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم** (اس کو شیخین نے ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

(۲) امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں میں نے بارہا بکثرت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا میں اور ابوبکر وعمر، کیا میں نے اور ابوبکر وعمر نے، چلا میں اور ابوبکر۔ **رواہ الشیخان**[2] **عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما** (اس کو شیخین نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

(۳) ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آج کی رات ایک مرد صالح (یعنی خود حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور عمر ابوبکر سے اور عثمان عمر سے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں جب ہم خدمت اقدس حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اٹھے آپ میں تذکرہ کیا کہ مرد صالح تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور بعض کا بعض سے تعلق وہ اس امر کا والی ہونا جس کے ساتھ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، **رواہ عنہ ابوداود والحاکم**[3] (اس کو جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابوداود اور حاکم نے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰، ۵۱۹، ۵۱۷، صحیح البخاری کتاب التعبیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۹ و ۱۰۴۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۵، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الشیخین الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۹ و ۴۰

[2] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیل مناقب عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۹، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۵۹

[3] سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی الخلفاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۱، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۱، ۷۲ و ۱۰۲

(۴) انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی المصطلق نے خدمت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیجا گیا حضور سے دریافت کروں حضور کے بعد ہم اپنے اموال زکوٰۃ کس کے پاس بھیجیں، فرمایا ابوبکر کے پاس۔ عرض کی اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو کسے دیں؟ فرمایا عمر کو۔ عرض کی جب ان کا بھی واقعہ ہو۔ فرمایا عثمان کو۔ **رواہ عنہ فی المستدرک وقال ھٰذا حدیث صحیح الاسناد**[1] (اس کو انس رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ت)

(۵) ایک بی بی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پھر حاضر ہو۔ انہوں نے عرض کی آؤں اور حضور کو نہ پاؤں۔ فرمایا مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔۔۔۔ **رواہ الشیخان**[2] **عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو شیخین نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

(۶) یونہی ایک مرد سے ارشاد فرمایا مروی کہ میں نہ ہوں تو ابوبکر کے پاس آنا۔ عرض کی جب انہیں نہ پاؤں۔ فرمایا تو عمر کے پاس۔ عرض کی جب وہ بھی نہ ملیں۔ فرمایا تو عثمان کے پاس۔ **اخرجہ ابو نعیم**[3] **فی الحلیۃ والطبرانی عن سھل بن ابی حیثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حیثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج کی۔ت)

(۷) ایک شخص سے کچھ اونٹ قرضوں خریدے یہ واپس جاتا تھا کہ مولی علی کرم اللہ وجہہ ملے حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہو اور عرض کی اگر حضو کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میری قیمت کون ادا کرے گا۔ فرمایا ابوبکر۔ پھر دریافت کرایا اور جو ابوبکر کو کچھ حادثہ پیش آئے تو کون دے گا۔ فرمایا عمر۔ پھر دریافت کرایا انہیں بھی کچھ حادثہ درپیش ہو۔ فرمایا **ویحك اذا مات عمر فان استطعت ان تموت فمت**

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۷

[2] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۶، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۷۲، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳

[3] ازالۃ الخفاء عن سھل بن ابی حثمۃ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

ہائے نادان جب عمر مر جائے تو اگر مر سکے تو مر جانا۔ رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ و حسنہ الامام جلال الدین سیوطی (طبرانی نے کبیر میں اس کو عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کو حسن قرار دیا۔ت)

(۸) انہیں اشارات جلیلہ سے ہے حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایام مرض وفات اقدس میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی جگہ امامت مسلمین پر قائم کرنا اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا غضب فرمانا جس سے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے استناد فرمایا کہ رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا [2] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں چن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انہیں ہم پسند نہ کریں اپنی دنیا کی امامت کو۔ت)

(۹) اور نہایت روشن صریح کے قریب نص و تصریح وہ ارشاد اقدس ہے کہ امام احمد و ترمذی نے بافادہ تحسین اور ابن ماجہ و ابن حبان و حاکم نے بافادۂ تصحیح اور ابوالمحاسن رویانی نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ترمذی و حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابن عدی نے کامل میں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: انی لاادعری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر [3]۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۸۱/۱۷

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن سعد الباب الاول الفصل الرابع دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۳، ۱۷، ۴۳

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۸۵ و ۳۹۹ و ۴۰۲، جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر وعمار بن یاسر امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷ و ۲۲۱، سنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، کنز العمال حدیث ۳۳۱۱۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶۴۰/۱۱، موارد الظمآن حدیث ۲۱۹۳ المطبعۃ السلفیۃ ص ۵۳۹

وفی لفظ اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر [1] میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو لہٰذا تمہیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے ان دو صحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(۱۰) ایک بار آخر حیات اقدس میں نص صریح بھی فرمادینا چاہا تھا پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی، امام احمد وامام بخاری وامام مسلم ام المومنین صدیقہ محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم سے راوی کہ وہ ارشاد فرماتی ہیں:

قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ادعی لی اباك واخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قال انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر [2]۔

حضرت اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں اس میں مجھ سے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلالے کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرمادوں کہ مجھے خوف ہے کوئی تمنا کرنیوالا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھے کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابوبکر کو۔ امام احمد کے ایک لفظ یہ ہیں کہ فرمایا ادعی لی عبدالرحمن بن ابی بکر اکتب لابی بکر کتابا لا یختلف علیہ احد ثم قال دعیہ معاذ اللہ ان یختلف المومنون فی ابی بکر [3]

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلالو کہ میں ابوبکر کے لئے نوشتہ لکھ دوں کہ ان پر کوئی اختلاف

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ حماد بن دلیل دار الفکر بیروت ۲ /۶۶۶، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳ / ۷۵، کنز العمال حدیث ۳۲۶۵۵ و ۳۲۶۵۷ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱ /۵۶۰ و ۵۶۱، المعجم الکبیر حدیث ۶۲۴۸ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۹ /۶۸، مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۳۸۲

[2] صحیح البخاری کتاب المرض ۲/ ۸۴۶ وکتاب الاحکام باب الاستخلاف ۲ /۱۰۷۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۱۴۴، الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷

[3] الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۱۴۴

نہ کرے۔ پھر فرمایا: رہنے دو خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابوبکر کے بارے میں۔ صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب والہ وصحبہ وبارک وسلم۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ احکم۔

مسئلہ دوم: خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے آیا حضرت علی علیہ السلام افضل تھے یا کم؟

الجواب:

اہل سنت وجماعت نصرہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان تعالٰی علیہم تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام امم عالم اولین وآخرین کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا۔

"اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾"[1]	فضل اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے (ت)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی، پھر مولی علی علیہ سید ہم ومولو ہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم، اس مذہب مہذب پر آیات قرآن عظیم واحادیث کثیرہ حضور نبی کریم علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشادات جلیہ واضحہ امیر المؤمنین مولی علی مرتضی ودیگر ائمۂ اہلبیت طہارت وارتضاواجماع صحابہ کرام وتابعین عظام وتصریحات اولیائے امت وعلمائے امت رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہو سکتا۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس مسئلہ میں ایک کتاب عظیم بسیط وضخیم دو مجلد پر منقسم نام تاریخی **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** ۱۲۹۷ھ سے متسم تصنیف کی اور خاص تفسیر آیہ کریمہ "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ" اور اس سے افضیلت مطلقہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اثبات واحقاق اور اوہام خلاف کے ابطال وازہاق میں ایک جلیل رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی **الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی** ۱۳۰۱ھ تالیف کیا اس مبحث کی تفصیل ان کتب پر موکول، یہاں صرف چند ارشادات ائمہ اہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم پر

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۹

پر اقتصار ہوتا ہے، اللہ عزوجل کی بیشمار رحمت ورضوان وبرکت امیر المومنین اس حیدر حق گو حق دان حق پرور کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی پر کہ اس جناب نے مسئلہ تفضیل کو بغایت مفصل فرمایا اپنی کرسی خلافت وعرش زعامت پر، بر سر منبر مسجد جامع ومشاہد ومجامع وجلوات عامہ وخلوات خاصہ میں بطریق عدیدہ تامدد مدیدہ سپید وصاف ظاہر وواشگاف محکم ومفسر بے احتمال دگر حضرات شیخین کریمین وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اپنی ذات پاک اور تمام امت مرحومہ سید لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل وبہتر ہونا ایسے روشن وابین طور پر ارشاد کیا جس میں کسی طرح شائبہ شک وتردد نہ رہا مخالف مسئلہ کو مفتری بتایا اسی کوڑے کا مستحق ٹھہرا، حضرت سے ان اقوال کریمہ کے راوی اسی سے زیادہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین صواعق امام ابن حجر مکی میں ہے:

قال الذھبی وقد تواتر ذلك عنه فی خلافته وکرسی مملکة وبین الجم الغفیر من شیعته ثم بسط الاسانید الصحیحة فی ذلك قال ویقال رواہ عنه نیف وثمانون نفسا وعدد منھم جماعة ثم قال فقبح اللہ الرافضة ماجھلھم[1] انتھی	ذہبی نے کہا امیر المومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ کرسی اقتدار پر جلوہ گر تھے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے جم غفیر میں افضلیت شیخین کو بیان فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی سے زائد افراد نے اس بارے میں آپ سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کے نام گنوائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی رافضیوں کا برا کرے وہ کس قدر جاہل ہیں انتہی (ت)

یہاں تک کہ بعض منصفان شیعہ مثل عبدالرزاق محدث صاحب مصنف نے باوصف تشیع تفضیل شیخین اختیار کی اور کہا جب خود حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی انہیں اپنے نفس کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس کے اعتقاد سے کب مفر ہے مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں۔ صواعق میں ہے:

ماحسن ماسلکه بعض الشیعة المنصفین کعبد الرزاق فانه قال افضل الشیخین	کیا ہی اچھی راہ چلے ہیں بعض منصف شیعہ جیسے عبدالرزاق کہ اس نے کہا میں اس لئے شیخین کو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر فضیلت

[1] الصواعق المحرقۃ الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۰ و ۹۱

بتفضیل علی ایاھما علی نفسه والا لما فضلتهما کفی بی وزراان احبه ثم اخالفه [1]۔	دیتا ہوں کہ حضرت علی نے انہیں فضیلت دی ہے ورنہ میں انہیں آپ پر فضیلت نہ دیتا میرے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ میں آپ سے محبت کروں پھر آپ کی مخالفت کروں (ت)

اب چند احادیث مرتضوی سُنیے:

حدیث اول[۱]: صحیح بخاری شریف میں سیدنا وابن سیدنا امام محمد بن حنفِیہ صاحبزادہ مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجوہما سے مروی:

قلت لابی ای النا س خیر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال ابو بکر قال قلت ثم من قال عمر [2]۔	میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے عرض کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب آدمیون میں بہتر کون ہے؟ فرمایا ابوبکر میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

حدیث دوم[۲]: امام بخار اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روای کہ فرماتے تھے۔

خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابوبکر وخیر الناس بعد ابو بکر عمر [3] رضی اللہ تعالٰی عنهما. هذا حدیث ابن ماجة۔	بہترین مرد بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ہیں اور بہترین مرد بعد ابوبکر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ (ت)

حدیث سوم[۳]: امام ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل الطلحی کتاب السنۃ میں راوی:

اخبرنا ابوبکر بن مردویه ثنا سلیمن بن احمد ثنا الحسن	(ہم کو خبر دی ابوبکر بن مردویہ نے، ہم کو حدیث بیان

[1] الصواعق المحرقۃ الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۳

[2] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب بیروت ص ۹۳

[3] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مناقب ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۸

بن المنصور الرمانی ثنا داؤد بن معاذ ثنا ابو سلمة العتکی عبداللہ بن عبدالرحمن عن سعید بن ابی عروبة عن منصور بن المعتمر عن ابراھیم عن علقمة قال بلغ علیا ان اقواما یفضلونه علی ابی بکر و عمر فصعد المنبر فحمد اللہ واثنی علیه ثم قال یا ایھا الناس انه بلغنی ان قوما یفضلونی علی ابی بکر وعمر ولوکنت تقدمت فیه لعاقبت فیه فمن سمعته بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر علیه حد المفتری ثم قال ان خیر ھذا الامة بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر، ثم اللہ اعلم بالخیر بعد، قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ لوسمی الثالث لسمی عثمان[1]۔	کی سلیمان بن احمد نے، ہم کو حدیث بیان کی حسن بن منصور رمانی نے، کو کو حدیث بیان کی داؤد معاذ بن، ہم کو ابو سلمہ عتکی عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے، انہوں نے سعید بن ابوعروبہ سے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے ابراہیم سے اور انہون نے حضرت علقمہ سے روایت کی) حضرت علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرات صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سن کر منبر پر جلوہ فرماہوئے حمد وثنائے الٰہی بجالائے، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتے ہیں اس بارہ میں اگر میں نے پہلے سے حکم سنادیا ہوتا تو بے شک سزا دیتا آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے اس پر مفتری کی حد یعنی اسی کوڑے لازم ہیں۔ پھر فرمایا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل امت ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے۔ علقمہ فرماتے ہیں مجلس میں سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی تشریف فرماتھے انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین (ت)

حدیث چہارم[۴]: امام دارقطنی سنن میں اور ابوعمر بن عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بحوالہ ابی القاسم فی کتاب السنۃ مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۶۸

راوی حضرت مولٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں:

لااجد احد افضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفتری[1]۔	میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پنجم ۵: سنن دارقطنی میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی:

انه کان یری ان علیاً افضل الامة فسمع اقواماً یخالفونه فحزن حزناً شدیداً فقال له علی بعد ان اخذ بیده وادخله بیته ما احزنك یا ابا جحیفة فذکرله الخبر فقال الا اخبرك بخیر هذه الامة خیرها ابوبکر ثم عمر قال ابو جحیفة فاعطیت الله عهداً ان لا اکتم هذا الحدیث بعد ان شافهنی به علی مابقیت[2]۔	یعنی ان کے خیال میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ تمام امت سے افضل تھے انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا سخت رنج ہوا حضرت مولٰی ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ ولایت میں لے گئے غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے ابوبکر ہیں پھر عمر۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرت مولٰی نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

حدیث ششم ۶: امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی:

قال جاء رجل الی علی بن الحسین رضی الله تعالٰی عنهما فقال ماکان منزلة ابی بکر وعمر	یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو کر عرض کی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدارقطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۱
[2] الصواعق المحرقة بحواله الدارقطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۲

من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال منزلتھما الساعۃ وھما ضجیعاہ[1]	کی بارگاہ میں ابو بکر وعمر کا مرتبہ کیا تھا فرمایا جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔

حدیث ہفتم ۷: دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں:

اجمع بنو فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن مایکون من القول[2]۔	یعنی اولاد امجاد حضرت بتول زہرا صلی اللہ علیہ وسلم ابیہا الکریم وعلیہا وعلیہم وبارک وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو (ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات اسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو)

حدیث ہشتم ۸: امام ابن عساکر وغیرہ وسالم بن ابی الجعد سے راوی:

قلت لمحمد بن الحنفیۃ ھل کان ابو بکر اول القوم اسلاما؟ قال لا، قلت فبم علا ابو بکر وسبق حتی لا یذکر احد غیر ابی بکر قال لانہ کان افضلھم اسلاما حین اسلم حتی لحق بربہ[3]۔	یعنی میں نے امام محمد بن حنفیّہ سے عرض کی: کیا ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ۔ میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابوبکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔

حدیث نہم ۹: امام ابوالحسن دار قطنی جندب اسدی سے راوی کہ امام محمد بن عبد اللہ محض ابن حسن مثنی بن حسن مجتبٰی بن علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجوہہم کے پاس کچھ اہل کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہو کر

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۷۷

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدار قطنی عن محمد الباقر الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۷۸

[3] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن عساکر عن سالم بن ابی الجعد الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ۸۰

ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے مس سوال کیا امام ممدوح نے میری طرف ملتفت ہو کر فرمایا:

انظر والی اھل بلادك یسالونی عن ابی بکر و عمر لھما عندی افضل من علی[1]۔	اپنے شہر والوں کو دیکھ مجھ سے ابوبکر وعمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں وہ دونوں میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبی کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبداللہ محض کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہذا محض کہلوائے، اپنے زمانے میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن مثنی اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ صغری بنت امام حسین صلی اللہ علیہ تعالٰی علی ابیہم وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث دہم: امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سید زید شہید ابن امام علی سجاد زین العابدین ابن امام حسین شہید صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علی جدہم الکریم وعلیہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر وعمر، ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیئًا وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذلك فبرئتم منھما فمن بقی؟ فواللہ مابقی احد الابرئتم منه[2]۔	یعنی خارجیوں نے اٹھ کر ان سے تبری کی جو ابوبکر وعمر سے کم تھے یعنی عثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہم مگر ابوبکر وعمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی اور تم نے اے کوفیو! اوپر جست کی کہ ابوبکر وعمر سے تبری کی تو اب کون رہ گیا خدا کی قسم! اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرا نہ کہا ہو۔

والعیاذ باللہ رب العلمین اللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، اللہ سب سے بڑا ہے۔ (ت) امام زید شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ ارشاد مجید ہم غلامان خاندان زید کو بحمد اللہ کافی و وافی ہے، سید سادات بلگرام حضرت مرجع الفریقین، مجمع الطریقین، حبر شریعت، بحر طریقت

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن جندب الاسدی الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۸۳

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الحافظ عمر بن شبہ الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۹

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف سیدنا و مولانا میر عبدالواحد حسینی زیدی واسطی بلگرامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی نے کتاب مستطاب سبع سنابل شریف تصنیف فرمائی کہ بارگاہ عالم پناہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں موقع قبول عظیم پر واقع ہوئی، حضرت مستفتی دامت برکاتہم کے جد امجد جد اور اس فقیر کے آقائے نعمت و مولائے اوحد حضرت اسد الواصلین محبوب العاشقین سیدنا و مولونا حضرت سید شاہ حمزہ حسینی زیدی مارہروی قدس سرہ القوی کتاب مستطاب کاشف الاستار شریف کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ در خاندان ماحضرت سند المحققین سید عبدالوحد بلگرامی بسیار صاحب کمال بر خاستہ اند قطب فلک ہدایت ومرکز دائرہ ولایت بود در علم صوری ومعنوی فائق واز مشارب اہل تحقیق ذائق صاحب تصنیف وتالیف ست ونسب ایں فقیر بچہار واسطہ بذات مبارکش می پیوند[1]	جاننا چاہئے کہ ہمارے خاندان میں حضرت سند المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی بہت صاحب کمال شخصیت ہیں۔ وہ فلک ہدایت کے قطب، دائرہ ولایت کے مرکز، ظاہری و باطنی علم میں فوقیت رکھنے والے، اصل تحقیق کے گھاٹوں کو چکھنے والے صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔ اس فقیر کا نسب چار واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔ (ت)

پھر بعد چند اجزاء کے فرماتے ہیں:

شہر تصانیف اوکتاب سنابل ست در سلوک وعقائد حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد سلمہ اللہ درماثر الکلام فی نویسد وقتے در شہر رمضان المبارک سنۃ خمس و ثلثین ومائۃ والف مولف اوراق در دار الخلافہ شاہجہاں آباد خدمت شاہ کلیم چشتی قدس سرہ راہ زیارت کرد ذکر میر عبدالواحد قدس سرہ درمیان آمد شیخ مناقب وماثر میر تادیر بیان کرد فرمود شبے در	سلوک وعقائد میں آپ کی مشہور تصنیف کتاب سنابل ہے۔ حاجی حرمین سید غلام علی آزاد، اللہ انہیں سلامت رکھے، ماثر الکلام میں لکھتے ہیں جس وقت ۱۱۳۵ھ میں رمضان المبارک میں مؤلف اوراق نے دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کی، میر عبدالواحد کا ذکر درمیان کلام میں آگیا۔ حضرت شیخ نے کافی دیر تک میر صاحب کے فضائل ومناقب

[1] کاشف الاستار ماثر الکرام از میر علی آزاد بلگرامی (لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۵

مدینہ منورہ پہلو بر ستر خواب گزاشتم در واقعہ می بینم کہ من وسید صبغۃ اللہ بروجی معادر مجلس اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم باریاب شدیم جمعے از صحابہ کرام واولیائے امت حاضر اند دریںنا شخصے ست کہ حضرت باولت بہ تبسم شریں کردہ حرفہا میزند والتفات تمام دارند چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں سید شخص کیست کہ حضرت، با اوالتفاف بایں مرتبہ دارند گفت میر عبد الواحد بلگرام، وباعث مزید احترام اوینست کہ سنابل تصنیف او درجناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبول افتادہ انتہی کلامہ انتہی مقالہ الشریف بلفظہ المنیف قدس اللہ تعالٰی سرہ اللطیف[1]۔	بیان کئے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں اپنے بستر پر لیٹا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی اکٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں، صحابہ کرام اور اولیاء امت کی ایک جماعت بھی حاضر ہے، آپ کی مجلس اقدس میں ایک شخص موجود ہے اور آپ اس کی طرف نظر کرم کرتے ہوئے مسکرارہے ہیں اور اس سے باتیں کررہے ہیں اور اس کی طرف بھرپور توجہ فرما رہے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے سید صبغت اللہ سے پوچھا یہ شخص کون ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلوۃ و السلام اس قدر توجہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کے اس قدر احترام کی وجہ یہ ہے کہ کتاب سنابل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں مقبول ہوئی ہے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔ مقالہ شریف ان ہی کے بلند پایہ لفظوں میں ختم ہوا۔ اللہ تعالٰی ان کے سر لطیف کو مقدس بنائے۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے اس کتاب مقبول ومبارک میں مسئلہ تفضیل بکمال تفصیل وتاکید جمیل وتہدید جلیل ارشاد فرمایا لفظ مبارک سے چند حروف کی نقل سے شرف حاصل کروں اولیائے کرام محدثین وفقہاء جملہ اہل حق کے اجماعی عقائد میں بیان فرماتے ہیں:

وواجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیاء	اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام

[1] کاشف الاستار ص۱۴ ب اصح التواریخ از مولانا محمد میاں قادری مارہروی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ء ۱/۱۶۸، ماثر الکلام از میر غلام علی آزاد بلگرامی لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۹

ابو بکر صدیق ست وبعد از وے عمر فاروق ست وبعد از وے عثمان ذی النورین ست وبعد از وے علی مرتضٰے ست رضی اللہ لہ تعالٰی عنہم اجمعین[1]۔	انسانوں میں افضل ابوکبر صدیق، ان کے بعد عمر فاروق، ان کے بعد عثمان ذوالنورین، اور ان کے بعد حضرت علی المرتضی ہیں۔ اللہ تعالٰی ان سب پر اضی ہو۔ (ت)

پھر فرمایا:

فضل ختنین از فضل شیخین کمتر ست بے نقصان وقصور[2]	ختنین (عثمان غنی وعلی مرتضی) کی فضیلت شیخین (صدیق و فاروق) سے کم ہے مگر اس میں کوئی نقص اور خامی نہیں (ت)

پھر فرمایا:

اجماع اصحاب وتابعین وتبع تابعین وسائر علمائے امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ است[3]	صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہوا ہے۔ (ت)

پھر فرمایا:

مخدوم قاضی شہاب الدین در تیسیر الحکام بنوشت کہ ہیچ ولی بدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسد زیرا کہ امیر المومنین ابوبکر بحکم حدیث بعد پیغمبراں از ہمہ اولیا برترست واوبدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسید وبعد او امیر المؤمنین عمر بن خطاب ست وبعد او امیر المومنین عثمان بن عفان ست وبعد اوامیر المومنین علی بن ابی طالب ست رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین	مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الحکام میں لکھا کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حدیث کی رو سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ انبیاء کے بعد تمام اولیاء سے افضل ہیں اور وہ کسی نبی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ ابوبکر صدیق کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب، ان کے بعد امیر المومنین عثمان بن عفان اور ان کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب کا مقام ہے اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷

[2] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[3] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

کسیکہ امیر المومنین علی را خلیفہ نداند او از خوارج ست وکسیکہ او را بر امیر المومنین ابوبکر وعمر تفضیل کند او از روافض ست[1]	جو شخص امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجیوں سے ہے اور جو آپ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل جانے وہ رافضیوں میں سے ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

ازینجا باید دانست کہ درجہاں نہ ہمچو مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پیرے پیداشد ونہ ہمچو ابوبکر مریدے ہویداگشت،اے عزیز! اگرچہ کمالیت فضائل شیخین بر ختنین مفرط وفائق اعتقاد باید کرد امانہ بروجہی کہ در کمالیت فضائل ختنین قصورے و نقصانے بخاطر تورسد بلکہ فضائل ایشاں وفضائل جملہ اصحاب از عقول بشریہ افکار انسانیہ بسے بالاترست[2]	یہاں سے جاننا چاہیے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا مرید کائنات میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔اے عزیز! اگر شیخین کی فضیلت کاملہ ختنین پر بہت زیادہ سمجھنی چاہیے مگر اس طور پر نہیں کہ تیرے دل میں ختنین کی فضیلت کاملہ کے قاصر وناقص ہونے کا خیال گزرے،بلکہ ان کے اور تمام صحابہ کے فضائل عقول بشریہ اور افکار انسانیہ سے بہت بلند ہیں۔

پھر فرمایا:

پس چوں اجماع صحابہ کہ انبیاء صفت اند بر تفضیل شیخین واقع شد ومرتضی نیز دریں اجماع متفق وشریک بود مفضلہ دراعتقاد خود غلط کردہ است اسے خان ومان مافدائے نام مرتضے باد کدام بدبخت ازل کہ محبت مرتضے در دلش نباشد وکدام راندہ درگاہ مولے کہ اہانت اور وادارد،مفضلہ گمان	جب انبیاء جیسی صفات کے حامل صحابہ کرام کا اجماع واقع ہو گیا کہ شیخین کریمین افضل ہیں۔اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی اس اجماع میں شامل اور متفق تھے۔ تو فرقہ تفضیلیہ نے خود اپنے اعتقاد میں غلطی کھائی ہے۔میرا گھر بار حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام پر فدا اور میرا جان ودل آپ کے قدموں پر قربان ہوں کون ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں محبت مرتضے

[1] سبع سنابل سنبلہ اول درعقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[2] سبع سنابل سنبلہ اول درعقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

بردہ است کہ نتیجہ محبت مامرتضے تفصیل اوست بر شیخین، ونمیدانند کہ ثمرہ محبت موافقت ست بااونہ مخالفت کہ چوں مرتضے موافقت ست با اونہ مخالفت کہ چوں مرتضے فضل شیخین وذی النورین رابر خود روا داشت واقتداء بایشاں کردو حکمای عہد خلافت ایشاں راامتثال فرمود شرط محبت بااوآں باشد کہ درراہ وروش باموافق باشدنہ مخالف [1]	نہیں ہے اور کون ہے بارگاہ خداوندی کادھتکارا ہوا جو توہین مرتضی کو روا رکھتا ہے۔مفضلہ (فرقہ تفضیلیہ) نے گمان کیا ہے کہ محبت مرتضی کا تقاضاآپ کو شیخین پر فضیلت دینا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت۔جب حضرت مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا،ان کی اقتداء کی اور ان کے عہد خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ روش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔(ت)

حضرت میر قدس سرہ ال منیر نے یہ بحث پانچ ورق سے زائد میں افادہ فرمائی ہے **من طلب الزیادۃ فلیرجع الیہ** (جو زیادہ تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے،ت) یہ عقیدہ ہے اہل سنت وجماعت اور ہم غلامان دودمان زید شہید کا۔**واللہ تعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

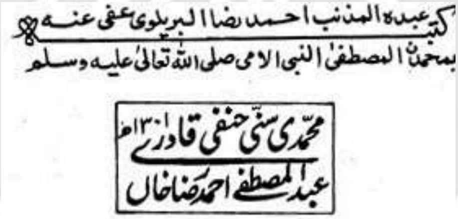

رسالہ "غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق" ختم ہوا

---

[1] سبع سنابل سنبلہ اول درعقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی
(سب (متیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

قال تعالٰی "وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ"[1] احمد رضا نقی علی رضا علی طیب ذکی بان یفضل الشیخین والضجیعین الجلیلین والامیرین الوزیرین فی درجات	اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ دھونڈو۔ پاک برتر نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی رضائے احمد (سب سے زیادہ سراہی ہوئی رضا مندی) پسندیدہ برتر پاک ستھرے کے لئے ہے جو شیخین گرامی مرتبت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۳۵/۵

علية عليه فباح به وافصح وبينه واوضح، ولوح به وصرح ناديا اليه لسانه وطيبا به جنانه۔ اذ لم تكن بحمد الله من الكبر وحب الجاه ذرة لديه اصفه وصفا اجد به رشفا من بحر نعت مصطفى كانت له الجائل وزانت به الفضائل وازدانت له الفواضل فيه كان بدؤها واليه كان فيئها فلا تنتمى الا اليه ولا تنتهى الا اليه انعته بمحامد تكون لى مصاعد الى ذروة حمد واحد له الحمد كله دقه وجله وكثره وقله و اوله واخره باطنه وظاهره يرفع من يشاء ويضع اذ ميزان الفضل بيديه قولى هذا اقول و فى ميد ان الحمد اجول۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔ قال تعالى "لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ" [1] والحمد لله	علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والے دونوں امیروں اور وزیروں کی درجات بلند وبالا میں فضیلت مانتا ہے تواس کو خوب واضح اور ظاہر کیا ہے اور اس کو مبین اور روشن کیا ہے اور اس کی تلویح وتصریح کی اس طرح کہ اس کی زبان اس عقیدہ کی طرف بلاتی اور اس کا دل اس پر خوش ہے۔ اس لئے کہ بحمد اللہ تکبر و محبت جاہ سے کوئی ذرہ اس کے پاس نہیں، میں اس کی ایسی تعریف کروں جس سے اس مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر نعت کے قطرے لوں جس کے لئے بزرگیاں ہیں اور فضیلتیں اس سے مزین ہیں اور عظیم نعمتیں اس کی مطیع، تو اسی سے ان کا آغاز اور انتہی کی طرف ان کی رجوع تو اسی کی طرف منسوب ہوں اور اسی کی طرف منتہی ہوں میں اوصاف حمیدہ سے اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جو حمد یکتا کی بلندی تک پہنچنے کے لئے میرا زینہ بنیں۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار تھوڑی اور بہت اول وآخر ظاہر وباطن جس کو چاہے بلند فرمائے اور جس کو چاہے پست کرے اور لئے کہ فضل کی ترازو اس کے دست قدرت میں ہے، میں اپنی یہ بات کہہ کر میدان حمد میں جولان کروں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ اللہ ہی کے لئے حمد ہے دنیا وآخرت میں۔ سب تعریفیں اللہ

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۰

رب العلمين حمد امنيعا على ان فضل نبينا على العلمين جميعا واقامه يوم القيمة للمذنبين شفيعا، وحبا كل من راه ولو لحظة من بعيد فضلا وسيعا، ووعد من وقع فى واحد من الصحابة حميما وضريعا، واختار منهم الاربعة الكرام عناصر الاسلام و ائمة الانام اختيارًا بديعًا، وبنى ترتيب الخلافة على ترتيب الفضيلة وغلط من عكس غلط شنيعا، فصلى الله وسلم وبارك وترحم على حبيب القلوب وطبيب الذنوب واله الاطهار وصحبه الاخيار انه كان بصيرا سيمعا، صلوة اعظام يتلوها سلام وسلام اكرام تعقبه صلوة وتشيع كلا بركة وزكوة الى الابد تشييعا، واشهد ان لا اله سيده ومولاه ما اعظمه واعلاه اكبره واجله وحده لا شريك له الهًا رفيعًا، وان محمدا عبده ورسوله ورحمته ورفده، اجمله واكمله، وبدين الحق ارسله ليمحو	کے لئے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا اللہ کے لئے حمد بلند ہے اس پر کہ اس نے ہمارے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو سب جہانوں پر فضیلت دی، اور انہیں قیامت کے دن گنہگاروں کا شفیع مقرر کیا، اور ہر مسلمان کو جس نے انہیں ایک لحظہ دور سے بھی دیکھا وسیع فضل دیا اور ان کے صحابیوں کے بدگویوں کو جہنم کے گرم پانی اور آگ کے کانٹوں کی غذا کی وعید سنائی اور ان صحابہ سے چار بزرگوں کہ اسلام کے عناصر اور مخلوق کے امام ہیں بے مثال انتخاب کیا اور خلافت کی ترتیب فضیلت کی ترتیب پر رکھی اور جس نے ترتیب الٹی اس نے بری غلطی کی، تو اللہ صلوۃ وسلام بھیجے اور رحمت وبرکت اتارے دلوں کے پیارے اور گناہوں کے چارہ ساز اور ان کی آل پاک اور نیک صحابہ پر، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے عظمت کا درود جس کے پیچھے سلام چلے اور تکریم کا سلام جس کے پیچھے درود آئے، اور دونوں کو برکت وافزائش ہمیشہ کے لئے قوت دے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک ان کا خدا ان کا آقا و مولٰی کس قدر بلند وبرتر اور بالا و اعلی ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، عظمت الا معبود ہے، اور بے شک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کی رحمت اور اس کی عطا ہیں۔ اللہ نے انہیں سچے دین کے

کل علة ویعلوالدین کله علوا سریعا۔ **وبعد** فهذا ان شاء الله منحة عالیة وسلعة غالیة و رحمه ربانیة لانزغة شیطانیة،واوراق ان رأیت قلیلة وان وعیت جلیلة،اذا قرات هانت،واذا فهمت لانت،وان انصفت زانت،وان تعسفت بانت، "فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍۙ(۲۲) قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ(۲۳)" [1] "فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌۙ(۱۳) وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌۙ(۱۴) وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌۙ(۱۵) وَّ زَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌؕ(۱۶)" [2]۔قبولها القبول من قبل الفحول،وزینتها الرد من اهل الحسد فیها من کل الثمرات،وجنا الجنات،عنب التحقیق ورطب التدقیق،وجوز الحقائق ولوز الدقائق تؤتی الفریقین اکلها مرتین مرة عسلا لارباب السنن، واخری ثما لا عــــہ لاصحب الفتن فیها عیون حکمة تسمی سلسبیلا،فان شئت ریا فقم سل سبیلا،ماء ها صاف وشاف وکاف	ساتھ بیجا تاکہ وہ ہر خرابی مٹائیں اور سب دینوں پر جلد غالب آئیں۔ بعد حمد وصلوۃ ان شاء اللہ یہ گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربان رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ،اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انہیں یاد کرلو تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل،اور انصاف کرو تو سنوارین اور تعصب بر تو توجدار ہیں،اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں،ان میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی، اس کی ضیا فضلا کو مقبول و منظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہل حسد اسے قبول نہ کریں۔اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تروتازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام،یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو،اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو ان کے لئے مہلک زہر ہو۔اس میں حکمت کے چشمے ہیں جن کا سلسبیل نام ____ اگر تو سیرانی چاہتا ہے تو اٹھ راستہ تلاش کر،اس کا پانی صاف اور شافی اور کافی ہے پینے والے

عــــہ:بضم الثاء السم المنقح کذا فی المعجم الوسیط۔

[1] القرآن الکریم ۶۹/ ۲۲و۲۳

[2] القرآن الکریم ۸۸ /۱۳تا۱۶

هُلَاهِلُ عـــہ۱ مرولمن يستقيه وهلهل عـــہ۲ مرولمن يتقيه۔ فيالها من جنة فى ظلها جنة للانس والجنة من شمس الافتتان وحريق المراء "اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ ۝۲۴ "السماء [1] تولى سقى اشجارها وفتق ازهارها واجتناء ثمارها عبده الكل عليه والمتفاق فى كل امر اليه عبد المصطفى الشهير باحمد رضا المحمدى دينا والسنى يقينا والحنفى مذهبا والقادرى منتسبا والبركاتى مشربا والبريلوى مسكنا والمدنى البقيعى ان شاء الله مدفنا،فالعدنى الفردوسى برحمة الله موطنا،كان الله له وحقق امله واصلح عمله و جعل اخراه خير امن اولاه ابن الامام الهمام،والفاضل الطمطام و البحر الطام والبدر التام،حامى السنن وماحى الفتن،ذى تصانيف رايقة وتواليف	کے لئے بہت کثیر اور ستھرا جس سے وہ سیراب ہو جاءیں اور جواس سے بچے اس کیلئے زہر قاتل ہے کہ اس کو ہلاک کردے، تو یہ کیسی جنت ہے جس کے سایہ میں انسانوں اور جنوں کیلئے گمراہی کی دھوپ اور آتش جدل (ہٹ دھرمی سے امان ہے، اس کی جڑ جمی ہوئی اور اس کی شاخیں آسمان میں اس کے درختوں کی آبیاری اور اس کے پھول کھلانے اور پھل چننے کا کام اللہ کے محتاج بندے سرانجام دیتے ہیں اور ہر کام میں اس کے فقیر بندے عبدالمصطفیٰ عرف احمد رضا،جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے سنی اور مذہبا حنفی ہے اور قادری انتساب ہے اور ارادۃ برکاتی او رمسکنا بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا بقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام ابدی کے لحاظ سے بہشتی فردوسی نے خودانجام دیا۔اللہ اس کا ہوااور اس کی امید برلائے اور اس کے عمل نیک کرے اور اس کی عاقبت اس کی دنیا سے بہتر فرمائے (احمد رضا)ابن امام ہمام فاضل عظیم،دریائے موجزن وماہ تمام،حامی سنت،ماحی بدعت،صاحب تصانیف پسندیدہ وتو الیف

عـــہ۱: بضم الهاء الماء الكثير الصافى المعجم الاوسيط۔

عـــہ۲: الهلهل،السم القتال،المعجم الوسيط۔

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۴

فایقة شریفة منیفة لطیفة نظیفة بقیة السلف، حجة الخلف، ناصح الامة، کاشف الغمة، حامی حمی الرسالة عن کید اهل الضلالة، ومما قلت فی بابه معتذرا الی جنابه۔ فواللّٰه لم یبلغ ثنائی کماله ولکن عجزی خیر مدحی لماله فذالبحر لولا ان للبحر ساحلا وذالبدر لولا للبدر یخشی ماله،	فاضلہ وبلند رتبہ ولطیفہ صافیہ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، ناصح امت، دافع کربت، نگہبانی حدود رسالت از مکر اہل ضلالت، اور میں نے ان کے باب میں ان کی جناب میں معذرت کے طور پر عرض کیا ہے۔ ؎ اس کے کمال تک نہ پہنچا مرا بیاں پر بہترین مدحت ہے عجز کی زباں ساحل اگر نہ ہو تو وہ بحر بیکراں کھٹکا نہ ہو غروب کا تو بدر ہر ماں
سیدی و مولائی وسندی ماوای العالم العلم علامة العالم مولانا المولوی محمد نقی علی خان القادری البرکاتی الاحمدی الرسولی رضی اللّٰه تعالٰی عنه وارضاه بالنضرة والسرور لقاه ابن العارف العریف، السید الغطر یف شمس التقی، بدر النقی، نجم الهدی، علامة الوری ذی البرکات المتکاثره والکرامات المتواتره، والترقیات الرفیعة والتنزلات البدیعة، و قلت فی شانه راجیا لاحسانه۔ اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب وهل یصطفی خبث وان کان من ذهب والکننی ارجو الرضا منك یا رضا وانت علی فازولی والی الرتب	سیدی و مولائی وسندی، ملجائی کوہ علم، علامہ عالم، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی احمدی رسولی، اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور انہیں تازگی وفرحت دے۔ ابن عارف مدبر سید وسردار کریم شمس تقوی ماہ تمام تقدس نجم ہدایت علامہ خلقت صاحب برکات کثیر وکرامات مستمرہ ودرجات عالیہ ومنازل بدیعہ میں نے ان کی شان میں ان کے انعام کا امیدوار ہو کر کہا ؎ معدوم ہو کرم و کس کام کا نسب زر کا بھی میل ہو تو مقبول ہو وہ کب لیکن امیدوار رضا تجھ سے ہوں رضا اور تو علی ہے مجھ کو دے عالی قدر رتب

حصنی وحرزی وذخری وکنزی ذی القدر السنی والفخر السمی مولانا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی قدس اللہ سرہ و افاض علینا برہ امین یارب العلمین، حملنی علی تصنیفھا واحسان تالیفھا باحصان ترصیفھا مارایت ان قد زاغت اقدام وزلت اقوام وضلت افھام عما رفعت لہ الرایات الی رفع الغایات، واشمخ النھایات من توافر الایات و تظافر الاخبار وتواتر الاثار من العترۃ الاطھار والصحابۃ الکبار والاولیاء الاخیار والعلماء لابرار من تفضیل الشیخین علی ابن الحسنین رضی اللہ تعالٰی عنھم، و جعلنا لھم ومنھم حتی بلغنی ان بعض من قادۃ الخمین والظن غیر امین الی اقتداء العمین فی ازدراء الثمین واجتبا المھین تعلق بشکوک سخیفۃ لا لطیفۃ والا نظیفۃ وانما ھی کطعام "مِنۡ ضَرِیۡعٍ ۙ﴿۶﴾ لَّا یُسۡمِنُ وَلَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾"[1] فیما توافق علیہ سادۃ النقی و قادۃ التقی	میرے حرز جان اور میری امان اور میرے کنز وذخیرہ صاحب قدر علی وفخر گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خاں نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر ان کا فیض جاری فرمائے، آمین یارب العلمین! مجھے اس کتاب کی تصنیف اور اس کی تالیف خوب اور اس کی ترتیب کو محکم کرنے پر اس امر نے اکسایا جو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منحرف ہوئے اور کچھ قسم پھسلے اور کچھ ذہن اس سے گمراہ ہوئے جس کے لئے نہایت بلندی تک علم بلند کئے گئے آیات، اخبار اور آثار کی کثرت سے اور اس پر صحابہ کبار، اہل بیت اطہار، پیشوایان اخیار اور علماء ابرار کا اجماع ہوچکا یعنی شیخین ابوبکر وعمر کی فضیلت البوالحسنین علی پر اللہ ہمیں ان کے لئے کرے اور انہیں میں ہمیں رکھے یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو ظن نے کھینچا اور ظن امین نہیں اندھوں کی اقتداء اور قیمتی چیز عہ۱ کی تحقیر اور ذلیل عہ۲ چیز کے انتخاب کی طرف وہی شبہات کہ نہ لطیف ہیں نہ نظیف ستھرے، بلکہ آگ کے کانٹوں کی غذا کی طرح ہے کہ "نہ فربہ کریں نہ بھوک سے بے نیاز کریں" کا سہارا اس میں لیتا ہے جس پر سرداران تقدس و تقویٰ کا اتفاق ہے یعنی

عہ۱: یعنی عقیدہ صحیحہ موافق اہلسنت وجماعت　　　عہ۲: یعنی گمراہی

[1] القرآن الکریم ۸۸/۶و۷

من الاجتجاج بکریمة "وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی" [1] وقام بعرضها کلها اوبعضها احد المتدخلین فی عداد الاذکیاء علی بعض العصریین من النبلاء ، و لم اعلم الام دارت رحی التقریر ، وعلی ای شق برك البعیر ، فاشتد ذلك علی وعظم امره لدی فاستخرت الله تعالٰی فی عمل کتاب یبین الجواب عن کل ارتیاب و یکشف النقاب عن وجه الصواب ، مع اطلاعی علی قصور باعی وقصر ذاعی ، عدم الظفر من اسفار التفاسیر الا بشیئ نزل یسیر ولو لا الا ما اقاسیه من هجوم هموم و عموم غموم وتباعد اغراض وتوارد اعراض ، وما لا محیض عنه لمسلم من ایذاء موذ و ایلام مولم کما اخبر النبی الاکرم صلی الله علیه وسلم بید ان الفقیر العانی عاین عین اعیان المعانی تفیض علیّ فیضا مدرارا واتثج الی ثجا کبار ، افقوی ظنی ان صاحب التوفیق سیقوی الضعیف علی بایطیق فاختلست الفرصة	کریمہ "وَسَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی" سے فضیلت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حجت قائم کرنا اور ان شبہات کو ایک شخص نے جو اذکیاء کے شمار میں دخیل ہونا چاہتا ہے ، فضلاء میں سے ایک ہمعصر پر پیش کیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ تقریر مدعی کی ہوچکی کب تک چلی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھا تو یہ مجھے دشوار گزار اور اس کا معاملہ میرے نزدیک بڑا ہوگیا تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہر شبہ کا روشن جواب دے اور صواب کے چہرے سے نقاب اٹھادے باوجود یہ کہ میں اپنے قصور طاقت اور بساط کی قلّت اور کتب تفاسیر سے بہت تھوڑا میسر ہونے سے واقف ہوں اور اگر سوائے اندوہ وغم کے ہجوم اور اغراض کی دوری اور امراض کے وورد پیہم کے اور موذی کی ایذا جس سے کسی مسلم کو چھٹکارا نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی ، کچھ نہ ہو تو اس کام سے یہی مانع ہوتا مگر اس فقیر ذلیل نے دیکھا کہ معانی نفیسہ کا چشمہ اس کے قلب پر سراٹے سے ابل رہا ہے اور وہ بڑی مقدار میں اس کی طرف بہہ کر آرہے ہیں تو میرا گمان غالب ہوا کہ مالک توفیق (خدا) اس ضعیف کو اس کی قوت دے گا جس کی اسے قدرت نہیں

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

خمسة ایام من آخر الشهر المبارك ذی الحجة الحرام ،حتی جاءت بحمد الله کما تری تروق الناظر وتجلو البصائر کاشفة عن وجوه غوانی من حسان معانی لم تقرع الاذان ،ونفائس تحقیق وعرائس تدقیق لم یطمثهن قبلی انس ولاجان فان صدق ظنی فکل مافیه غیر ماانمیه مما سمع به فکری الفاتر ،وادی الیه نظری القاصر والانسان کما تعلم مساوق الخطاء والنسیان ،فما کان صوابا فمن الله الرحمان ،وانا ارجو الله سبحنه فیه ،وماکان خطا فمنی ومن الشیطان وانا ابری الی الله عن مساویه ،ویابی الله العصمة فی کل معنی وکلمة الا لکتابه الاعظم و کلام رسوله الاکرم صلی الله تعالٰی علیه وسلم ،ولما کان فض ختامها وطلوع بدر تمامها للیلة بقیت من المائة الثالثة عشر من سنی هجرة سیدالبشر علیه من الصلوات	تو میں نے ماہ مبارک ذوالحجۃ الحرام سے آخری پانچ دن کی فرصت لی یہاں تک کہ یہ کتاب بحمد اللہ ایسی ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش کرتی، بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے، اور ایسے خوشتر معانی (جو کانوں سے نہ ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو خوبان بے نیاز آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دلہنیں ہیں جنہیں مجھ سے پہلے کسی آدم نے چھوا نہ کسی جن نے، تو اگر میرا گمان سچا ہو تو سوائے اس کے جس کی میں کسی کی طرف نسبت کروں اس میں جو کچھ ہے وہ میری فکر قاصر کی دین ہے اور اس تک میری کوتاہ نظر پہنچی ہے اور انسان جیسا کہ تم جانتے ہو خطاء ونسیان کے ساتھ چلتا ہے، تو جو درست ہو وہ خدائے رحمان کی طرف سے ہے، اور میں اس کے سبب اللہ سے امیدوار ثواب ہوں، اور جو خطا ہو تو وہ میری اور شیطان کی جانب سے ہے اور میں اللہ کی طرف اس کی بدیوں سے براءت کرتا ہوں، اور اللہ ہر معنی اور ہر کلمہ میں عصمت (خطا سے محفوظ ہونا) اپنی کتاب معظم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام کے سوا کسی کے لئے نہیں چاہتا اور جب اس رسالہ کی مہر اختتام کی شکست اور اس کے تمام کا ماہ تمام اس ایک رات میں طلوع ہوا جو سید البشر کی ہجرت کے سالوں میں سے تیرھویں صدی میں باقی تھی اور پر درودوں

انما ھا ومن التحیات ازکاھا ناسب ان اسمیھا "الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" لیکون العلم علما علی العام واللہ تعالٰی ولی الانعام ،وھو الخامس عشر من تصانیفی فی علوم الدین نفعنی اللہ تعالٰی بھا و سائر المسلمین وجعلھا نورا بین یدی و حجۃ لی لاعلی، انہ علی مایشاء قدیر و بالاجابۃ جدیر و حسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔	میں سب درودوں سے بڑھتا درود اور تحیات میں سب سے فزوں تحیت ہو مناسب ہے کہ اس کا نام "الزوال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" رکھوں تاکہ نام سال تصنیف کی نشانی ہو جائے اور اللہ تعالٰی ہی ولی نعمت ہے اور یہ میری تصانیف سے پندرہویں تصنیف ہے علوم دین میں، اللہ تعالٰی مجھے اور باقی مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے، اور اللہ تعالٰی اسے میرے ما بعد کیلئے نور بنائے اور میرے حق میں حجت نہ میرے خلاف وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اور قبول دعا اسی کو سزاوار ہے اور اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے اور بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ علو وعظمت والے ہی سے ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ط

قال ربنا تبارک وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾" [1] اراد اللہ سبحنہ و تعالٰی رد ما کانت علیہ الجاھلیۃ من التفاخر بالاباء والطعن فی الانساب وتعلی النسب علی	ہمارا رب تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے" (ترجمہ رضویہ) اللہ تعالٰی کی مراد اس طور کا رد ہے جس پر اہل جاہلیت چلتے تھے کہ باپ دادا پر فخر کرتے اور دوسروں کے نسب پر طعنہ زن ہوتے

[1] القرآن الکریم ۴۹/۱۳

غیرہ من الناس حتی کا نہ عبدلہ اواذل،وکان بدء ھذہ النزعۃ اللئیمۃ من الذلیل الخسیس عدو اللہ ابلیس اذقال "اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ "[1] فرد اللہ سبحنہ وتعالٰی علیھم بان اباکم واحد وامکم واحدۃ فانہ تعالٰی "خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ "[2] فما منکم من احد الا وھو یدلی بمثل مایدلی بہ الاخر سواء بسواء،فلا مساغ للتفاضل فی النسب و التفاخر بالام والاب،واما ما رتبنا کم علی اجیال تحتھا شعوب تحتھا قبائل فانما ذالک لتعارفوا فتصلوا ارحامکم ولا ینتمی احد الی غیر ابیہ،لالان تتفاخروا ویزدری بعضکم بعضا نعم ان اردتم التفاضل فالفضل عندنا بالتقوی فکلما زاد

اور نسب کی وجہ سے آدمی دوسرے آدمی پر ایسی تعلی کرتا گویا کہ وہ اس کا غلام بلکہ اس سے بھی زیادہ خوار ہے،اور اس ذلیل طریقہ کی ابتداء ذلیل خسیس ابلیس سے ہوئی جس نے کہا تھا کہ اے رب! میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آدم (علی نبینا وعلیہ السلام) کو مٹی سے بنایا،تو اللہ نے ان کا یوں رد فرمایا کہ تمہارا باپ ایک ہے اور تمہاری ماں ایک ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلادئے تو تم میں ہر ایک اپنی اصل سے وہی اتصال رکھتا ہے جو دوسرا رکھتا ہے تو نسب میں ایک کو دوسرے پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایک دوسرے پر فخر کی مجال نہیں رہا یہ کہ ہم نے تمہیں اصول پر مرتب کیا جن کے نیچے ان کی شاخیں ہیں اور ان کے نیچے قبیلے ہیں تو یہ محض اس لئے کہ آپس میں پہچان رکھو تو اپنے قریبی عزیزوں سے ملو اور کوئی باپ کے سوا اور کی طرف منسوب نہ ہو نہ اس لئے کہ تم نسب پر گھمنڈ کرو،اور ایک دوسرے کو حقیر جانے،ہاں اگر فضیلت چاہو تو فضیلت ہمارے یہاں تقوی (پرہیزگاری

[1] القرآن الکریم ۷ /۱۲و۳۸ /۷۶

[2] القرآن الکریم ۴ /۱

الانسان تقوی زاد کرامة عند ربه تبارك وتعالی، فاکرمکم عندنا من کان اتقی لا من کان انسب۔ ان الله علیم بکرم النفوس وتقواها خبیر بهم النفوس فی هواها۔	سے ہے تو جب انسان پرہیزگاری میں بڑھے اپنے رب کے یہاں عزت میں بڑھے۔ تو ہمارے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے نہ کہ وہ جو بڑے نسب والا ہے بے شک اللہ تعالٰی نفوس کی عزت اور ان کی پرہیزگاری کو جانتا ہے اور نفوس کی اپنی خواہش میں کوشش سے خبردار ہے۔
قال البغوی قال ابن عباس نزلت فی ثابت بن قیس وقوله للرجل الذی لم یفسح له "ابن فلانة یعیره بامه قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من الذاکر فلانه"؟ فقال ثابت انا یا رسول الله، فقال انظر فی وجوه القوم، فنظر، فقال ما رایت یا ثابت؟ قال رایت احمر وابیض واسود، قال فانك لاتفضله الا فی الدین والتقوی "فنزلت فی ثابت هذه الایة وفی الذی لم یتفسح له "یایها الذین امنو اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا" وقال مقاتل لما کان یوم فتح مکة	امام بغوی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے بارے میں اور ان کے اس شخص سے جس نے ان کے لئے مجلس میں جگہ کشادہ نہ کی فلانی کا بیٹا کہنے کے باب میں اتری تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جس نے فلانی کو یاد کیا؟ حضرت ثابت نے عرض کیا وہ میں ہوں یارسول اللہ! تو حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) نے فرمایا: لوگوں کے چہروں میں بغور دیکھو۔ تو انہوں نے دیکھا۔ پھر فرمایا: اے ثابت! تم نے کیا دیکھا؟ عرض کی: میں نے لال، سفید اور کالے چہرے دیکھے۔ سرکار (علیہ السلام والتحیۃ المدرار) نے فرمایا: تو بے شک تمہیں ان پر فضیلت نہیں مگر دین اور تقوی میں۔ تو حضرت ثابت کے لئے یہ آیت اتری اور جنہوں نے مجلس میں کشادگی نہ کی تھی ان کے حق میں ارشاد نازل ہوا: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔ اور مقاتل کا قول ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلا لا حتی علا علی ظھر الکعبۃ واذن، فقال عتاب بن اسید بن ابی العیص: الحمد للہ الذی قبض ابی حتی لم یر ھذا الیوم۔ وقال الحارث بن ھشام اما وجد محمد غیر ھذا الغراب الاسود موذنا۔ وقال سھل بن عمرو ان یرد اللہ شیئا یغیرہ۔ وقال ابو سفیان انی لا اقول شیئا اخاف ان یخبر بہ رب السماء فاتی جبریل فاخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما قالو فدعاھم وسالھم عما قالوا فاقروا فانزل اللہ تعالٰی ھذہ الایۃ وزجرھم عن التفاخر بالانساب والتکاثر بالاموال والازراء بالفقراء[1] قال العلامۃ النسفی فی المدارک تبعا للزمخشری فی الکشاف عن یزید بن شجرۃ مر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سوق المدینۃ فرای غلاما اسود یقول من اشترانی فعلی شرط ان لا یمنعی	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (کہ اذان دیں) تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور انہوں نے اذان کہی، تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا: اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میرے باپ کو اٹھالیا اور انہوں نے یہ دن نہ دیکھا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے سوا کوئی اذان دینے والا نہ ملا۔ اور سہل بن عمرو نے کہا: اللہ کو اگر کوئی چیز ناپسند ہو گی وہ اسے بدل دے گا۔ اور ابوسفیان بولے: میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ آسمان کا رب انہیں خبر دار کر دے گا۔ تو جبریل (علی بنینا وعلیہ السلام) نازل ہوئے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان لوگوں کی باتیں بتادیں تو حضور (علیہ الصلوہ والسلام) نے ان سے ان کے اقوال کی بابت پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا، تو اللہ نے یہ آیت اتاری اور انہیں نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ اور فقراء کی تحقیر سے منع فرمایا۔ علامہ نسفی نے زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے مدارک میں فرمایا یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بازار میں گزرے تو ایک سیاہ فام غلام دیکھا جو کہتا تھا مجھے جو خریدے تو اس شرط پر خریدے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الایۃ ۴۹/۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۱۹۵

من الصلوات الخمس خلف رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ،فاشتراه بعضهم فمرض فعاده رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم ،ثم توفی فحضر دفنه فقالوا فی ذلك شیئًا فنزلت [1]۔	وسلم وآلہ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ روکے گا۔تو اسے کسی نے خرید لیا۔پھر وہ بیمار پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے،پھر اس کی وفات ہوگئی توسرکار اس کے دفن میں رونق افروز ہوئے تو لوگوں نے اس بارے میں کچھ کہا تو یہ آیت اتری۔
وبالجملة فمحصل الایة نفی التفاخر بالانساب وان الکرم عند الله تعالٰی انما ینال بالتقوی فمن لم یکن تقیا لم یکن له حظ من الکرامة وسلبه کلیا لایصح الاعن کافر اذکل مؤمن یتقی اکبر الکبائر الکفر و الشرک،ومن کان تقیا کان کریما ومن کان اتقی کان اکرم عند الله تعالٰی،ولعلك تظن ان سردنا تلك الروایات فی شان النزول مما لا یغنینا فیما نحن بصدده،ولیس کذالك بل هو ینفعنا فی نفس الاحتجاج وتکسر به سورة بعض الاوهام ان شاء الله	مختصر یہ کہ آیت کریمہ کا حاصل نسب پر فخر کی نفی ہے اور یہ کہ اللہ کے یہاں عزت تقوی ہی سے ملتی ہے،توجو متقی نہیں اس کے لئے عزت سے کچھ حصہ نہیں اور تقوی کا سلب کلی طور پر کافر کے سوا کسی سے نہیں،اس لئے کہ ہر مومن اکبر الکبائر کفر و شرک سے بچتا ہے اور جو متقی ہوگا وہ باعزت ہوگا اور جو زیادہ تقوی والا ہوگا وہ زیادہ عزت دار اپنے رب کے یہاں ہوگا۔اور شاید تمہیں گمان ہو کہ ہمارا ان روایتوں کو ذکر کرنا اس مدعی میں جس کے ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ہمیں نفع بخش نہیں حالانکہ بات یوں نہیں بلکہ وہ ہمیں نفس استدلال میں فائدہ دے گا اور ہم اس سے کچھ وہمیوں کا زور توڑینگے ان شاء اللہ

[1] مدارك التنزیل تفسیر النسفی تحت الایة ۴۹ /۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴ /۱۷۳

تعالٰی، کماستطلع علیہ، فانتظر، ھذہ مقدمۃ۔	تعالٰی، جیسا کہ تم عنقریب اس پر مطلع ہوگے، تو انتظار کرو، یہ ایک مقدمہ ہے۔
والمقدمۃ الاخری	**اور دوسرا مقدمہ یہ ہے**
قال اللہ سبحنہ وتعالٰی: وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾ "[1] اجمع المفسرون من اھل السنۃ والجماعۃ علی ان لایۃ نزلت فی الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وانہ ھو المراد بالاتقی۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا اہل سنت وجماعت کے مفسرین کا اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اتری اور الاتقی سے وہی مراد ہے۔
اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی ان ابا بکر اعتق سبعۃ کلھم یعذب فی اللہ فانزل اللہ تعالٰی قولہ "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ "الی اخر السورۃ[2]، قال البغوی قال ابن الزبیر وکان	ابن ابی حاتم وطبرانی نے حدیث روایت کی کہ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ان سات کو آزاد کیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو اللہ نے اپنا فرمان ("وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ "تا آخر سورۃ) نازل فرمایا۔ بغوی نے فرمایا کہ ابن الزبیر کا قول ہے کہ ابوبکر

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷تا۲۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن حاتم والطبرانی الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸، الدر المنثور بحوالہ ابن حاتم والطبرانی تحت الایۃ ۹۲ /۱۷تا۲۱ دار احیاء التراث العربی ۸ /۴۹۳، الحاوی للفتاوی الفتاوی القرآنیۃ سورۃ اللیل الفصل الاول دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۷

ابو بکر یبتاع الضعفة فیعتقھم. فقال ابوہ: ای بنی لوکنت نبتاع من یمنع ظھرك ؟ قال منع ظھری ارید، فنزل"وسیجنبھا الاتقی"الی اخر السورۃ، وذکر محمد بن اسحق قال کان بلال لبعض بنی جمع وھو بلال بن رباح واسم امہ حمامۃ وکان صادق الاسلام وطاھر القلب وکان امیۃ بن خلف یخرجہ اذا حمیت الظھیرۃ فیطرحہ علی ظھرہ ببطحاء مکۃ، ثم یامر بالصخرۃ العظیمۃ فتوضع علی صدرہ، ثم یقول لہ لا تزال ھکذا حتی تموت او تکفر بمحمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ویقول وھو فی ذلك البلاء احد احد، و قال محمد بن اسحاق عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال مر بہ ابوبکر یوما وھو یضنعون بہ ذلك و کانت دار ابی بکر فی بنی جمع فقال لامیۃ لاتتقی فی ھذا المسکین؟ قال: انت افسدتہ فانقذہ مما	رضی اللہ تعالٰی عنہ کمزوروں کو خریدتے پھر انہیں آزاد کر دیتے۔ تو ان سے ان کے والدین نے کہا: اے بیٹے! ایسے غلاموں کو خریدتے ہوتے جو تمہاری حفاظت کرتے۔ ابوبکر نے فرمایا میں اپنی حفاظت ہی چاہتا ہوں۔ تو یہ آیت تا آخر سورت نازل ہوئی۔ اور محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) قبیلہ بنی جمح کے غلام تھے اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں کا نام حمامہ ہے اور بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اسلام میں سچے تھے اور پاک دل تھے، اور امیہ بن خلف انہیں باہر لاتا جب گرم دوپہر ہوتی تو انہیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال دیتا پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتا تو ان کے سینہ پر رکھدی جاتی پھر کہتا، تم ایسے ہی پڑے رہوگے یہاں تک کہ مرجاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کافر ہو۔ اور حضرت بلال احد احد فرماتے حالانکہ وہ اس بلا میں ہوتے۔ اور محمد بن اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی انہوں نے فرمایا ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا گزر ایک دن بلال (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے ہوا اور وہ لوگ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ یہی برتاؤ کررہے تھے اور ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا گھر بنو جمح میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو (امیہ بن خلف) اس بیچارے کے معاملہ میں

تری،قال ابو بکر افعل عندی غلام اسود واجلد منه واقوی علی دینك اعطیکه؟ قال قد فعلت فاعطاه ابو بکر غلامه واخذه فاعتقه،ثم اعتق معه علی الاسلام قبل ان یهاجر ست رقاب بلال سابعهم، عامر بن فهیرة(رضی الله تعالٰی عنه)شهد بدرا و اُحُدا وقتل یوم بئر معونة شهیدا،وام عمیس و زهرة فاصیب بصرها و اعتقها فقال قریش ما اذهب بصرها الا اللات والعزی فقالت:کذبوا وبیت الله ما تضر اللات و العزی وما تنفعان،فرد الله تعالٰی الیها بصرها و اعتق النهدیة وابنتها وکانتا لامراة من بنی عبد الدار فمر بهما وقد بعثتهما سیدتهما تطحنان لها وهی تقول والله لا اعتقکما ابدا	اللہ سے نہیں ڈرتا،تو امیہ نے کہا آپ نے اسے بگاڑا ہے تو آپ اس گت سے اسے بچالیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا:میں بچائے لیتا ہوں میرے پاس ایک غلام ہے سیاہ فام جو بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے زیادہ اور طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے وہ تجھے دے دوں۔ امیہ بولا:مجھے منظور ہے تو ابوبکر(رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو لے لیا تو انہیں آزاد کر دیا پھر ان کے ساتھ اسلام کی شرط پر ہجرت سے پہلے چھ غلامون کو آزاد کیا،انکے ساتویں بلال ہیں،عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جو جنگ بدر واحد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کی جنگ میں قتل ہو کر شہید ہوئے،اور ام عمیس وزھرہ کی آنکھ جاتی رہی،جب انہیں ابوبکر(رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے آزاد فرمایا،تو قریش بولے کہ انہیں لات وعزی نے اندھا کیا ہے،تو آپ بولیں:قریش،کعبہ کی قسم جھوٹے ہیں لات وعزی نہ ضرر دے سکیں نہ فائدہ پہنچا سکیں۔تو اللہ نے انہیں ان کی بینائی پھیر دی۔اور نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کیا اور یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں،تو صدیق اکبر(رضی ال لہ تعالٰی عنہ) ان کے پاس سے گزرے اور ان کی آقا عورت نے انہیں بھیجا تھا کہ اس کا آٹا پیسیں اور وہ عورت کہتی تھی کہ خدا کی قسم! تمہیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

فقال ابوبکر کلا یا ام فلان، فقالت کلا انت افسدتھما فاعتقھما، قال فبکم ؟ بکذا وکذا قال قد اخذتھما وھما حرتان، ومر بجاریۃ بنی المؤمل وھی تعذب فابتاعھا فاعتقھا۔	توابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: اے ام فلان ! ہر گز نہیں۔ وہ بولی: ہر گز نہیں، آپ نے ان دونوں کو بگاڑا ہے تو آپ آزاد کریں۔ صدیق نے فرمایا: تو کتنے دام پر بیچتی ہے ؟ وہ بولی: اتنے اور رائے دام پر۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: میں انے ان دونوں کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں، اور آپ کا گزر بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے ہوا جب اس پر ظلم ہو رہا تھا تو اسے خرید کر اسے آزاد کر دیا،
وقال سعید بن المسیب بلغنی ان امیۃ بن خلف قال لابی بکر فی بلال حین قال اتبیعہ ؟ قال نعم ابیعہ بنسطاس وکان نسطاس عبد الابی بکر صاحب عشرہ الاف دینار، غلمان وجوار و مواش وکان مشرکا حملہ ابوبکر علی الاسلام ان یکون مالہ لہ، فابی فابغضہ ابو بکر، فلما قال لہ امیۃ ابیعہ بغلامك نسطاس، اغتنمہ ابوبکر وباعہ منہ فقال المشرکون مافعل ذلك ابوبکر الا لید، کانت لبلال عندہ فانزل اللہ تعالٰی	اور سعید بن المسیب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی کہ امیہ بن خلف نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے بلال کے معاملہ میں اس وقت جب انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بلال کو فروخت کرے گا؟ کہا: ہاں میں اسے نسطاس سید نا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا غلام جو دس ہزار دینار اور بہت سے لونڈی اور غلام اور چوپایوں کا مالک تھا کے بدلے بیچتا ہوں اور ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چاہا تھا کہ نسطاس اسلام لے آئے اور اس کا مال اسی کا رہے، تو وہ نہ مانا تو حضرت ابوبکر نے اس کو مبغوض جانا، پھر جب امیہ نے کہا: بلال کو میں آپ کے غلام کے بدلے دیتا ہوں۔ ابوبکر نے اس بات کو غنیمت جانا اور نسطاس کو امیہ کے ہاتھ بیچ دیا، تو مشرکین بولے، ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ایسا صرف اس لئے کیا ہے کہ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا ان پر کوئی احسان ہے، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت

"وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾"[1]۔	اتاری "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ" الخ یعنی اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔
وذکر العلامة ابو السعود فی تفسیرہ قد روی عطاء و الضحاك عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما وذکر قصة شراء بلال واعتقاقه قال فقال المشرکون ما اعتقه ابوبکر الالید کانت عندہ فنزلت[2] اھ ملخصا	اور علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ عطا اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (اس روایت میں خریداری بلال اور ان کے آزاد ہونے کا قصہ ذکر کیا پھر کہا) تو مشرکین بولے: ابوبکر نے بلال کو ان کے کسی احسان ہی کی وجہ سے آزاد کیا ہے تو یہ آیت (مندرجہ بالا) اتری اھ ملخصًا۔
و فی الازالة عن عروة ان ابابکر الصدیق اعتق سبعة کلهم یعذب فی اللہ بلا لا وعامر بن فهیرة النهدیة وابنتها وزنیرة وام عیسی وامة بنی المؤمل، وفیه نزلت "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾"[3] الی آخر السورة۔	اور ازالہ میں عروہ سے ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ساتھ کو آزاد کیا، ان سب پر اللہ کی راہ میں ظلم توڑا جاتا تھا وہ بلال و عامر بن فہیرہ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی اور زنیرہ اور ام عیسی اور بنی مؤمل کی کنیز ہیں اور انہیں کیلئے آیت اتری "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾" اور اس سے (دوزخ) بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے۔ تا آخر سورت۔
وعن عامر بن عبداللہ بن الزبیر عن ابیه قال قال ابو قحافة لابی بکر اراك تعتق رقابا ضعافا فلوانك اذا فعلت ما فعلت اعتقت رجالا جلدًا یمنعونك	اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے روایت ہے وہ اپنی باپ سے روای ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوقحانہ نے ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا: میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلاموں کو آزاد کرتے ہو تو کاش! تم تندرست و

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۹۲ /۱۷تا۲۱ دار الکتب العلمیه ۴ /۴۶۲۔ ۴۶۳

[2] ارشاد والعقل السلیم تحت الآیة ۹۲ /۱۹ دار احیاء التراث العربی ۹ /۱۶۸

[3] ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلك اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱ /۳۰۱

ویقومون دونك فقال یا ابت انما ارید وجه الله فنزلت هذه الایة "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ الی قوله وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ۠﴿۲۱﴾ "[1]۔	تو انا غلام آزاد کرتے جو تمہاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمہاری سپر ہوتے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا؛ اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ "یعنی جس نے دیا اور پرہیز گاری کی۔۔اللہ تعالٰی کے قول وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی تک یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دی اجائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے، اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔
وعن سعید بن المسیب قال نزلت "وما لاحد عندہ من نعمة تجزی" فی ابی بکر عتق ناسا لم یلتمس منهم جزاء ولاشکورا ستة او سبعة منهم بلال وعامر بن فهیرة[2]	اور حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آیۃ کریمہ سے "وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ﴿۱۹﴾ "ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں اتری کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو آزاد کیا اُن سے نہ بدلہ چاہا نہ شکر گزاری، وہ آزاد شدہ چھ یا سات تھے، انہیں میں بلال وعامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما تھے۔
وعن ابن عباس فی قوله تعالٰی "وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾ "قال هو ابوبکر الصدیق[3]۔	اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے "وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾ "کی تفسیر میں ہے فرمایا وہ ابوبکر صدیق ہیں (آیت میں جن کا ذکر ہے)۔
قلت وقد اخرج ابن ابی حاتم ابن مسعود (رضی الله تعالٰی عنه) ان ابابکر اشتری بلالا من امیة بن خلف	**میں کہتا ہوں** اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند خود روایت کی کہ امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے حضرت ابوبکر نے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

ببردۃ وعشرۃ اواق فاعتقہ للہ تعالٰی، فانزل اللہ تعالٰی هذه الآیۃ: ای ان سعی ابی بکر و امیہ و ابی لمفترق فرقانا عظیما فشتان ما بینهما[1]

وقد قال السید ابن السدید عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنهما فی اشتراء الصدیق بلالا واعتاقه شعرًا،

جزی اللہ خیرا عن بلال وصحبه
عتیقا واخزی فا کها وابا جهل
عشیة هما فی بلال بسوءۃ
ولم یحذر امام یحذر المرء ذو العقل
بتوحید رب الانام وقوله
شهدت بان اللہ رب علی مهل
فان تقتلونی فاقتلونی فلم اکن
لاشرك بالرحمن من خیفة القتل
فیارب ابراهیم والعبد یونس
وموسی وعیسی نجنی ثم تملی
لمن ظل یهوی الغی من ال غالب
علی غیر بر کان منه ولا عدل[2]

حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا پھر انہیں خاص اللہ کے لئے آزاد کر دیا تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری جس کا مطلب یہ ہے "بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے" یعنی ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور امیہ اور ابی بن خلف کی کوششوں میں عظیم فرق ہے تو ان میں بون بعید ہے اور سردار بن سردار عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق کے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خرید کر آزاد کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اللہ جزائے خیر دے بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر کو اور امیہ اور ابوجہل کو رسوا کرے، وہ شام یاد کرو جب ان دونوں نے بلال کا برا چاہا اور اس سے نہ ڈرے جس سے ذی عقل آدمی ڈرتا ہے، انہوں نے بلال کا برا اس لئے چاہا کہ بلال نے خلق کے خدا کو ایک جانا اور نے اس نے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اس پر مطمئن ہوں تو اگر تم مجھے قتل کرو تو اس حال میں قتل کروگے کہ میں رحمان کا شریک نہیں ٹھہراتا قتل کے ڈرے سے تو اے ابراہیم اور اپنے بندے یونس اور موسٰی وعیسٰی کے رب! مجھے نجات دے، پھر اسے مہلت نہ دے جو ناحق ظالمانہ آل غالب کی گمراہی کی آرزو کئے جاتا ہے)

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۹

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۴۳۶

هذا وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع[1] وقال الرازی فی مفاتیح الغیب "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ"[2]۔ ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامة ابن الجوزی اجمعوا انها نزلت فی ابی بکر[3]۔ حتی بلغنی ان الطبرسی مع رفضه لم یسغ له انکاره فی تفسیره مجمع البیان، والفضل ماشهدت به الاعداء، الحمد للہ رب العلمین۔	اسے یاد رکھو اور امام بغوی نے الاتقی کی تفسیر میں کہا اس لفظ سے خدا کی مراد سب مفسرین کے قول کے بموجب ابوبکر صدیق ہیں۔ امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا ہم سنیوں کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقی سے مراد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں" صواعق میں ابن حضر نے علامہ ابن الجوزی سے نقل کیا علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔ یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ طبرسی کو باوجود رفض اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس کا انکار نہ بن پڑا اور فضل وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں، والحمد للہ رب العلمین۔
ثم ان الامام الفاضل فخر الدین الرازی حاول فی تفسیره اثبات ان الایة لا تصلح الا للصدیق بطریق النظر والاستدلال علی ماهو دابه رحمه اللہ تعالٰی فقال "اعلم ان الشیعة باسرهم ینکرون هذه الروایة ویقولون انها نزلت فی حق علی ابن ابی طالب علیه السلام والدلیل علیه قوله تعالٰی "ویؤتون الزکوة وهم	پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی عادت کے مطابق اپنی تفسیر میں عقلی استدلال و نظر کی راہ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ آیت کا مفہوم صدیق اکبر کے سوا کسی کے لئے نہیں بنتا، تو انھوں نے فرمایا تمہیں معلوم ہو کہ تمام شیعہ اس روایت کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آیت علی بن ابی طالب کے حق میں اتری ہے اور اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ویؤتون الزکوة وھم راکعون یعنی وہ رکوع کی

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الایة ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴ /۴۶۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱ / ۲۰۵

[3] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الثانی، دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۸

را كعون، فقوله "الاتقى الذى يؤتى ماله يتزكى" اشارة الى ما فى تلك الاية من قوله "يؤتون الزكوة وهم راكعون" ولما ذكر ذلك بعضهم فى محضرى قلت اقيم الدلالة العقلية على ان المراد من هذه الاية ابوبكر، وتقريرها ان المراد من هذا الاتقى هو افضل الخلق، فاذا كان كذالك وجب ان يكون المراد ابو بكر، فهاتان المقدمتان متى صحتاصح المقصود، انما قلنا ان المراد من هذا الاتقى افضل الخلق لقوله تعالٰى "ان اكرمكم عند الله اتقاكم" والاكرم هو الافضل فدل على ان كل من كان اتقى وجب ان يكون الافضل، فثبت ان الاتقى المذكور ههنا الابد وان يكون افضل الخلق عند الله تعالٰى، فنقول لابد وان يكون المراد به ابا بكر لان الامة مجمعة على ان افضل الخلق بعد رسول الله صلى الله	حالت میں زکوہ دیتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا قول الاتقى الذى يؤتى ماله يتزكى یعنی وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو ستھرا ہونے کو اپنا مال دیتا ہے، اسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہوا یعنی اللہ کا یہ فرمانا "ويؤتون الزكوة" الایۃ اور جب ایک رافضی نے یہ بات میری مجلس میں کہی میں نے کہا میں اس پر دلیل عقلی قائم کروں گا کہ اس آیت سے مراد صرف ابو بکر ہیں، اور تقریر دلیل یوں ہے کہ مراد اس بڑے پرہیزگار سے وہی ہے جو سب سے افضل ہے، تو جب معاملہ ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے مراد بس ابوبکر ہوں، تو جب یہ دونوں مقدمے صحیح ہونگے دعوی درست ہوگا۔ اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ اس بڑے پرہیزگار سے مراد سب سے افضل ہے کہ اللہ تعالٰی کا قول ہے "اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔" اور اکرم ہی افضل ہے۔ تو آیت نے بتایا کہ ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ضروری ہے کہ وہ سب سے زیادہ مرتبے والا ہو، تو ثابت ہوگیا کہ سب سے بڑا پرہیزگار جس کا یہاں (آیت میں) ذکر ہوا ضروری ہے کہ اللہ کے یہاں سب سے افضل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ساری امت اس پر متفق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلق سے افضل ابوبکر ہیں یا علی۔

تعالٰی علیہ وسلم تعالٰی علیہ وسلم اما ابو بکر او علی، ولایکمن حمل ھذہ الایۃ علی علی بن ابی طالب فتعین حملھا علی ابی بکر، وانما قلنا انہ لایمکن حملھا علی علی بن ابی طالب لانہ تعالٰی قال فی صفۃ ھذا الاتقی "ومالاحد عندہ من نعمۃ تجزی" وھذا الوصف لایصدق علی علی ابن ابی طالب لانہ کان فی تربیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہ اخذہ من ابیہ وکان یطعمہ ویسقیہ و یکسوہ ویربیہ، وکان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم منعما علیہ نعمۃ یجب جزاءھا اما ابو بکر فلم یکن للنبی علیہ الصلوۃ والسلام نعمۃ دنیویۃ بل ابوبکر کان ینفق علی الرسول الصلوۃ والسلام بلی کان للرسول علیہ الصلوۃ والسلام علیہ نعمۃ الھدایۃ والارشاد الی الدین، الا ان ھذا لایجزی لقولہ تعالٰی "مااسئلکم علیہ من اجر" والمذکور ھھنا لیس مطلق النعمۃ بل نعمۃ تجزی، فعلمنا ان ھذہ الایۃ لاتصلح	اور یہ ممکن نہیں کہ یہ آیت علی پر محمول کی جائے تو ابوبکر کے لئے اس کا مصداق ہونا متعین ہوگیا، اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ آیت کو علی پر محمول کرنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس سب سے بڑے پرہیزگار کی صفت میں فرمایا ہے **ومالاحد عندہ من نعمۃ تجزی** یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، اور یہ وصف علی بن ابی طالب پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے بایں سبب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو ان کے باپ سے لے لیا تھا اور حضور انہیں کھلاتے پلاتے، پہناتے اور پالتے تھے اور حضور (رسول) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی کے ایسے محسن ہیں کہ ان کے احسان کابدلہ واجب ہوا۔ رہے ابوبکر، تو حضور (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کا ان پر دنیوی احسان نہیں بلکہ ابوبکر رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا خرچ اٹھاتے تھے، ہاں کیوں نہیں ابوبکر پر رسول علیہ الصلوۃ و السلام کا دین کی طرف ہدایت وارشاد کا احسان ہے۔ مگر یہ ایسا نہیں جس کا بدلہ

لعلی بن ابی طالب، واذا ثبت ان المراد بهذه الاية من كان افضل الخلق، وثبت ان ذالك الافضل من الامة اما ابوبكر اوعلی، وثبت ان الآية غير صالحة لعلی تعين حملها علی ابی بكر رضی الله تعالٰی عنه، وثبت دلالة الاية ايضاعلی ان ابابكر افضل الامة[1] اھ ملخصًا۔	دیا جائے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کی حکایت کرتے ہوئے) میں تبلیغ پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اور یہاں مطلق احسان کا ذکر نہیں بلکہ بات اس احسان کی ہے جس کا بدلہ دیا جائے تو ہم نے جان لیا کہ آیت کا یہ معنی علی بن ابی طالب کے لئے نہیں بنتا، اور جب یہ ثابت ہے کہ مراد اس آیت کی وہی ہے جو افضل خلق ہے، اور یہ ثابت ہے امت میں سب سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی، اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مفہوم آیت علی کے شایاں نہیں اس کا مصداق ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین ہوگیا اور آیت کی دلالت اس پر بھی ثابت ہوگئی کہ ابوبکر ساری امت سے افضل ہیں اھ ملخصا۔
قلت اما ماذكر الفاضل الامام ان عليا رضی الله تعالٰی عنه كان فی تربية النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم وانه اخذه من ابيه فقد ذكره محمد بن اسحق وابن هشام وهذا الفظ ابن اسحق "حدثنی عبدالله بن ابی نجيح عن مجاهد بن جبير ابی الحجاج قال كان من نعمة الله تعالٰی علی علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه مما صنع الله تعالٰی له واراده به من الخير ان قريشا اصابتهم ازمة شديدة وكان ابوطالب ذاعيال كثير فقال	**میں کہتا ہوں** کہ رہی یہ بات جو فاضل امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) نے فرمائی کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ان کے والد سے لے لیا تھا تو اس کا ذکر محمد ابن اسحٰق وابن ہشام نے کیا ہے اور محمد بن اسحٰق کے الفاظ یوں ہیں: مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح نے حدیث بیان کی انہوں نے روایت کی مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اللہ تعالٰی کے احسان کے قبیل سے وہ ہے، جو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ کیا اور ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور ابوطالب کی اولاد بہت تھی اس لئے رسول

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهية المصرية مصر ۳۱ / ۲۰۵و۲۰۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس عمہ وکان من ایسر بنی ھاشم یا عباس ان اخاك ابا طالب کثیر العیال، وقد اصاب الناس ماتری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا الیہ، فلنخفف عنہ من عیالہ آخذ من بنیہ رجلا وتاخذ انت رجلا، فنکلھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا الی ابی طالب، فقالا لہ انا نرید ان نخفف عنك من عیالك حتی ینکشف عن الناس ماھم فیہ، فقال لھما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما، فاخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیًا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفرا فضمہ الیہ فلم یزل علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی بعثہ اللہ تبارك وتعالٰی نبیا فاتبعہ علی وآمن بہ علی وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنہ [1] انتھٰی۔	اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا اور وہ بنی ہاشم کے بڑے مالداروں میں سے تھے، اے عباس! آپ کے بھائی ابو طالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو یہ سختی پڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ ابو طالب کے یہاں چلئے کہ ہم ان کی اولاد کا بوجھ کم کریں ان کے بیٹوں سے ایک آدمی میں لے لوں اور ایک آدمی آپ لے لیں تو ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔ حضرت عباس نے عرض کی: جی ہاں۔ تو دونوں حضرات چل کر ابو طالب کے پاس تشریف لائے تو ان سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ جب تک لوگوں کی مصیبت (جس میں وہ مبتلا ہیں) دور ہو آپ سے آپ کی اولاد کا بوجھ کم کردیں۔ تو ابو طالب ان سے بولے: اگر تم میرے لئے عقیل کو چھوڑ دو تو تم جو چاہو کرو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جعفر کو لیا اور چمٹالیا۔ تو علی رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے سرکار کو نبی مبعوث فرمایا تو حضرت علی ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا مانا اور جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام لاکر ان سے بے نیاز ہوگئے اھ۔

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزء اول والثانی ص ۲۴۶

قلت وتمام النعمة الکبری بتزویج البتول الزهراء صلوات الله علی ابیها الکریم وعلیها واما ما ذکر من ان ابابکر کان ینفق علی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فهذا اوضح و اظهر عند من له خبرة بالاحادیث والسیر۔ اخرج الامام احمد و البخاری عن ابن عباس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال: انه لیس من الناس احد امن علی فی نفسه وماله من ابی بکر بن ابی قحافة ولو کنت متخذا من الناس خلیلا لا اتخذت ابابکر خلیلا ولکن خلة الاسلام افضل سدوا عنی کل خوخة فی هذا المسجد غیر خوخة ابی بکر[1] واخرج الترمذی عن ابی هریرة عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مالاحد عندنا ید الاوقد کافیناه ماخلا ابابکر فان له عندنا یدا یکافیه الله بها یوم القیٰمة وما نفعنی	**میں کہتا ہوں** اور نعمت کبرٰی کی تکمیل بتول زہرا (فاطمہ) صلوات اللہ علی ابیہا الکریم وعلیہا سے شادی ہو کر ہوئی۔ اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خرچ اٹھاتے تھے۔ تو یہ اس کے نزدیک جس کو احادیث و کتب سیرت سے واقفیت ہے بہت واضح اور خوب ظاہر ہے۔ امام احمد و بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: لوگوں میں سے کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان ومال میں مجھ پر زیادہ احسان ہو سوا ابوبکر بن قحافہ کے، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلامی خلت اور محبت افضل ہے، اس مسجد میں ابوبکر کے دروازہ کے سوا سب دروازے بند کرو۔ اور ترمذی نے (اپنی سند سے) ابوہریرہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے حدیث ذکر کی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں (کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا) ہر شخص کے احسان کا بدلہ ہم نے اسے دے دیا سوائے ابوبکر کے کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب الخوخۃ والممر فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۷، مسند احمد حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۷۰

مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا وان صاحبکم (ای محمد اصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) خلیل اللہ [1]	بدلہ انہیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن دے گا، اور مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا، اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو دوست بناتا، اور خبردار تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اللہ تعالٰی کے دوست ہیں۔"
واخرج ایضا عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: رحم اللہ تعالٰی ابابکر زوجنی ابنتہ وحملنی الی دار الھجرۃ واعتق بلالا من مالہ [2]۔	اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث ذکر کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: "اللہ ابوبکر پر رحمت کرے مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور مجھے دار الہجرۃ (مدینہ) میں لائے اور اپنے مال سے بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو خرید کر آزاد کیا۔"
واخرج الامام احمد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر، فبکی ابوبکر وقال ھل انا ومالی الا لك یارسول اللہ [3]۔	اور امام احمد وابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے مجھے دیا، تو ابوبکر رو دیئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔"
واخرج الطبرانی عن ابن عباس	اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۰۷

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب علی رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۱۳

[3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماأحد اعظم عندی یدا من ابی بکر واسانی بنفسہ ومالہ وانکحنی ابنتہ[1]	عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوں حدیث روایت کی "مجھ پر ابو بکر سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں، اس نے اپنی جان ومال سے میرا ساتھ دیا اور مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔"
واخرج ابویعلی من حدیث ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا مرفوعا مثل حدیث ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ قال ابن حجر قال ابن کثیر مروی ایضا من حدیث علی اوبن عباس وجابر بن عبداللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہم واخرجہ الخطیب عن ابن المسیب مرسلا وزاد وکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقضی فی مال ابی بکر کما یقضی فی مال نفسہ۔واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشۃ وعروۃ ان ابابکر اسلم یوم اسلم لہ اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]	اور ابو یعلی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث مرفوع حدیث ابن ماجہ براویت ابوہریرہ کے مثل (یعنی انہیں الفاظ سے) روایت کی۔ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبداللہ وابو سعید خدری سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا: "اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر کے مال سے اپنا قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے ادا فرماتے۔اور ابن عساکر نے متعدد سندوں سے حضرات عائشہ وعروہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر جس دن اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار درہم تھے، تو ابوبکر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اٹھا دیا اھ۔
قلت ومروی ایضا من حدیث سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ	**میں کہتا ہوں** یہ حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی مروی ہے جیسا کہ امام عدی نے

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۱۹۱

[2] الصواعق المحرقۃ الباب الثانی الفصل الثانی، دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۱۲

کما اخرجه الامام ابن عدی فی الکامل انبأنا المولی الثقة الحجة مفتی الحنفیة بمکة المحمیة امام الفقهاء و المحدیثن سیدی واستاذی مولانا عبد الرحمن بن عبد الله بن عبدالرحمن السراج عن جمال العلماء السلف الخیر فی منصب الافتاء مولانا جمال بن عبدالله بن عمر المکی عن خاتمة الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن الشیخ احمد علی السندی ثم الزبیدی ثم المدنی عن المولی محمد صالح الفلانی العمری عن الشیخ محمد بن السنة الفلانی الفاروقی عن مولای السید الشریف محمد بن عبد الله عن الفاضل المحدث سیدی علی الاجهوری عن الامام شمس الدین الرملی عن شیخ الاسلام زید الدین زکریا الانصاری عن علامة الوری جبل الحفظ شهاب الدین ابی الفضل احمد حجر العسقلانی عن ابی علی محمد بن احمد المهدوی عن یونس بن ابی اسحق عن ابی الحسن علی بن المقیر انا ابوالکریم الشهر زوری انا اسمعیل بن مسعدة الجرجانی انا ابو القاسم حمزة بن یوسف السهمی الجرجانی وابوعمر و عبد الرحمن بن محمد الفارسی انا ابو احمد عبدالله بن عدی الجرجانی	کامل میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (سند حدیث مذکور) ہمیں خبر دی مولی ثقہ حجۃ مفتی حنفیّہ بمکہ محمیہ پیشوائے فقہاء و محدثین سیدی واستاذی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبد الرحمٰن سراج نے انہوں نے جمال علماء سلف خیر فی منصب الافتاء (یعنی منصب افتاء میں مفتیوں کے لئے اچھے پیشرو) مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی سے روایت کی انہوں نے خاتمۃ الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن شیخ احمد علی سندی ثم زبیدی ثم مدنی سے روایت کی انہوں نے مولی محمد صالح فلانی عمری سے انہوں نے شیخ محمد بن السنۃ فلانی فاروقی سے انہوں نے مولائی سید شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے فاضل محدث سیدی علی اجہوری سے انہوں نے امام شمس الدین رملی سے انہوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے انہوں نے علامہ عالم کوہ حفظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی سے انہوں نے ابوعلی محمد بن احمد مہدوی سے انہوں نے یونس بن اسحاق سے انہوں نے ابوالحسن علی بن مقیر سے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابوکریم شہر زوری سے ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعدہ بن جرجانی نے ہمیں خبر دی ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی اور ابوعمر وعبدالرحمٰن بن محمد الفارسی نے ہمیں خبر دی اور ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی

نا الحسین بن عبدالغفار الازدی نا سعید ابن کثیر بن غفیر نا الفضل بن مختار عن ابان عن انس قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لابی بکر ما اطیب مالك منه بلال موذنی وناقتی التی هاجرت علیها وزجنتی ابنتك و واسیتنی بنفسك ومالك کانی انظر الیك علی باب الجنة تشفع لامتی [1]۔	نے ہم سے حدیث بیان کی حسین بن عبدالغفار ازدی نے ہم سے حدیث بیان کی سعید بن کثیر بن غفیر نے ہم سے حدیث بیان کی فضل بن مختار نے ابان سے انہوں نے روایت کی انس سے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تمہارا مال کتنا ستھرا ہے اسی سے میرا موذن بلال ہے اور میری اونٹنی ہے جس پر میں نے ہجرت کی اور تم نے اپنی دختر میرے نکاح میں دیا اور اپنی جان ومال سے میری مدد کی گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو میری امت کیلئے شفاعت کررہے ہو۔
ھذا وقد اسقصینا الکلام عی ھذین الفصلین الذین اشار الیھما النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی تلك الاحادیث اعنی مواساة الصدیق النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بنفسه وماله فصلین من الباب الثانی من کتابنا الکبیر فی التفضیل علی غایة التحقیق و التفصیل فارجع الیه ان احببت ھذا تقریر ماذکر الفاضل الرازی وقد اوردہ الامام ابن حجر ایضا فی الصواعق	یہ تو ہوا اور ہم نے ان دونوں فصل پر (یعنی صدیق کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد جان ومال سے کرنا) جن کی طرف نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ فرمایا۔ کامل گفتگو اپنی کتاب کبیر، جو باب تفضیل میں ہے کے باب دوم کی دو فصلوں میں نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ کی ہے اس کا مطالعہ کرلو اگر چاہو، یہ کلام اس کلام کی تائید ہے جو فاضل رازی نے ذکر کیا، اور امام رازی کا یہ کلام امام ابن حجر میں صواعق محرقہ بھی لائے

[1] الکامل لابن عدی ترجمه ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱/۳۷۵، الکامل لابن عدی ترجمه الفضل بن مختار بصری دار الفکر بیروت ۶/ ۲۰۴۱

وارتضاہ۔ قلت ولمناقش ان یناقش فیه باربعة وجوہ ینتظمها وجهان **الاول** انا لانسلم ان ابابکر لم یکن علیه احد نعمة تجزی فان من اعظم المنعمین علی الانسان والدیه قال تعالٰی "اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ" [1]۔ ومعلوم ان لاشکر الا بمقابلة النعمة ونعم الوالدین من النعم الدنیویة التی تجری فیها المجازاہ دون الدینیة التی قال اللہ تعالٰی فیها "قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ" [2] "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" [3] علی انا نعتقد ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قد تمت له خلافة اللہ العظمی ونیابته الکبری فیدہ الکریمة علیا و ایدی العلمین سفلی۔ جعل سبحنه و تعالٰی خزائن رحمته ونعمه وموائد جودہ وکرمه طوع یدیه، و مفوضة الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ینفق	میں کہتا ہوں کسی کو مجال ہے کہ اس میں چار وجہ سے بحث کرے جن کو دو وجہیں گھیرے ہیں **پہلی وجہ** یہ کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس بدلہ دیا جائے اس لیئے کہ انسان پر بڑے محسنوں میں اس کے ماں باپ ہیں۔ اللہ تعالٰی کا راشاد ہے: حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ اور یہ معلوم ہے کہ شکر نعمت کے مقابل ہی ہوتا ہے اور والدین کے احسانات ان دینوی احسانات سے ہیں جن میں بدلہ دینا جاری ہے اور یہ دینی احسانات نہیں ہیں جن کی بابت اللہ کا فرمان ہے (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو جہانوں کے پروردگار پر ہے، اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالٰی کی خلافت عظمی اور نیابت کبری کامل ہوچکی تو ان کا دست کرم بالا اور سب جہانوں کے ہاتھ پست، اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت اور کل نعمت کے خزانے اور اپنے فیض وکرم کے خوان ان کے ہاتھوں کے مطیع کر دیئے، اور یہ سب انہیں سونپ دیا جیسے چاہیں خرچ کریں،

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۵ / ۵۷و۳۸/ ۸۶

[3] القرن الکریم ۲۶ / ۱۰۹و۱۲۷و۱۴۵و۱۶۴و۱۸۰

کیف یشاء وھو خزانة السر و موضع نفوذ الامر فلا تنال برکة الامنه ولا ینقل خیر الاعنه کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ المعطی[1]۔ فھو الذی یقسم الخیرات والبرکات وسائر النعماء والآلاء فی لارض والسماء والملك والملکوت والاول والاخر والباطن والظاھر ایقنت بھا جماھیر الفضلاء العظام ومشاھیر الاولیاء الکرام کما حققته فی رسالتی الملقبة بسلطنة المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، وفیھا من المباحث الفائقة والمدارك الشائقة ماتقر به الاعین وتلذ به الاذان وتنشرح به الصدور والحمد للہ رب العلمین فاذن ماکان لابی بکر اور غیرہ من مال وبلوغ امال الابعطاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فلم تنحصر النعم النبویة علی صاحبھا الصلوۃ والتحیة فی النعم الدینیة التی لاتجزی فکما ان علیا لم یصلح ومورد اللایة فکذلك ابوبکر سواء بسواء۔	اور وہ راز الٰہی کا خزانہ اور اس کے حکم کی جائے نفاذ ہیں تو برکت انہیں سے ملتی ہے اور خیر انہیں سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں تو بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔ تو وہی خیرات وبرکات اور ساری نعمتیں آسمان و زمین وملک وملکوت اول آخر باطن وظاہر میں بانٹتے ہیں اس پر فضلاء عظام اور مشہور اولیائے کرام کے جمہور کا یقین ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی میں تحقیق کی اس میں کچھ ایسے مباحث فاضلہ اور پسندیدہ دلائل ہیں کہ ان سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کان لطف اندوز ہوتے ہیں اور سینے کھلتے ہیں، تو جب یہ بات ہے (کہ ساری برکت ونعمت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کے سبب ہے) تو ابوبکر کو جو کچھ مال ومنال حاصل ہوا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عطا سے ہی حاصل ہو لہٰذا نبوی احسانات علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ ان دینی احسانات میں منحصر نہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جاتا تو جس طرح علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) آیت کے مصداق نہ ٹھہرے اسی طرح ابوبکر بھی یکساں طور پر آیت کے مصداق نہیں۔
اقول: والجواب عن اما اولا فلانه	**میں کہتا ہوں** اس اعتراض کا جواب اول

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ خیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶، صحیح البخاری کتاب الجہاد باب قول اللہ تعالٰی فان قدمہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۹، صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۸۷

ان صح ماذکر تم لتعطلت الاٰیۃ راسا ولم یوجد لھا مصداق ابدا اذلیس فی الصحابۃ من لم یلدہ ابواہ او لم ینعم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دینہ ودنیاہ[1]۔	تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو جو آپ نے ذکر کیا تو آیت سرے سے معطل ہو جائے گی اور کبھی اس کا کوئی مصداق نہ پایا جائے گا اس لئے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے ماں باپ سے پیدا نہ ہو یا اس پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین و دنیا کا کوئی احسان نہ فرمایا ہو۔
واما ثانیًا وھو الحل فلان نعم الدنیا لیست کلھا مما تجزی اذا لمجازاۃ ھو المکافات وحاصل نعمۃ الوالدین ان اللہ سبحنہ وتعالٰی جعلھا سببا لایجادہ وخروجہ من ظلمۃ العدم الی نور التکون ، وبھما جعلہ بشرا حسینا بعد ان کان ماء مھینا وھذا مما لایمکن ان یجازی اذ لیس فی وسع احد ان یحیی ابویہ او یکونھما بعد ان لم یکونا ولذلك قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایجزی ولد والدہ الاان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ اخرجہ مسلم وابوداؤد	**اور جواب دوم** اور وہی حل ہے یہ کہ دنیا کے سب احسان ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جاتا ہو اس لئے کہ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ احسان کے مساوی اس کی جزا دے ، اور والدین کے احسان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی نے انہیں بچہ کی ایجاد اور عدم کی ظلمت سے نور ہستی میں آنے کا سبب بنایا ہے اور ان کے سبب سے اس کے بعد کہ وہ بے وقعت پانی تھا خوبصورت انسان بنایا ، اور یہ احسان کا بدلہ نہیں ہو سکتا یوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے ، یا عدم کے بعد انہیں موجود کردے ، اسی لئے نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔" یہ حدیث مسلم وابوداؤد

[1] صحیح مسلم کتاب العتق باب فضل عتق الوالد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۵، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی بر الوالدین آفتاب علم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳

والترمذی[1] ونسائی وابن ماجة فاشار صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الی بعض المجازاة علی حسب مایدخل تحت الامکان فان الرق موت حکما اذبه تتعطل الاهلیة ویلتحق الانسان العاقل البالغ بالبهائم فالعتق کانه احیاء له و اخراج من ظلمة البهیمیة الی نور الانسانیة فعن هذ عد اداء لبعض حقوقهما وکذالك النعم النبویة علی صاحبها الصلوة والتحیة علی حسب ماقررنا علیك لیست مما تجزی وتجری فیه ذاك بهذا الانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی ذلك المقام الرفیع والمنصب البدیع انما یتصرف علی خلافة الملك المقتدر تبارك و تعالٰی و نعم الملك لاتجزی فان الاحسان لایجازی الا بالاحسان کما نطق به القرآن العظیم ومایجازی به العبد لابد وان یکون ایضا من عطایاه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فکان مکافات عطائه بعطائه

وترمذی ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سندوں سے روایت کی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تھوڑے بدلہ کی طرف (جو موافق مقدور بشر ہو) اشارہ فرمایا اس لئے کہ غلامی موت کے حکم میں ہے اس وجہ سے کہ اس کے سبب آدمی کی اہلیت معطل ہوجاتی ہے اور عاقل بالغ انسان جانوروں سے مل جاتا ہے لہٰذا اسے آزاد کرنا گویا کہ اس کو زندہ کرنا اور بہیمیت کی تاریکی سے انسانیت کی روشنی میں لے آنا ہے، اسی لئے ماں باپ کو آزاد کرنا اس کے بعض حقوق کی ادائیگی میں شمار ہوا، اسی طرح نبوی احسانات علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے ثابت کیا ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جائے اور ان میں یہ مقولہ جاری ہو کہ یہ اس احسان کا بدلہ ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اس مقام رفیع اور اس منصب بے نظیر میں بادشاہ قادر تبارک وتعالٰی کی خلافت پر فائز ہوکر متصرف ہیں اور بادشاہ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ بدلہ بغیر احسان کے نہیں ہوتا، جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اور بندہ احسان کا جو بدلہ دے گا لامحالہ وہ بھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی عطا سے ہوگا تو سرکار کی عطا کی مکافات

Majlis of Dawateislami

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی حق الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳، سنن ابن ماجة ابواب الادب باب بر الوالدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸، مشکوۃ المصابیح کتاب العتق باب اعتاق العبد المشترك الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۹۴

وھو غیر معقول وعن ھذا نعتقد ان اداء شکر اللہ سبحنہ وتعالٰی بعمنی فراغ الذمۃ منہ محال عقلا اذا لشکر نعمۃ اخری فلیشکرھا حتی یخرج عن عھدتہ ویتسلسل الی مالایتناھی، فثبت ان الدلیل لا غبار علیہ من ھذا الوجہ۔	سرکاری عطا سے ہوگی، اور یہ معقول نہیں، یہیں سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کا شکر بہ معنی براءت ذمہ از شکر عقلا محال ہے اس لئے کہ شکر نعمت دیگر ہے تو بندہ اس دوسری نعمت کا شکر کرے کہ عہدہ برآ ہو اور یہ سلسلہ شکر کا نہایت کو نہ پہنچے تو ثابت ہوا کہ دلیل اس وجہ سے بے غبار ہے
الثانی: ان المقدمۃ القائلۃ ان الامہ مجمعۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما ابو بکر او علی رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	**دوسری وجہ**: یہ ہے کہ یہ مقدمہ جس کا مضمون ی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد افضل یا ابوبکر ہیں یا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ اس پر اجماع امت ہے۔
مدخول فیھا اذھناك فرقتان اخریان تدعی احدھما تفضیل سیدنا الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ علی جمیع الامۃ، ومستندھا مایروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، انہ قال ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر[1] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوکان بعدی نبی لکان عمر بن خطاب[2] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی باھی باھل عرفۃ عامۃ وباھی لعمر خاصۃ[3]	اس پر اعتراض کو مجال ہے اس لئے کہ یہاں دو فرقے اور ہیں، ان میں کا ایک دعوی کرتا ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری امت سے افضل ہیں، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت عمر سے بہتر کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ اور آپ سے مروی ہے، کہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ "اللہ تعالٰی نے عرفات میں جمع ہونے والوں پر عام طور سے فخر فرمایا اور عمر سے خاص طور

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۹ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۲۵ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۵، کنز العمال حدیث ۳۵۸۵۸ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۹۶

وان کان الاستدلال بها و بامثالها لایقوم علی ساق اما روایة اودرایة اومعا کاستمساك المفضلة بحدیث علی خیر البشر وحدیث الطیر و حدیث الاستخلاف فی غزوة تبوك وماضاهاها فمنها کذب مختلق ومنها منکر واهٍ ومنها ما یایفید ہم شیئا وکذلك مضت سنة الله فی کل مبتدع یحتج ولا حجة ویجنح حیث لامحجة۔	سے مباہات فرمائی۔ اگرچہ اس روایت سے اور اس کے مشابہ روایتوں سے دلیل پائے ثبات پر قائم نہیں ہوتی یا بلحاظ روایت یا بلحاظ درایت یا دونوں کے لحاظ سے، جیسے تفضیلیہ کا حدیث علی خیر البشر علی سب انسانوں سے افضل ہیں اور حدیث طیر اور غزوہ تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کا علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر رفمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر واہی (راویان ثقہ کے مقابل روایان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انہیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالٰی کی سنت ہر بد مذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راستہ نہیں۔
والفرقه الاخری تدعی تفضیل سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنهما وکان ملحظهم وان لم یعط ففضهم قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیه اب عم الرجل صنو ابیه، وهو حدیث احسن اخرجه الترمذی[1] وغیره عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه ولاشك	اور دوسرا فرقہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سب سے افضل کہتا ہے، گویا انکے مد نظر اگرچہ ان کی مراد نہیں دیتا اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی عنہ کا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بابت قول ہے کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے جسے ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العباس امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷

انه رضی الله تعالٰی عنه شیخ المسلمین وسیدهم ومقدمهم وقائدهم وعز نفوسهم و تاج رؤسهم حتی الخلفاء الاربعة من هذا الوجه کما ان حضرة البتول الزهراء واخاها السید الکریم ابراهیم علی ابیهما وعلیهما الصلوة التسلیم افضل الامة مطلقا من جهة النسب واجزائیة وکرامة الجوهر والطینة۔ وبالجملہ فلا یتعین احد من الشقوق الاربعة الا بابطال الثلثة الباقیة جمیعا فکیف قلتم ان الایة لما لم تلتئم علی علی تعین ابوبکر مصداقالها علی ان المسائل السمعیة لاتنال الامن قبل السمع۔ فالناظر المتفحص الامذهب له قبل ان ینظر فی دلیل فیظهر له سبیل فان کان تمام الدلیل موقوفا علی (التمذهب) بمذهب لزم الدور وهذا نظیر ما اجبنا به عن استدلال الائمة الشافعیة علی افتراض الترتیب فی الوضوء بدخول الفاء	حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ شیخ المسلمین ہیں اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر و قائد اور ان کی آبرو اور ان کے سروں کا تاج ہیں۔اس وجہ سے چاروں خلفاء پر بھی انہیں فضیلت ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے بھائی سید ابراہیم ان کے والد اور ان پر صلوۃ وسلام ہو، روئے نسب و جزئیت و کرامت جوہر وطینت تمام امت سے افضل ہیں۔ بالجملہ ان چار شقوں سے کوئی شق باقی تین وجوہ کو باطل کئے بغیر متعین نہیں ہوگی تو آپ نے کیونکر فرمایا کہ آیت کریمہ جب علی پر صادق نہ آئی تو ابوبکر اس کا مصداق متعین ہوئے علاوہ اس کے مسائل سمعیہ دلیل سمعی ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ تو صاحب نظر و جستجو کا کوئی مذہب اس سے پہلے نہیں ہوتا کہ وہ دلیل میں غور کرے تو کوئی راہ اس کو روشن ہوجائے تو اگر دلیل کا تام ہونا کسی مذہب سازی پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا اور یہ اس جواب کی نظیر ہے جو ہم نے ائمہ شافعیہ کی اس دلیل کے جواب میں کہا جو انہوں نے وضو میں فرضیت ترتیب پر آیت کریمہ میں وجوہ

علی الوجوہ وعدم القائل بالفصل کما ھو مذکور فی الخلافیات۔ **اقول**: والجواب عنھان مستند نا الاول الذی علیه المعول فی ھذ الباب اجماع الصحابة والتابعین لھم باحسان رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین کما نقله الامام الشافعی ثم البیھقی ثم اخرون ودلت علیه احادیث عند البخاری وغیرہ کما فصلته فی الکتاب واقمت الدلیل الجلیل علی ان الاجماع تام کامل لم یثبت شذوذمنه ولاندور، وان الخلاف الذی ذکرہ ابو عمر بن عبدالبر فلیس مما یعرج علیه اویلتفت الیه الا روایةوالادرایة وان سلمنافالسواد ااالعظم مبتوع و اتباع الشاذ ممنوع، وھذا القدر یکفینا للتمذھب فانتفی الدور نعم حدیث الفرقتین قوی صحیح لیکن لا یخل بالمقصود فان عمر و عباسا رضی اللہ تعالٰی عنھما لم یکونا سلما حین نزول الایة کما یظھر بالرجوع الی التاریخ، فلم یقصدا بالایة قطعا وبه بطل الشقان الباقیان واٰل الدلیل	پر دخول فاء اور قائل بالفصل کے معدوم ہونے سے قائم کی جیسا کہ خلافیات میں مذکور ہے۔ **میں کہتا ہوں** اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس بات میں ہماری اولین سند جس پر ہمارا اعتماد ہے جملہ صحابہ اور اچھے طریقے پر ان کے تمام پیروان کا تابعین کا اجماع ہے جیسا کہ امام شافعی پھر بیہقی پھر دیگر ائمہ نے اسے نقل کیا اور اس پر بخاری وغیرہ کی احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں مفصل بیان کیا ہے اور اس امر پر میں نے دلیل جمیل قائم کی کہ اجتماع تام کامل ہے اور اس سے کسی کا خلاف ثابت نہیں اور یہ کہ جو خلاف علامہ ابو عمر بن عبدالبر نے ذکر کیا نہ روایت کے لحاظ سے نہ درایت کے لحاظ سے وہ اس قابل ہے کہ نظر اس پر گزرے یا اس کی طرف مڑ کے دیکھا جائے۔ اور اگر ہم مان لیں تو سواد اعظم ہی کی اتباع ہوگی اور شاذ ونادر کی اتباع ممنوع ہوگی اور اتنی بات ہمیں مذہب قرار دینے کو کافی ہے تو دور نہ رہا، ہاں ان دو فرقوں کی (جو حضرت عمر وعباس کی فضیلت پاتے ہیں) حدیث قوی وصحیح ہے، لیکن مقصود میں خلل انداز نہیں اس لئے کہ عمر وعباس آیت کے نزول کے وقت مسلمان نہ تھے، جیسا کہ مطالعہ تاریخ سے ظاہر ہے، تو یہ دونوں قطعی آیت کے مقصود ہی نہ ہوئے، اور اسی وجہ سے باقی دو شقیں باطل ہوگئیں اور آخر کار دلیل

الی الاحصاء والارصاد والحمد لله ولی الاحسان غایة الامر ان الفاضل المستدل لم یطلع هذین القولین اولم یعتد بهما لتناهیهما فی السقوط و الشذوذ علی أنا بحمد الله بعد ما ثبت الاجماع علی ان الصدیق هو المراد فی غنی عن هذه التجشمات کما لا یخفی اذا ثبت هذا فنقول وصف الله سبحنه وتعالٰی الصدیق بانه اتقی و وصف الاتقی بانه الکرم انتجت المقدمتان ان الصدیق اکرم عند الله تعالٰی و الافضل والاکرم والارفع درجة والاعلی مکانة کلها الفاظ معتورة علی معنی واحد ، فثبت الفضل المطلق الکلی للصدیق والله تعالٰی ولی التوفیق ، هذا تقریر الدلیل بحیث یشفی العلیل ویروی الغلیل والحمد للمولی الجلیل واعلم ان هذا الاحتجاج اطبقت علیه کلمات العلماء سلفا وخلفا وار تضوه وتلقوه بالقبول تلیدا و طارفا ولا شك انه لجدیر بذلك لکن المفضلة لهم کلام فیه بثلثة وجوه نذکرها نردها بحیث لایبقی ولا یذر بتوفیق الله العلی الاکبر۔ **فنقول** الشبهة الاولی ان من المفسرین من فسر الاتقی بالتقی	مضبوط و مستحکم رہی، اس معاملہ کی نہایت کار یہ کہ فاضل مستدل کو تو ان دونوں مذہبوں کا علم نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ سقوط و ندرت میں حد کو پہنچے ہونے کی وجہ سے انہیں شمار ہی نہیں فرمایا، مزید برآں بحمد اللہ اس پر اجماع کہ صدیق ہی مراد آیت ہیں کہ ثابت ہونے کے بعد ہم ان تکلفات سے بے نیاز ہیں، جیسا کہ ظاہر جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی نے صدیق کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق اللہ تعالٰی کے نزدیک اکرم (سب سے افضل) ہیں اور افضل اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلٰی منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر صادق آتے ہیں، لہٰذا فضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اور تم جان لو کہ اس استدلال پر جملہ علماء سلف وخلف کا اتفاق ہے اور سب نے اسے پسند کیا اور قبول کے ہاتھوں لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس کے قابل ہے، لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین وجوہ سے کلام ہے ہم ان وجہوں کو خدائے بزرگ و برتر کی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا ایسا رد کرتے جو کوئی شبہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک نہ رہے۔ **ہم کہتے ہیں** کہ پہلا شبہہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اتقی کی تفسیر تقی (صفت

کمافی المعالم والبیضاوی وغیرھما من التفا سیر فسقط الاحتجاج عن اصله اقول ولا علینا ان نمھد اولا مقدمات تعینك ان شاء الله تعالٰی فی الجواب عن ھذا الاتیاب ثم نرفع الحجاب عن وجه الصواب بتوفیق العلیم الوھاب فاستمع لما یلقی علیه۔	مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ نہیں کہ صرف تقوی سے اتصاف ہے) سے کی جیسا کہ معالم وبیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے تو استدلال جس کی بنیاد اتقی کے اسم تفضیل ہونے پر تھی) جڑ سے اکھڑ اپڑا، میں کہتا ہوں ہمارا کوئی حرج نہیں اس میں کہ ہم پہلے کچھ ایسے مقدمات کی تمہید اٹھائیں جو جواب میں ان شاء الله تعالٰی تمہاری مدد کریں پھر ہم خدائے دانا وبخشندہ کی توفیق کے سہارے چہرہ صواب سے حجاب اٹھائیں تو سنو جو تم سے کہا جائے۔
المقدمة الاولی ماتظافرت لادلة من العقل والنقل و ناھیك بھما اما مین علی ان الالفاظ لاتصرف عن ظواھر ھا مالم تمس حاجة شدیدة لاتندفع الابه والا لم یکن ھذا تاویلا بل تغییرا وتبدیلا ولو فتح باب التصرفات من دون ضرورة تلجیٔ لارتفع الامان عن النصوص کما لایخفی وھذ بغایة ظھور ہ اغنانا عن تجشم اقامة الدلیل علیه حتی ان بعض العلماء ادرجوه فی متون العقائد وانه لحَقِیق به فان قصاری ھمم المبتدعین عن اخر ھم انما ھو صرف النصوص عن الظواھر وارتکاب تاویلات	**پہلا مقدمہ** عقل ونقل کی بکثرت دلیلیں (اور یہ دونوں امام تمہیں کافی ہیں) اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہر معنی سے پھیرنا منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ کو ظاہر معنی سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغیر وتبدیل ٹھہرے گا اور اگر بے ضرورت پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ نہایت ظاہر ہے اس لئے اس نے ہمیں دلیل قائم کرنے کی زحمت سے بے نیاز کردیا۔ بعض علماء نے اس عقائد کے متون میں رکھا، اور یہ مسئلہ اس کا سزاوار ہے اس لئے کہ سب بدمذہبوں کی ساری کوشش یہی ہے، کہ عبارات شرعیہ ان کے ظاہری معنی سے پھیر دیں اور فاسد

فاسدة واحتمالات كاسدة واعذار باردة فوجب علينا حسم مادتها بايجاب حمل النصوص على مايعطيه ظاهرها الابضرورة ابدا وهذا ظاهر جدًّا۔	تاویلوں اور کھوتے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ کو مقام ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری معنی پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کا مادہ کاٹ دیں، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔
المقدمة الثانية: ليس كل مايذكر فى اكثر التفاسير المتداولة واجب القبول وان لم يساعده معقول ويؤيده منقول، والوجه فى ذلك ان التفسير المرفوع وهو الذى لامحيص عن قبوله ابدا نذر يسير جدا لايبلغ المجموع منه جزء اوجزئين۔	**دوسرا مقدمہ**: بہت سی متداول تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیل عقلی اس کی معین ہو نہ کوئی دلیل شرعی اس کی موید ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر مرفوع (جو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمائی) وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جز بلکہ ایک جز کو بھی نہیں پہنچتا۔
قال الامام الجوينى علم التفسير عسير يسير اما عسره فظاهر من وجوه اظهرها انه كلام متكلم لم يصل الناس الى مراده بالسماع منه، ولا امكان للصول اليه بخلاف الامثال والاشعار ونحوها فان الانسان يمكن علمه منه اذا تكلم بان يسمع منه او ممن سمع منه، واما القرآن فتفسيره على وجه القطع لايعلم الابان يسمع من الرسول صلى الله تعالٰى عليه وسلم و ذلك متعذر الافى	امام جوینی کا قول ہے علم تفسیر مشکل اور کم ہے، اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر ہے، ان میں روشن تر وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے متکلم (عزجلالہ) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے سن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف رسائی کا امکان ہے۔ بخلاف امثال واشعار اور ان جیسی اور باتوں کے کہ انسان کو بولنے والے کی مراد معلوم ہو سکتی ہے جب وہ بولے بایں طور کہ وہ اس سے خود سنے یا اس سے سنے جس نے اس سے سنا ہو۔ رہی قرآن کی قطعی طور پر تفسیر تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہ ہوگی اور وہ (جو سرکار

ایات متعددة قلائل، فالعلم بالمراد یستنبط بامارات ودلائل، والحکمة فیه ان الله تعالٰی اراد ان یتفکر عبادہ فی کتاب، فلم یامر نبیه صلی الله تعالٰی علیه و سلم بالتنصیص علی المراد فی جمیع آیاته [1] اھ وقال الامام الزرکشی فی البرھان للناظر فی القرآن لطلب التفسیر ماخذ کثیرة امھاتھا اربعة الاول النقل عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وھذا ھوالطراز الاول لیکن یجب الحذر من الضعیف فیه والموضوع فانه کثیر [2] الخ۔ قال الامام السیوطی الذی صح من ذلك قلیل جدا بل اصل الوضوع منه فی غایة القلة، وکذلك الماثور عن الصحابة الکرام و التابعین لھم باحسان قلائل لھذہ الطوامیر الکبروالا قاویل الذاھبة شذر مذر فیھا لاخبر ولا اثر و انما حدثت بعدھم لما کثرت الاراء وتجاذبت الاھواء قام کل لغوی ونحوی وبیانی وکل من له	علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا گیا) چند گنتی کی آیتوں کے ماسوامیں تعذر ہے تو مرادالٰہی کا علم امارات ودلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور وفکر کریں لہٰذا اپنے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا اھ۔اور امام زرکشی نے برہان میں فرمایا جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کے لئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں، اول وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہو اور یہی پہلا نمایاں طریقہ ہے، لیکن اس میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف وموضوع) زیادہ ہے الخ۔ امام سیوطی نے فرمایا جو ان کی طرف سے صحیح ہے وہ بہت کم ہے بلکہ اس میں اصل موضوع قلّت ہی ہے۔اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کے لئے کوئی حدیث یا صحابی و تابعی کا قول نہیں، یہ اقوال تو صحابہ وتابعین کے بعد ظاہر ہوئے۔جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں

[1] الاتقان بحوالہ الجوینی فصل الحاجة الی التفسیر دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات ماخذ التفسیر للناظر فی القرآن دار الفکر بیروت ۲/ ۱۵۶

ممارسة بشیئ من انواع علوم القرآن یفسر الکلام العزیز بما سمح به فکره وادی الیه نظره ثم جاء الناس مهر عین وبجمع الاقوال مولعین فنقلوا ما وجدوا وقلیلا مانقدوا فعن هذا جاءت کثرة الاقاویل ختلاط الصواب بالا باطیل۔	کشاکش ہوئی تو ہر لغوی ہر نحوی اور ہر عالم بلاغت اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی۔ پھر لوگ رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے سائق ہوئے تو جو انہوں نے پایا اسے نقل کر دیا اور تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق کی ناحق سے آمیزش آئی۔
وذکر ابن تیمیة کما نقله الامام السیوطی قائلا انه نفیس جدا لذلك وجهین، **احدهما** قوم اعتقدوا معانی، ثم ارادوا حمل الفاظ القرآن علیها۔ **والثانی** قوم فسروا القرآن بمجرد مایسوغ ان یریده من کان من الناطقین بلغة العرب من غیر نظر الی المتکلم بالقرآن والمنزل علیه المخاطب به، فالا ولون راعوا المعنی الذی رأوه من غیر نظر الی ما یستحقه الفاظ القرآن من الدلالة والبیان۔ والاخرون راعوا مجرد اللفظ و مایجوز ان یرید به العربی من غیر نظم الی مایصلح للمتکلم وسیاق الکلام۔	اور ابن تمیمیہ نے جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا کلام یہ کہہ کر نقل کیا کہ وہ بہت نفیس ہے اس کی دو وجہیں ذکر کیں: **پہلی** وجہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرالیا، پھر انہوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا۔ اور **دوسری وجہ** وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے والے کی مراد ہو سکتے ہیں انہوں نے قرآن کے متکلم (باری تعالی) اور جس پر اترا اور جو اس کا مخاطب ہے کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے تو اس معنی کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا، انہوں نے قرآن کے الفاظ کے دلالت اور بیان جس کے وہ الفاظ سز اوار ہیں کہ نظر انداز کر دیا۔ اور دوسروں نے صرف لفظ او جو عربی کی مراد ہو سکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

ثم هوالاء كثيرا ما يغلطون فی احتمال اللفظ لذلك المعنى فی اللغة كما يغلط فی ذلك الذين قبلهم كما ان لاولين كثير اما يغلطون فی صحة المعنى الذی فسروا به القرآن كما يغلط فی ذلك الاخرون وان كان نظر الاولين الى المعنى اسبق ونظر الاخرين الى اللفظ اسبق، والاولون صنفان تارة يسلبون لفظ القرآن مادل عليه واريدبه وتارة يحملونه على مالم يدل عليه ولم يردبه، وفی كلا الامرين قديكون ماقصدوا نفيه او اثباته من المعنى باطلا فيكون خطاهم فی الدليل والمدلول وقديكون حقا فيكون خطاهم فيه فی الدليل لا فی المدلول (الى ان قال) وفی الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم الى ما يخالف ذلك كان مخطئا فی ذلك بل مبتدعا لانهم كانوا اعلم بتفسيره ومعانيه كما انهم اعلم بالحق الذی بعث الله به رسوله[1] اهملخصًا۔	پھر یہ لوگ بسا اوقات لغت کے اعتبار سے لفظ کے اس معنی کو (جو انہوں نے مراد لئے) محتمل ہونے میں خطا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پہلے والے بھی یہی غلطی کرتے ہیں جس طرح یہ اگلے اسی معنی کی صحت میں غلطی کرتے ہیں جس سے انہوں نے قرآن کی تفسیر کی جیسا کہ دوسرے لوگ یہی خطا کرتے ہیں اگرچہ پہلے والوں کی نظر معنی کی طرف پہلے پہنچتی ہے اور دوسروں کی نظر لفظ کی طرف سبقت کرتی ہے اور پہلی جماعت دو صنف ہے کبھی تو لفظ قرآن سے اس کا مدلول و مراد چھین لیتے ہیں اور کبھی لفظ کو اس پر رکھتے ہیں جو اس کا معنی و مطلب نہیں اور دونوں باتوں میں کبھی وہ معنی جس کی نفی اثبات ان کا مقصود ہوتی ہے باطل ہوتا تو ان کی خطا لفظ و معنی دونوں میں ہوتی ہے اور کبھی حق ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں۔ (ابن تمیہ نے یہاں تک کہا) مختصر یہ کہ جو صحابہ وتابعین اور ان کی تفسیر سے پھر کر ان کا خلاف اختیار کرے گا وہ اس میں بر سر خطا ہوگا بلکہ بد مذہب ہوگا اس لئے کہ صحابہ وتابعین کو قرآن کی تفسیر اس کے مطالب کا علم سب سے زیادہ تھا، جس طرح انہیں اس حق کی جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا خبر سب سے زیادہ تھی اھ ملخصًا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۱ و ۴۴۲

ولذا قال الامام ابو طالب طبری فی اوائل تفسیرہ فی القول فی آداب المفسر، ویجب ان یکون اعتمادہ علی النقل عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعن اصحابهم ومن عاصرهم ویتجنب المحدثات[1] الخ۔ قال ابن تمیة ایضا کان النزاع بین الصحابة فی تفسیر القرآن قلیلا جدا وھو (و) عـــه ان کان بین التابعین اکثر منه بین الصحابة فهو قلیل بالنسبة الی مابعدهم[2] الخ۔ وقال السیوطی بعد ما ذکر تفاسیر القدماء "ثم الف فی التفسیر خلائق فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال بترًا فدخل من هنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل، ثم صار کل من یسنح له قول یوردہ، ومن یخطر بباله شیئ یعتمدہ، ثم ینقل ذلك عنه من یجیئ بعدہ ظانا ان له اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح ومن یرجع الیهم فی التفسیر حتی رایت	اور اسی لئے امام ابو طالب طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آداب مفسر کے بیان میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ مفسر کا اعتماد اس پر ہو جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے منقول ہے اور نئی باتوں سے بچے۔ نیز ابن تمیہ کا قول ہے صحابہ کے درمیان قرآن کی تفسیر میں بہت کم اختلاف تھا اور تابعین میں اگرچہ اختلاف صحابہ سے زیادہ ہوا مگر ان کے بعد والوں کی بہ نسبت تھوڑا تھا، اور سیوطی علیہ الرحمہ نے قدماء کی تفسیروں کا ذکر فرمایا کہ فرمایا: پھر تفسیر میں بہت لوگوں نے کتابیں تصنیف کیں تو انہوں نے سندوں کو مختصر کردیا اور ناتمام اقوال نقل کئے تو اس وجہ سے دخیل گھسا اور صحیح وغیر صحیح مخلوط ہوگئے پھر ہر شخص جس کے دل میں کوئی بات آئی اس کو ذکر کرنے لگا۔ اور جس کے فکر میں جو خطرہ گزرا وہ اس پر اعتماد کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد جو آتا رہا وہ اس کے یہ خیالات نقل کرتا رہا اور اس گمان میں کہ اس کی کوئی اصل ہے، سلف صالحین اور ان لوگوں سے جو تفسیر میں مرجع ہیں اور جو وارد ہوا اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ میں نے

عـــه: سقطت هذہ الواؤ من قلم الناسخ وزدناها فی القوسین بعد ما رأینا الاتقان فوجدناها فیه۔ الازهری غفرله

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحواله ابن تیمیه النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۷

من حکی فی تفسیر قولہ تعالٰی غیر المغضوب علیھم و لاالضالین"نحو عشرۃ اقوال،وتفسیر ھا بالیھود و النصارٰی ھو الوارد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم وجمیع الصحابۃ والتابعین و اتباعھم حتی قال ابن ابی حاتم الااعلم فی ذلك اختلافا بین المفسرین[1] (الی ان قال)فان قلت فای التفاسیر ترشد الیہ وتامر الناظر ان یعول علیہ۔ **قلت** تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی ان لہ یؤلف فی التفسیر مثلہ[2] الخ۔وفی المقاصد البرھان والاتقان غیرھا عن الامام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تالی عنہ قال ثلثہ لیس لھا اصل المغازی والملاحم والتفسیر[3] اھ **قلت** وھذا ان لم یکن جاریا علی اطلاقۃ لما(عہ) یشھد بہ الواقع الاانہ	ایسے شخص کو دیکھا جس نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تفسیر میں تقریبًا دس قول نقل کئے حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے یہی منقول ہے کہ اس سے یہود ونصارٰی مراد ہیں یہاں تک کہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ مجھے مفسرین کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں (یہاں تک انہوں نے کہا) اب اگر تم کہو تو کون سی تفسیر کی طرف آپ رہنمائی فرماتے ہیں اور ناظر کو کس پر اعتماد کا حکم دیتے ہیں۔ **میں کہوں گا** تفسیر امام ابوجعفر بن جریر طبری کی تفسیر معتمد علماء نے جس کے لئے بالاتفاق فرمایا کہ تفسیر میں اس کی جیسی کوئی تالیف نہیں ہوئی الخ۔اور مقاصد،برہان اور اتقان وغیرہ میں امام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تین کتابوں کی کوئی اصل نہیں،کتب سیر وغزوات وتفسر اھ۔**میں کہتا ہوں** اگرچہ یہ بات اپنے اطلاق پر جاری نہیں جیسا کہ واقعہ اس کا گواہ ہے مگر یہ بات

عہ:لعلہ کما۔الازھری غفرلہ

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۴و۴۷۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن النور الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۶

[3] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۰

لم یقله مالم یر الخلط غالباً علیها کمالا یخفی وهذا فی زمانه فیکف بما بعده وفی مجمع بحار الانوار عن رسالة ابن تیمیة "وفی التفسیر من هذه الموضوعات کثیرة کما یرویه الثعلبی والواحدی والزمخشری فی فضل السور والثعلبی فی نفسه کان ذاخیر ودین لکن کان حاطب لیل ینقل ماوجد فی کتب التفسیر من صحیح وضعیف وموضوع والواحدی صاحبه کان ابصر منه بالعربیة لکن هو ابعد عن اتباع السلف، والبغوی تفسیره مختصر من الثعلبی لکن صان تفسیره عن الموضوع والبدع[1] اھ، وفیه عن جامع البیان لمعین بن صیفی قد یذکر محی السنة البغوی فی تفسیره من المعانی والحایات ما اتفقت کلمة المتاخرین علی ضعفه بل علی وضعه[2] اھو فیه عن الامام احمد رحمة اللہ تعالٰی انه قال فی تفسیر الکلبی	یقینی ہے کہ امام احمد نے یہ بات نہ کہی جب تک ان کتابوں میں صحیح وسقیم کے خلط کا غلبہ نہ دیکھ لیا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ تو ان کے زمانہ میں تھا تو ان کے بعد کیسی حالت ہوئی ہوگی۔ اور مجمع بحار الانوار میں رسالہ ابن تیمیہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحب خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑہارے کی طرح تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں صحیح، ضعیف، موضوع جو کچھ پاتے نقل کردیتے تھے، اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی پیروی سے بہت دور تھا، اور بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تلخیص ہے، لیکن انہوں نے اپنی تفسیر کو موضاعات اور بدعتوں سے بچایا ہے اور اسی میں جامع البیان مصنفہ معین بن صیفی سے ہے" کبھی محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر میں وہ مطالب وحکایات ذکر کرتے ہیں جسے متاخرین نے یک زبان ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے، اور اسی میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: تفسیر کلبی میں شروع سے

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۱

[2] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۱

من اوله الى اخره كذب لا يحل المنظر فيها [1] اه وقد عد الخليل فى الارشاد اجزاء قائل من التفسر صحت اسانيدها وغالبها بل كلها لا توجد الان اللهم الانقول عنها فى اسفار المتاخرين"قال وهذه التفاسير الطوال التى اسندوها الى ابن عباس غير مرضية ورواتها مجاهيل كتفسير جو يبر عن الضحاك عن ابن عباس [2] الخ۔وقال فاما ابن جريج فانه لم يقصد الصحة وانما روى ماذكر فى كل اية من الصحيح والسقيم ،وتفسير مقاتل بن سليمان فمقاتل فى نفسه ضعفوه وقد ادرك الكبار من التابعين و الشافعى اشار الى ان تفسيره صالح [3]۔ قال المولى السيوطى قدس الله سره واوهى طرقه (يعنى تفسير ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما) طريق الكلبى عن ابى صالح عن ابن عباس فان انضم الى ذلك رواية محمد بن مروان السدى	آخر تک جھوٹ ہے اس کا مطالعہ حلال نہیں اھ۔ اور بے شک خلیلی نے ارشاد میں تھوڑے تفسیر کے جزا ایسے شمار کیے جن کی سندیں صحیح ہیں اور ان کا اکثر بلکہ چند نقول ان کی متاخرین کی کتابوں مین ہیں،ابن تمیمیہ نے کہا اور یہ لمبی تفسیریں جن کی نسبت لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کی ہے ناپسندیدہ ہیں اور اس کے راوی مجہول ہیں جیسے تفسیر جویبر بروایت ضحاک عن ابن عباس الخ۔اور کہا رہے ابن جریج تو انہوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا انہوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کردیا۔اور مقاتل بن سلیمان کا علماء نے فی نفسہ ضعیف بتایا حالانکہ انہوں نے اکابر تابعین سے اور امام شافعی سے ملاقات کی یہ اشارہ ہے کہ ان کی تفسیر لائق قبول ہے اھ۔امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سب سے کمزور سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس سے پھر اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت مل جائے

[1] مجمع بحار الانوار نوع فى تعيين بعض الوضاع وكتبهم مكتبه دار الايمان مدينة المنورة ۵ /۲۳۰

[2] الاتقان فى علم القرآن بحواله الخليلى النوع الثمانون دار الكتاب العربى بيروت ۲/ ۴۷۰

[3] الاتقان فى علم القرآن بحواله الخليلى النوع الثمانون دار الكتاب العربى بيروت ۲ /۴۷۱

الصغير فهى سلسلة الكذب وكثير ا مايخرج منها الثعلبى والواحدى،ولكن قال ابن عدى فى الكامل للكلبى احاديث صالحة وخاصة عن ابى صالح وهو معروف بالتفسير وليس لاحد نفسير اطول منه و لا اشبع،وبعده مقاتل بن سليمان الا ان الكلبى يفضل عليه لما فى مقاتل من المذاهب الرديئة و طريق الضحاك بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاك لم يلقه فان انضم الى ذلك رواية بشربن عمارة عن ابى روق عنه فضعيفة لضعف بشر،وقد اخرج من هذه النسخة كثيرا ابن جرير وابن ابى حاتم،وان كان من رواية جويبر عن الضحاك فاشد ضعفا لان جويبرا شديد الضعف متروك[1] الخ۔قال ورايت عن فضائل الامام الشافعى لابى عبد الله محمد بن احمد بن شاكر القطان انه اخرج بسنده من طريق بن عبد الحكم قال سمعت الشافعى يقول لم يثبت عن ابن عباس فى التفسير الاشبيه	تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے،اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ثعالبی اور واحدی اس سلسلہ سے روایت کرتے ہیں۔لیکن ابن عدی نے کامل میں فرمایا کلبی کی احادیث قابل قبول ہیں اور خصوصًا ابو صالح کی روایت سے اور وہ تفسیر کے سبب معروف ہیں اور کسی کی تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھرپور نہیں،اور ان کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں،مگر کلبی کو ان پر اس لئے فضیلت ہے کہ مقاتل کے یہاں ردی خیالات ہیں،اور سند ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطع ہے اس لئے کہ ضحاک نے ابن عباس سے ملاقات نہ کی،پھر اگر اس کے ساتھ روایت بشر بن عمارہ عن ابی روق مل جائے تو بوجہ ضعف بشر ضعیف ہے،اس نسخہ سے بہت حدیثیں ابن جریر اور ابن حاتم نے تخریج کیں اور اگر جویبر کی کوئی روایت ضحاک سے ہو تو سخت ضعیف ہے اس لئے کہ جویبر شدید الضعف متروک ہے،انہوں نے کہا اور میں نے فضائل امام شافعی مصنفہ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن شاکر قطان میں دیکھا کہ انہوں نے اپنی سند بطریق ابن عبدالحکم روایت کیا کہ ابن عبدالحکم نے فرمایا میں نے امام شافعی کو فرماتے سنا کہ ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تفسیر میں تقریبا سو حدیثیں

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۷۱-۴۷۲ و ۴۷۲

بمائة حدیث[1] قلت وھذہ معالم التنزیل للامام البغوی مع سلامة حالھا بالنسبة الی کثیر من التفاسیر المتداولة و دنوھا الی المشرع الحدیثی یحتوی علی قناطیر مقنطرة من الضعاف والشواذ والواھیات المنکرة و کثیرا ماتدور اسانیدھا علی ھولاء المذکورین بالضعف والجرح کالثعلبی والواحدی والکلبی والسدی و مقاتل وغیرھم ممن قصصنا علیك اولم نقصص فما ظنك بالذین لااعتناء لھم بعلم الحدیث ولا اقتدار علی نقد الطیب من الخبیث کالقاضی البیضاوی وغیرہ ممن یحذو حذوہ.فلا تسئل عما عندھم من اباطیل لازمام لھا ولا خطام دع عنك ھذا یالیتھم اقتصروا علی ذلك لکن بعضھم تعدوا ماھنا لك وسلکوا مسالك تجر الی مھالك فادلجوا فی تفسیر القرآن ماتقف له الشعر وتنکرہ القلوب وتمجه الاذن اذقرر واقصص الانبیاء الکرام والملئکة العظام علیھم الصلوۃ والسلام	ثابت ہیں۔ **میں کہوں گا** اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرفہ حدیث سے قریب ہے بہت ضعیف و شاذ اور واہی منکر روایتوں پر مشتمل ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی اور مقاتل وغیرہم جن کا ہم نے تم سے بیان کیا اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان انکے ساتھ کیسا ہے جنہیں علم حدیث کا اہتمام نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقہ پر چلتے ہیں، تو ان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لئے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کرلے جائیں تو انہوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کردیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل انہیں ناپسند کرتے اور کان انہیں پھینکتے ہیں اس لئے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۲

بما ینقض عصمتھم وینقص اویزیل عن قلوب الجھال عظمتھم کما یظھر علی ذلك من راجع قصة ادم وحواء وداؤد و اوریا وسلیمان والجسد الملقی و الالقاء فی الامنیة والغرانقة العلی وھاروت و ماروت وما ببابل جری فباللہ التعوذ والیه المشتکی فاصابھم فی ذلك ما اصاب اھل السیر والملاحم فی نقل مشاجرات الصحابة. اذجاء کثیر منھا مناقضا للدین وموھنا للیقین وازدارد خنا علی وخن وھنات علی ھنات ان اطلع علی کلامھم بعض من لیس عندہ آثارة من علم ولامتانة من حلم فضل و اضل اما اغترارا بکلما تھم جھلا منه بما فیه من الوبال البعید والنکال الشدید واما ظلما وعلوا لاجتراءہ بذلك علی ابانة مافی قلبه المرض من تنقیص الانبیاء وتفسیق الاولیاء فمضی علیه الکبیر و نشاء علیه الصغیر	انبیاء کرام وملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں کو مقرر رکھا جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی اور جاہلوں کے دل مین ان کی عظمت کم ہوجاتی ہے یا زائل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آدم و حوا وداؤد و اوریا اور سلیمان اور انکی کرسی پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تلاوت کے دوران شیطان کے القاء اور غرانیق عُلی کے واقعات اور ہاروت و ماروت اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے تو اللہ ہی کی پناہ اور اسی سے ان کی شکایت ہے تو ان کو ان باتوں سے وہ مرض لگا جو مصنفین واقعات سیرت ومغازی کو صحابہ کے اختلافات کو نقل کرنے سے لگا اس لئے کہ بہت باتیں دین کے مخالف اور ایمان کو کمزور کرنے والی ان لوگوں سے ظاہر ہوئیں اور فساد پر فساد اور خطاؤں پر خطائیں یوں بڑھ گئیں کہ ان لوگوں کے کلام کی اطلاع کچھ ان لوگوں کو ہوگئی جن کے پاس نہ کچھ بچا کھچا علم تھا نہ عقل کی پختگی، تو وہ خود گمراہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا یا تو ان کے کلمات سے دھوکا کر اس کے وبال شدید وسخت عذاب سے بے خبری میں یا ظلم وسرکشی کی وجہ اسے اس لئے کہ ان باتوں سے انہیں اس کے اظہار کی جرات ہوئی جو انبیاء کی تنقیص اور اولیاء کی تفسیق ان کے دل میں تھی تو اس پر بڑے گزرے اور چھوٹے پروان چڑھے اور یہ

فاختل دین کثیر من الناقصین وصاروا شرا من العوام العامین اذلم یقدروا علی مطالعتها فنجوا عن فتنتها وقد بذل علماء نا النصح للثقلین فشد دو االنکیر علی کلا الفریقین اعنی التفاسیر والوھیة و السیر الداھیة فاعلنوا انکارھا و بینوا عوارھا کالقاضی فی الشفاء والقاری فی الشرح والخفاجی فی النسیم والقسطلانی فی المواھب والزرقانی فی الشرح والشیخ فی المدارج وغیرھم فی غیرھا رحمة الله علیھم اجمعین، والحمدلله رب العالمین، ولقد الان القول ابوحیان اذقال کما نقل الامام السیوطی ان المفسرین ذکروا مالا یصح من اسباب نزول و احادیث فی الفضائل و حکایات لاتناسب وتواریخ اسرائیلیة ولاینبغی ذکر ھذا فی علم التفسیر[1] انتھی،

واعلم ان ھناك اقواما یعتریھم نزغة فلسفیة لما افنوا عمرھم فیھا وظنوھا شیئا شھیا فیولعون بابداء احتمالات

عامی لوگوں سے بدتر ہوگئے کہ عامیوں کو ان کتابوں کے مطالعہ کی قدرت نہ تھی تو وہ ان کے فتنہ سے بچے رہے اور بے شک ہمارے علماء نے دونوں فریقوں کو بھرپور نصیحت کی چنانچہ انہوں نے دونوں فریق کی سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انہوں نے ان کتابوں کا ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا جیسے علامہ قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اور علامہ قاری نے شرح شفا میں اور شیخ (محقق عبدالحق محدث دہلوی) نے مدارج میں اور دوسروں نے دوسری تصانیف میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والحمدللہ رب العلمین، اور یقینا ابوحیان نے بات کو سہل ونرم کیا کہ انہوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل میں وہ حدیثیں ثابت نہیں اور نامناسب حکایات اور تواریخ اسرائیل کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا ذکر تفسیر میں مناسب نہیں، اور تم جان لو کہ اس جگہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں فلسفی وسوسے آتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنی عمر اس میں فنا کی اور اسے موغوب شے گمان کیا تو ان کو دور از کار

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

بعیدۃ ولولم یکن فیھا حلاوۃ ولا علیھا طلاوۃ حتی ذکر بعضھم فی قولہ تعالٰی "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝" [1] ماتعلقت بہ جھلۃ النصاری واخرون ممن یتلجلجون فی الایمان فیلھجون بکلمۃ الاسلام وفی قلوبھم من بغض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانکار معجزاتہ جبال عظام فانا للہ وانا الیہ راجعون ھذا الذی اعیی السیوطی حتی تبرا عنھا کلھا واقتصر علی الارشاد الی تفسیر ابن جریر کما مر نقلہ کما تضجرا الذھبی عن خلاعۃ اکثر السیر والتواریخ فعافھا عن اخرھا الی دلائل البیھقی قائلا انہ النور کلہ وقد دبت ھذہ الفتنۃ الصماء والبلیۃ العمیاء الی کثیر من متاخری المتکلمین الذین اشتد عنایتھم بالتفلسف الخبیث ولم یحصلو ابصیرۃ فی صناعۃ الحدیث حتی انھم یذکرون فی بعض المسائل فضلاعن الدلائل ما لیس من السنۃ فی شی واما	احتمالوں کو ظاہر کرنے کی لت ہے اگرچہ ان میں شیرینی ہو نہ ان پر رونق ہو، یہاں تک کہ کسی نے قول باری تعالٰی "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝" (اور چاند شق ہوگیا) کی تفسیر میں وہ بات ذکر کی جس سے جاہل نصرانی اور دوسرے وہ لوگ جو ایمان میں ثابت نہیں اس لئے زبان سے کلمہ اسلام پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عداوت اور ان کے معجزات کے انکار کے بڑے پہاڑ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے) یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا جیسا کہ اس کی حکایت گزری جس طرح ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے تو انہوں نے اول سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے، اور یہ شدید فتنہ اور ہمہ گیر بلا بہت سے متاخر متکلمین کی طرف سرایت کر گئی (جن کی زیادہ توجہ خبیث فلسفہ پر تھی) اور انہوں نے فن حدیث میں بصیرت حاصل نہ کی یہاں تک کہ یہ لوگ کچھ مسائل میں چہ جائیکہ دلائل میں وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو باتیں سنت سے نہیں۔ رہ گیا

[1] القرآن الکریم ۵۴/۱

مابینهم من قیل وقال وکثرة السوال و الشبه و الجدال، فکن حذورا و لاتسئل عن الخیر اوه علی الله الشکوی۔ فلقد بلغ الامر الی ان الناظر فی تلك الکتب لایکاد یعرف ان هذا ما جاء به ارسطو و افلاطون اوماجاء به محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم وقد ثقل صنیعهم هذا علی العلماء المحتمین للدین ان الامام العامل بعلمه سیدی الشیخ المحقق لما رای ذلك منهم فی مسئلة المعراج لم یتمالك نفسه ان اغلظ القول فیهم الی سماهم ان سماهم ضالین مضلین ولم یکن بدعا فی ذلك بل سبقه فی اقامة الطامة الکبری علیهم ائمة تشار الیهم بالبنان وتقوم بهم ارکان الایمان کما فصله الملاعلی القاری فی شرح الفقه الاکبر ان شئت فطالعه فانك اذا رایت ثم رایت عجبا کبیرا ومن هذا القبیل ما ذکره بعضهم فی مشاجرات الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم اذنسب القول بتفسیق کثیر منهم حتی بعض العشرة المبشرة ایضًا	کو کچھ ان کے درمیان قیل وقال اور کثرت سوال و شبہات وجدال ہیں۔ان سے بہت ڈرتے رہو اور ان کی حالت نہ پوچھو آہ اللہ ہی سے فرماد ہے۔ اس لئے کہ نوبت یہاں پہنچی ان کتابوں کو دیکھنے والا یہ جانتا ہوا نہیں لگتا ہے کہ یہ بات ارسطو اور افلاطون لائے یا یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لائے اور ان کا یہ معاملہ دین کے لئے حمیت والے علماء پر شاق گزار یہاں تک کہ امام عالم باعمل سیدی شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی) نے مسئلہ معراج میں جب ان کی یہ روش دیکھی تو انہیں اپنے اوپر قابو نہ رہا انہوں نے ان لوگوں کے بابت سخت کلام فرمایا یہاں تک کہ انہیں گمراہ و گمراہ گر کا نام دیا اور اس میں وہ نت نئے نہیں بلکہ ان سے پہلے ان پر قیامت کبری ان پیشواؤں نے قائم کی جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اور جن سے ایمان کے ستون قائم ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں میں اس کو مفصل بیان فرمایا ہے تم چاہو تو اس کا مطالعہ کرو اس لئے کہ جب تم اس مقام کو دیکھوگے تو بڑی عجیب بات دیکھوگے،اور اسی قبیل سے وہ ہے جو بعض لوگوں نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات میں ذکر کیا ہے، کہ انہوں نے بہت صحابہ کے یہاں تک کہ دس صحابہ مژدہ یافتگان

الی کثیر من اھل السنة والجماعة وھم واللہ ماقالوا ولا اذنوا فالحق ان الدین لایقوم الا بالحدیث والحدیث مضلة الا للفقیه والفقه لایحصل باتباع الشبه وتحکیم العقل السفیه نجانا اللہ والمسلمین عن شر الجھل و شر العلم فان شر العلم ادھی وامر ولاحول ولا قوة الا باللہ العزیز الحکیم وانما اطبنا الکلام فی ھذاالمقام حوطا علی السنن وکراھة للفتن ان تروج علی المؤمنین او ترعرع الی الدین فیفسد الیقین الافعض علیه بالنواجذ فالنصیح غیر مفتون وایاك ان تخالفه وان افتاك المفتون۔	جنت میں سے کچھ کے فسق کا قول بہت سنی علماء کی طرف منسوب کردیا حالانکہ انہوں نے قطعاً خدا کی قسم یہ بات نہ کہی نہ کسی کے لئے روا رکھی تو حق یہ ہے کہ دین کا نظام تو حدیث سے ہے اور حدیث سے فقیہ کے سوا سب کو گمراہی کا اندیشہ ہے اور فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالٰی ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہل کی شر اور علم کی شر سے بچائے اس لئے کہ علم کی شر بہت سخت اور بہت تلخ ہے اور برائی سے پھرنا اور نیکی کی قدرت اللہ ہی سے ہے جو غلبے والا حکمت والا ہے اور ہم نے اس مقام میں کلام طویل سنت کی حفاظت کے لئے اور اس بات کی کراہیت کے سبب کیا کہ فتنے مسلمانوں میں رواج پائیں یا دین کی طرف چلے آئیں تو ایمان بگڑ جائے، سنتا ہے تو اس کو مضبوطی سے پکڑلو کہ نصیحت پکڑنے والا گمراہ نہیں ہوتا، اور خبردار اس کی مخالفت نہ کرنا اگرچہ فتوٰی دینے والے فتوٰی دیں۔
ایقاظ مھم: اعیذك باللہ ان یستفزك الوھم عن الذی القینا علیك فتفتری علینا غیرہ اویوسوسك قلة الفھم انا لانکترث للتفسیر ولانلقی له	**ضروری تنبیہ:** میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اس بات سے کہ تمہیں وہم اس بات سے ڈگمگادے جو ہم نے تم پر القاء کیا، تو تم ہم پر اس سے جدا بات کا بہتان باندھو یا فہم کی کمی یہ وسوسہ ڈالے کہ ہم تفسیر کی پرواہ نہیں کرتے اور

بالا ولا نسلم له خیرہ وانما المعنی ان غالب الزبر المتداولة لاتسلم من الدخیل وتجمع من الاقوال کل صحیح وعلیل فمجرد حکایتها لایوجب التسلیم ولایصدالناقد عن نقد السقیم فماهی عندنا اسوء حالامن اکثر کتب الاحادیث اذنعاملها مرة بالترك ومرة بالاحتجاج لما نعلم انها ترد کل مورد فتحمل تارة عذبا فراتا وتاتی مرة بملح اجاج، وبالجملة فالامر یدور علی نظافة الحدیث سندا ومتنا فاینما وجدنا الرطب اجتنینا وان کان فی منابت الحنظل وحیثما راینا الحنظل اجتنبنا وان نبت فی مسیل العسل۔	اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں اور ہم اس کی اچھی بات بھی نہیں مانتے، مقصد صرف اتنا ہے کہ اکثر کتب متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ ہر صحیح وسقیم قول کو اکٹھا کرتی ہین تو ان کتابون میں کسی قول کی مجرد حکایت اس کا مان لینا واجب نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کا حال ہمارے نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ برا نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ پر اترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اٹھالیتی ہیں اور کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی ہیں، بالجملہ مدار کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی) سند و متن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم میٹھا پھل پائیں گے اسے چن لیں گے اگرچہ وہ کسی خراب جگہ اگا ہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے تو اس کو چھوڑدیں گے اگرچہ وہ شہد کی نہر میں اگا ہو۔
ولقد علمت ان اکثر هذاالداء العضال انمادخل التفاسیر من باب الاعضال وفی امثال تلك المحال اذا لم یعرف السند یؤل الامر الی نقد المقال فما کان منها یناضل النصوص ویرد المنصوص اوفیه ازراء بالرسل والانبیاء اوغیر ذلك ممالا یحتمل علمنا انه قول مغسول	اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں جب سند معروف نہ ہو مآل کار بات کو پرکھنا ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوب کو رد کرتی ہو یا اس میں رسل وانبیاء کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابل قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھودینے کے قابل ہے اور اگر

وان کان بریئا من الافات نقیا من العاھات قبلناہ علی تفاوت عظیم بین قبول وقبول ولیس ھذا من باب مانھینا عنه من الاجتراء علی التفسیر بالاراء ومعاذ الله ان نجتری علیه فان علم التفسیر اشد عسیر ویحتاج فیه الی ما لیس بحاصل ولا میسر کما قد فصل بعضه العلامة السیوطی رحمة الله تعالٰی علیه وکذلك اذا اتانا منها مافیه العدول عن ظاھر المدلول وصح ذلك عمن لا یسعنا خلافه اوکانت ھناك خلة لا تنسد الابه تعین القبول والا فدلالة کلام الله تبارك وتعالٰی احق بالتعویل من قال وقیل ھذا الذی قصد فلا تنقص ولا تزد۔	خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے باوجودیکہ اسے قبول کرنے میں اور دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے اور تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا، اور اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس پر جرات کریں اس لئے کہ علم تفسیر سخت دشوار ہے اور اس میں اس کی حاجت ہے جو ہمیں حاصل نہیں اور نہ اس کا حاصل ہونا آسان ہے جیسا کہ ان علوم ضروریہ میں سے بعض کی تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمائی ہے اور یونہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنی سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچتا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل وقال سے اعتماد کی زیادہ حقدار ہے یہی ہمارا مقصود ہے تو اس سے نہ کم کرو نہ زیادہ۔
قال الامام السیوطی قال بعضھم فی جواز تفسیر القرآن بمقتضی اللغة روایتان عن احمد وقیل الکراھة تحمل علی صرف الایة عن ظاھرھا الی معان خارجة محتملة یدل علیھا القلیل من کلام العرب ولا یوجد غالبا الافی الشعر ونحوہ ویکون المتبادر خلافھا[1] اھ"	امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: بعض علماء نے فرمایا کہ مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر کے جواز میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں اور کچھ کا قول یہ ہے کہ کراہت اس پر محمول ہے کہ آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر ایسے معانی خارجہ محتملہ پر محمول کرے جن پر قلیل کلام عرب دلالت کرتا ہو اور وہ غالبا اور اس کے مثل کلام کے سوا عام بول چال میں نہ پائے جائیں اور ذہن کا تبادر اس کے خلاف ہو اھ۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۴

وقال عن برھان الزرکشی "کل لفظ احتمل معنیین فصاعدا فھو الذی لایجوز لغیر العلماء الاجتھاد فیه، وعلیھم اعتماد الشواھد والدلائل دون مجرد الرأی، فان کان احد المعنیین اظھر وجب الحمل علیه الاان یقوم دلیل علی ان المراد ھو الخفی[1] اھ	اور سیوطی نے برہان سے حکایت کیا: ہر وہ لفظ جو دو یا دو سے زائد معنی کا احتمال رکھے اس میں تو غیر علماء کو اجتہاد جائز نہیں اور علماء کو لازم ہے کہ وہ شواہد ودلائل پر بھروسہ کریں نہ کہ محض رائے پر، تو اگر دو معنی میں سے ایک ظاہر تر ہے تو اسی پر محمول کرنا واجب ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو کہ مراد خفی ہی ہے اھ۔
وقال قال العلماء یجب علی المفسران یتحری فی التفسیر مطابقة المفسر و ان یتحرز فی ذلك من نقص عما یحتاج الیه فی ایضاح المعنی اوزیادة لا تلیق بالغرض ومن کون المفسرفیه زیغ عن المعنی و عدول عن طریقه وعلیه بمراعاة المعنی الحقیقی و المجازی، ومراعاة التالیف والغرض الذی سیق له الکلام[2] الخ۔	اور فرمایا: علماء کا قول ہے کہ مفسر پر واجب ہے کہ وہ تفسیر میں یہ تجویز کرے کہ تفسیر لفظ مفسر کے مطابق ہو اور اس سے کم کرنے سے بچے جس کی حاجت توضیح مراد کے لئے ہو اور ایسے لفظ کو زیادہ کرنے سے احتراز کرے جو مقصد کے مناسب نہ ہو، اور اس بات کی احتیاط رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کی راہ سے عدول نہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ معنی حقیقی ومجازی کی رعایت کرے اور ترکیب اور اس غرض کی جس کے لئے کلام ذکر کیا گیا رعایت رکھے۔
المقدمة الثالثة: کثیرا ماتری المفسرین یذکر بعضھم تحت الایة وجھا من التاویل والبعض الاخرون وجھا اخر وربما جمعوا وجوھا کثیرة وغالبه لیس من باب الاختلاف	**مقدمہ سوم:** مفسرین کو تم بہت دیکھوگے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کردیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اختلاف وتردد کے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۱

اوالتردد المانع عن التمسك باحدها لاسیما الاظهر الانور منها و انماهو تفنن فی المرام ،اوبیان لبعض ماینتظمه الكلام وذالك ان القرآن ذو وجوہ وفنون ولكل حرف منه غصون وشجون و له عجائب لاتنقضی ومعان تمد ولا تنتھی فجاز الاحتجاج به علی كل وجوهه و هذا من اعظم نعم الله سبحنه وتعالٰی علینا ومن ابلغ وجوہ اعجاز القرآن ولو كان الامر علی خلاف ذلك لعادت النعمة بلیة والاعجاز عجزا والعیاذ بالله تعالٰی وقد وصف الله سبحنه وتعالٰی القرآن بالمبین، فلیس تنوع معاینه كتذبذب المحتملات فی كلام مبھم مختلط لایستبین المراد منه، ولقد قال الله تبارك وتعالٰی "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا(۱۰۹)"[1] وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی مااخرج ابو نعیم وغیرہ	باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اخذ کرنا دوسری سے تمسک کامانع ہو خصوصاان میں جو ظاہر تر اور روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیان مقصد میں تفنن عبارت ہے یاکلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ کو بیان کردینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں اوراس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے، لہٰذااس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے اور یہ ہمارے لئے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے اور قرآن کے اعجاز کے اسباب بلیغہ سے ایک سبب ہے،او راگر معاملہ اس کے برخلاف ہوتا تو نعمت مصیبت ہوجاتی اور اعجاز عجز ہوجاتاوالعیاذ باللہ تعالٰی،اور اللہ تعالٰی نے قرآن کا وصف مبین فرمایا ہے تواس کے معانی کا قسم قسم ہونا کلام مبہم میں جس کی مراد ظاہر نہ ہو، محتملات کے تردد کی طرح نہیں اور یقینااللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے محبوب ! تم فرماؤاگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہوجائے تو سمندر ختم ہوجائے گااور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسااور اس کی مدد کولے آئیں۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیساکہ ابو نعیم وغیرہ نے حضرت

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۹

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما القرآن ذلول ذو وجوہ فاحملوہ علی احسن وجوھہ[1] رضی اللہ تعالٰی عنہما کما اخرج ابن ابی حاتم عنہ ان القرآن ذو شجون وفنون وظھور وبطون لاتنقضی عجائبہ ولا تبلغ غایتہ[2] الحدیث۔ قال السیوطی قال ابن سبع فی شفاء الصدور ورد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال لایفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا، وقد قال بعض العلماء لکل ایۃ ستون الف فھم[3] انتھی ملخصًا۔ وللہ در الامام البوصیری حیث یقول ؎ لھا معان کموج البحر فی مدد وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم فلا تعد ولا تحصی عجائبھا ولا تسام علی الاکثار بالسام[4]	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا قرآن نرم و آسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تو اسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔ اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی ومطالب اور ظاہری وباطنی پہلو رکھتا ہے، اس کے عجائب بے انتہا ہیں اس کی بلندی تک رسائی نہیں (الحدیث) سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابن سبع نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے مختلف وجوہ نہ جان لے، اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں۔ اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں قرآنی آیات کے وہ معانی کثیر ہیں جیسے سمندر کی موج افزائش میں، اور وہ حسن وقیمت میں سمندر کے گہر سے بڑھ کر ہیں تو ان آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہوسکے نہ شمار میں آئیں، اور اس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۷ و ۴۴۶

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۰

[3] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۰

[4] الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ہند، ص ۴۰

فثبت بحمد الله ان بعض معانيه لاينافی بعضا ولا يوجب وجه لوجه رفضا من جراء هذا تری العلماء لم يزالو محتجين علی احد التاويلات، ولم يمنعهم عن ذلك علمهم بان هناك وجوها اخر لاتعلق لها بالمقام، وعلام كان يصدهم وقد علموا ان القرآن حجة بوجوهه جميعا وليس هذا لاتفننا وتنويعا هذا هوالاصل العظيم الذی يجب المحافظة عليه، انبانا المولی السراج عن المفتی الجمال عن السنة السندی عن الشيخ صالح عن محمد بن السنة وسليمان الدرعی عن الشريف محمد بن عبدالله عن السراج بن الالجائی عن البدر الكرخی والشمس العلقمی كلهم عن الامام جلال الملة و الدين السيوطی قال فی الاتقان ناقلا عن ابن تيمية الخلاف بين السلف فی التفسير قليلل وغالب مايصح عنهم من الخلاف يرجع الی اختلاف تنوع الاختلاف تضاد۔ وذلك صنفان: **احدهما** ان يعبر واحد منهم عن المراد بعبارة غير عبارة صاحبه تدل علی معنی فی المسمی غير المعنی الاخر من اتحاد المسمی	اب بحمد اللہ ثابت ہوا کہ اس قرآن کا کوئی معنی دوسرے کے متنافی نہیں اور کوئی وجہ دوسری وجہ کو چھوڑ دینا واجب نہیں کرتی اسی وجہ سے تم دیکھو گے کہ علماء ایک تاویل پر بنائے دلیل رکھتے ہیں اور اس بات سے باز نہیں رکھتا انہیں ان کا یہ علم کہ اس جگہ دوسری وجوہ بھی جن کو ان کے مقصد سے تعلق نہیں، اور کاہے کو باز رکھے حالانکہ انہیں خبر ہے کہ قرآن اپنی تمام وجوہ پر حجت ہے اور یہ اختلاف وجوہ تو محض تفنن کلام و تلون عبارت ہے، ہمیں خبر دی مولی سراج نے مفتی جمال سے انہوں نے سند سندی سے انھوں نے شیخ صالح سے انھوں نے محمد بن السنۃ اور سلیمان درعی سے انہوں نے شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے سراج بن الالجائی سے انہوں نے بدر کرخی و شمس علقمی سے، ان سب نے جلال الملۃ والدین سیوطی سے روایت کی کہ انہوں نے اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل فرمایا کہ تفسیر میں سلف کے درمیان اختلاف کم ہے اور اکثر اختلاف جو سلف سے ثابت ہے اختلاف طرز تعبیر کی طرف لوٹتا ہے متضاد باتوں کا اختلاف نہیں اور یہ (تعبیروں کا اختلاف) دو صنف ہے: ان میں سے **ایک صنف** یہ کہ ان لوگوں میں سے کوئی اپنی مراد کی تعبیر ایک عبارت سے کرے جو اس کے ساتھی کی عبارت سے جداگانہ ہو اور معنی ایک ہو جیسے علماء نے

کتفسیر هم الصراط المستقیم "بعض بالقرآن ای اتباعه و بعض بالاسلام فالقولان متفقان لان دین الاسلام هو اتباع القرآن ولکن کل منها نبه علی وصف غیر الوصف الاخر کماان لفظ الصراط یشعر بوصف ثالث، وکذلك قول من قال هو السنة و الجماعة وقول من قال هو طریق العبودیة وقول من قال هو طاعة الله ورسوله و امثال ذلک. فهؤلاء کلهم اشاروا الی ذات واحدة ولکن وصفها کل منهم بصفة من صفاتها۔	الصراط المستقیم کی تفسیر کی کسی نے قرآن کہا یعنی قرآن کی پیروی اور کسی نے اسلام تو یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی پیروی ہے۔ لیکن ان دونوں نے ایک دوسرے کے وصف سے جدا ایک وصف پر متنبہ کیا جیسے کہ لفظ صراط تیسرے وصف کی خبر دیتا ہے اسی طرح اس کی بات جس نے یہ کہا تھا کہ صراط مستقیم مسلک اہل سنت و جماعت ہے اور اس کی بات جس نے کہا کہ وہ طریق بندگی ہے اور اس کا قول جو بولا کہ وہ اللہ ورسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی اطاعت ہے اور جیسے اس طرح کے دوسرے اقوال اس لئے کہ ان سب نے ایک ذات کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت اس کی صفات سے بیان کردی۔
الثانی ان یذکر کل منهم من الاسم العام بعض انواعه علی سبیل التمثیل وتنبیه المستمع علی النوع، لاعلی سبیل الحد المطابق للمحدود فی عمومه و خصوصه مثاله مانقل فی قوله تعالٰی ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایة فمعلوم ان الظالم لنفسه یتناول المضیع للواجبات والمنتهك للحرمات و المقتصد یتناول فاعل	**دوسری صنف** یہ ہے کہ ہر عالم لفظ عام کی کوئی قسم مثال کے اوپر ذکر کرے اور مخالف کو اس نوع پر متنبہ کرے اور اس نوع کو ذکر کرنا ذات اس کے عموم و خصوص میں ذات کی حد تام و تعریف تمام کے طور پر نہ ہو وہ جو اللہ تعالٰی کے قول ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایۃ کی تفسیر میں منقول ہوا اس لئے کہ معلوم ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس کو شامل ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے اور مقتصد

الواجبات وتارك المحرمات، والسابق يدخل فيه من سبق فتقرب بالحسنات مع الواجبات فالمقتصدون اصحاب اليمين والسابقون السابقون اولئك المقربون، ثم ان كلامنهم يذكر هذا فى نوع من انواع الطاعات كقول القائل السابق الذى يصلى فى اول الوقت، والمقتصد الذى يصلى فى اثنائه والظالم لنفسه الذى يؤخر العصر الى الاصفرا ر او يقول السابق المحسن بالصدقة مع الزكوة، والمقتصد الذى يؤدى الزكاة المفروضة فقط، والظالم مانع الزكوة[1] اھ وعن الزركشی "ربما يحكى عنهم عبارات مختلفة الالفاظ فيظن من لافهم عنده ان ذلك اختلاف محقق فيحكيه اقوالا و ليس كذلك بل يكون كل واحد منهم ذكر معنى من الاية لكونه اظهر عنده او اليق بحال السائل وقد يكون بعضهم يخبر عن الشيئ بلازمه ونظيره والاخر بمقصوده	واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والے کو شامل ہے اور سابق میں وہ داخل ہے جو سبقت کرے تو واجبات کے ساتھ حسنات سے اللہ کی قربت حاصل کرے تو مقتصد لوگ دہنے ہاتھ والے ہیں اور سابق سابق ہیں وہی اللہ کے مقرب ہیں پھر ان میں سے ہر عالم اس مثال کو انواع عبادات میں سے کسی قسم میں ذکر کرتا ہے جیسے کسی نے کہا: سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھے اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں پڑھے اور ظالم وہ ہے جو عصر کو سورج زرد ہونے تک موخر کردے، اور کوئی کہے، سابق وہ ہے جو صدقہ نفل زکوۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے، اور مقتصد وہ ہے جو صرف زکوۃ فرض دے، اور ظالم وہ ہے جو زکوۃ نہ دے اھ۔ اور سیوطی نے زرکشی سے نقل کیا بسااوقات علماء سے مختلف عبارتیں منقول ہوتی ہیں تو جو فہم نہیں رکھتا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے، حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم آیت کا ایک معنی ذکر کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے نزدیک ظاہر تر یا حال سائل کے زیادہ شایاں ہوتا ہے اور کبھی کوئی عالم شے کا لازم یا اس کی نظیر بتاتا ہے اور دوسرا اس کا مقصود

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۳۸

وثمرته والکل یؤل الی معنی واحد غالبا[1] الخ وعن البغوی والکواشی وغیرھما التاویل صرف الایة الی معنی موافق لما قبلھا وبعدھا تحتملہ الایة غیر مخالف للکتاب والسنة من طریق الاستنباط غیر محظور علی العلماء بالتفسیر کقولہ تعالٰی "انفروا خفافا وثقالا" قیل شبابا وشیوخا، وقیل اغنیاء و فقراء، قیل عزابا ومتاھلین، وقیل نشاطا وغیر نشاط وقیل اصحاء ومرضی وکل ذلك سائغ والایة تحتملہ[2] الخ، وھذا فصل عمیق بعید لوفصلنا فیہ الکلام خرج بناء عما نحن بصددہ من المراد، فیما اوردناہ کفایة الاولی الاحلام لاسیما من لہ اجالة نظر فی کلمات المفسرین وتمسکات العلماء بالقرآن المبین۔	وثمرہ بتاتا ہے اور اکثر سب کا بیان ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے الخ۔ اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے بغوی وکواشی وغیرہما سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ تاویل براہ استنباط آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو اس کی اگلی آمد پچھلی آیت کے موافق ہو، اور آیت اس کا احتمال رکھتی ہو اور وہ معنی کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو، ایسی تاویل ان لوگوں کو منع نہیں جنہیں تفسیر کا علم ہے، جیسے اللہ تعالٰی کے قول "انفروا خفافا وثقالا (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) میں کسی نے کہا: بوڑھے اور جوان۔ اور کسی نے کہا غنی وفقیر۔ اور کسی کا قول ہے۔ شادی شدہ اور مجرد۔ اور کسی کا قول ہے: چست وسست۔ اور کسی نے کہا: صحت مند وبیمار (یعنی یہ سب کوچ کریں) اور یہ تمام وجوہ بنتی ہیں اور آیت سب کی محتمل ہے اور یہ فصل وسیع وعریض ہے اگر ہم اس میں مفصل کلام کریں تو وہ کلام ہمیں ہمارے اس مقصود سے باہر کردے گا جس کے ہم درپے ہیں، اور جو ہم نے ذکر کیا اس میں سمجھ والوں اور ان کے لئے جن کی نظر کلمات مفسرین اور علماء کے قرآن سے تمسکات میں رواں ہے، کفایت ہے۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۴۴

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۴۸

المقدمة الرابعة: هذا التاویل الذی فتحنا ابواب الکلام علی ایھا نہ اعنی تفسیر الاتقی بالتقی انما ھو مروی عن ابی عبیدة کما صرح بہ العلامة النسفی رحمہ اللہ تعالٰی فی مدارك التنزیل[1] وحقائق التاویل وابوعبیدة ھذا رجل نحوی لغوی من الطبقة السابعة اسمہ معمر بن المثنی کان یری رأی الخوارج وکان سلیط اللسان وقاعا فی العلماء وتلمیذہ ابو عبیدالقاسم بن سلام احسن منہ حالا وابصر منہ بالحدیث انبأنا مفتی مکة سیدی عبدالرحمن عن جمال بن عمر عن الشیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی عن ابن السنة عن المولی الشرف عن محمد ابن ارکماش الحنفی عن حافظ ابن حجر العسقلانی قال فی التقریب معمر بن المثنی ابو عبیدة التیمی مولاھم البصری النحوی اللغوی صدوق اخباری وقدرمی برای الخوارج من السابعة مات سنة ثمان ومائتین وقیل بعد ذلك وقد قارب المائة[2] انتھی۔	**چوتھا مقدمہ:** یہ تاویل جس کے ضعف بتانے کے لئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے (یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابو عبیدہ سے منقول ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں کی ہے، اور یہ ابوعبیدہ ایک آدمی ہے نحو ولغت کا عالم، جو ساتویں طبقہ پر ایک فرد ہے، اس کا نام معمر بن المثنی ہے، خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا، اور یہ بدزبان علماء کا بدگو تھا، اور اس کے شاگرد ابو عبید قاسم بن سلام کا حال اس سے اچھا تھا اور انہیں حدیث میں اس سے زیادہ بصیرت تھی۔ مجھے مفتی مکہ سیدی عبدالرحمٰن نے جمال بن عمر سے خبر دی انہوں نے شیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی سے روایت کی انہوں نے ابن السنۃ سے انہوں نے مولی شریف سے انہوں نے محمد بن ارکماش حنفی سے انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں فرمایا معمر بن مثنی ابو عبیدہ تیمی بنو تیم کا آزاد کردہ، بصری نحوی، لغوی سچا ہے تاریخ کا راوی ہے، اور خوارج کے مذہب سے متہم کیا گیا، طبقہ ہفتم کے علماء سے ہے ۲۰۸ھ میں انتقال ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ اس کے بعد وفات ہوئی اور عمر تقریبًا سو سال ہوئی انتھی۔

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[2] تقریب التھذیب ترجمہ ۶۸۳۶ معمر بن المثنی دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۰۳

وقد قال ابن خلکان کما نقل الفاضل عبد الحی فی مقدمة عـــه الھدایة ابو عبید بغیر تاء مذکور فی باب الجنایات من کتاب الحج اسمه القاسم بن سلام ذاباع طویل فی فنون الادب والفقه، قال القاضی احمد بن کامل کان ابوعبید فاضلا فی دینه متفننا فی اصناف العلوم من القراءات والفقه العربیة و الاخبار حسن الروایة صحیح النقل روی عن ابی زید والاصمعی وابی عبیدہ وابن الاعرابی والکسائی والفراء وغیرھم وروی الناس من کتبه المصنفة بضعة وعشرین فی الحدیث والقراءات والامثال ومعانی الشعر وغریب الحدیث وغیر ذلك ویقال انه اول من صنف فی غریب الحدیث، وقال الھلال مَنَّ اللہ تعالٰی علی ھذہ الامة باربعة فی زمانھم الشافعی فی فقه الحدیث وباحمد بن حنبل فی المحنة ولولاہ لکفر الناس وبیحیی بن معین فی ذب الکذب عن الاحادیث وبابی عبید القاسم بن	اور ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل عبدالحیٔ نے مقدمہ ہدایہ میں کہا: ابو عبید بغیر تاء کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے فنون وفقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے دین میں فاضل مختلف علوم قراءات وفقہ وعربیت وتاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت حسن ہے اور نقل صحیح ہے انہوں نے ابوزید واصمعی وابو عبیدہ وابن الاعرابی وکسائی وفراء وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان کی تصنیفات سے حدیث وقراءت وامثال ومعنی شعر واحادیث غریبہ وغیرہا میں تئیس سے انتیس تک کتابوں کو روایت کیا، اور کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب الحدیث میں تالیف فرمائی۔ اور ہلال نے فرمایا اللہ تعالٰی نے اس امت پر اپنے اپنے زمانہ میں چار شخصوں سے منت رکھی، شافعی سے فقہ حدیث میں اور احمد بن حنبل سے ان کی آزمائش کے سبب (یعنی وہ آزمائش جس میں حضرت امام احمد بن حنبل زمانہ مامون میں مخالفت عقیدۂ خلق قرآن کے سبب مبتلا ہوئے) اور اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ

عـــه: فی الاصل بیاض وعبارة المقدمة منقولة من المترجم ۱۲ النعمانی۔

سلام فی غریب الحدیث و کانت وفاتہ بمکۃ وقیل بالمدینۃ سنۃ اثنتین اوثلث وعشرین ومائتین وقال البخاری سنۃ اربع وعشرین۔ ویوجد فی بعض نسخ الھدایۃ فی الموضع المذکور ابو عبیدۃ بالتاء واسمہ معمر بن المثنی وقد ذکرنا ترجمتہ فی الاصل وقال العینی فی شرحہ ابو عبید اسمہ معمر بن المثنی التیمی، وفی بعض النسخ ابو عبیدۃ بالتاء واسمہ القاسم بن سلام البغدادی، والاول اصح انتھی، وھذا مخالف لما فی تاریخ ابن خلکان وغیرہ من التواریخ المعتمدۃ من ان ابا عبید بغیر التاء کنیۃ القاسم وبالتاء کنیۃ معمر[1]۔	کافر ہوجاتے، اور یحیٰی بن معین سے یوں منت رکھی کہ انہوں نے احادیث سے دروغ کو الگ کردیا اور ابوعبید بن قاسم بن سلام سے غریب احادیث کو جمع کرنے میں، ان کی وفات مکہ میں ہوئی، اور ایک قول پر مدینہ میں ۲۲۳ھ یا ۲۲۲ھ میں ہوئی اور بخاری نے سن وفات ۲۲۴ھ میں فرمایا، اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یوں ہے موضع مذکور میں ابو عبیدۃ بالتاء اور ان کا نام معمر بن مثنی ہے اور ہم نے اس کے حالات اصل میں ذکر کئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ابو عبید معمر بن مثنی بن تیمی ہے۔ اور بعض نسخوں میں ابوعبیدۃ بالتاء ہے اور ان کا نام قاسم بن سلام بغدادی ہے، اور پہلا قول اصح ہے۔ اور یہ بات اس کے مخالف ہے جو تاریخ ابن خلکان وغیرہ تواریخ معتمدہ میں ہے کہ عبید بغیر تاء قاسم کی کنیت ہے اور تاء کے ساتھ معمر کی کنیت ہے۔
واما قدماء العلماء ککنیف ملئ علما حامل تاج المسلمین نعال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ مسعود وحبر الامۃ سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس وعروۃ بن زبیر وشقیقہ عبداللہ وافضل التابعین سعید	رہے علمائے متقدمین جیسے علم سے بھرے ہوئے ظرف حامل تاج مسلمانان نقش پائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود اور عالم امت سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس اور عروہ بن زبیر اور ان کے سگے بھائی عبداللہ اور افضل التابعین سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم

[1] مذیلۃ الدرایۃ لمقدمۃ الھدایۃ لعبد الحی مع الھدایۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ص ۴

بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عھنم اجمعین فقد روینا لك ماقالوا فی الایۃ۔

المقدمۃ الخامسۃ:لعلك یا من یفضل علیا علی الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین تفرح و تمرح ان ھؤلاء المفسرین انما عدلوا عن الاتقی الی التقی کیلا یلزم تفضیل الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ علی من عداہ وحاشاہم عن ذلک،الاتری انھم کما فسروا الاتقی بالتقی کذلك اولوا الاشقی بالشقی فاین ھذا من قصد ك الذمیم الذی ترید لاجلہ تغییر القرآن العظیم وانما الباعث لھم علی ذلك ما ذکرہ ابو عبیدۃ بنفسہ۔

انبانا سراج العلماء عن المفتی ابن عمر عن عابد سندی عن یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد بن ا لعلاء عن حسن العجیمی عن خیر الدین الرملی عن العلامۃ احمد بن امین الدین بن عبد العال عن ابیہ عن جدہ عن العزعبد الرحیم بن الفرات عن ضیاء الدین محمد بن محمد الصنعانی عن قوام الدین مسعود بن ابراھیم الکرمانی عن

تو ہم آیت کریمہ کی تفسیر میں ان کے اقوال تمہارے لئے روایت کرچکے۔

پانچواں مقدمہ:اے تفضیلیہ شاید تو خوش ہو اور فخر کرے یہ مفسرین اتقی سے تقی کی طرف اسی لئے پھرے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فضیلت ان کے ماسوا دوسرے صحابہ پر لازم نہ آئے اور وہ اس خیال سے بری ہیں۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ انہوں نے جس طرح اتقی کی تفسیر تقی سے کی یونہی اشقی کی تاویل شقی سے کی تو مفسرین کی اس روش کو تیرے اس بد ارادے سے کیا علاقہ ہے جس کے لئے تو قرآن عظیم کو بدلنا چاہتا ہے،ان کے لیے اس تفسیر پر ابوعبیدہ کا قول مذکور باعث ہوا۔

ہمیں سراج العلماء نے خبردی مفتی ابن عمر سے انہوں نے روایت کی عابد سندی سے انہوں نے یوسف مزجاجی سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ محمد بن علاء سے انہوں نے حسن العجیمی سے روایت کی انہوں نے خیر الدین رملی سے انہوں نے علامہ احمد بن امین الدین بن عبد العال سے انہوں نے اپنے باپ سے پھر اپنے دادا سے انہوں نے عزعبد الرحیم بن فرات سے انہوں نے ضیاء الدین محمد بن محمد صنعانی سے انہوں نے قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانی سے انہوں نے مولی

المولی حافظ الدین ابی البرکات محمود النسفی قال فی مدارك التنزیل قال ابو عبیدۃ الاشقی بمعنی الشقی و ھو الکافر، والاتقی بمعنی التقی وھو المؤمن لانه لا یختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولابا لنجاۃ اتقی الاتقیاء وان زعمت انه تعالٰی نکر النار فاراد نارا مخصوصة بالاشقی، فما تصنع لقوله وسیجنبها الاتقی الذی لان الاتقی یجنب تلك النار المخصوصة لا الاتقی منهم خاصة[1] انتھی۔	حافظ الدین ابو البرکات محمود نسفی سے روایت کیا کہ (علامہ نسفی نے) مدارک التنزیل میں فرمایا ابو عبیدہ نے کہا اشقی بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے، اور اتقی تقی کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مومن ہے، اس لئے کہ آگ میں جانا سب اشقیاء سے بڑھ کر شقی کی خصوصیت نہیں ہے اور نجات پانا سب پرہیزگاروں سے افضل کے لئے مخصوص نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا (اور نکرہ جب محل اثبات میں ہو تو اس سے مراد فرد مخصوص ہوتا ہے) تو اللہ تعالٰی کی مراد ایک مخصوص نار ہے تو تم (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے ساتھ کیا کروگے اس لئے کہ ہر متقی اس نار مخصوص سے دور رکھا جائے گا نہ کہ خاص کر سب سے بڑا متقی۔
وتلخیص المقام: ان قوله سبحنه وتعالٰی "فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾ لَا يَصۡلٰىهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِىۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾" [2] لایمکن اجراءہ علی ظاھرہ لانه یقتضی قصر دخول النار علی اشقی الاشقیاء من الکفار فیلزم ان	**مقام تلخیص**: یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کے قول "فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾ لَا يَصۡلٰىهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِىۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾" (تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) کو اس کے ظاہر معنی پر جاری رکھنا ممکن نہیں اس لئے

[1] مدارك التنزیل (تفسیر المدارک) تحت الایۃ ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۲۳

[2] القرآن الکریم ۹۲/۱۴تا۱۶

لایدخلها احد غیرہ کالفجار والکافرین القاصرین عنه فی الشقاء والاستکبار وھذا باطل قطعا فاختار الواحدی والرازی والقاضی المحلی وابو السعود واخرون ماملحظه ان لیس المراد بالاشقی رجل مخصوص یکون اشقی الاشقیاء بل المعنی من کان بالغا [عہ] فی الشقاء	کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بد نصیبوں سے بڑا بد نصیب ہو تولازم آئے گا کہ وہ فجار و کفار جو بد نصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رتبے کے بد نصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں، اور یہ قطعاً باطل ہے، لہٰذا واحدی و رازی و قاضی و محلّی وابو السعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ ہے کہ اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے بڑا شقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور

عہ:قوله بالغا فی الشقاء الخ"انت خبیر بانا قررنا کلامهم بحیث یندفع عنه یراد قوی کان یتخالج فی صدری تقریر الایراد ان المؤمن الفاجر له قسط من الشقاوۃ کما ان له قسطا عظیما من السعادۃ.ولیس ان الشقاء یختص بالکفرۃ.الاتری ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم سمی الخبیث الشقی عبدالرحمن بن ملجم الذی قتل السید الکریم المرتضی رضی الله تعالٰی عنه وخضب الحیة الکریمة بدم راسه الاقدس اشقی الاخرین کما ورد بطریق عدیدۃ عن سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجهه وانما کان ھذاك الخبیث رجلا من الخوارج واذا کان الامر ھکذا

(قولہ بد بختی میں حد کو پہنچا ہوا لخ) تم خبر دار ہو کہ ہم نے ان علماء کے کلام کی تقریر اس طور پر کی جس سے وہ قوی اعتراض جو میرے سینے میں متردد تھا دفع ہو جائے۔اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مومن فاجر کے لئے بد بختی سے ایک حصہ ہے جیسا کہ اس کے لئے سعادت سے عظیم بہرہ ہے اور ایسا نہیں کہ بد بختی کافروں کیلئے خاص ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خبیث شقی عبدالرحمٰن بن ملجم کو جس نے سید کریم مرتضی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا اور ان کی ریش مبارک کو ان کے سر اقدس کے خون سے رنگین کیا پچھلوں کا سب سے بڑا بد بخت فرمایا، جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے متعدد سندوں سے روایت ہے اور یہ خبیث (باقی برصفحہ آئندہ)

متناهیا فیه وهم الکفار عن	اس مفہوم کے مصداق سارے کافر ہیں اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فما لهولاء اولو الاشقی بالشقی ثم خصوه بالکافر حتی عاد الاعتراض بخروج الفجار مع ان بعضهم یدخل النار قطعا، فلو انهم اجروه علی العموم یسلموا من ذاك و تقریر الجواب انهم لما فطموا الافعل عن معناه الحقیقی اعنی الزائد فی الاتصاف بالمبدء علی کل من عداه کرهوا ان یذهبوا به مذهبا ابعد من حقیقة کل البعد، فاردوا به البالغ فی الشقاء المتناهی فیه ابقاء لمعنی الزیادة المدلول علیها بصیغة التفضیل، والوجه فی ذلك ان هناك ثلثة امور، الاول الاتصاف بالمبدء وهو مفاد اسم الفاعل، و الثانی الکثرة فیه و هو مدلول صیغة المبالغة، و الثالث الزیادة فیه عن غیره و

تو خارجیوں میں کا ایک شخص تھا (یعنی کافر نہ تھا بلکہ گمراہ تھا) اور جب بات ایسی ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا جنہوں نے اشقی کی تاویل شقی سے کی پھر اسے کافر کے لئے مخصوص کیا تو اعتراض لوٹا کہ فاجر مسلمان اس حکم سے نکل گئے حالانکہ بعض فاجر مسلمان یقینا جہنم میں جائیں گے تو اگر انہوں نے حکم عام رکھا ہوتا تو اس اعتراض سے بچ جاتے، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب انہوں نے افعل، (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں اپنے ہر ماسوا سے زائد ہو تو انہیں یہ پسند نہ ہوا کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو لہٰذا انہوں نے اشقی سے مراد لیا کہ بد بختی میں حد کو پہنچا ہو تا کہ زیادتی کا مفہوم جس پر صیغہ افعل تفضیل دلالت کرتا ہو باقی رکھیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ تین امور ہیں، پہلا مصدر سے موصوف ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے اور دوسرا امر اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفہوم ہے، اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے سے بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لئے اسم تفضیل (باقی برصفحہ آئندہ)

اخرهم لانسلاخهم عن السعادة بالمرة اما المؤمن الفاجر فان كان له وجه الى الشقاء الزائل فوجهه الاخر الى السعادة الابدية وهى الايمان، و هؤلاء القائلون لما رأوا مادة الايراد لم تنحسم اذ دخول بعض الفجار ايضا مقطوع فزعوا الى تاويل الصلى باللزوم ،وزعم الواحدى انه معناه الحقيقى فقال كما نقل الرازى معنى "لايصلاها" لايلزمها فى حقيقة اللغة يقال صلى الكافر النار اذا لزمها مقايسا شدتها وحرها ،وعندنا ان هذه الملازمة لاتثبت الا الكافر اما الفاسق فاما ان لايدخلها اوان دخلها تخلص منها[1] انتهى	سعادت سے بالکل محروم ہیں۔ وُرہا مومن فاجر تو اس کا ایک پہلو شقاوت فانیہ کی طرف ہے تو دوسرا ابدی سعادت کی طرف ہے اور وہ سعادت ابدی ایمان ہے۔ اور ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اعتراض کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا اس لئے کہ بعض بد عمل مسلمانوں کا دوزخ میں جانا ہی قطعی امر ہے۔ لٰہذ یہ لوگ صلی کی تاویل لزوم سے کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ واحدی نے کہا کہ لزوم اس کا حقیقی معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ "لایصلاھا" کا معنی حقیقت لغت میں "لایلزمھا" ہے کہتے ہیں کہ صلی الکافر النار جب وہ اس حال میں آگ کو لازم پکڑے درانحالیکہ اس کی شدت وحرارت کو برداشت کرے، اور ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ملازمۃ فقط کافر کیلئے ثابت ہے، رہا فاسق تو وہ یا تو اس میں داخل ہی نہ ہوگا یا داخل تو ہوگا مگر اس سے چھٹکارا پالے گا۔ انتہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

هو الموضوع له اسم التفضيل فالثانى و كالوسط بين الاول والثالث و العدول عن طرف الى طرف ابعد من الميل عن طرف الى الوسط فهذا الذى حملهم على ذلك فيما اظن و الله تعالى اعلم منه عفاالله تعالى عنه امين۔

کی وضع ہے تو دوسرا جیسے اول وسوئم کے درمیان ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھرنا ایک کنارے سے درمیان کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے گمان میں یہی ان کو اس پر باعث ہوا، واللہ تعالٰی اعلم منہ عفا اللہ تعالٰی عنہ۔ آمین!

[1] مفاتيح الغيب (التفسير الكبير) تحت الاية ۹۲/ ۱۵ تا ۱۶ المطبعة البهية المصرية ۳۱/ ۲۰۴

اقول: وما احسن هذا تأویلا او اصفاه لو لاان یکدره ماسأذکره قریبا فارتقب ورکن الرازی الی وجه اخر من التاویل وهو ان یخص عموم هذا الظاہر بالایات الدالة علی وعید الفساق [1] **اقول:** هذا جمع بین التأویل والتخصیص وهو مستغنی عنه اذ لو قیل بالتخصیص فکما دلت الایات علی وعید الفساق کذالك دلت علی ایعاد سائر الکفار بدلالة اظهر واجلی۔ اللّٰهم الا ان یقال فیه تکثیر التخصیص جدا والقصر علی فرد و احد اشد بعد و هذا [عہ] ولقد سلك	میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل کس قدر اچھی ہے اور یہ رنگ کتنا صاف تھا اگر اس کو اس بات نے مکدر نہ کیا ہوتا جو میں عنقریب ذکر کروں گا، تو انتظار کرو، اور رازی ایک دوسری تاویل کی طرف مائل ہوئے، اور وہ یہ کہ اس کے ظاہر معنی کا عموم ان آیات کے ساتھ خاص ہو جو فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہو۔ **میں کہتا ہوں** یہ تاویل و تخصیص کو یکجا کرنا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لئے کہ اگر تخصیص کا قول کیا گیا تو جس طرح آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں یونہی تمام کافروں کی وعید پر روشن اور صاف تر دلالت فرماتی ہیں۔ الٰہی! تو مدد فرما، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ تخصیص لازم آئے گی، اور ایک فرد پر منحصر کردینا بہت زیادہ مستبعد ہے یہ لو، اور

عـــہ: اعلم ان العبد الضعیف لما فرغ من تحریر هذه المقدمات الخمس وبلغ الی اخر ما کتبنا فی جواب الشبة الاولی استعار تفسیر فتح العزیز المتعلق بجزء عم یتساءلون من	تمہیں معلوم ہو کہ بندہ ناتواں جب ان پانچ مقدمات کی تحریر سے فارغ ہوا اور پہلے شبہہ کے جواب میں جو ہم نے لکھا اس کے آخر تک پہنچا تو ایک دوست سے تفسیر فتح العزیز جو جز عم یتساء لون سے متعلق ہے عاریت لی تو (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۱۵/۹۲و۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳/ ۲۰۴

القاضی الامام ابو بکر کما	قاضی امام ابوبکر نے جیسا کہ امام فخر رازی نے مفاتیح الغیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعض الاصدقاء فطالعت فیه من هذا المقام ورایت المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز ذکر الدفع هذا الایراد اعنی نقض الحصر فی الکفار بدخول بعض الفجار النار بوجهین اخرین جیدین الاول ان المراد بالنار نار مخصوصة بالکفار، والثانی ان دخول بعض المومنین لما کان تطهیرا، وتادیبا کان کلا دخول وانما الدخول کل الدخول دخول لیس بعده خروج فالحصر بهذا المعنی وهو حق صحیح بلا امتراء انتهی۔

بالحاصل **اقول:** ما انعمهما من وجهین وادفعهما لکل شین لکنك یا عریف انت خبیر بانهما یجریان ایضا بعد شیئ من تغیر العبارة فیما اذا حملنا الاشقی علی معناه الحقیقی کما ستسمع منا ان شاء الله تعالٰی فیا لیت المولی الفاضل لما تنبه علی هذین کما تنبهنا تجنب التاویل کما اجتبینا اذ البدایة بتاویل الاشقی بالشقی ثم التحصن بهذین الحصنین المانعین

میں نے اس میں اس مقام کا مطالعہ کیا اور میں نے دیکھا کہ مولی فاضل استاذ استاذی عبدالعزیز نے اس اعتراض کے دفع کے لئے یعنی اس حصر کا کفار میں بعض فجار کے آتش جہنم میں داخل ہونے سے منقوض ہونا دو اور بہتر وجہیں ذکر کیں، پہلی یہ کہ نار سے مراد وہ نار ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ بعض مسلمانوں کا آگ میں جانا جبکہ ان کی تطہیر و تہذیب کے لئے ٹھہرا، تو یہ آگ میں جانا نہ جانے کے مثل ہے اور آگ میں بالکل جانا وہ جانا ہے جس کے بعد آگ سے نکلنا نہ ہوگا تو آیت کا حصر کفار میں اس معنی پر ہے اور بے شک حق و صواب ہے۔

الحاصل **میں کہتا ہوں** یہ دونوں وجہیں کس قدر اچھی ہیں اور ہر خرابی کی کیسی دافع ہیں، لیکن اے جاننے والے! تم خبردار کہ یہ دونوں وجہیں عبارت کی قدرے تغییر کے بعد اس صورت میں بھی جاری رہتی ہیں جب ہم اشقی کو اس کے معنی حقیقی پر رکھیں جیسا کہ تم ہم سے سنوگے ان شاء اللہ تو کاش مولائے فاضل جب ہماری طرف ان دونوں وجہوں پر متنبہ ہوئے اسی طرح تاویل سے بچتے جیسے ہم بچے، اس لئے کہ پہلے اشقی کی تاویل شقی سے کرنا پھر ان دو محکم وجہوں جو اصل تاویل سے مانع ہیں سے تمسک

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اثر عنه الفخر الرازی فی مفاتیح الغیب مسلکا حسنا اذحاول ابقاء الاشقی علی معناه الحقیقی اعنی من لایدانیه احد فی الشقاء وذکر لتصحیح الحصر وجهین یرتاح بهما اللبیب ویندحض کل شك مریب: **الاول** ان یکون المراد بقوله تعالٰی "نارا تلظٰی" نارا مخصوصة من النیران لانها درکات بقوله تعالٰی ان المنفقین فی الدرك الاسفل من النار "فالایة تدل علی ان تلك النار المخصوصة لایصلها سوی هذا الاشقی، ولاتدل علی ان الفاسق وغیر من هذا صفته من الکفار لایدخل سائر النیران[1] انتهی۔ **اقول**: فکان کقوله تعالٰی "وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ﴿ۚ۱۲﴾ "[2] ای اعظم النیران جمیعا علی احد وجوہ التاویلات	میں نقل کیا ہے ایک اچھا مسلک اختیار کیا اس لئے کہ انہوں نے اشقی کو اس کے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کی کوشش کی جن سے دانشمند چین پائے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہر شک زائل ہوجائے: **پہلی وجہ** یہ کہ قول خدا تعالٰی نارا تلظی سے دوزخ کی آتشوں سے ایک مخصوص آتش مراد ہو اس لئے کہ آگ کے مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہیں،" اب آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص آگ میں یہی اشقی جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بدنصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں انتہی۔ **میں کہتا ہوں** اللہ تعالٰی کے فرمان "وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ﴿ۚ۱۲﴾ " (دور رہے گا اس سے وہ بڑا بدنصیب جو بڑی آگ میں دھنسے گا) یعنی ایک تاویل پر سب سے بڑی آگ دلیل ہوگئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن اصل التاویل مما یفضی الی العجب فکان کمن تمنی غرضا ورمی غرضا فاخطا بعد کاد ان یصیب، وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب ۱۲منه عفا اللہ تعالٰی عنه امین۔

ایسی چیز ہے جو تعجب کا سبب ہے تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی ایک نشان چاہے اور دوسرے کو مارے تو نشانے پر تیر پہنچنے کے قریب ہو کر چوک جائے اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۴و۱۵ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۸۷/ ۱۱و۱۲

وردہ الرازی بان قولہ تعالٰی "نارا تلظی" یحتمل ان یکون ذلك صفۃ لکل النیران وان یکون صفۃ لنار مخصوصۃ لکنہ تعالٰی وصف کل نار جھنم بھذا الوصف فی ایۃ اخری فقال "اِنَّهَا لَظٰىۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىۚۖ﴿۱۶﴾ "[1]

اور رازی نے اس قول کو یوں رد کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول نارًا تلظی میں احتمال ہے کہ وہ سب آتشوں کی صفت ہو اور ممکن ہے کہ مخصوص آتش کی صفت ہو۔ لیکن اللہ تعالٰی نے جہنم کی سب آتشوں کا یہی وصف دوسری آیت میں فرمایا، اس کا ارشاد گرامی ہے: "اِنَّهَا لَظٰىۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىۚۖ﴿۱۶﴾ " وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی۔

اقول: یترأی من ھذہ العبارۃ للایراد وجھتان:

الاولی ان المورد کانہ ظن ان القاضی الامام یدعی تخصیص النار بصفۃ التلظی کما یتخصص الغلام فی قولنا جاء نی غلام عاقل بصفۃ العقل، ومن ھذا الطریق یقول ان المراد نار مخصوصۃ اعظم النیران فلا یرادح ظاھر الورود اذ الاوصاف انما تخصص اذا کانت خصائص توجد فی فرد دون اخر والتلظی لا یختص بنار دون نار۔ الاتری ان اللہ سبحنہ وتعالٰی وصف النار مطلقا "اِنَّهَا لَظٰىۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىۚۖ﴿۱۶﴾ "[2] ولکن لم یکن القاضی الامام

میں کہتا ہوں اس عبارت سے اعتراض کی دو۲ جہتیں نظر آتی ہیں۔

پہلی تو یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کیا کہ قاضی امام ابو بکر آتش جہنم کے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں اس طور پر جیسے غلام ہمارے قول جاءنی زید عاقل میں صفت عقل سے مخصوص ہے اور اس طریقے سے وہ فرماتے ہیں کہ مراد خاص آگ ہے جو سب سے بڑی آگ ہے، تو اعتراض کا ورود اس صورت میں ظاہر ہے اس لئے کہ اوصاف ذات کے ساتھ اسی وقت خاص ہوتے ہیں جبکہ وہ اس فرد کا خاصہ ہوں کہ دوسرے میں نہ پائے جائیں اور لپٹ مارنا ایسا نہیں کہ ایک آگ کی خاص صفت ہو دوسری کی نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی مطلقاً آتش جہنم کا وصف بیان فرماتا ہے: "اِنَّهَا لَظٰىۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىۚۖ﴿۱۶﴾ " (یعنی وہ تو

[1] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵و۱۶

[2] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵و۱۶

لیرید هذا وانما ملحظه الی ان التنکیر للتعظیم فقوله تعالٰی نارا ای نارا عظیما لیس کمثله نارکانه اشیر بالتنکیر الی انها بشهرۃ امرها وشیوع فزعها واخذ اهوالها بمجامع القلوب صارت بمثابة لاتسبق الاذهان الا الیها،فاغنت شهرتها و انتشار ذکرها عن تعریف اسمها کما یفید ذلك تنکیر الملیك فی قوله تعالٰی "فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۵۵﴾"[1] وتنکیر الظلم فی قوله تعالٰی "اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ"[2] ای ظلم لاظلم کمثله وھو الشرک۔ انبانا مولانا السید حسین جمل اللیل امام الشافعیة بمکة المحمیة عن خاتمة المحدثین محمد عابد السندی عن صالح الفلانی عن	بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی) لیکن حضرت قاضی امام یہ معنی مراد لینے والے نہیں ان کا اشارہ تو اس طرف ہے کہ نکرہ تعظیم کیلئے ہے تو اللہ تعالٰی کے فرمان نارا کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی آگ ہے اس جیسی کوئی آگ نہیں، گویا وہ اپنی حالت کی شہرت اور اس کی ہیبت کے عام چرچے اور اس کی ہولناکیوں کی پورے دلوں پر پکڑ کے سبب اس مقام پر ہے کہ ذہن اسی کی طرف سبقت کرتے ہیں، تو اس کی شہرت اور اس کے عام ذکر نے اس سے بے نیاز کردیا کہ اس کا نام لے کر اسے معین کیا جائے، جس طرح یہی فائدہ لفظ ملیك اللہ تعالٰی کے قول "فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) کا نکرہ ہونا دیتا ہے اور لفظ ظلم اللہ تعالٰی کے قول "اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ" میں یہ فائدہ دیتا ہے یعنی ایسا ظلم کہ کوئی ظلم اس جیسا نہیں اور وہ ظلم شرک ہے۔ ہمیں خبر دی مولانا سید نا حسین جمال اللیل نے جو مکہ میں امام شافعیہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں خاتمۃ المحدثین محمد عابد سندی سے انہوں نے روایت کیا صالح فلانی سے انہوں نے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۶/۸۲

محمد بن سنة عن احمد العجلی عن قطب الدین النھر والی عن ابی الفتوح عن یوسف الھروی عن محمد بن شاہ بخت عن ابی النعمان الختلانی عن الفربری عن محمد بن اسعیل البخاری ثنا ابوعدی ثنا شعبة عن سلیمان عن ابراھیم عن علقمة عن عبداللہ لما نزلت الذین امنوا و لم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئك لھم الامن وھم مھتدون[1] قال اصحاب رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم اینا لم یظلم فنزل اللہ ان الشرك لظلم عظیم۔	محمد بن سنہ سے انہوں نے احمد عجلی سے انہوں نے قطب الدین نہروالی سے انہوں نے ابوالفتوح سے انہوں نے یوسف ہروی سے انہوں نے محمد بن شاہ بخت سے انہوں نے ابونعمان ختلانی سے انھوں نے فربری سے انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے، بخاری نے فرمایا ہم سے ابوعدی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ "الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم اولئك لھم الامن و ھم مھتدون" (یعنی وہ جو ایمان لائے اور اپنے امان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے ایمان ہے اور وہی راہ پر ہیں) نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اصحاب بولے ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا، اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ "ان الشرك لظلم عظیم" بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ ت) نازل فرمائی۔
انبانا شیخ العلماء مولانا السید زین دحلان المکی الشافعی عن العلامة عثمان بن حسن الدمیاطی	ہمیں شیخ العلماء مولانا سید احمد دحلان مکی شافعی نے خبر دی انہوں نے علامہ عثمان بن حسن دمیاطی شافعی ازہری سے انہوں نے امیر کبیر

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام، باب قول تعالٰی ولم یلبسوا ایمانھم بظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۶۶، انوار التنزیل و اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) ۲/۸۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۶و۴۲۶

الشافعی الازهری عن الامیر الکبیر العلامة محمد المالکی الازهری والشیخ عبدالله الشرفاء الشافعی و سیدی محمد الشنوانی الشافعی واخرین باسانیدھم الی الامام مسلم بن الحجاج النیسابوری بسندہ الی عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال فیه قالوا اینالا یظلم نفسه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنه "یابنی لاتشرك بالله ان الشرك لظلم عظیم"[1] وھکذا اخرجه الامام احمد والترمذی وقد اختار الرازی بنفسه عین ھذا التوجیه فی قوله تعالٰی "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی"[2] قال التنکیر فی عبد یدل علی کونه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کاملا فی العبودیة کانه تعالٰی انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم عبد لایفی العالم بشرح	علامہ محمد مالکی ازہری اور الشیخ عبداللہ شرفائی الشافعی اور سیدی محمد الشنوانی الشافعی اور دیگر علماء سے ان کی سندوں کے ساتھ جو امام مسلم بن حجاج نیشاپوری تک پہنچتی ہیں انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ تک اپنی سند سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تالی عنہ نے فرمایا صحابہ نے عرض کی ہم میں کس نے ظلم نہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ ظلم نہیں جو گمان کرتے ہو یہ تو اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے، اور مسلم کی حدیث کے مثل امام احمد وترمذی نے بھی روایت کیا اور خود رازی نے توجیہ اللہ تعالٰی کے قول "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی" (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ت) میں اختیار کی انہوں نے فرمایا کہ عبدا کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام جہان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حقیقت کے بیان اور عبودیت میں ان کے اخلاص کی توصیف کا حق ادا نہیں

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صدق الایمان واخلاصه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۴

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۶/ ۹و۱۰ المطبعة البیھة المصریة مصر ۳۲/ ۲۰

بیانیه وصفة اخلاصه فی عبودیته[1] انتھٰی **والثانیة** ان توصیفه بالتلظی ینافی هذا التخصیص لانه وصف مطلق النار لا نار مخصوص۔ اقول ولیس بشیئ اذ لا یمتنع توصیف فرد عظیم من جنس بوصف عام نشترك فیه الافراد جمیعا وانما الممتنع عکسه، اعنی توصیف جمیع الافراد بما یختص به فرد خاص، الاتری الی قوله تعالٰی "مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ"[2] مع انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اعظم الرسل واکرمهم بالاطلاق، والرسالة وصف عام یشترك فیه المرسلون جمیعا، ولیس فی الایة مایدل علی القصر ینافی العموم علی ان التلظی مقول بالتشکیك فیجوز ان یراد هنا تلظ خاص لیس کمثله تلظ کما قال اللہ سبحنه وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ ؕ"[3] اطلق الضلال و	کر سکتا۔ دوسری یہ کہ آگ کو تلظی (بھڑکنے) سے موصوف فرمانا اس تخصیص کے منافی ہے اس لئے کہ بھڑکنا مطلقًا ہر آگ کی صفت ہے نہ کہ کسی خاص آگ کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کوئی چیز نہیں اس لئے کہ کسی جنس کے عظیم فرد کو ایسے عام وصف سے جس میں سارے افراد شریک موصوف کرنا ممتنع نہیں، ممتنع تو اس کا عکس ہے یعنی تمام افراد کو ایسی صفت سے موصوف کیا جائے جو کسی خاص فرد کی صفت ہو گیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف "اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں" حالانکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب رسولوں سے مطلقًا افضل واعلٰی ہیں اور رسالت ایک وصف عام ہے جس میں سب رسول شریک ہیں، اور آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو کہ عموم کے منافی ہو، مزید برآں تلظی (بھڑکنا) کلی مشکک ہے لہٰذا جائز ہے کہ اس جگہ خاص تلظی (بھڑکنا) مراد ہو جس کے مثل کوئی تلظی نہ ہو، جیسے اللہ تعالٰی سبحنہ وتعالٰی نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیة ۹۲/۹ و ۱۰ المطبعة البهیته المصریة مصر ۳۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

ارادا الضلال البعید وھو الکفر۔	"ضلال بولا اور ضلال بعید مراد لیا اور وہ کفر ہے۔
اخرج الامام احمد و الطبرانی وغیرھما عن ابی عامر الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سالت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ھذہ الایۃ فقال لایضرکم من ضل من الکفار اذا اھتدیتم [1] والعجب ان الرازی جنح بنفسہ الی نحو من ھذا فی قولہ تعالٰی "نار حامیۃ"قال والمعنی ان سائر النیران بالنسبۃ الیھا کانھا لیست حامیۃ وھذ القدر کاف فی التنبیہ علی قوۃ سخونتھا نعوذ باللہ منھا [2] الخ.فما للشعیر یوکل ویذم۔	امام احمد و طبرانی وغیر ہمانے ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت کیا اس آیت کے بارے میں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا (یعنی کافر لوگ) جبکہ تم راہ پر ہو۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ فخر رازی خود اس کے قریب توجیہ کی طرف مائل ہوئے اللہ تعالٰی کے قول نار حامیۃ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ہر آگ جہنم کی آگ کے مقابل گویا گرم ہی نہیں اور اتنی بات آتش جہنم کی سخت گرمی پر متنبہ فرمانے کو کافی ہے ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں جو کھایا جائے اور برا بھی کہا جائے۔
اقول: لك ان تقول ان لظی من المجرد وتلظی من المزید و زیادۃ اللفظ تدل علی زیادۃ المعنی، کما قالوا فی الرحمن والرحیم وغیر ذلك مع فیہ من التشدید	**میں کہتا ہوں** اور تمہیں پہنچتا ہے کہ تم کہو کہ لظی مجرد کے قبیل سے ہے اور تلظی مزید کے قبیل سے ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ رحمٰن ورحیم وغیرہ میں علماء نے فرمایا اس کے ساتھ تلظی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۹۔۲۰۱، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ دار الکتاب بیروت ۷/ ۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۱۰۱/۱۱ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۷۴

لفظ المنبئی عن الشدۃ معنی کما فی قتل وقتل وقاتل وقتال مع ان باب الادعاء واسع وقصر الوصف علی اعظم من یوصف شائع قال تعالٰی فی المھاجرین "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾"[1] ویمکن ان تجعل من ھذا القبیل امثال قولہ تعالٰی "اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾"[2]۔ وقد حققنا المسالۃ فی خاتمۃ رسالتنا سلطنۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما لا مزید علیہ ھذا وکان قلب ابی عبیدۃ رکن الی ھذا الوجہ الذی ذکر القاضی الامام شیئا قلیلا ثم بدا لہ مابدا فانحجم کما حکینا لک کلامہ ستسمع منا جوابہ ان شاء اللہ تعالٰی۔

الثانی من وجھی القاضی "ان المراد بقولہ تعالٰی نارا تلظی النیران اجمع، ویکون المراد بقولہ تعالٰی لا یصلھا الا الاشقی ای ھذا الاشقی بہ احق، وثبوت ھذا الزیادۃ فی الاستحقاق

میں لفظی شدت ہے جو معنوی شدت کی خبر دیتی ہے جیسے لفظ قتل اور قتّل اور قاتل وقتال میں، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ادعاء کا باب واسع ہے اور صفت کو سب موصوفین سے بڑے موصوف پر مقصود رکھنا عرف شائع ہے۔ اللہ تعالٰی کا مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾" (یہی لوگ سچے ہیں) اور ممکن کہ تم اللہ تعالٰی کے قول (بے شک وہی ہے سنتا جانتا ہے) کہ اس قبیل سے قرار دو۔

اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتمہ میں ایسے کلام سے جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی کی ہے اور اس توجیہ کی طرف جو قاضی امام نے بیان فرمائی ابو عبیدہ کا دل کچھ مائل ہوا تھا پھر اس کو سوجھی جو سوجھی تو وہ اس سے منحرف ہوگیا جیسا کہ ہم تم سے اس کا کلام ذکر کرچکے اور عنقریب تم ہم سے اس کا جواب سنو گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

قاضی کی ارشاد فرمودہ دو وجہوں میں سے **دوسری** یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول نارا تلظی سے مراد تمام آتشیں ہیں اور اللہ تعالٰی کے قول لایصلھا الا الاشقی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت) سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بدبخت ان تمام آزمائشوں کے

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۸

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۶

غیر حاصل الا لهذا الاشقی [1] انتهی والی نحو من هذا یمیل ماجزم به الزمخشری فی الکشاف مقتصرا علیه ونقله الامام النسفی رامزا الیه من ان الایة واردة فی الموازنة بین حالتی عظیم من المشرکین وعظیم من المؤمنین فارید ان یبالغ فی صفتیهما المتناقضتین، فقیل الاشقی وجعل مختصا بالصلی کان النار لم تخلق الاله، وقیل الاتقی وجعل مختصا بالنجاة کان الجنة لم تخلق الاله [2] انتهی۔ **اقول:** وهذا هو الحصر الادعائی الذی وصفنا لك ولا شك انه دائر سائر بین البلغاء یشهد بهذا من تتبع دواوین العرب وکلامهم فی المدح والهجاء ومعلوم ان الزمخشری له ید طولی وکعب علیا فی فنون الادب وصنائع الادباء فقول الرازی انه ترك الظاهر من غیر دلیل [3] انتهی غیر مستحسن	سب سے زیادہ سزاوار ہے اور استحقاق کی زیادتی اسی سب سے بڑے بدبخت کو حاصل ہے انتہی، اور اس سے قریب توجیہ کی طرف وہ توجیہ مائل ہے جس پر زمخشری نے جزم کیا کشاف میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اور زمخشری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اسکی طرف اشارہ فرماتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ایک عظیم اور مومنین کے ایک عظیم کے دو متناقض صفتوں میں مبالغہ فرمایا جائے تو اشقی فرمایا گیا اور اسے آتش جہنم میں جانے کیلئے مخصوص ٹھہرایا گیا گویا جہنم کی آگ اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اتقی فرمایا گیا اور نجات کے لئے مخصوص فرمایا گیا گویا جنت اسی کے لئے بنی ہے انتہی۔ **میں کہتا ہوں** یہی وہ حصر ادعائی جس کا بیان ہم نے تم سے کیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ بلغاء میں دائر وسائر ہے اس کی گواہی عرب کے دیوانوں کو اور مدح وہجو میں ان کے کلام کو خوب مطالعہ کرنے والا دے گا، اور یہ معلوم ہے کہ زمخشری کو فنون ادب اور ادیبوں کی صنعتوں میں بڑی دسترس ہے اور اونچا درجہ حاصل ہے تو فخر رازی کا زمخشری پر یہ اعتراض کہ اس کی یہ توجیہ ظاہر کو بے دلیل چھوڑنا ہے انتہی خوب نہیں

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

[2] مدارك التنزیل التفسیر الکبیر تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

وای شیئ اکبر دلالة من الاحتیاج الی تصحیح الکلام ولیس تاویل الاشقی بالشقی اقرب الی الظاھر من ھذا الحصر من شیوعه وکثرة وقوعه نظما ونثرا وتصحیح الکلام قرینة کافیة فی امثال ھذا المقام الاتری انك اذا سمعت رجلا یقول زید ھو الکریم علمت اول وھلة من دون تامل ولامھلة ان مرادہ ان لیس کریم مثله لا ان لاکریم مثله وھذا ظاھر جدا،ھذا مایتعلق بحکم الاشقی،ولاشك ان الکلام ھھنامحتاج بظاھرہ الی تاویل او توجیه لکن ابا عبیدة زاد فی الشطرنج بغلة ثم تتابع فی قوم من المتاخرین ینقلون کلامه من دون تنقیح کما حکینا لك دیرنھم من کلام الامام العلامة السیوطی رحمه الله تعالٰی حمله علی ذلك ان ظن ان اٰیة الاتقی ایضا محتاجة الی التاویل حیث قال وان زعمت انه تعالٰی نکر النار الی اخر الخ مانقلنا عنه فلم یثبت ان اخذ الاتقی بمعنی التقی لیشمل کل مؤمن ووافقه علی ذلك الزمخشری وغیرہ لکنھم	اور کلام کی تصحیح کی حاجت سے بڑی کون سی دلیل ہے اور اشقی کی تاویل شقی سے اس حصر کی بہ نسبت ظاہر سے نزدیک تر نہیں باوجود اس کے یہ حصر عرف میں شائع ہے اور نظم ونثر میں بکثرت واقع ہے اور تصحیح کلام کی حاجت اس جیسے مقامات میں قرینہ کافیہ ہے۔کیا تم نہیں جانتے کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ زید ہی کریم ہے تو پہلی فرصت میں تم جان جاؤگے کہ زید جیسا کوئی کریم نہیں نہ یہ کہ زید کے سوا کوئی کریم نہیں اور یہ خوب ظاہر ہے تو یہ حکم اشقی سے متعلق تھا اور یہ کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر کلام اپنے ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج ہے لیکن ابو عبیدہ نے شطرنج کے مہروں میں بغلہ (خچر) بڑھادیا پھر متاخرین میں سے کچھ لوگ پے در پے اس کا کلام بغیر تنقیح کے نقل کرتے رہے، جیسا کہ ہم نے تم سے امام علامہ سیوطی کے کلام سے ان کی عادت کی حکایت کی،اس کے لئے اس کا سبب یہ ہوا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت بھی جس میں اتقی وارد ہوا تاویل کی حاجتمند ہے اس لئے کہ اس نے کہا کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایاالخ تو کچھ دیر نہ ٹھہرا کہ اتقی کو بمعنی تقی کے لیا تاکہ آیت ہر مومن کو شامل ہوجائے اور اسی بات میں زمخشری وغیرہ نے اس سے اتفاق کیا مگر اس کی تاویل

لم یوافقه علی التاویل کما سمعت وھذا کلام لایقوم علی ساق اذلیس فی قوله تعالٰی وسیجنبها الاتقی مایدل علی الحصر والقصر انما یصف الله سبحنه وتعالٰی عبدا له اتقی بانه یجنب النار و یبعد عنها لا انه لایجنب النار الاھو و رحم الله الرازی حیث تفطن لھذا فذکر فی الاشقی قولا انه بمعنی الشقی ولم یذکرہ فی الاتقی راسابل صرح بخلافه حیث قال"ھذا لایدل علی حال غیر الاتقی الا علی سبیل المفھوم والتمسك بدلیل الخطاب [1]	میں ان لوگوں نے اس کی موافقت نہ کی جیسا کہ تونے سنا اور یہ کلام پائے ثبات پر قائم نہیں اس لئے اللہ تعالٰی کے قول وسیجنبها الاتقی میں کوئی لفظ نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو، اللہ تعالٰی تو اپنے ایک بندے کا وصف بیان فرماتا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو، یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا۔اور اللہ تعالٰی علامہ رازی پر اپنی رحمت فرمائے کہ انہوں نے اس امر کو سمجھ لیا لہٰذا اشقی میں ایک قول ذکر کیا کہ وہ بمعنی شقی کے ہے اور اتقی میں اسے بالکل ذکر نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کی تصریح کی انہوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ جس میں اتقی کے لئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر الخ۔
اقول: بل ولا یتمشی علی مذھب القائلین بمفھوم الصفة ایضا فان الکلام مسوق لمدح الاتقی کما یدل علیه سبب النزول ومقام المدح والذم مستثنی عندھم ایضا کما ھو مذکور فی کتب الاصول فیا للعجب من القاضی البیضاوی الشافعی	**میں کہتا ہوں** بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے کہ کلام مدحت اتقی کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس پر سبب نزول دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک مقام مدح وذم بھی مستثنی ہے جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے تو قاضی بیضاوی شافعی پر تعجب ہے انہوں نے

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/۱۷ المطبعة البھیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

كيف تمسك ههنا بالمفهوم، مع انه ليس محله بالاتفاق واشدالعجب من القاضى الامام ابى بكر الشافعى اذ زل قلمه فمال الى افادة الحصر مع انه يخالف ائمته فى القول بالمفهوم راسا، وهكذا يرينا الله اياته فى الافاق و فى انفسنا كيلا يغتر مغتر بدقة انظاره ولا يسخر ساخر من عاثر فى افكاره اذ نرى كل صارم ينبو وكل جواد يكبو فعلام يزهو من يزهو و سقى الله عهد من قالوا وما ادراك من قالوا سادة كرام قادة الامة ابراهيم النخعى ومالك بن انس وغيرهما من الائمة اذ قالوا ولنعم ماقالوا كل احد ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا صاحب هذا القبر [1] صلى الله تعالى عليه وسلم نسال الله الوقاية فى البداية والنهاية، والحمدلله رب العالمين۔	کیونکر مفہوم سے استدلال کیا حالانکہ بالاتفاق یہ اس کا محل نہیں، اور سخت تعجب تو قاضی امام ابوبکر شافعی پر ہے کہ ان کے قلم نے لغزش کی تو وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ وہ قول بالمفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل مخالف ہیں اور یونہی اللہ ہمیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ہمارے نفوس میں دکھاتا ہے تاکہ کوئی اپنی باریک بینی پر مغرور نہ ہو اور کوئی ہنسنے والا اپنے افکار میں لغزش کرنے والے سے نہ ہنسے، اس لئے کہ ہر تلوار اچٹتی ہے اور ہر گھوڑا گرتا ہے تو گھمنڈ کرنیوالا کاہے کو گھمنڈ کرے اور اللہ تعالٰی ان کے زمانے کو سیراب کرے جنہوں نے فرمایا اور تمہیں کیا خبر وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے فرمایا سرداران بزرگ امت کے مقتدا ابراہیم۔۔۔ومالک بن انس وغیرہ ائمہ کہ انہوں نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی ہے اور کوئی نامقبول مگر اس قبر شریف کے ساکن یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ ان کی ہر بات قبول ہے ہم اللہ تعالٰی سے حفاظت مانگتے ہیں ابتداء وانتہاء میں، والحمد للہ رب العالمین۔

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

والان اٰن ان نستکمل الرد علی ابی عبیدۃ فیما فرعنہ وفیما اطمان علیہ **فاقول** وباللہ التوفیق زعم الرجل اولا ان تاویل الاشقی بالشقی ینجیہ عما فیہ اذ اٰل الکلام الی ان لایصلی النار الا کافر وھذا حق لاغبار علیہ۔ قلنا نظرت الموصوف وترکت الصفۃ یقول اللہ سبحنہ وتعالٰی "لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۶﴾"[1] ومعلوم ان من الکفار من لم یکذب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدۃ عمرہ لابجنانہ ولابلسانہ وانما اکفرہ ان سبق الکتاب وخذل التوفیق والعیاذ بوجہ المولی الکریم۔	اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابو عبیدہ کا رد اس میں جس سے اس نے فرار اختیار کیا اور جس پر وہ مطمئن ہوا تمام کریں، تو **میں کہتا ہوں** اور اللہ سے ہی توفیق ہے اس شخص نے پہلے خیال یہ کیا کہ اشقی کی تاویل شقی سے اسے اس آفت سے نجات دے دے گی جس میں وہ مبتلا ہے اس لئے کہ کلام کا مآل یہ ہوا کہ دوزخ کی آگ میں کافر ہی جائے گا۔اور یہ بات حق ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔ ہم کہیں گے کہ تم نے موصوف کو دیکھا اور صفت کو چھوڑ دیا اللہ سبحنہ وتعالٰی فرماتا ہے لایصلھا الاالاشقی الذی کذب وتولی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بد بخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) اور یہ معلوم ہے کہ کافروں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی تمام عمر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ جھٹلایا نہ اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے،اس کا کفر تو یوں ہوا کہ اللہ کا لکھا غالب آیات اور توفیق الٰہی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور مولائے کریم کی ذات کی پناہ ہے۔
اقول:و ھذا ابو طالب عم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افنی عمرہ فی حفظہ وحمایتہ وبلغ الغایۃ القصوی	**میں کہتا ہوں** یہ ہیں ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا جنہوں نے اپنی عمر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں فنا کردی اور وہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵۔۱۶

من مجته وولايته قد كان حبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اخذ بمجامع قبله، حتى كان يفضله على الاطفال الصغار من بنى صلبه، ولما بعث الله تعالىٰ نبيه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فدعا المشركين الى التوحيد، وهجم عليه الاعداء من كل شاء وبعيد، قام يناضل عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاعظم بره ولازم نصره وقاسى ماقاسى من شدائد لاتحصى فى مهاجرة المشركين من عشيرته الاقربين۔ وهو الذى لما تمالات قريش على المصطفى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونفر و اعنه من يريد الاسلام انشاء قصيدة تدل على عظم حبه المصطفى وشدة بغضه اعدائه اللیام كما روى ابن اسحق وغيره من الثقات ومنها هذه الابيات۔ اعبد مناف انكم خير قومكم فلا تشركوا فى امركم كل واغل فقد خفت ان لم يصلح الله امركم تكونوا كما كانت احاديث وائل اعوذ برب الناس من كل طاعن علينا بسوء او ملح بباطل	علیہ وسلم کی محبت اور نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنے صلبی کم سن بچوں پر حضور علیہ السلام کو فضیلت دیتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو سرکار نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دور دراز سے حملہ آور ہوئے ابو طالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہوگئے تو سرکار کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکوں کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔ یہ وہ ابو طالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمندوں کو سرکار علیہ السلام سے دور کیا تو انہوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے، جیسا ابن اسحٰق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے۔ اسی قصیدہ کے یہ شعر ہیں: اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سے بہتر ہو، تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو، بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے افسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤگے میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے

ومن کاشح یسعی لنا بعیبة	اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے اور اس سے
ومن ملحق فی الدین مالم یحاول	جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔
وثور ومن ارسی ثبیر امکانه	اور کوہ ثور سے اور اس سے جس نے کوہ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا
وراق لبر فی حراء ونازل۔	اور کوہ حرامیں عبادت کے لئے چڑھنے اور اترنے والے سے۔
وبالبیت حق البیت فی بطن مکة	اور اللہ تعالٰی کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم، بیشک اللہ تعالٰی
وباللہ ان اللہ لیس بغافل	بخبر نہیں۔اللہ کے گھر قسم! اے کافرو! تم جھوٹے ہو اس گمان
کذبتم وبیت اللہ نبزی محمدا	میں کہ ہم محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو چھوڑ دیں گے۔
ولما نطاعن دونه ونناضل	حالانکہ ابھی ہم نے حضور علیہ السلام کے گرد نیزوں اور
ونسلمه حتی نصرع حوله	تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو
ونذهل عن ابناءنا والحلائل	تمہارے سپرد کریں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں
لعمری لقد کلفت وجدا باحمد	سے غافل نہ ہوجائیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم! مجھے محمد صلی
واجبته داب المحب المواصل	اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انہیں ایسا
	چاہتا ہوں جس طرح پیہم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔
فمن مثله فی الناس ای مؤمل	جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو ان پر قیاس
اذا قاسه الحکام عند التفاضل	کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لئے یہ امید ہو
	کہ وہ ان کا ہم پلہ ہوگا۔ حلم والے رشد والے، عقل والے،
حلیم رشید عاقل غیر طائش	طیش والے نہیں وہ بیوقوف وبے قدر سے محبت رکھتے ہیں
یوالی الاها لیس عنه بغافل	جو ان سے غافل نہیں۔

فواللّٰہ لولا ان اجی بسبة تجر علی اشیاخنا فی المحافل لکنا اتبعناہ علی کل حالة من الدھر جدا غیر قول التھازل فاصبح فینا احمد فی ارومة تقصر عنہا سورة المتطاول حدیث بنفسی دونہ وحیتہ ودافعت عنہ بالذر او الکلاکل[1] ولقد کان یتبرك بالنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم و یتوسل بہ الی اللّٰہ تعالٰی فی الدعاء کما یدل علیہ ما روی العلماء من سنة قریش وحدیث الاستسقا[2] و قد حث الناس علی اتباعہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم و اخبر عن امور لم تقع فصدق	تو خدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے۔ توہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں۔ تو احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے۔ میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کردیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں او رسینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کو وسیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ جسے علماء نے روایت فرمایا ہے دلالت کرتا ہے اور بے شک ابوطالب نے لوگوں کو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع پر ابھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی

[1] السیرة النبویة سید احمد زینی دحلان باب وفاة عبدالمطلب المکتبة الاسلامیہ بیروت ۱/۸۳، السیرة النبویة لابن ھشام شعر ابی طالب فی استعطاف قریش دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۸۰ تا ۲۷۲

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

سبحنه وتعالٰی ظنه ووقع کمثل اخباره فوقع ولقد له موقع عظیم فی قلب النبی الکریم علیه افضل الصلوۃ والتسلیم حتی انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لما جاءہ اعرابی فقال یارسول الله اتیناك ومالنا صبی یغط ولا بعیر یئط وانشد ابیاتا فقام صلی الله تعالٰی علیه وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر ورفع یدیه الی السماء فوالله ماردیدیه بکریمتین حتی التقت السماء بابرا قها وجاءوا یضجون الغرق، فضحك صلی الله تعالٰی علیه وسلم حتی بدت نواجذہ وتذکر قول ابی طالب فی مدحه حیث یقول ؎ وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامٰی عصمة للارامل[1] فقال لله در ابی طالب لوکان حیا لقرت عیناہ من ینشدنا قوله، فقال علی کرم الله تعالٰی وجهه یارسول الله	ہوا جیسا انہوں نے خبر دی اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے دل میں ان کے لئے مقام عظیم تھا یہاں تک کہ جب سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے کراہتے نہیں اور اس اعرابی نے سرکار کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام چادر اقدس کو گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہوئے آئے کہ ہم ڈوبے، تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابوطالب کا قول یاد آیا جب انہوں نے عرض کیا تھا کہ ؎ سرکار گورے ہیں جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی ٹیک اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔ پھر سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے لئے ابو طالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا۔ تو حضرت علی

[1] صحیح البخاری، ابواب استسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷، دلائل النبوۃ للبیہقی باب الاستسقاء النبی صلی الله علیه وسلم دار الکتب العلمیه بیروت ۶/ ۱۴۱

كانك ترى قوله وابيض يستسقى، وذكر ابياتا فقال صلى الله تعالٰی علیه وسلم اجل كما اخرجه البيهقي في دلائل النبوة [1] عن سيدنا انس رضى الله تعالٰی عنه فانظر الى قوله صلى الله تعالٰی علیه وسلم "لله در ابی طالب" وقوله صلى الله تعالٰی علیه وسلم " لوكان حيا لقرت عيناه" وقوله صلى الله تعالٰی علیه وسلم من ينشدنا قوله" ولم ينقل عنه مرة انه رد على النبي صلى الله تعالٰی علیه وسلم وكذبه فيه بل هو القائل في تلك القصيدة مخاطبا لقريش ؎ لقد علموا ان ابننا لامكذب لدينا ولا يعنى بقول الاباطل [2] ولذا كان اهون اهل	کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کیا گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جسمیں انہوں نے عرض کی "وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے۔اور سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے چند شعر پڑھے تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ہاں میں یہی چاہتا تھا۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا تو سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کے قول "للہ در ابی طالب" (اللہ کے لئے ابوطالب کی خوبی ہے) کو دیکھو اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کو دیکھو کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں،اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر نظر کرو کہ ہمیں کون ابوطالب کے شعر سنائے گا۔اور ایک بار بھی منقول نہ ہوا کہ ابو طالب نے سرکار کی کسی بات کو رد کیا ہو یا سرکار کو جھٹلایا ہو، بلکہ خود اسی قصیدہ میں قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک ایسا نہیں کہ جھٹلایا جائے اور نہ اسے جھوٹی باتوں سے کام ہے۔ اور اسی وجہ سے ابوطالب پر تمام دوزخیوں

[1] دلائل النبوة للبيهقي باب استسقاء النبي صلى الله تعالٰی علیه وسلم الخ دار الكتب العلمية بيروت ۶/ ۱۴۱

[2] السيرة النبوية لسيد احمد زينى دحلان باب وفاة عبد المطلب المكتبة الاسلامية بيروت ۱/ ۸۳

النار عذابا کما فی الصحاح و نفعته شفاعة الشفیع المرتجی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حتی اخرج الی ضحضاح[1] علی خلاف من سائر الکافرین الذین لا تنفعهم شفاعة الشافعین، ویالیته لو اسلم لکان من افضل اصحاب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولکن قضاء الله لایرد وحکمه الایعقب ولله الحجة السامیة ولاحول ولاقوة الا بالله العزیز الحکیم وقد فصلنا المسئلة فی بعض فتاونا واظهرنا بطلان قول من قال باسلامه واذا کان ذلك ظهر ان الحصر فی الشقی المکذب ایضا غیر مستقیم الی هذا اشار القاضی الامام حیث قال لایمکن اجراء هذه الایة علی ظاهرها، و یدل علی ذلك ثلثة اوجه۔	سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجی (امید گاہ عاصیاں) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نے انہیں نے نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لئے انہیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے بر خلاف ہے جنہیں شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے۔ لیکن اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا اور اللہ ہی کے لئے حجت بلند اور معصیت سے پھرنے کی قوت اور طاعت کی طاقت اللہ عزوجل حکیم کے دئے بغیر نہیں، اور ہم نے اس مسئلہ کو اپنے بعض فتاوی میں تفصیل سے بیان کیا اور ابوطالب کے اسلام کے قائل کی رائے کا بطلان ظاہر کیا ہے اور جب یہ بات یوں ہے تو ظاہر ہوا کہ حصر شقی مکذب (جھٹلانے والے) میں بھی درست نہیں اسی طرف امام ابوبکر نے اشارہ کیا چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنی پر جاری کرنا ممکن نہیں اور اس پر تین وجوہ دلالت کرتی ہیں۔
احدها انه یقتضی ان لایدخل النار "الا الاشقی الذی کذب وتولی" فوجب فی الکافر	ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حصر اس کا مقتضی ہے کہ جہنم میں وہی کافر جائے گا جو سب سے بڑا بد بخت ہو جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصه ابی طالب قدیمی کتب خانه کراچی ۱/ ۵۴۸

الذی لم یکذب ولم یتول ان لاید خل النار[1] الخ۔ **قلت** وبما قررنا المقال بان لك انخساف ماقال الرازی متعقبا للامام القاضی ان کل کافر لابد و ان یکون مکذبا للنبی فی دعواہ ویکون متولیا عن النظر فی دلالۃ صدق ذلك النبی[2] الخ وظهر ایضا ان هذ التاویل الذی ارتضاہ کثیر من المتاخرین ولایسد خلۃ ولایشفی غلۃ وعلیك بتلطیف القریحۃ۔ وزعم **ثانیا** ان ایۃ الاتقی ایضا تفتقر الی التاویل لقرینتها فارتکب ماکان فی مندوحۃ عنه کما حققنا۔ وزعم **ثالثا** ان تاویل الاتقی بالتقی مما یفیدہ ویغنی زعما منه ان غیر التقی المذکور	کی تکذیب کی ہو اور ان کی سچائی کے دلائل میں نظر سے اعراض کرتا ہو، تولازم آیا کہ وہ کافر جس سے تکذیب و عراض سرزد نہ ہو (جیسے ابوطالب) جہنم میں نہ جائے۔ **میں کہتاہوں** جس طور پر اپنے مقالہ کی تکذیب کی اس سے امام رازی کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا جو انہوں نے امام قاضی پر بطور اعتراض کیا ہے کہ ہر کافر کا نبی کو اس کے دعوی میں جھٹلانا ضروری ہے اور اس نبی کے دلائل صدق میں نظر سے روگردانی اسے لازم ہے، اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ تاویل جسے بہت سے متاخرین نے پسند کیا کوئی حاجت پوری نہیں کرتی نہ تشنگی کواکساتی بجھاتی ہے اور تم لطافت طبع کو لازم پکڑو۔ اور **ثانیًا** اسے گمان کیا کہ وہ آیت جو اتقی کے بارے میں ہے وہ بھی اپنے ساتھ والی آیت کی طرح محتاج تاویل ہے، تو اس کا ارتکاب کیا جس سے وہ بے نیاز تھے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی۔ اور **ثالثًا** گمان کیا کہ اس کا اتقی کو تقی کی طرف مؤول کرنا اسے فائدہ دے گا اور غنا بخشے گا اس گمان کی بنا پر کہ اس کے نزدیک

[1] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الایۃ ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعۃ البهیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۳

[2] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الایۃ ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعۃ البهیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

فی الایۃ لایجنب النار۔	آیت میں مذکور تقی کے سوا کوئی آتش دوزخ سے نہ بچایا جائے گا۔
اقول: ولا یرد علیه ماسیظن ان این رحمة الله تعالٰی علیه العصاۃ وقد اذنت نصوص قواطع ان کثیرا من الفجار والمثقلین بالاوزار والهالکین علی الاصرار لا یسمعون حسیس النار بمحض رحمة العزیز الغفار وفیض شفاعة الشفیع المختار صلی الله تعالٰی علیه وسلم .اذا التقوی درجات وفنون اولها اتقاء الکفر وهذا یستوی فیه المؤمنون وقد افصح ابوعبیدۃ عن مرادہ اذقال الاتقی بمعنی التقی وهو المؤمن[1] انتهی۔	**میں کہتا ہوں** اور اس پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جس کا عنقریب وہ گمان کریگا کہ پھر اللہ تعالٰی کی رحمت گنہگاروں پر کہاں گئی حالانکہ قطعی دلیلیں بتاچکیں کہ بہت سے بدعمل اور گناہوں سے بوجھل اور مرتے دم تک گناہوں کے عادی محض رحمت عزیز غفار اور شفیع مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب آتش دوزخ کی بھنک تک نہ سنیں گے اس لئے کہ تقوی کے درجات واقسام میں ان کا پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے جس میں مومن برابر ہیں اور ابوعبیدہ نے اپنی مراد ظاہر کردی کہ اس نے کہا اتقی بمعنی تقی کے ہے اور تقی مومن ہے اھ۔
اقول: وبه اندفع مایترای من النقض بالصبیان والمجانین فان المراد بالتقی المؤمن والصبی ان عقل فاسلامه معقول مقبول والجنون ان طرء فیستصحب الایمان السالف والا فینسحب علیهما حکم الفطر ۃ الاسلامیۃ۔لکنی **اقول:** اولا فح ماذا تصنع باللام الداخلة علی الاتقی	**میں کہتا ہوں** اس تقریر سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو بچوں اور پاگلوں سے نقض کے ذریعہ اٹھتا معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ تقی سے مراد مومن ہے اور بچہ اگر سمجھ والا ہے تو اس کا اسلام معقول اور مقبول ہے اور مجنون پر جنون اگر طاری ہے تو شرعا اس کا ایمان سابق اس کے ساتھ مانا جائے گا ورنہ ان دونوں پر حکم فطرت اسلامیہ جاری (یعنی انہیں بہ حکم مسلمان جانیں گے) لیکن **میں کہتا ہوں** کہ اولا جب اتقی بعنی تقی کے ٹھہرا تو اس صورت میں اس لام

[1] مدارک التنزیل التفسیر النسفی بحوالہ ابی عبیدہ تحت الایۃ ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

اذقد تقرر فی الاصول انها ان لم تکن للعهد فللاستغراق [1] ومعلوم ان من المؤمنین من یعذب ولا یجنب، ولا ینفع ارادة اللزوم بالصلی اذا الکنایة للنار دون الصلی ولقد اغرب من تفطن لبعض من هذا کالقاضی البیضاوی فحمل الکلام علی من یتقی الکفر و المعاصی اقول نعم الان یصح الاستغراق ولکن من للحصر المزعوم الذی یرتکب لاجله تاویل الاتقی، اذمن الفجار من یجنب ولا یعذب کما ذکرنا وعلی هذا یرد النقض ایضا بالصبی والمجنون۔	کے ساتھ کیا معاملہ کروگے جو اتقی پر داخل ہے اس لئے کہ اصول میں مقرر ہوچکاہے کہ لام اگر عہد کے لئے نہ ہوگا تو استغراق کے لئے ہوگا۔اور یہ معلوم ہے کہ مومنون میں وہ ہیں جنہیں عذاب ہوگااور وہ آتش دوزخ سے نہ بچائے گے اور یہ مفید نہیں کہ یصلی سے بجائے آگ میں جانے کے آگ کا لازم ہونا مراد لیا جائے اس لئے کہ **یجنبھا** (اس دوزخ سے دور کیا جائیگا میں ضمیر جہنم کی آگ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ صلی مصدر کی طرف (جس کا معنی آگ میں جانا ہے) اور جس کا ذہن ان باتوں مین سے بعض کی طرف پہنچااس نے عجیب و غریب کام کیا جیسے قاضی بیضاوی، توانہوں نے کلام کو اس پر محمول کیا جو کفر اور گناہوں سے بچے لیکن اس حصر مزعوم کا مدد گار کون جس کی وجہ سے اتقی کی تاویل کاارتکاب کیا جاتا ہے، اس لئے کہ فاجروں میں وہ بھی ہے جو دوزخ کی آگ سے دور رہے گااور اسے عذاب نہ ہوگا)
واقول ثانیا اغمضنا هذا کله وترکناکم وشانکم فاذهبوا بالکلام الی ما تشتهیه انفسکم الا انکم اغفلتم الصفة ههنا ایضا غفولکم عنها	اور **ثانیاً میں کہتاہوں** کہ ہم نے ان تمام باتوں سے آنکھ بیچی اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑا تو کلام کو جدھر چاہئے لے جائے مگر آپ لوگ یہاں بھی صفت سے غافل رہے جس طرح اشقی (جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)

[1] التوضیح والتلویح نورانی کتب خانہ پشاور ص ۱۳۶

فی "الۡاَشۡقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیۡ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۶﴾ "[1] فان الله سبحنه وتعالٰی لم یرسل الاتقی ارسالا بل خصه "الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿ۚ۱۸﴾ "[2] ومعلوم ان التقی الفقیر لا مال له و انه مجنب عن النار لاشک،فان کان الکلام علی الحصر کما زعمتم فالحصر لم یستقیم بعد والا فما ذا یلجئکم الی التاویل والعدول عن ظاہر التنزیل، عن هذا نقول ان الوجه ترك التکلف وصون اللفظین لاسیما الاتقی عن التغییر و التصرف لانعدام الحاجة فی احدی الآیتین و اندفاعها بطریق اسلم فی الاخری کما یفیده الوجهان اللذان ذکرهما القاضی الامام مع ماشاهدنا ان التاویل یراد ولا مفاد ویقاد ولا ینقاد بید انی مایدرینی لعل الجدال یوری نارا موقدة تطلع علی الافئدة فیقوم قائل ان وجهی القاضی ایضا یعکر علیها بشی فلامناص من تشدید الارکان	کے معاملہ میں آپ نے صفت سے غفلت کی اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے اتقی کو مطلع نہ رکھا بلکہ اسے اس کے ساتھ خاص کیا جو اپنا مال ستھرا ہونے کو راہ خدا میں دے اور یہ معلوم ہے کہ تقی فقیر کے پاس مال نہیں ہے حالانکہ وہ آتش دوزخ سے بے شک دور رہے گا۔ تو اگر کلام بر سبیل حصر ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا زعم ہے تو حصر تو اب بھی درست نہیں ہوا اور اگر حصر پر بناء نہیں تو آپ کو تاویل اور ظاہر تنزیل سے عدول کی طرف کون سی چیز مضطر کرتی ہے اسی سبب سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ تکلف چھوڑا جائے اور دونوں لفظوں خصوصا اتقی کو تصرف و تغیر سے محفوظ رکھیں اس لئے کہ ایک آیت میں تاویل کی حاجت نہیں اور دوسری میں مسلک اسلم سے حاجت مندفع ہوجاتی ہے جیسا کہ ان دو وجہوں نے افادہ کیا جو قاضی امام نے ذکر فرمائیں باوجودیکہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ تاویل مراد ہوتی ہے حالانکہ کوئی مفاد نہیں ہوتا اور وہ کھینچی جاتی ہے جبکہ وہ نہیں کھنچتی۔ لیکن میں کیا جانوں شاید بحث روشن آگ کو بھڑکائے جو دلوں پر چمکیں تو کوئی قائل کھڑا ہوجائے اور کہے کہ قاضی کی مذکورہ دو[2] وجہوں پر بھی کچھ غبار ہے لہذا ارکان کو مضبوط

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵، ۱۶

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۸

وتجدید الارصان علی حسب الامکان۔ **فاقول:** وربی ولی الاحسان یستبعد علی الوجه الاول وصف الاتقی بانه یجنب تلك النار الکبری فان مدح اکرم القوم بانه لیس ارذل القوم ممالا یستملح۔ **اقول:** والمخلص الاستخدام وھو شائع فی فصیح الکلام بل عدوہ والتوریة اشرف انواع البدیع، بل منھم من قدمه فی الشرف علی الجمیع کماذکر الامام العلامة السیوطی[1] ومنه فی القران العظیم قوله تعالٰی "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ "[2]	کرنا اور اشیاء کی تجدید بقدر امکان ضروری ہے۔ **تو میں کہتا ہوں** اور میرا رب ولی نعمت ہے، پہلی وجہ پر اتقی کا یہ وصف بیان کرنا کہ وہ بڑی آگ سے دور رکھا جائے گا مستبعد ہے اس لئے کہ قوم کے بزرگ ترین کے لئے یہ کہنا کہ وہ رذیل ترین نہیں ہے اس میں کوئی ملاحت نہیں ہے۔ **میں کہتا ہوں** اور اس سے نجات دہندہ وہ استخدام ہے اور وہ کلام فصیح میں شائع ہے، بلکہ علماء نے استخدام وتوریہ ــــف کو بدیع کی سب سے عمدہ قسم شمار کیا ہے بلکہ بعض علماء نے استخدام کو شرف میں تمام اقسام بدیع پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے، اور اس قبیل سے قرآن عظیم میں اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں"

ف: توریہ ابہام کو کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کو لیں جس کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید، اور معنی قریب سے بعید معنی کا توریہ کریں، اور بعید معنی مراد ہو تو معنی قریب کو موڑی بہ اور معنی بعید کو موڑی علیہ کہتے ہیں۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النور الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۲و ۱۳

المراد بالانسان ابو نا ادم علیه السلام وبضمیر ولدہ، ومنه قوله تعالٰی "اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ"[1]۔ المراد بامر الله بعثة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی احد الوجوہ فی تاویله اخرج ابن مردویة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه فی قوله تعالٰی اتی امر الله قال محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم، والمراد بالضمیر قیام الساعة قاله العلامة السیوطی[2] نفعنا الله تعالٰی بعلومه، امین۔	آیت میں انسان سے مراد ہم انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ضمیر سے مراد ان کی اولاد ہے اور راسی قبیل سے اللہ تعالٰی کا قول ہے کہ "اللہ تعالٰی کا حکم آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ۔ اس آیت میں ایک وجہ پر امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول "اتی امر اللہ" میں امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اور ضمیر سے مراد قیامت کا قائم ہے، یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے ذکر کیا ہے اللہ تعالٰی ہمیں ان کے علوم سے نفع بخشے آمین۔
اقول: فان قلت اذا اردتم بالنار اعظم النیران المخصوص باشقی الاشقیاء فما انذار سائر الناس عنه قلت المعنی ان شاء الله تعالٰی ان الاشقی انما بلغ ما بلغ من کمال الشقاء وسوء الجزاء وجهد البلاء بما ثابر علیه من اللدادو	**میں کہتا ہوں** اب اگر تم کہو جبکہ آپ نے آیت میں مذکور نار سے دوزخ کی سب سے بڑی آگ مراد لی جو تمام اشقیاء سے بدتر شقی کے لئے مخصوص ہے تو سب لوگوں کو اسے ڈرانے کا کیا مقصد ہے، تو میں کہوں گا کہ مقصد ان شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا شقی کمال شقاوت اور بری جزا اور سخت بلا کے جس درجہ پر پہنچا اس کا سبب وہی کفر وعناد ہے اور ہر ناہٹ اور

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۴

العناد والاصرار والاستکبار فاحذروا انتم یا ایها الناس ان لم تنیبو االی الحق ودمتم کدوامه ان تعادلوه فی الشقاء فتلقوا اثاما کمثل اثامه فکانت الایة علی حد قوله تعالٰی "فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ "[1] فانهم انما اصابهم ما اصابهم لمثل هذا الاعراض فماذا یؤمنکم ان مضیتم علی دابهم ان تعذبوا بعذابهم وحصل الانذار بانه تعالٰی اخبر ان هناك عدوا اشقی من یوجد وله جزاء اسوء مایکون والناس غیر دارین انه من هو، ولم یذکر الله تعالٰی من صفاته الاالتکذیب و التولی، فحق ان تنقطع قلب کل مکذب وینفلق کبد کل متول خوفا وفرقا ان یکون هو فمن هذا الوجه جاء الانذار لسائر الناس فاتقنه فانه من احسن السوانح بتوفیق الملك العلیم الفاتح جل جلاله	گھمنڈ ہے جس پر وہ قائم رہا تو اے لوگو! تم ڈرو کہ اگر تم حق کو نہ مانو اور ناحق پر جمے رہو جیسا کہ وہ بڑ بدبخت جمارہا کہیں تم بدبختی میں اس کے برابر نہ جاؤ تو اس کے عذاب جیسا عذاب پاؤ تو یہ آیت اللہ تعالٰی کے قول "پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی، کے طور پر ہے اس لئے کہ عاد و ثمود پر جو مصیبت اتری وہ اسی طور کے اعراض (روگردانی) کے سبب اتری تو تمہیں کون سی چیز بے خوف کرتی ہے، اگر تم ان اگلوں کی عادت پر جمے رہو ان جیسا عذاب پانے سے یا سب کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ اللہ تعالٰی نے بتایا کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کا ایک دشمن نہایت بدبخت ہوگا اور اس کے لئے نہایت بدترین سزا ہے اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، اور اللہ تعالٰی نے اس کی صفات میں سے جھٹلانے اور، منہ موڑنے کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا تو بجاہے کہ ہر جھٹلانے والے کا دل کٹ جائے اور ہر منہ موڑنے والے کا کلیجہ پھٹ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہ ہی نہ سب سے بڑا بدبخت ہو جس کی یہ سزا سنائی گئی تو اس وجہ سے یہ تخویف سے لوگوں کے لئے آئی، اس نکتہ کو یاد رکھو کہ یہ بادشاہ علیم فاتح (علم والے عقدہ کھولنے والے جل جلالہ) کی توفیق سے ایک

[1] القرآن الکریم ۴۱ /۱۳

وھذا الکلام یجری بعضه فی الوجه الثانی ایضا لکن ھنا دقیقة غامضة وھی ان امثال ھذا الحصر الادعائی انما تناسب المقام اذا کان سوق الکلام لذم ھذا الاشقی الملام، فکانه قیل انه بلغ من الشقاء مبلغا تضحمل دونه سائر الشقاوات فکانه لایلج النار الا ھو، اما اذا سیق مساق الانذار لجمیع الکفار أو قصد ذٰلك ایضًا مع قصد الذم فلعله لایستحسن حینئذ حصر العقاب فی رجل واحد، تأمل فانه موضعه و العبد الضعیف لھذا یجد نفسه ارکن الی الوجه الاول دون الثانی، وفیه الغنیة و حصول المنیة، و الحمدﷲ معطی الامانی، ثم لما بلغت ھذا المقام رجعت العزیزی بعد ما استعرته من بعض الاعزة فرأیت المولٰی عبد العزیز تجاوز اللّٰه تعالٰی عنا وعنه تنبه لھٰذا الاستبعاد الذی ذکرته فی الوجه الاول وجھی القاضی وحق له ان یتنبه لانه العلم فی الذکاء و الفطانة، ثم اجاب عنه بجوابین: **الاول یقارب ما**	اچھا خیال ہے اور یہ تقریر کچھ وجہ ثانی میں بھی جاری ہے، لیکن یہاں ایک نہایت خفی نکتہ ہے اوہ یہ کہ ایسے حصرادعائی موقع کے مناسب اسی وقت ہوں گے جبکہ سیاقِ کلام اس بڑے بدبخت وقابل ملامت کی مذمت کے لئے ہو، تو گویا یوں فرمایا گیا کہ یہ شخص شقاوت کے اس درجہ تک پہنچا جس کے آگے سب شقاوتیں ہیچ ہیں تو گویا دوزخ میں اس کے سوا کوئی نہ جائے گا، مگر جبکہ یہ کلام تمام کافروں کی تخویف کے لئے ہو یا، مذمت کے ساتھ یہ قصد بھی ہو تو شاید عذاب کو ایک شخص میں منحصر بتانا مستحسن نہیں، غور کرو کہ یہ مقام غور ہے اور یہ بندۂ ناتواں اسی لئے خود کو دوسری وجہ کے بجائے پہلی وجہ کی طرف زیادہ مائل پاتا ہے اور اسی میں بے نیازی اور مطلب کا حصول ہے اور اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے جو مرادیں عطا فرماتا ہے، پھر میں جب اس مقام تک پہنچا میں نے تفسیر عزیزی اپنے بعض اعزہ سے عاریۃً لے کر دیکھی تو میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز کو (اللہ تعالٰی ہمیں اور انہیں معاف فرمائے) دیکھا کہ وہ اس اعتراض کی طرف متنبہ ہوئے جو وجہ اول پر اعلٰی حضرت نے فرمایا اور انہیں متنبہ ہونا ہی چاہئے اس لئے کہ وہ ذکاوت وفطانت کا پہاڑ ہیں، پھر اس کے دوجواب دیے: **پہلا** تو وہی جو علماء نے اختیار فرمایا یعنی

دنا التوفیق الیه من القول بالاستخدام۔ **والثانی** ان التجنیب من تلك النار المخصوصة بالکفار ایضا لها عرض عریض وغایة القصوی مختصة بالاتقی وسائر المومنین وان کانوا مجنبین لکن لا کمثله[1] انتھی معرّبًا۔ **اقول:** الوجه الوجه الاول وعلیه عندی المعول واما ماذکر من الوجه الثانی فلیس بشیئ عندی وانکان ھو المرضی لدیه حتی اورد الاول بصیغة التمریض وذلك لان کون التجنیب مقولا بالتشکیل مسلم فی مطلق النار التی یمکن ان یدخلها بعض المومنین ومعنی العرض العریض فیه کما یسبق الیه ذھنی القاصر أن الذنوب مقتضاھا الأصلی الذی لو خلیت ھی وطبایعها مااقتضت الا ایاہ انما ھو اصابة الجزاء الذی اوعدبه علیها وھذا ظاھر جدًّا، فکل من	استخدام کا طریقہ۔ دوسرا یہ کہ اس نار سے دور رکھا جانا جو کافروں کے ساتھ خاص ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس کی آخری حد اتقی کے لئے خاص ہے اور باقی مسلمان اگرچہ وہ بھی اس آگے سے دور رہیں گے لیکن اس کی طرح نہیں اھ۔ **میں کہتا ہوں** وجہ تو پہلی ہے اور میرے نزدیک وہی معتمد ہے، اور جو دوسری وجہ ذکر کی وہ میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اگرچہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو دوسری پسند ہے کہ پہلی کو ایسے صیغہ سے ذکر کیا جس سے اس کے ضعف، کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ نار سے دور رہنا اس کا کلی مشکک ہونا مطلق نار میں مسلم ہے جس میں بعض مومن داخل ہوسکتے ہیں اور تجنیب (ناردوزخ سے دور رہنا) میں بڑی وسعت کا معنٰی جیسا کہ میرا ذہن قاصر اس کی طرف سبقت کرتا ہے کہ گناہوں کا وہ مقتضائے اصلی کہ اگر گناہ اپنی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دئے جائیں تو اسی کا تقاضا کریں تو یہ ہے کہ بندہ کو وہ سزا ملے جس کی اسے گناہوں پر وعید سنائی گئی، اور یہ بہت ظاہر ہے، تو ہر وہ شخص جس نے

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیة ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۴

اذنب ذنباولو مرة استحق بذنبه هذا أن يؤاخذه الملك جل جلاله، ولا تقبض حسناته المكتاثرة على العزيز االمقتدراذ نفع الحسنات انما يعوداليه، فكيف يمن على الله تعالٰى بما عمله لنفع نفسه، فكيف يجعله ذريعة الى ابطال منشور الجزاء عن رأسه وقد قيل له بأفصح بيان ان كما تدين تدان[1] غاية الامران يقسم لبثه فى الدارين على مقدارلبثه فى العملين كمًّا وكيفًا، فيجوز ان تسمه النار بما يعدل هذا المقدار، وقد اعتقدنانحن معشر اهل السنة و الجماعة رزقنا الله سبحٰنه وتعالٰى حظ الرحمة و الشفاعة أنه تبارك وتعالٰى له ان يؤاخذعبده كل جريرة ولو صغيرة كما ان له ان يتجاوز عن كل كبيرة، فضل وذٰلك عدل وما الله بظلامٍ للعبيد۔ ثم ان المولٰى جل وعلا بغاية عدله وضع الجزاء مشاكلًا للعمل ولذايديم تنغيم المومن وتعذيب الكافر	ایک بار بھی گناہ کیا اللہ تعالٰی کی پکڑ کا مستحق ہے اور بندہ کی بکثرت نیکیاں خدائے غالب وقدیر کو مانع نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ نیکیوں کا نفع تو بندہ ہی کو پہنچتا ہے تو کیسے اللہ تعالٰی کو اپنے بھلے کے لئے کیے ہوئے کام کا احسان جتائے گا اور کیونکر اسے سزا کے دستور کو سرے سے باطل کرنے کا ذریعہ بنائے گا، حالانکہ بندہ کو خوب واضح بیان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جیسا تُو کرے گا ویسا تجھے بدلہ دیا جائے گا، غایت امر یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں بندہ کی مدت اقامت کو نیک وبد ہر دو عمل میں ٹھہرنے کی مقدار پر باعتبار قدر وکیفیت تقسیم کریں تو ممکن ہے کہ اسے آگ اتنی مدت تک چھوئے جو اس کے مقدار عمل کے برابر ہو اور ہم اہلسنت وجماعت (اللہ ہمیں رحمت و شفاعت سے نصیب عطا فرمائے) کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کو حق ہے کہ وہ بندے سے ہر جرم پر مواخذہ کرے اگرچہ صغیرہ ہو جس طرح کہ اس کو سزاوار ہے کہ ہر گناہ سے درگزر فرمائے اگرچہ کبیرہ ہو اور یہ اس کا فضل ہے اور وہ اس کا عدل اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی لئے جنت میں مومنین کی آسائش اور جہنم میں کافر کا عذاب ہمیشہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالٰی کو انکی نیت اور مخفی ارادے کا

[1] کنزالعمال حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اذقد علم من نیتهما ومکنونات طویتهما أنهما عازمان علی ادامة ماهما من الکفر والایمان حتی لو دامو افی الدنیا لداموا علیه الا تری الی قوله تعالٰی "وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ"[1] ولذٰلك لما انسلخ ابو طالب عن الکفار بشراشره واثبت قدمیه علی تلك الملة الخبیثة نجا الدیان سبحٰنه وتعالٰی سائر بدنه من النار وسلط العذاب علی قدمیه کما فی حدیث الشیخین[2] وغیرهما فقضیة المشاکلة أن من تساوت حسناته وسیأته یساوی لبثه فی العذاب بلبثه فی دار الثواب ومن اذنب ذنبا واحدا اذیق اثامه ومن الم بسیئة ثم انقلع عنها فجزاءه المشاکل ان یدنی الی النار ثم یبعدعنها لیذوق من الفزع والغم قدر ماذاق من اللذة فی اللمم هذا حکم العدل وحکم العدل هو الاصل لکن المولی الجواد الکریم	علم ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی حالت کفروایمان پر قائم ودائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اگر دنیا میں ہمیشہ رہتے اپنے حال پر ہمیشہ رہتے کیا تم اللہ کے فرمان کو نہیں دیکھتے "اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے" اور جب ابوطالب کفار سے تمام وکمال جدا ہوئے اور اپنے قدم اس خبیث ملت پر جمائے رکھے جزادینے والے رب سبحٰنہ وتعالٰی نے ان کے سارے بدن کو نار سے نجات دی اور عذاب کو ان کے قدموں پر مسلط فرمادیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے تو عمل وجزا میں مشاکلت کا مقتضٰی یہ ہے کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اس کا عذاب میں رہنا ثواب کے گھر میں رہنے کے برابر ہوا، جو ایک گناہ کرے وہ اس کا عذاب چکھے اور جو برائی کے قریب جائے پھر اس سے جدا رہے تو اس کی جزامشابہ عمل یہ ہے کہ وہ نار کے قریب کیا جائے پھر اس سے دور رکھا جائے تاکہ غم اور گھبراہٹ کا مزہ ارادۂ گناہ میں لذت کے بمقدار چکھے، یہ حکم عدل ہے اور حکم عدل ہی اصل ہے، لیکن جودو کرم والے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۸

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصه ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸، صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعة النبی صلی اللہ علیه وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵

الذی "كَتَبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ" [1] وجعل لها السبقة على الغضب منة ونعمة تشفع اليه شفيعان رفيعان وجيهان حبيبان لايردان ولا يخيبان رحمته الكاملة العامة الشاملة وهذا النبی الكريم المبعوث من الحرم بفيض الجود والكرم صلی الله تعالٰی علیه واٰله وبارك وسلم فوعد بالطاف جميلة ورحمات جليلة فضلا من لديه من دون وجوب عليه، وحاشاه أن يجب عليه شيئ "وَّهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ" [2] وبشر "اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ" [3] وان اللمم معفوعنا ان شاء الله تعالٰی "اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَةِ" [4] وان الله تجاوزلنا عما همت به انفسنا مالم نعمل اونتكلم و أن من تعادلت كفتاه لم يدخل النار وان لا يهلك على الله المارد متمرد وهذا كله تفضل وتكرم من المولى الحی جلت	مولٰی نے اپنے اوپر رحمت کولازم فرمایااوراس کے لئے غضب پر سبقت رکھی اپنے کرم واحسان سے اس سے سفارش کی جو رفعت وجاہت والے وپیارے شفیعوں نے جو نہ پھیرے جائیں نہ محروم ہوں ایک اللہ تعالٰی کی رحمتِ تمام وعام اور دوسرے یہ نبی کریم جو حرم سے فیض جودوکرم کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جمیل مہربانیوں اور جلیل رحمتوں کاوعدہ فرمایا محض اپنے فضل سے نہ اس سببسے کہ اس پر کچھ واجب ہے اور وہ اس سے منزہ ہے کہ اس پر کچھ واجب ہو حالانکہ وہی پناہ دیتاہے اوراس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اوراس نے خوشخبری دی کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ کہ لمم (ارادۂ گناہ) پر ہمیں معافی دے دی گئی بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے اور بیشک اللہ تعالٰی ان باتوں سے در گزر فرماتاہے جن کا ارادہ ہمارے نفوس کرتے ہیں جب تک انکو انجام نہ دیں یاانہیں نہ بولیں اور جس کے دونوں پلے برابر ہوں گے وہ نار میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالٰی کے یہاں صرف نہایت سرکش نرانافرمان ہی ہلاک ہوگا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۸
[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴
[4] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

اٰلاءہ وتوالت نعماؤہ ولہ الحمد کما یحب ویرضی۔ فکل من اذنب اوالم ثم جنبہ المولی النار فانما جنبہ علی استحقاق منہ لجزاء ماعملہ کما قال تبارك و تعالٰی " اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ "[1] بل لا معنی للمغفرۃ الا تجاوز صاحب الحق عن استیفاء حقہ کلًا اوبعضًا فھذا تجنیب بعد تقریب وأنجاء بعد الجاء مع مافیہ ایضامن تفاوت الرتب کمالا یخفی، اما الذی بلغ من التقوٰی غایتہ القصوی حتی تنزہ عن کل مایکرہ وفنی عن الخلق وبقی بالحق و ارتفع شانہ عن اتیان عصیان ونظر بالرضی الی ما یبغض الرحمٰن، فھذا محال ان یکون من النارفی شیئ أو النارمنہ فی شئی لاسیما اتقی الاتقیاء وأصفی الاصفیاء	(یعنی کافر) اور یہ سب مولائے غنی کریم کا فضل و کرم ہے۔ اس کی نعمتیں جلیل ہیں اور اس کے احسان پیہم ہیں، اور اسی کے لیے حمد ہے۔ جیسی وہ چاہے اور پسند فرمائے، تو ہر وہ شخص جس نے گناہ کیا یا گناہ کے پاس جا کر رُک گیا پھر اللہ تعالٰی نے اسے نار سے دور رکھا تو اسے اس کے استحقاق کی جہت سے اس کے عمل کی جزا دینے کو دور رکھا چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالٰی لوگوں کو بخشنے والا ہے انکے ظلم کے باوجود" بلکہ مغفرت کا معنی یہی ہے کہ صاحب حق اپنے حق کو لینے سے کلی یا جزوی طور پر در گزر کرے تو یہ نار سے قریب کرکے اس سے دور رکھنا ہے اور نار کی طرف لیجا کر اس سے بچانا ہے اس کے باوجود اس میں رتبوں کا تفاوت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں مگر جو تقوٰی کی سب سے آخری حد تک پہنچ گیا، یہاں تک کہ کہ ہر ناپسندیدہ بات سے دور رہا اور خلق سے فانی اور حق پر باقی ہو گیا اور اس کی شان معصیت کے ارتکاب سے اور رحمٰن کے مبغوض کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے سے بلند ہو گئی تو محال ہے کہ ایسے شخص کو نار سے علاقہ ہو یا نار کو اس سے کوئی تعلق ہو خصوصًا وہ متقیوں کا متقی اور سارے اصفیاء سے زیادہ

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۶

الذی لم یزل من الحق بعین الرضافی جمیع احواله، ولم یسوء النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعلة من افعاله. فذاك العبد ذاك العبد کلت الالسن عن شرح کماله وتاهت العقول فی تیه جلاله جالت و عالت، فبقیت تکبو ثم رجعت فسئلت فقالت هو هو، فغایة القول فیه أنه أولی العباد وأول المراد بقول الجواد "اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾"[1] هذا معنی العرض العریض للتجنبی من مطلق النار علی حسب مایطیقه البیان، ولا یتاتی مثله فی النار المخصوصة بالکفار اذ انما هی جزاء الکفر والمؤمنون کلهم متساوون فی التباعد عنه اذ الکفر والایمان لایزید ان ولا ینقصان و	صاف باطن جس کے تمام احوال پر حق کی چشم رضا رہی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جس کا کوئی کام بُرا نہ لگا تو یہی وہ خدا کا بندہ ہے یہی وہ خاص بندہ ہے زبانیں جس کے کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہیں جس کی عظمت کے صحرا میں عقلیں گم ہیں اس میں عقلیں دوڑیں اور گھومتی پھریں، پھر گرتی پڑتی رہیں پھر لوٹیں توان سے پوچھا تو بولیں وہی وہ ہے، تو اس خاص بندہ کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ وہ سارے بندوں سے اولٰی اور خدائے جواد کے قول "بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوچکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا" کی پہلی مراد ہے، مطلق نار سے دور رکھنے میں جو بڑی وسعت ہے اس کا مقدور بیان کے مطابق یہ معنی ہے اور ایسی بات اس نار کے بارے میں نہیں بنتی جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو کفر کی سزا ہے اور تمام مسلمان اس نار سے دور رہنے میں برابر ہیں اس لئے کہ کفر وایمان یہ دونوں وصف گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں اور یہ

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱تا۱۰۳

المسئلة اجماعية والنزاع لفظی فوجب ان یتساووا فی البُعد عن جزاء الکفر ایضًا، واما قوله تبارك وتعالٰی "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ"[1] فهٰذا بالنظر الی الظاهر اذ الاٰية فی المنافقین لقوله تعالٰی "يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ"[2] یعنی أنهم کانوا یتظاهرون بالایمان فیظن الجاهل بما فی السرائر انهم مؤمنون، لما کانوا یتباعدون بالسنهم عن الکفر ثم لما انخزلوا عن عسکر المؤمنین وقالوا "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ"[3] تخرق الحجاب وغلب علی الظنون انهم لیسوا بمؤمنین مع تجویز ان یکون هذا القول منهم تکاسلًا واخلادًا الی ارض الدعة، فهذا معنی القرب و البعد او المراد بالکفر والایمان اهلوهما

مسئلہ (کفر وایمان کا کم زیادہ نہ ہونا) اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے تو ضروری ہے کہ مسلمان کفر کی سزا سے دور رہنے میں بھی برابر ہوں۔ رہا اللہ تعالٰی کا قول "اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کہیں کفر سے زیادہ قریب ہیں" تو یہ باعتبار ظاہر کے ہے اسلئے کہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں فرمایا: "اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ منافقین ظاہری طور پر ایمان والے بنتے تھے تو ان کے دلوں میں چھپی بات سے بے خبر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مسلمان چونکہ منافقین کفر سے دوری ظاہر کرتے تھے پھر جب وہ مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوگئے اور بولے کہ "اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔" ان کا پردہ فاش ہوگیا اور گمانوں پر غالب ہوگیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں اس احتمال کے ساتھ کہ منافقوں کی یہ بات سُستی اور آسائش کی زمین پکڑنے کی وجہ سے ہو تو قُرب اور بُعد کا یہ معنٰی ہے یا کفر وایمان سے مراد صاحبان کفر وایمان ہیں اس لئے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

اذتقلیلهم سوادالمومنین بالانعزال عنهم تقویة للمشرکین کذا قال المفسرون هذا ماعندی، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کہ منافقوں کا مسلمان کے گروہ کو کم کرنا مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہو کر مشرکوں کو تقویت دینا ہے ایسا ہے مفسرین نے فرمایا ہے، یہ ہے وہ جو میری رائے ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔
وبالجملة فهبت نسائم التحقیق علی ان الوجه ابقاء اللفظین علی ظاهرهما، وانما تحتاج الی امرین لایعد شیئ منهما تکلفًا ولاتغیرًا۔	خلاصہ یہ کہ اب تحقیق کی ہوائیں چلیں اس پر کہ وجہ تو یہی ہے کہ دونوں لفظوں کو انکے ظاہر پر رکھا جائے اور تمھیں حاجت صرف دوامر کی ہوگی اوران میں سے کوئی نہ تکلف کے شمار میں ہے نہ تغیر کی گنتی میں۔
الاول ان تنکیرنارًا للتعظیم وهو کما تری شائع فی الکلام الفصیح قرانا وقدیما وحدیثا واخذ التلظی بمعنی اشد مایکون حملا للمطلق علی فرده الکامل وهوایضامنتشر مستطیر۔	**پہلی بات** یہ کہ یہاں "نارًا" نکرہ تعظیم کے لیے ہے اور یہ اسلوب جیسا کہ تم جانتے ہو قرآن وحدیث اور قدیم وجدید کلام فصیح میں شائع ہے اور **تلظی** (آگ کی بھڑک) مطلق کو فرد کامل پر محمول کرتے ہوئے سخت ترین بھڑکنے کے معنی میں لیاجائے اور یہ بھی خوب شائع ہے۔
والثانی الاستخدام وهو کما سمعت اعلٰی اومن اعلی انواع البدیع او ارجاع الضمیر الی نفس الموصوف مجردا عن الصفة وهذا لیس من التاویل فی شیئ علی ان غرضنا یتعلق بٰایة الا تقی ولا مساغ فیه للتاویل بتا وقطعًاهکذاینبغی التحقیق والله ولی التوفیق والحمدلله رب العالمین۔	اور **دوسری بات** استخدام، اور وہ جیسا کہ تم نے سنا اقسام بدیع میں سب سے اعلٰی ہے یا منجملہ اعلٰی اقسام کے ہے یا ضمیر کو نفس موصوف کی طرف بلا لحاظ صفت لوٹائیں اور یہ تاویل سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں ہماری غرض تو آیت اتقی سے ہے، اور اس میں قطعًا تاویل کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح تحقیق چاہیے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو مالک ہے سب جہانوں کا۔
اذاوعیت هذا ودریت مافیه	جب یہ بات ثابت ہوگئی اور تم نے اس کے

وألقيت السمع وانت نبيه هأن عليك الجواب عن هٰذه الشبهة الاولٰى بوجوه۔ **الاول** ظاهر اللفظ واجب الحفظ الا بضرورة واين الضرورة۔ **الثانی** ماما لوا اليه لم يزدد الا قدحًا فوجب ان نضرب عنه صفحًا، وابوعبيدة فيما عانٰى لا أصاب ولا أغنٰى فكيف نترك ظاهر قول الله سبحٰنه وتعالٰى بقول رجل لم يكن معصومًا ولا صحابيًا ولا تابعيًا ولا سنّيا ولا مصيبًا فی ماطلب ولا مجديا فی ما اليه هرب۔ ايها الناس انی سائلكم عن شیئ فهل انتم مخبرون أرأيتم لو ان الآية وردت بلفظ التقی وفسره بالاتقی ابوعبيدة اللغوی فتعلقناه بقوله وندبناكم الی قبوله ماذا كنتم فاعلين لكن الانصاف شيئ عزيز ولايؤتی الا ذاحظ عظيم۔ **الثالث** سلمنا كونه فی الأية وجهًا وجيهًا لكن هو الوجه فيها بل وجهنا هو الأوضح والأجلی	مضمون کو سمجھ لیا اور تم نے کان دھرا اور تم ذہین ہو تو تمہیں اس پہلے شبہہ کا جواب چند وجوہ سے آسان ہے: **پہلی وجہ** یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں مگر بہ ضرورت، اور ضرورت کہاں۔ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ جس تاویل کی طرف لوگ مائل ہوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ ہوئی تو ضرور ہوا کہ ہم اس سے منہ پھیریں، اور ابوعبیدہ نے جو پاپڑ بیلے اس کاوش میں وہ نہ صواب کو پہنچا اور نہ کوئی مفید بات کہی تو ہم اللہ تعالٰی کے قول کے ظاہری معنٰی کو ایسے شخص کے کہنے سے کیسے چھوڑدیں جو نہ معصوم تھا، نہ صحابی تھا، نہ تابعی، نہ سنی، نہ اپنے مطلب میں صواب کو پانے والا، نہ اپنے مفَر میں نفع بخش۔ اے لوگو! میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا جواب دوگے، مجھے بتاؤ اگر آیت لفظ تقی کے ساتھ وارد ہوتی اور ابوعبیدہ لغوی اسے اتقی سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول سے چمٹ جاتے اور تمہیں اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے، لیکن انصاف کمیاب شیئ ہے اور بڑے نصیب والے ہی کو ملتا ہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ ہم نے آیت میں اس کا وجہ وجیہ ہونا مان لیا، مگر آیت میں کیا یہی وجہ ہے، بلکہ ہماری وجہ واضح تر اور زیادہ

ولا تنافی بین نجاۃ التقی ونجاۃ الاتقی والقرآن محتج به علی کل تاویل واحد الوجهین یوجب التفضیل و الوجه الاٰخر لاینافیه فوجب القبول والقول بما فیه۔ ولذٰلك تری علمائنا رحمهم الله تعالٰی لم یزالوا محتجین بالاٰیة الکریمة علی تفضیل العتیق الصدیق رضی الله تعالٰی عنه وهم ادری منا ومنکم بما قاله أبو عبیدة وغیره ثم هذالم یقعدهم عن سلوك تلك المسالك ولم ینکر علیهم احد ذٰلك فثبت ان مقصودنا بحمدالله حاصل ومزعومکم بحول الله باطل، والحمدلله رب العٰلمین ایاه نرجو وبه نستعین۔ **الشبهة الثانیة**: مانقله المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز بن ولی الله الدهلوی سامحنا الله وایهما بلطفه الخفی وفضله الوفی فی تفسیر فتح العزیز بعد ماذکر استدلال اهل السنة والجماعة بالاٰیة الکریمة علی الطریق المشهور بین علماء الدهور، قال وقالت اهل التفضیل ان الاتقی محمول علی التقی منسلخ عن معنی التفضیل اذ لولاه لشمل باطلاقه النبی صلی الله تعالٰی	روشن ہے تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر تاویل پر حجت ہے، اور دو وجہوں میں سے ایک تفضیل کی مقتضی ہے اور دوسری اس کی منافی نہیں تو قبول کرنا اور اس وجہ کے مضمون کا قائل ضروری ہے۔ اسی لئے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کو دیکھتے ہو کہ وہ اس آیت سے سیدنا عتیق صدیق کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابوعبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، پھر بھی علماء کو اس بات نے اس مسالک پر چلنے سے نہ روکا، نہ کسی نے اس مسلک کو ناپسند کیا اب ثابت ہوگیا کہ ہمارا مقصد بحمداللہ حاصل ہے اور تمہارا زعم اللہ کی قدرت سے باطل ہے اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا، ہم اسی سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔ **دوسرا شبہہ**: وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ مولا فاضل عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی (اللہ تعالٰی ہمیں اور انہیں اپنے لطف خفی اور فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت وجماعت کے استدلال کو علمائے زمانہ کے درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد نقل فرمایا، انہوں نے فرمایا کہ تفضیلیہ نے کہا کہ اتقی بمعنی تقی ہے، اور وہ (اسم تفضیل) معنی تفضیل سے مجرد ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے

علیه وسلم فیلزم ان یکون الصدیق اتقی منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو باطل قطعًا بالاجماع فقال واجاب اهل السنة والجماعة ان حمل الاتقی علی التقی یخالف اللسان العربی والقراٰن انما نزل بها فحمله علی مالیس منها غیر سدید، وما ذکروا من الضرورة مندفع بان الکلام فی سائر الناس دون الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لما علم من الشریعة ان الانبیاء اعلی کرامة واشرف مکانة عندالله تبارك و تعالٰی فلایقاسون بسائر الناس ولا یقاس سائر الناس بهم فعرف الشرع حین جریان الکلام فی مقام التفاضل وتفاوت الدرجة یخص امثال هذا اللفظ بالامة والتخصیص العرفی اقوی من التخصیص الذکری کقول القائل خبز القمح احسن خبز لن یفهم منه تفضیله علی خبز اللوزلأن استعماله غیر متعارف وهو خارج عن المبحث اذ الکلام انما انتظم الحبوب دون الفواکه[1] هذا کلامه فی التفسیر الفارسی اوردناه نقلًا بالمعنٰی۔	سبب صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شامل ہوگی تو لازم آئیگا کہ صدیق نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتقی ہوں اور یہ قطعًا اجماعی طور پر باطل ہے، شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ اہل السنت والجماعت نے جواب دیا کہ اتقی کو تقی کے معنی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے اور قرآن تو اسی میں اترا، تو ایسے طریقہ پر محمول کرنا جو زبان عربی کے دستور میں نہ ہو صحیح نہیں ہے اور جو ضرورت تفضیلیہ نے ذکر کی وہ مندفع ہے، اس لئے کہ کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ انبیاء کی عظمت سب سے زیادہ ہے اور انکا مرتبہ سب پر بلند ہے تو انہیں باقی لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے گا، نہ باقی لوگ ان پر قیاس کئے جائینگے، تو شریعت کا عرف مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری گفتگو میں ایسے الفاظ کو امت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور تخصیص عرفی تخصیص ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے، اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت بادام کی روٹی پر نہ سمجھی جائیگی اس لئے کہ اس کا استعمال متعارف نہیں ہے اور وہ بحث سے خارج ہے اس لیے کہ کلام اناج کو شامل ہے نہ کہ میووں کو۔ یہ شاہ عبدالعزیز کا تفسیر فارسی میں کلام تھا جس کے مفہوم کو ہم نے نقل کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی پ عم ص ۳۰۴

اقول: وباللّٰہ التوفیق اما ماذکرمن ان ھذا یخالف اللسان العربیۃ فممنوع ومدفوع،الا تری الی قولہ تعالٰی "ھُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ"[1] ۔ ولیس شیئ اھون علی اللّٰہ تعالٰی من شیئ والمعنی فی نظرکم علی احد تاویلات فی عسٰی ولعل الواردین فی القران،والی قولہ تعالٰی "اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَىٕذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾"[2] ولا خیر للغیر ولا حسن لأھل الضیر اولاٰیۃ جاریۃ علی سبیل التھکم بھم کما قال المفسرون لکن الأمر أن	**میں کہتا ہوں** اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے،رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر کی کہ یہ (اتقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع ومدفوع ہے،کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا قول "اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے" حالانکہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں (یعنی اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر یکساں قدرت حاصل ہے) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمہاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہیے اور یہ عسٰی ولعل جو قرآن میں وارد ہیں ان کی تاویلات میں سے ایک تاویل کی بناپر ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا یہ قول "جنت والوں کا اس دن (سب سے عــــہ) اچھا ٹھکانا اور حساب کی دوپہر کے بعد (سب سے) اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ غیر کے لئے خیر نہیں اور خسارہ والوں کیلئے

عــــہ: آیت کا ترجمہ ہم نے "کنزالایمان" سے نقل کیا ہے اور بریکٹ میں دو جگہ لفظ "سب سے" بڑھادیا ہے تاکہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ خیر واحسن کا اسم تفضیل کے لحاظ سے اصل ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے تھا،مگر قرینہ حالیہ کے سبب صحیح وہ ہے جو اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے کیا،اور اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خیر واحسن کا حقیقی معنی تفضیل والا نہیں۔ازہری غفرلہ

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۴

الافعل حقیقته فی التفضیل ولا یسار الی الانسلاخ عنه الا لضرورۃ دعت بقرینة قامت كما فی الاٰیتین اللتین تلونا وحیث لاضرورۃ ولا قرینة كما نحن فیه لانقول به والمصیر الیه اشبه بالتحریف منه بالتفسیر كما قد حققنا وهذا القدر یكفی للرد علیهم، واما ماذكر من حدیث التخصیص عرفا فجری منه علی تسلیم ماادعی الخصم من أن اللفظ بصیغته یشمل الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام وان بغیت الحق المرصوص فلا شمول ولا خصوص لأن الا تقٰی ان عم عم افراده وهم المفضلون المرجحون دون المرجوحین المفضل علیهم۔	کوئی اچھائی نہیں، یا آیت کفار سے استہزاء کے طور پر جاری ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسم تفضیل کا معنٰی حقیقی تفضیل ہے اور تفضیل سے مجرد ہونے کی طرف بغیر ضرورت داعیہ بہ سبب قرینہ قائمہ نہ پھرے گی جیسا کہ ان دو آیتوں میں جو ہم نے تلاوت کیں اور جہاں نہ ضرورت ہو اور نہ قرینہ ہو وہاں ہم تفضیل سے مجرد ہونے کا قول نہ کریں گے اور اس طرف پھرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا اور اس قدر انکے رد کے لئے کافی ہے، اور رہی وہ تخصیص عرفی کی بات جو شاہ صاحب نے ذکر فرمائی تو مدعی کا وہ دعوی کہ لفظ اپنے صیغہ کے سبب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے تسلیم کرنے کی تقدیر جاری ہوئی اور اگر تم حق محکم کو چاہو تو نہ شمول ہے نہ خصوص ہے اس لئے کہ اتقی اسم تفضیل اگر عام ہے تو اپنے افراد کو عام وشامل ہے۔ اور اس کے افراد وہ ہیں جنہیں فضیلت وترجیح دی گئی ہے نہ کہ وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی۔
وسر المقام بتوفیق الملك العلام ان الافضل لابد له من مفضل علیه والمضل علیه یذكر صریحا اذا استعمل مضافا او بمن اما اذا استعمل باللام فلا یورد فی الكلام	اور اس مقام میں علم والے بادشاہ کی توفیق سے راز یہ ہے کہ افضل کے لئے ایک مفضل اور دوسرا مفضل علیہ لازم ہے اور جب اسم تفضیل اضافت کے ساتھ یا من کے ساتھ مستعمل ہو تو مفضل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے،

ولکن اللام تشیر الیه علی سبیل العهد فی ضمن الاشارة الی المفضل لان ذات ماله الفضل کما هو مفاد لفظ افعل بلا لام لاتتعین الا وقد تتعین المفضل علیه فعهدها یستلزم عهده واذلم یکن هناك عهد فی اللفظ فالمصیر الی العهد الحکمی وقد عهد فی الشرع المطهر تفضیل بعض الامة علٰی بعض لاتفضیلهم علی الانبیاء الکرام فلا یقصده المتکلم ولا یفهمه السامع فلم یدخلوا حتی یخرجوا۔ تأمل، انه دقیق، وقد کنت أظن هکذا من تلقاء نظری الی ان رایت علماء النحو صرحوابما ابدی فکری ولله الحمد۔

لیکن جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ آتا ہے تو اس میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیاجاتا لیکن لام تعریف بر سبیل عہد مفضل علیہ کی طرف مفضل کی طرف اشارہ کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ کوئی ذات جس کو دوسرے پر فضیلت ہو جیسا کہ صیغہ افعل کا مفاد ہے بغیر لام تعریف کے اسی وقت متعین ہوگی جب مفضل علیہ متعین ہوتو اس کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب کہ تعیین صراحۃً موجود نہیں تو آل کار حکمًا تعیین مانتا ہے اور شرع مطہر میں بعض امتیوں کی تفضیل دوسرے امتیوں پر معروف ہے نہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر فضیلت ہوتو نہ متکلم کی مراد ہوتی ہے نہ مخاطب ہی یہ معنی سمجھتا ہے، اب انبیائے کرام عموم میں داخل ہی نہیں کہ اس سے مستثنٰی کئے جائیں، اس کلام میں غور کرے، بیشک یہ دقیق ہے اور میں اپنی سمجھ سے یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے نحو کے عالموں کی تصریح اپنے نتیجہ فکر کے مطابق دیکھی وللہ الحمد۔

قال المولی السامی نور الملة والدین الجامی قدس الله تعالٰی سره وضعه لتفضیل الشیئ علی غیره فلا بد فیه من ذکر الغیر الذی هو المفضل علیه وذکره مع من و الاضافة ظاهر، واما مع

حضرت بلند مرتبت نورالملۃ والدین جامی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ نے فرمایا اسم تفضیل کی وضع شَے کی غیر پر فضیلت بتانے کے لئے ہے، لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ضروری ہے اور مِن اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔ رہا لام تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہرًا مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام

اللام فھو فی حکم المذکور ظاھرًا لانہ یشار باللام الی معین بتعیین المفضل علیہ مذکور قبل لفظًا اوحکمًا کما اذطلب شخص افضل من زید، قلت عمر و الأفضل ای الشخص الذی قلنا انہ افضل من زید، فعلی ھذا لاتکون اللام فی افعل التفضیل الا للعھد انتھٰی۔	تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکور یا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعیین سے متعین ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو کہ عمرو افضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا عمرو ہے، تو اس بناء پر صیغہ افعل التفضیل میں لام عہد (تعیین) ہی کے لئے ہوگا **انتھی**۔
قلت وتنقیح المرام بتحقیق المقام یستدعی بسطا نحن فی غنی عنہ (**لطیفتان**) بمثل ماصرّح المولی الجامی [1] صرح الرضی الاسترآبادی الذی لم تکن فی مصرہ عمارۃ عصرہ الابنحوہ لکنا لم ناثر عنہ لان علی قلبہ آفۃ لاحدلھافھم من فھم ھذا ثم ان المولی الفاضل نقل فی التفسیر جوابًا آخر عن بعض الاجلۃ الاکابر ولعلہ یریدبہ اباہ وھو أن الاتقی ھُھنا	**قلت** (میں نے کہا) مقصود کی تنقیح اس بحث کی تحقیق کے ذریعہ تفصیل کو چاہتی ہے جس سے ہم بے نیاز ہیں (دو لطیفے) جس طرح اسم تفضیل کے بارے میں فاضل جامی نے تصریح کی، ایسی ہی تصریح رضی استر آبادی نے بھی کی جس کے شہر میں اس کے زمانے میں اسی کی نہج ونحو پر عمارت قائم ہوئی، مگر ہم نے اس کا کلام نقل نہ کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے، اس کو سمجھا جو سمجھا، پھر فاضل مولانا نے بعض گرامی قدر اکابر سے ایک اور جواب نقل کیا اور شاید ان کی مراد ان کے والد ہیں اور وہ یہ کہ اتقی اس جگہ اپنے معنی پر ہے یعنی جو تقویٰ میں اپنے

[1] شرح الجامی الاسماء والوافقھا بحث اسم التفضیل مطبع مصطفائی لکھنؤ ص ۲۷۷

علٰی معناہ اعنی من فضل فی التقوی علٰی کل من عداہ نبیاً کان او غیرہ الا انہ یختص بالاحیاء الموجودین فالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ یوصف بہ فی اٰخر عمرہ حین خلافتہ بعدارتحال المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسیدنا عیسٰی علٰی نبینا علیہ الصلوٰۃ و السلام لماکان مرفوعا الی السماء لم یبق فی حکم الاحیاء ،ولا یجب للتقی ان یکون اتقی فی جمیع الاوقات وبالنسبۃ الٰی کل احد من الاحیاء والاموات والالم یوجد لہ فی العٰلمین مصداق اذلایتصور التقوی فی زمن الصبا وکل منصب محمود شرعًا فالعبرۃ فیہ باٰخر العمر کالعدل والصلاح والغوثیۃ و القطبیۃ و الولایۃ والنبوۃ ولھذا یدعی بھٰذہ الاوصاف من تشرف بھا فی اواخر عمرہ وان لم یکن لہ ذٰلک من بدو امرہ،فالاتقی من فضل بالتقوی من سائر الموجودین فی آخر عمرہ الذی ھو وقت اعتبار الاعمال وبہ یثبت المدعی بلاتکلف ولاتاویل [1] اھ بالتعریف وقد ارتضاہ المولی الفاضل جانحا الیہ وساکتاعلیہ۔	ماسواسے افضل ہو خواہ نبی ہو یا غیر نبی، مگر یہ کہ اس صورت میں یہ ان کے ساتھ خاص ہوگا جو زندہ موجود ہیں۔ پھر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اتقی کے مصداق اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی خلافت کے دور میں مصطفٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد ہوئے اور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ جب آسمان پر اٹھالئے گئے تو وہ زندوں کے حکم میں نہ رہے اور اتقی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام اوقات میں اتقی ہو اور تمام احیاء و اموات سے افضل ہو،ورنہ عالم میں کوئی اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ بچپن کے زمانہ میں تقوٰی متصور نہیں،اور ہر منصب جو شرعًا محمود ہو اس میں اعتبار آخر عمر کا ہے جیسے عدل و صلاح غوثیت وقطبیت ولایت ونبوت اسی لئے جو ان اوصاف سے مشرف ہوتا ہے اسے اس کے آخری ایام میں ان اوصاف کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اگرچہ یہ اوصاف ان لوگوں کو ابتداء سے حاصل نہیں ہوتے تو اتقی وہ ہے جو تمام موجودین کے بیچ تقوٰی میں سب سے افضل ہو،اپنی اواخر عمر میں جس وقت اعمال کا اعتبار ہوتا ہے اور اس تقریر سے صدیق کی افضلیت کا دعوی بے تکلف وتاویل ثابت ہوجاتا ہے،عربی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا اور اس تقریر کو فاضل مولانا نے اس کی طرف میلان اور اس پر سکوت کرتے ہوئے پسند کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی، پارہ عم ص ۳۰۴۔۵

اقول: وان جعل الله الفطانة بمرأى العين من قلب وكيع اتقن وأيقن ان هذا لايزيد على تلميع هب ان حديث"العبرة بالخواتيم"[1] حق واجب التسليم لكن اليس العقل السليم شهيدًا بانه اذا ذكر أحد من الاحياء الموجودين بنعت من النعوت لايفهم منه الا اتصافه فى الحال لا انه يصير هكذا بالمآل والتبادر دليل الحقيقة والافتياق الى قرينة تصرف الافهام، و تظهر المرام و امارة المجاز فماذا يحوجنا اليه مع استقامة الحقيقة من دون تكلف ولا تاويل، اما على طريقتنا فالامر أبين واجلى، واما على طريقة الشيخ العزيز عبد العزيز فلان امثال تلك التخصيصات تكون مرتكزة فى الاذهان من دون حاجة الى البيان، وليس دلالة هذا التلويح أدون من ارشاد التصريح ولهذا لا ينزل العام عن درجة القطعية كما فى الكتب الاصولية واعجب من هذا عده تكلفا وتاويلا مع شيوعه فى	**اقول:** (میں کہتاہوں) اور اگر اللہ تعالٰی ذہانت کو قلب کے سامنے رکھے تو وہ محکم یقین کرلے گا کہ یہ ملمع سے زیادہ نہیں، مان لو کہ حدیث کا ارشاد ہے "خاتمہ کا اعتبار ہے" حق واجب التسلیم ہے لیکن کیا عقل سلیم شاہد نہیں کہ جب دنیا میں زندہ موجود لوگوں میں سے کوئی کسی وصف کے ساتھ مذکور ہو تو اس سے اس کا فی الحال متصف ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ایسا آئندہ ہوجائے گا، اور تبادر (معنی کی طرف سبقت فہم) معنی حقیقی کی دلیل ہے اور قرینہ کی حاجت جو ذہن کو دوسرے معنٰی کی طرف پھیرے اور مقصد ظاہر کرے مجازی معنی کی علامت ہے تو ہمیں مجاز کی ضرورت کس لئے پڑی باوجودیکہ حقیقت بغیر تکلف وبغیر تاویل درست ہے ہمارے طریقے پر، تو معاملہ خوب ظاہر و باہر ہے، اور شیخ عبدالعزیز کے طریقہ پر حقیقی معنی کی درستگی اس لئے ایسی تخصیصات عرفی اذہان میں مرتکز ہوتی ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور عرف عام کے اس اشارہ کی دلالت صراحت کی دلالت سے کم رتبہ نہیں، اور اسی لئے عام درجہ قطعیت (تیقن) سے نہیں گرتا، جیساکہ اصول فقہ کی کتب میں مصرح ہے، اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اس (تخصیص)

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۸، کنزالعمال حدیث ۵۹۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۲۵

النصوص حدیثا وتنزیلافلو کان من باب التکلف فما اکثر التکلف فی افصح الکلام وکلام من ھو افصح الانام علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام، واغرب من ھذا زعم طریقتہ بریئۃ من التکلف مع انھا تحتاج الی ماھو ابرد وابعد فان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یکن بالحقیقۃ أتقی لالموجودین فی حین من الاحیان لحیات سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام علی أرجح الاقوال وزعم التحاقہ بالاموات لارتفاعہ الی السمٰوٰت کلمۃ ھو قائلھا ما علیھا دلیل ولا برھان، وان سلم فاین انت من سیدنا الخضر علیہ السلام مع أن المعتمد المختار نبوتہ وحیاتہ[1] فان قلت انہ مختف عن الابصار معتزل عن الامصار فالتحق بالاموات کان عذرًا أفسد من الاول فافھم علی أنا قد اثبتنا اطلاق السفۃ علی من سیکون کذا تجوز ولا تجوز الابقرینۃ ولا قرینۃ الاتخصیص الانبیاء

عرفی کو تکلف وتاویل میں شمار کیا باجودیکہ یہ قرآن وحدیث کی نصوص میں شائع ہے تو اگر یہ تکلف کے باب سے ہو تو افصح الکلام (قرآن) اور سب سے زیادہ فصیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کس قدر تکلف ہوگا۔ اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے پسندیدہ طریقہ کو تکلف سے بری کہا جب کہ وہ بہت دور کی اور بہت بارد تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی وقت بھی تمام موجودین سے حقیقۃً زیادہ متقی نہ تھے اس لئے کہ راجح مذہب پر سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں زندہ ہیں اور آسمانوں میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہونے کے سبب انھیں اموات سے ملحق بتانا ایسی بات ہے جو انہوں نے کہی اور اس پر کوئی دلیل وبرہان نہیں ہے۔ پھر اگر یہ بات تسلیم کرلیں تو تم سیدنا خضر علیہ السلام سے کہاں غافل ہو باوجودیکہ معتمد ومختار یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور دنیا میں زندہ ہیں تو اگر تم کہو کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور شہروں سے جدا ہیں اس بنا پر اموات سے ملحق ہیں تو یہ عذر پہلے سے زیادہ فاسد ہوگا تو تم سمجھ لو، علاوہ ازیں ہم ثابت کرچکے کہ صفت کا اطلاق ایسے شخص پر جو آئندہ صفت کا مصداق ہوگا مجاز ہے اور مجاز بغیر قرینہ کے ماننا درست نہیں اور قرینہ شرعی انبیاء کی تخصیص ہے، تو کلام کو

[1] شرح المقاصد المقصد السادس الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۲/۳۱۱

شرعًافباتكائه حمل الكلام على الحقيقة اولى ام المصير الى التجوز معتمدا على تلك القرينة نفسها، وقدبقى بعد خبايافى زوايالانذكرها مخافة للطويل فحق الجواب والحق فى الجواب ماذكر العبدالذليل وولى التوفيق ربى الجليل۔

حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے یا مجاز کی طرف اسی قرینہ پر اعتماد کی وجہ سے پھیرنا انسب ہے اور کچھ پوشیدہ باتیں گوشوں میں رہ گئی ہیں جنہیں ہم طوالت کے ڈر سے ذکر نہیں کرتے تو جواب برحق اور جواب کا حق وہی ہے جو بندہ ناتواں نے اپنے رب جلیل کی توفیق واعانت سے ذکر کیا۔

ثم اقول: وهناك نكتة اخرى أحق واحرى بقبول النهٰى لم ارمن تنبه لها وهى ان افعل التفضيل لا محيد له من مفضل عليه فالمحلى منه باللام اما ان يكون مفاده التفضيل على جميع من عهد التفاضل فيما بينهم فى امثال هذا المقام كالحبوب فى قولنا خبزالبرهوالاحسن والاكثرفيما نحن فيه،او على بعضهم دون بعض اولا ولا بل احتمالا على الاول حصل المقصود والثانى باطل بالبداهة الاترى الى قوله تعالٰى "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ"[1] وقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى دعائه دبر الصلوة اسمع و

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) اس مقام میں ایک دوسرا نکتہ ہے جو عقلوں کو قبول ہونے کا زیادہ سزاوار ہے، میں نے نہ دیکھا کہ کسی کو اس نکتہ کی طرف توجہ ہوئی ہو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ افعل التفضیل کے لئے مفضل علیہ ضروری ہے تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو یا تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگا جن کے درمیان ایسے مواقع پر حرف میں تفاضل سمجھا جاتا ہے جیسے ناج کی قسموں میں ہمارے جملہ "گیہوں کی روٹی ہی اچھی ہے" میں اور وہی زیادہ تر مستعمل ہے اس مقام میں جس کی بابت ہم گفتگو کر رہے ہیں، یا اس صیغہ سے بعض پر فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت مفہوم نہ ہوگی یا نہ پہلی صورت ہوگی نہ دوسری، بلکہ دونوں کا احتمال ہوگا۔ پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا حاصل ہے اور دوسری تقدیر پر بداہۃً باطل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ کے قول "اپنے رب اعلیٰ کی پاکی بولو

[1] القرآن الکریم ۸۷/ ۱

استجب اللہ اکبر والاکبر علی روایۃ الرفع، اخرجه ابوداود، والنسائی وابن السنی وقول ابن امسعود رضی اللہ تعالٰی عنه[1] بین الصفاء والمروۃ "رب اغفر وارحم انك انت الاعزالاکرم، رواہ ابن ابی شبیۃ[2] بل الٰی قول کل مصل فی سجودہ سبحٰن ربی الاعلٰی" وعلی الثالث کانت الاٰیۃ مجملۃ فی حق المفضل علیھم والمجمل ان لم یبین عد من المتشابھات ولم یعد ھا أحد منھا لکنا بحمد اللہ وجدنا البیان من صاحب البیان علیه افضل الصلوٰۃ والسلام، اخرج الامام ابو عمر بن عبدالبر من حدیث مجالد عن شعبی قال سألت ابن عباس او سئل ای الناس اول اسلامًا قال اما سمعت قول حسان بن ثابت۔	کی طرف اور نماز کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "اے رب! دعا سن لے اور قبول فرما، اللہ اکبر، اللہ اکبر، کی طرف۔ اکبر کے مرفوع ہونے کی روایت پر اس حدیث کو روایت کیا ابوداود، نسائی اور ابن السنی نے، اور صفاومرہ کے درمیان ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "اے رب بخش دے اور مہر فرما بیشک توہی عزت والا اکرم والا ہے" کو نہیں دیکھتے۔ اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے، بلکہ سجدے میں ہر نمازی کے قول "سبحان ربی الاعلٰی" کو نہیں دیکھتے اور تیسری تقدیر پر ہر آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی اور مجمل آیت کا بیان اگر نہ ہوا تو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی حالانکہ اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا، لیکن ہم نے بحمد اللہ اس آیت کا بیان صاحب بیان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پایا۔ امام ابوعمر ابن عبداللہ نے روایت کی حدیث مجالد سے انہوں نے شعبی سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے پوچھا یا ابن عباس سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم نے حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے:

[1] سنن ابی داود کتاب الصلوٰۃ باب مایقول الرجل اذا سلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۱۱، عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول فی دبر صلوٰۃ الصبح دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ص ۳۲

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحج باب ۴۶۰ حدیث ۱۵۵۶۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۰۴

اذا تذکرت شجوًا من اخی ثقة فاذکر اخاك ابابکر بما فعلا خیر البریة اتقاها واعدلها بعد النبی واوفاها بما حملا والثانی التالی المحمود مشهده واول الناس منهم صدق الرسلا[1] انتہی	(ترجمہ اشعار) "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی ابوبکر کو انکے کارناموں سے یاد کر جو نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوٰی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے، جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سفر ہجرت میں چلے، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی" (صلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وسلم)
انبانا عبدالرحمن عن ابن عبداللہ المکی عن عابد الزبیدی المدنی عن الفلانی عن ابن السنة عن الشریف عن ابن ارکماش عن ابن حجر العسقلانی عن الکمال ابی العباس أنا ابو محمد عبداللہ بن الحسین بن محمد بن ابی التائب عن محمد بن ابی بکر البلخی عن الحافظ السلفی عن ابی عمران موسٰی بن ابی تلمید عن الامام ابی عمر یوسف بن عبدالبر. قال فی الاستیعاب یروٰی أن رسول اللہ	ہمیں خبر دی عبدالرحمٰن نے انھوں نے روایت کی ابن عبداللہ مکی سے انہوں نے روایت کی عابد زبیدی مدنی سے انہوں نے روایت کی فلانی سے وہ روایت کرتے ہیں ابن السنۃ سے وہ روایت کرتے ہیں شریف سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ارکماش سے وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر عسقلانی سے وہ راوی ہیں کمال ابوالعباس سے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو محمد عبداللہ بن حسین بن محمد بن ابی التائب نے محمد بن ابی بکر بلخی سے وہ راوی ہیں حافظ سلفی سے وہ راوی ہیں ابو عمران موسٰی بن ابی تلمید سے وہ روایت کرتے ہیں امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر سے، ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لحسان "ھل قلت فی ابو بکر شیئا؟ قال نعم، وانشد ھذہ الابیات وفیھا بیت رابع وھی:۔" والثانی اثنین فی الغار النیف وقد طاف العدو بہ اذصعد والجبلا۔ فسر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذٰلك فقال احسنت یاحسّان[1] وقدروی فیھا بیت خامس:۔ وکان حب رسول اللہ قدعلموا خیر البریۃ لم یعدل بہ رجلا[2] انتھٰی۔	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی۔ اور حضرت حسان نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے اور ان میں چوتھا شعر ہے وہ یہ ہے: (ترجمہ) "غار شریف میں وہ دوسری جان درانحالیکہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے جبکہ وہ دشمن (صدیق اکبر کی نظروں کے سامنے) پہاڑ پر چڑھے تھے۔" تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اشعار کو سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے اچھا کیا۔ اور ان میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا: (ترجمہ) "(شہرت، چمک یا حرارت محبت میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب لوگوں نے انہیں جانا، تمام مخلوق سے بہتر، جس کے برابر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو نہ رکھا۔"
قلت ویروی بدلہ ع من الخلائق لم یعدل بہ بدلا[3] وحدیث ابن عباس رواہ	**قلت** (میں کہتا ہوں) مصرعہ ثانی کے بجائے یوں بھی مروی: (ترجمہ "مخلوق سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے برابر نہ رکھا۔") اور حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بھی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

[2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

[3] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

الطبرانی ایضًا فی المعجم الکبیر[1] وعبداللہ بن احمد فی زوائد الزھد، واما الحدیث المرفوع اعنی بہ استماع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشعارہ وتحسینہ علیہا فاصلہ مروی ایضا عند الحاکم من حدیث غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ حبیب بن[2] ابی حبیب وعند ابی سعد فی الطبقات وعند الطبرانی عن الزھری ورواہ الحاکم ایضا من حدیث مجالد عن الشعبی من قولہ کمثل حدیث[3] ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما والاصولی یعرف ان الموقوف فی مثل ھذا کالمرفوع اذ المجمل لا یبین بالرأی ولھذا ان لم یبین وانقطع عــہ نزول القراٰن عاد متشابھا، ثم ان	روایت کیا معجم کبیر میں، اور عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں۔ رہی حدیث مرفوع یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت حسان کے اشعار کو سن کرانہیں سراہنا تواس کی اصل بھی مستدرک حاکم میں غالب بن عبداللہ کی حدیث میں بطریق غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہٖ حبیب بن ابی حبیب مروی ہے (یعنی یہ حضرت غالب بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ سے سنی انہوں نے اپنے باپ غالب کے دادا حبیب بن ابی حبیب سے سنی) اور طبقات ابن سعد میں اور طبرانی میں زہری سے مروی ہے، اور نیز حاکم نے مجالد کی حدیث میں بروایت شعبی انکا قول حدیث ابن عباس رضی اللہ کے بلفظہٖ مشابہ روایت کیا، اور اصولی جانتاہے کہ ایسی جگہ پر موقوف (صحابی کا قول) مرفوع (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول) کی طرح ہے، اس لئے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا لہٰذا اگر شارع نے بیان نہ کیااور قرآن کانزول بند ہوگیا

عــہ: یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ ہے ۱۲منہ۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۶۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۸۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴و ۸۷، کنز العمال حدیث ۳۵۶۷۳و۳۵۶۸۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۵۲۳و۵۱۳، الدر المنثور بحوالہ ابن عدی وابن عساکر مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۳/ ۲۴۱

[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

البیان یلتحق بالمبین اذ لا یفید الا رفع التشکیك وتعیین احد المحتملات فکان حکمه کحکم القرینة والمفاد انما ینسب الی الکلام کما اوضحته الاصول فثبت بالاٰیة تفضیله رضی الله تعالٰی عنه علی کل من عداه فی التقوی والحمدلله علٰی ما اولٰی۔ **اقول:** واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام له عما یحتاج الیه فی اصل وضعه اعنی المفضل علیه فیکون صرفا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلا بد منه قرینة واین القرینة ولتکن حاجة وماذا الحاجة، نعم هذا مفاد صیغة المبالغة وشتان مهما فلیتنبه لهذا والله تعالٰی الموفق۔ **الشبهة الثالثة:** وهی تتعلق بالکبری من قیاس اهل السنة والجماعة ان المحمول فی قوله تعالٰی "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ"[1] هو الاتقٰی فکان حاصل المقدمتین ان	تو مجمل متشابہ ہو جائے گا، پھر بیان مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا اس لئے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کرے اور محتمل معانی میں سے کوئی ایک معین کردے تو بیان کا حکم وہی ہے جو قرینہ کا ہے اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے صدیق اکبر کی فضیلت تقوٰی میں ہر امتی پر ثابت ہوگئی اور اللہ تعالٰی کیلئے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔ **میں کہتا ہوں** اور افعل کو بمعنی کثیر الفعل لینا اس کو اس شَے سے الگ رکھنا ہے جس وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے یعنی مفضل علیہ تو یہ معنی حقیقی متبادر سے پھیرنا ہوگا اب تو قرینہ ضروری ہے اور قرینہ کہاں، اور اس کے لئے حاجت بھی چاہیے اور حاجت کیا ہے، ہاں یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق ہے۔ **تیسرا شبہہ:** اس کا تعلق اہلسنت وجماعت کے قیاس کے کبرٰی کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ" میں محمول الاتقی ہے۔ تو دونوں مقدموں کا حاصل یہ ہے ہوا کہ صدیق اتقٰی ہیں اور

---
[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

الصدیق اتقی وکل اکرم اتقی وھذا لیس من الشکل الاول فی شیئ ولا ثانیًا ایضًا لعدم الاختلاف فی الکیف وان عکستم الکبرٰی جاءت جزئیة لاتصلح لکبرویة الشکل الاول فمفاد الاٰیتین لایضرنا ولا ینفعکم ومن الشبھة ھی اللتی بلغنی عن بعض المفضلة عرضھا علٰی بعض المتکلمین منا۔

ہر اکرم اتقی ہے، اور یہ کسی طرح شکل اول کے قبیل سے نہیں اور شکل ثانی بھی نہیں اس لئے کہ کیف میں اختلاف نہیں ہے، اور اگر کبرٰی کا عکس کردیا جائے اس صورت میں موجبہ جزئیہ ہوگا جو شکل اول کے کبرٰی بننے کے لائق نہیں، تو دونوں آیتوں کا مفاد ہمیں مضر نہیں اور تمہیں مفید نہیں، اور یہ وہی شُبہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر پہنچی کہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم سے عرض کیا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق ما استخفه تشکیکا و اضعفه دخلًا رکیکًا غلط ساقط باطل عاطل لا یستحق الجواب ولکن اذا قیل وسئل فلا بد من ابانة الصواب فاعلم ان اللطیف الخفی وفقنی لازھاق ھذا التلبیس الفلسفی باثنی عشر وجھا امھاتھا ثلثة وجوہ کل منھا یکفی ویشفی۔

اور **میں کہتا ہوں** اور توفیق اللہ ہی سے ہے، یہ کتنی سخیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف اعتراض رکیک ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل وعاطل ہے جواب کا مستحق نہیں، لیکن یہ جب کہا گیا اور پوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا ضروری ہے، اب تم جانو کہ اللہ لطیف خفی نے اس قید فلسفی کے قلع قمع کے لئے مجھے بارہ وجوہ سے توفیق بخشی ان بارہ کی اصل تین وجہیں ہیں ان میں سے ہر ایک کافی وشافی ہے۔

الاول لو کان لھذا القائل علم بمحاورات القراٰن او الحدیث اوبما روی العلماء فی شان النزول او التفسیر المرفوع الی جناب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اوکلمات العلماء والائمة الفحول او رزق حظا من فھم الخطاب ودرك المفاد و

پہلی یہ کہ اگر اس معترض کو قرآن وحدیث کے محاورات یا شان نزول میں علماء کی روایات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب ومرفوع تفسیر یا علماء اور جلیل القدر ائمہ کے کلمات کا علم ہوتا یا نظم قرآن کی سمجھ اور مفاد ومعنی کی فہم اور کلام کو غرض مقصود پر رکھنے سے کچھ حصہ روزی ہوا ہوتا تو وہ جان لیتا کہ اکرم

تنزیل الکلام علی الغرض المراد لعلم ان حمل الاکرم هو المعتبروصدرالکلام بتصدیر الخبر و ذٰلك لوجوه اوقفنی الله تعالٰی علیها بمنه وعمیم کرمه۔	کو محمول بناناہی معتبر ہے تو کلام اس طرح صادر ہوا کہ اس میں تقدیم خبر ہے اور یہ دعوی چند دلیلوں سے ثابت ہے اس پر اللہ تبارک وتعالٰی نے مجھے اپنے احسان اور لطف عام سے مطلع کیا۔
فاقول اولًا: کانت الجاهلیة تتفاخر بالانساب وتظن ان الانسب هو الافضل فجاء ت کلمة الاسلام برد کلمة الجاهلیة " اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ " [1] فالنزاع انما وقع فی موصوف الافضل لافی صفته وهذا کما اذا سأل سائل عن الذ الاطعمة فقال قائل الحامض الذ فنقول رداعلیه الابل الذها احلاها فانما ترید ان الاحلی هو الالذ والوجه ان الاتقی فی الاٰیة کالاحلی فی قولك هذه مرأة لملاحظة الذات والاکرم حکم علیه کالالذوانما الخبرماحکم به	**فاقول:** (میں کہتاہوں) **اوّلًا** اہل جاہلیت نسبت پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رد کرتاہوا آیا " اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ " (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والاوہ ہے جو سب سے بڑاپرہیزگار ہے) تونزاع تو اس میں ہے کہ وصف اول کا موصوف کون ہے نہ کہ صفت افضل میں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی پوچھنے والاپوچھے کہ کھانوں میں سب سے مزیدار کھانا کون سا ہے؟ تو کوئی کہے کہ الذّھا اخلاھا (کھٹاسب سے زیادہ مزیدار ہے) تو اس کا رد کرنے کے کو تم یوں کہو: نہیں بلکہ الذھا احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے) تو ہماری مراد یہی ہے کہ سب سے زیادہ میٹھا سب سے زیادہ مزیدار ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اتقٰی تمارے اس قول "ذات کے ملاحظہ کیلئے یہ آئینہ ہے" میں احلی کی مثل ہے اور اکرم

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۳

لاما حکم علیہ ولقد دری من لہ قلیل ممارسۃ بکلام العرب ان الذھن اول ماتلقّی الیہ امثال ھذا الکلام لایسبق الا الی ان المراد مدح الاتقیاء والترغیب فی التقوی والوعد الجمیل بان من یتقی یکن کریمًا علینا عظیما لدینا وھٰکذا فھم المفسرون فھذا الزمخشری النکتۃ فی الادب الشامۃ فی معرفۃ کلام العرب یقول فی تفسیرہ "المعنی ان الحکمۃ التی من اجلھا رتبکم علی شعوب وقبائل ھی ان یعرف بعضکم نسب بعض فلایعتزی الی غیرابائہ،لاان تتفاخروا بالاٰباء والاجداد وتدعوا التفاوت و التفاضل فی الانساب،ثم بین الخصلۃ التی بھا یفضل الانسان غیرہ ویکتسب الشرف والکرم عنداللہ تعالٰی فقال ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم "وقریٔ ان بالفتح کانہ قیل لایتفاخر بالانساب فقیل لان اکرمکم عنداللہ اتقاکم لا انسبکم [1] الخ وبمثلہ قال الامام

محکوم علیہ ہے جیسے الذ۔اور خبر تو محکوم بہ ہوتی ہے نہ کہ محکوم علیہ۔اور بیشک وہ سمجھتا ہے جسے کلام عرب سے تھوڑا سا سابقہ ہو کہ جیسے ہی ایسا کلام ذہن میں آتا ہے اس کی سبقت اسی طرف ہوتی ہے کہ مراد پرہیزگاروں کی تعریف اور تقوٰی کی رغبت دلاتا ہے اور یہ وعدہ جمیل کہ جو تقوٰی اختیار کرے گا ہمارے یہاں عزت و کرامت والا ہوگا۔اور اسی طرح مفسرین نے سمجھا تو یہ زمخشری جو ادب میں نکتہ کی مانند اور کلام عرب میں تِل کی مثال سے ہے اپنی تفسیر میں قائل ہیں بیشک وہ حکمت جس کی وجہ سے تمھاری ترتیب کنبوں اور قبیلوں پر رکھی وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نسب جان لے۔تو اپنے آباء و اجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباء واجداد پر فخر کرو اور نسب میں فضیلت اور برتری کا دعوی کرو پھر اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے سے برتر ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں عزت وبزرگی کا اکتساب کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم اور ایک قراءت ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ نسبت پر فخر کیوں نہ کیا جائے،تو بتایا گیا کہ اس وجہ سے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے نہ وہ جو سب سے بڑے نسب والا ہو الخ

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

النسفی فی المدارک[1]۔ **واقول ثانیًا** القراٰن انما نزل لبیان الاحکام التی لا یطلع علیھا الا اطلاع اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کالنجاۃ و الھلاك والکرامۃ والھوان والردوالقبول والغضب و الرضوان لالبیان الامور الحسیۃ وکون الرجل تقیا او فاجرا مما یدرك بالحس ففی جعل الاکرم موضوعًا کقلب الموضوع ولقدکان ھذا الوجہ من اول ماسبق الیہ فکری حین استماع الشبھۃ ثم فی اثناء تحریر الرسالۃ لما راجعت مفاتیح الغیب رأیت الفاضل المدقق تنبہ للشبھۃ ودندن فی الجواب حول ما او مانا الیہ حیث یقول"فان قیل الاٰیۃ دلت علٰی ان کل من کان اکرم کان اتقی"وذٰلك لایقتضی ان کل من کان اتقی کان اکرم .قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاھد	اوراسی طرح امام نسفی نے مدارک میں فرمایا۔ **اقول ثانیًا:** قرآن تو ان احکام کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے جن کا علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے اطلاع کئے بغیر نہیں ہوسکتا جیسے کہ نجات وہلاکت، عزت وذلت اور مردودومقبول ہونا اور غضب ورضائے الٰہی، یہ محسوسات کے بیان کے لئے نہیں اترا اورآدمی کا پرہیزگار یامددگار ہونا ان باتوں سے ہے جن کا علم احساس سے ہوتاہے تواکرم کو موضوع بنانا قلب موضوع ہے اور بیشک یہ وجہ ان باتوں سے ہے جن کی طرف میری فکر نے شبہ کو سن کر سبقت کی، پھر اس رسالہ کی تصنیف کے دوران جب میں نے تفسیر "مفاتیح الغیب " دیکھی تو میں نے فاضل مدقق کو دیکھا کہ وہ اس شبہ کی طرف متنبہ ہوئے اور جواب میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کے گرد مبہم کلام فرمایا اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ یہ آیت تواس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اکرم (بڑا عزت والا) ہوگا، اتقی (بڑا پرہیزگار) ہوگا،اوریہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ ہر وہ شخص جو اتقی (بڑا پرہیزگار) ہو وہ اکرم (بڑاعزت دار) ہو۔ہم کہیں گے کہ انسان کا اتقی ہونا وصف معلوم ومحسوس ہے

[1] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۷۳

ووصف كونه افضل غير معلوم ولامشاهد والاخبار عن المعلوم بغير المعلوم هوالطريق الحسن، اما عكسه فغير مفيد، فتقدير الاٰية كانه وقعت الشبهة فى ان الاكرم عندالله من هو؟ فقيل هو الاتقٰى، واذا كان كذٰلك كان التقدير اتقٰكم اكرمكم عند الله انتهى۔[1]	اور انسان کا افضل ہونا نہ وصف معلوم ہے اور نہ محسوس۔ اور معلوم کے بارے میں وصف غیر معلوم کے ذریعہ خبر دینا، یہی بہتر طریقہ ہے۔ رہا اس کا عکس، تو وہ مفید نہیں۔ تو آیت میں عبارت مقدر ہے، گویا کہ اس بارے میں شبہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک اکرم کون ہے؟ تو فرمایا گیا کہ اکرم اتقی ہے، اور جب بات یوں ہے تو آیت کی تقدیر یوں ہوگی اتقٰکم اکرمکم عنداللہ (تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا ہے)
قلت ولعلك لايخفى عليك مابين التقديرين من الفرق وما بين هذا الوجه و وجوهنا الباقية من التفاوت العظيم "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ"[2] و لحمدلله رب العٰلمين۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) اور شاید تم پر پوشیدہ نہ ہو وہ فرق جو دونوں تقدیروں میں ہے اور وہ عظیم تفاوت جو اس وجہ میں اور ہماری باقی وجوہ میں ہے یہ اللہ کے فضل میں ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب ہے جہان والوں کا۔
ثم اقول عسٰی ان یزعجك الوهم الصؤل فيلجئك ان تقوم تقول اليس التقوىٰ من افعال القلوب، قال الله سبحٰنه و	**ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) قریب ہے کہ تمہیں وہم بے چین کرے پھر تمہیں مجبور کرے کہ تم کھڑے ہو کر یہ کہو کہ کیا تقویٰ افعال القلوب سے نہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کا ارشاد

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ ۳۱/ ۲۰۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

تعالٰی "اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ لِلتَّقْوٰی"[1] وقال تعالٰی "وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾"[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، یشیر الٰی صدرہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔" اخرجه مسلم[3] وغیرہ عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه وعنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "لکل شیئ معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین" اخرجه الطبرانی[4] عن ابن عمر والبیہقی عن الفاروق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنهما، فکیف قلتم انها من المحسوسات۔ **قلت** بلٰی ان التقوٰی مقامها القلب وعن ھذا قلنا ان الصدیق لما کان اتقی الامة باسرھا وجب ان یکون اعرفها باللہ تعالٰی	ہے: "یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔" اور نبی صلی اللہ علیه وسلم نے فرمایا: "تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔" اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم سے مروی ہے: "ہر شے کے لئے کان ہے اور تقوٰی کی کان اولیاء کے دل ہیں۔" اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے اور بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ تقوٰی محسوسات سے ہے۔ **قلت** (میں جواب میں کہتا ہوں) ہاں بے شک تقوٰی کا مقام قلب ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بے شک جب صدیق تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہوں

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم ظلم المسلم وخذله الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[4] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۵ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۲/ ۳۰۳

لکن القلب امیر الجوارح فاذا استولی علیه سلطان شیئ اذعنت له الجوارح طرًا ولعمت علیها آثارہ جهرًا وھذا مشاھد فی الحیاء والحزن والفرح و الغضب وغیرذٰلك من صفات القلب قال المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم "الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب"اخرجه الشیخان [1] عن نعمان ابن بشیر رضی الله تعالٰی عنه،وقال صلی الله تعالٰی علیه و سلم"اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشهدواله بالایمان"اخرجه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة وابن خزیمة وابن حبان والحاکم والبیهقی [2] عن ابی سعید	لیکن قلب اعضاء کا امیر ہے،توجب قلب پر کسی شے کا سلطان غالب ہوتا ہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہوجاتے ہیں اور اعضاء پر اس کے آثار صاف جھلکتے ہیں اور حیاء وغم،خوشی وغضب وغیرہ صفات قلب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:"خبردار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سدھرتا ہے پورا جسم سدھر جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو پورا جسم بگڑجاتا ہے،سنتے ہو وہ قلب ہے۔"اس حدیث کو بخاری ومسلم نے نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:جب تم آدمی کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤتو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔"اس حدیث کو امام احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،ابن خزیمہ،ابن حبان، حاکم وبیہقی نے ابوسعید

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳،صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترك الشبهات قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۸

[2] جامع الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیة ۹/ ۱۸امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۵،سنن ابن ماجة کتاب المساجد والجماعات باب لزوم المساجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۸،مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸،المستدرك للحاکم کتاب الصلوٰة بشر المشائین فی الظلم الی المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۲،السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰة باب فضل المساجد الخ دار صادر بیروت ۳/ ۶۶،موارد الظمآن الی زوائد الظمآن باب الجلوس فی المسجد بالخیر حدیث ۳۱۰ المطبعة السلفیه ص۹۹

الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اقول ثالثًا کل ماذکر فی شان النزول فانما یستقیم و یطابق التنزیل اذا کان الموضوع ھو الاتقٰی۔ اما اذا عکس فلا یتاتی ولا یاتی الرمی علی المرمی، اما روایۃ یزید بن شجرۃ فطریق الاستدلال فیھا انکم استحقرتم ھذا العبد لانہ عبد اسود فقلتم عاد ذلیلًا وحضر جنازۃ ذلیل لکنہ عندنا کریم جلیل اذ کان متقیا والفضل عندنا بالتقوٰی فمن کان تقیا کان کریما عندنا وان کان عبدا اسود اجدع۔ وھذا الطریق ھو المفھوم من الاٰیۃ عند کل من لہ ذوق سلیم، اما علی ما زعمتم فیکون حاصل استدلال اللہ سبحٰنہ و تعالٰی انہ کان کریما وکل کریم متق فلذا اعادہ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضر دفنہ، وھذا الطریق کما تری اذا کان ینبغی الاستدلال الاستدلال بامر مسلم عندھم یستلزم مالم یسلموہ کالتقوٰی علٰی تقریرنا۔

خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول ثالثًا: جو کچھ آیت کریمہ کے شان نزول میں مسطور ہوا وہ تو اسی وقت راس آتا ہے اور تنزیل کے مطابق ہوتا ہے جب آیت کریمہ میں اتقی ہی موضوع ہو۔ رہی وہ صورت جب اس کا عکس کردیں تو بات نہیں بنتی، ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ رہی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ سیاہ فام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ ذلیل کی عیادت کی ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے، لیکن وہ غلام ہمارے نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا اور ہمارے یہاں بزرگی تقوٰی سے ہے تو جو متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا اگرچہ کالا نکٹا غلام ہو۔ اور آیت سے ہر ذوق سلیم والے سے یہی طریق استدلال مفہوم ہوتا ہے، اور تمہارے زعم پر اللہ تبارک وتعالٰی کے استدلال کا حاصل یوں ہوگا کہ وہ بے شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے اسی لئے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔ اور یہ طریق استدلال جیسا ہے تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ دلیل لانا ایسے امر سے چاہئے تھا جو کفار کو مسلم ہو اور جو اس کو مستلزم ہو جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقوٰی ہماری تقریر پر۔

واما الکرامة فلم تکن ثابتة عندھم والالما قالو ما قالوا، علی ان المقدمة المذکورة فی الاٰیة تبقی ح عبثًا والعیاذباللہ تعالٰی فان الرد علیھم تم بالمطویة القائلة انہ رجل کریم عنداللہ تعالٰی وبعد ذٰلك ای حاجة الی ان یقال کل کریم متق، اذلم یکن نزاعھم فی التقوٰی بل فی الکرم۔ وبالجملة یلزم اخذالمدعی صغری واستنتاج مالیس بمدعی وھٰکذا یجری الکلام فی روایة مقاتل واستحقارقریش سیدنا عتیق العتیق اعتقنااللہ بھما من عذاب الحریق، اٰمین۔	رہی عزت (اس سیاہ فام غلام کی) کافروں کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافر وہ کچھ نہ کہتے جو انہوں نے کیا۔ علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت میں ذکر ہوا اس تقدیر پر عبث ٹھہرے گا والعیاذ باللہ، اس لئے کہ کفار پر رَد تو اس قضیۂ مطویہ (پوشیدہ) سے تام ہولیا جس میں یہ دعوی ہے کہ وہ غلام، اللہ کے نزدیک باعزت ہے۔ اس کے بعد کون سی حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم، متقی ہے اس لئے کہ کافروں کا نزاع تقوٰی میں نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا۔ بالجملہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مدعا صغرٰی ہو اور نتیجہ وہ نکلے جو مدعا نہیں اور یونہی کلام روایت مقاتل میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العتیق (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تحقیر میں جاری ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں ان دونوں کے صدقے میں جہنم کے عذاب سے آزاد فرمائے امین۔
ولنقرر **بعبارة اُخری** قال "کل جدید لذیذ" کان طریق استدلالھم علٰی حقارتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بانہ عبد ولاشیئ من العبد کریمًا فھو لیس بکریم والاٰیة نزل فی الردعلیھم فلابدمن نقض احدی المقدمتین من قیاسھم لکن الصغرٰی لامردلھا، فتعین ان الاٰیة انماتبطل الکبرٰی باثبات	اور ہم بلفظ دیگر تقریر کریں اس لئے کہ "کل جدید لذیذ"، کفار کا طریق استدلال حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حقارت پر بایں طور تھا کہ وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں ہوتا، تو عزت والے نہیں، اور یہ آیت کفار کے رد میں اُتری لہذا ان کے قیاس میں دو مقدموں میں سے ایک کا نقض ضروری ہے لیکن صغرٰی کا رد نہیں ہوسکتا۔ اب متعین ہوا کہ آیت کبرٰی کا ہی ابطال کرتی ہے اس کی نقیض

نقیضھا ،وھو ان بعض العبید کریم ولا یمکن اثباتہ الا علی طریقتنا بان نقول بعض العبید یتقی اللہ تعالٰی ومن یتقی اللہ تعالٰی فھو کریم ۔اما علی طریقتکم فی اصل المقدمتین ان بعض العبید متق وکل کریم متق وھذا ھو القیاس الذی انتم دفعتموہ وھکذا یتمشی التقریر فی روایۃ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بکلا الوجھین۔ ولنقررہ **بعبارۃ ثالثۃ** استحقر ثابت بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ بعض اھل المجلس بقولہ یاابن فلانۃ ای یادنی النسب فرداللہ سبحٰنہ وتعالٰی علیہ بانك ان زعمت ان بعض الادانی فی النسب لایکون کریمًا فقولك ھذا صادق لکن علام استحقرت ھذا بخصوصہ اذیجوز ان لایکون ھذا من ذٰلك البعض وان اردت السلب الکلی فباطل قطعًا ،اذلو صدق لصدق ان بعض المتقین لیس کریمًا لان بعضھم دنی النسب فلم یکن کریمًا عندك لکن التالی باطل	کے اثبات کے ذریعہ اور کفار کے کبرٰی کی نقیض یہ ہے کہ بعض غلام باعزت ہیں اور اس کا ثابت کرنا ممکن نہیں مگر ہمارے طریقے پر بایں طور کہ ہم کہیں بعض غلام ،اللہ تبارک وتعالٰی سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہی عزت والا ہے۔رہا اصل مقدمتین میں تمہارے طریقے پر یہ قیاس کہ بعض غلام متقی ہیں اور ہر عزت والا متقی ہے تو یہ وہی قیاس ہے جس کو تم دفع کرچکے۔اور یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت میں دونوں وجوہ کے ساتھ یہ تقریر چلے گی۔ اور ہم تقریر مدعا تیسری عبارت سے کریں حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعض اہل مجلس کی تحقیر انہیں ، "یا ابن فلانہ" (اے فلانی کے بیٹے) کہہ کر کی یعنی اے نسب میں کمتر، تو اللہ تبارک وتعالٰی نے ان کا رد یوں فرمایا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو اور اگر تمہاری مراد سلب کلی ہے تو یہ قطعًا باطل ہے اس لئے

لصدق نقیضه وهو ان کل متق کریم فالمقدم مثله.هذا علی طریقتنا اما علی طریقتکم فالمقدمة الاستثنائیة ان کل کریم متق وهو لایرفع اللازم فلا یرفع الملزوم اتقن هذا فان الفیض مدرار۔ والحمدلله۔	کہ اگر یہ صادق ہو تو یقیناً یہ صادق ہوگا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں کے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک شریف نہ ہوں گے لیکن تالی باطل ہے اس لئے کہ اس کی نقیض صادق ہے اور وہ یہ کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اس کی طرح باطل ہے یہ ہمارے طریقے پر ہے لیکن تمہارے طریقے پر تو مقدمہ استثنائیہ عـــہ یہ ہے کہ ہر شریف متقی ہے اور یہ لازم کو مرتفع نہیں کرتا تو ملزوم کو بھی مرتفع نہ کرے گا۔اس تقریر کو خوف ضبط کرلو اس لئے کہ فیض (کادریا) زوروں پر ہے،اور تمام خوبیاں اللہ ہی کی ہیں۔
اقول رابعًا الاحادیث التی جاءت تفسیرا الاٰیة اوترد موردمشرعها اوتلحظ ملحظ منزعها انما تعطی ما ذکرنا من المفاد وتابی عما بغیتم من الافساد و منها ماانبانا المولی السراج عن الجمال عن عبدالله السراج ح وعالیًابدرجة عن ابیه عبدالله السراج عن محمد بن هاشم ح ومساویاللعالی عن الجمال عن السندی ح وشافعهنی عالیابدرجتین	**اقول رابعًا** وہ احادیث جو اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یا اس کے گھاٹ کے راستے پر چلیں یا اس جگہ اشارہ کرتی ہیں جہاں سے اس کا تیر کھینچا وہ تو وہی مفاد دیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور اس فساد انگیزی سے انکار کرتی ہیں جو تم نے چاہا منجملہ ان حدیثوں کے یہ ہے کہ جس کی خبر ہمیں مولٰی سراج نے دی وہ روایت کرتے ہیں جمال سے وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ سراج سے (ح) نیز ہم نے سراج سے یہ حدیث ایک درجہ عالی سند سے روایت کی وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبد اللہ سراج سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ہاشم سے (تحویل) نیز اس سند سے اس روایت کی جو سند عالی کے

عـــہ: مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے،اور قیاس استثنائی وہ ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور ہو جیسے ہمارا یہ کہنا کہ "یہ اگر جسم ہے تو متحیز ہے" لیکن وہ جسم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ متحیز ہے اور یہی بعینہٖ قیاس یعنی مقدمہ میں مذکور ہے اور نقیض کی مثال یہ کہ وہ متحیز نہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جسم نہیں اور اس کی نقیض کہ وہ جسم ہے مقدمہ میں مذکور ہے۔(تعریفات جرجانی ص۱۵۹)

سیدی جمل اللیل عن السندی کلاھما عن صالح العمری باسانیدہ الامامین الجلیلین بسندھما الٰی سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اکرم، فقال اکرمھم عند اللہ اتقٰیھم[1]۔	مساوی ہے انہوں نے روایت کی جمالی سے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے اور میرے اوپر دو درجہ عالی سند سے اس حدیث کو مجھ سے روایت کیا سیدی جمل اللیل نے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے دونوں نے روایت کی صالح عمری سے ان امامین جلیلین (بخاری و مسلم) کی اسانید کے ساتھ ان دونوں اماموں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال ہوا: لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ توآپ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔
اقول: انظر الٰی اٰثار رحمۃ اللہ کیف یوضح المحجۃ ولا یدع لاحد حجۃ انما سئل المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان ای الناس اکرم ای من الموصوف بہ لا ان الاکرم ماھو بای نعت یزھو فاجاب الاٰیۃ الکریمۃ فلولا ان الاتقی ھو الموضوع لما طابق الجواب	**اقول:** (میں کہتاہوں) اللہ تبارک وتعالٰی کی رحمت کے آثار دیکھو راستہ کو کس طرح واضح کرتاہے یہ کسی کے لئے حجت نہیں چھوڑتا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یوں سوال ہوا تھاکہ کون سا شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے یعنی اس وصف سے کون موصوف ہے یہ سوال نہ ہوا تھاکہ "اکرم کی ماہیت کیاہے۔" "اکرم" (سب سے زیادہ عزت والا) اور کون سے وصف پر ناز کرتاہے، توسرکار نے

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ یوسف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل یوسف علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

السوال وعليك بتزكية الخيال ومن تمام نعمة الله تعالٰى ان فسر الشراح الحديث بما يعين المراد ويقطع كل وهم يراد۔	آیۃ کریمہ سے جواب دیا تو اگر بات یہ نہ ہوتی کہ اتقی (سب سے بڑا پرہیزگار) ہی موضوع ہے تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوتا اس پر خیال کا تزکیہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالٰی کی نعمت کی تمامی سے یہ ہے کہ حدیث کے شارحین نے اس کی تفسیر اس جملہ سے کردی جو مراد کو متعین کردیتا ہے اور وہم کا قاطع ہے۔
قال العلامة المناوی "اکرم الناس اتقهم لان اصل الکرم کثرة الخیر" فلما کان المتقی کثیر الخیر فی الدنیا وله الدرجات العلٰی فی الاٰخرة کان اعم الناس کرما فهو اتقٰهم [1]. انتهی۔	اس میں علامہ مناوی کا ارشاد ہے: اکرم الناس اتقاھم (سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ کرم اصل میں کثرت خیر ہے، تو جب متقی دنیا میں خیر کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے، تو سب سے زیادہ کرم والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقوٰی والا، انتہی۔
انظر این ذهبت شبهتك الواهية فهل ترى لها من باقية، ومنها ما انبانا المولٰی عبد الرحمن عن الشریف محمد بن عبدالله کما مضی عن علی بن یحیی الزیادی عن الشهاب احمد بن محمد الرملی عن الامام ابی الخیر السخاوی عن	دیکھو تمہارا واہی شبہہ کہاں گیا، اب اس کا کچھ نشان دیکھتے ہو۔ اور از انجملہ وہ حدیث ہے جس کی ہمیں خبر دی مولٰی عبد الرحمٰن نے، انہوں نے روایت کی سید محمد بن عبداللہ سے، جیسا کہ گزرا، اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن یحیٰی زیادی سے، وہ روایت کرتے ہیں شہاب احمد بن محمد رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابوالخیر سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں،

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم الناس اتقاھم مکتبۃ الامام الشافعی ۱/۲۰۳

العزعبدالرحیم بن فرات عن الصلاح بن ابی عمر عن الفخربن البخاری عن فضل اللہ ابی سعید التوقانی عن الامام محی السنۃ البغوی انا ابوبکر بن ابی الھیثم انا عبداللہ بن احمد بن حمویۃ انا ابراھیم بن خزیم ثناعبداللہ بن حمید انا الضحاك بن مخلد عن موسٰی بن عبیدۃ عن عبد اللہ بن دینار عن ابن اعمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف یوم الفتح علی راحلتہ یستلم الارکان بمحجتہ فلما خرج لم یجد مناخًا فنزل علی ایدی الرجال ثم قام فخطبھم فحمداللہ واثنی علیہ، وقال الحمدللہ الذی اذھب عنکم غبیۃ الجاھلیۃ وتکبرھابآبائھا انما الناس رجلان بر تقی کریم علی اللہ وفاجر شقی ھیّن علی اللہ ثم تلا "یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی "ثم قال اقول قولی ھذا واستغفر اللہ	عز عبدالرحیم بن فرات سے، وہ روایت کرتے ہیں صلاح بن ابی عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں فخر ابن بخاری سے، وہ روایت کرتے ہیں فضل اللہ ابو سعید توقانی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابی السنۃ بغوی سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابو بکر ابن ابی ہیثم نے عبداللہ ابن احمد ابن حمویہ سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابراہیم ابن خزیم نے، ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ ابن حمید نے، ہمیں خبر دی ضحاک ابن مخلد نے، وہ روایت کرتے ہیں اس کو موسٰی ابن عبیدہ سے، وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن دینار سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر طواف کیا، ارکان کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے مبارک سے لیتے تھے، تو جب باہر تشریف لائے تو سواری کو ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو لوگوں میں سواری سے اتر گئے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک وتعالٰی کی حمد وثناء کی اور فرمایا: اللہ کے لئے حمد جس نے تم سے جاہلیت کا گھمنڈ اور آباو اجداد کا غرور دور کیا۔ لوگوں میں دو قسم کے مرد ہیں، ایک نیک متقی اللہ کے یہاں عزت والا، دوسرا بدکار، بدبخت، اللہ کی بارگاہ میں ذلیل، پھر یہ آیت پڑھی: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"، پھر فرمایا: "میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے

لی ولکم [1]۔ **اقول:** انظر کیف قسم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخلق الٰی قسمین برتقی ووصفھم بالکرم وفاجر شقی ووصفھم بالھوان وھذا صریح فیما قلنا۔ ومنھا ما اخرج ابن النجار والرافعی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دعائہ:"اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم واکرمنی بالتقوٰی وجملنی بالعافیۃ۔"[2] قال المناوی اکرمنی بالتقوی لاکون من اکرم الناس علیك ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم [3]اھ۔ **اقول:** والوجہ حذف	لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتاہوں۔" **اقول:** دیکھو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخلوق کو دو قسم کیا، ایک نیک، پرہیزگار، اور ان کو عزت سے موصوف کیا۔ اور دوسرے بدکار، بدبخت، اور انہیں ذلیل بتایا۔ اور یہ ہمارے دعوی کی صریح دلیل ہے۔ ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دُعا کے یہ کلمات مروی ہے ہیں: "اے اللہ! مجھ علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقوٰی کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطافرما۔" مناوی نے (دعا کا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: "مجھے تقوٰی کے ساتھ اکرام عطافرما تاکہ میں تیرے یہاں سب سے زیادہ عزت پانے والے لوگوں میں سے ہوجاؤں (بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اھ **میں کہتاہوں** صحیح یہ ہے کہ لفظ من

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۱۹۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۳۶۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۸۵ و ۲۰۲، الجامع الصغیر حدیث ۱۵۳۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۹۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللھم اغننی بالعلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۲۱

من وکانه اراد ماترید الامة عند الدعاء به تاسیا بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	کو حذف کیا جائے۔ گویا اس کی مراد وہ ہے جس کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی میں دعا کرتے ہوئے امت کرتی ہے۔
ومنها ما اورد الزمخشری فی الکشاف ثم الامام النسفی فی المدارك عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ [1] اھ۔ وھذا ابین واجلی۔	من جملہ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے جسے زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے مدارک میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: جس کی یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عزت والا ہو تو اللہ تعالٰی سے ڈرے۔ اور یہ ظاہر تر ہے۔
واقول خامسا: العلماء مافهموا من الاٰیة الا مدح المتقین ولم یزالوا محتجین بها علٰی فضیلة التقوی واھلها فلو کان الامر کمازعمتم لا ندحض ھذہ التمسکات بحذافیرھا اذ لما کان المعنی ان کل کریم متق وھو لایستلزم ان کل متق کریم فای مدح فیه للمتقین وبم ذا یفضلون علی الباقین، الاتری ان کل کریم انسان وحیوان وجسمان	**اقول خامسا:** علماء نے اس آیت سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی اور اس آیت سے تقوٰی اور اہل تقوٰی کی فضیلت پر دلیل لاتے رہے، تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہو جاتے اس لئے کہ جب معنی یہ ٹھہرے کہ ہر کریم متقی ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر متقی کریم ہو تو اس میں پرہیزگاروں کے لئے کون سی تعریف ہے اور پرہیزگار دوسروں سے کس وصف سے برتر ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان، حیوان

[1] الکشاف تحت الآیة ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵، مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیة ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

ولا یکون بھذا کل فرد من ھٰؤلاء محمودا فی الدین۔	اور جسم ہے اوراس کے ساتھ ان تینوں میں سے ہر فرد محمود نہیں ہوتا۔
فان قلت ان التقوی وصف خاص بالکرماء فلھذا استحق الثناء بخلاف ماذکرتم من الاوصاف۔	**فان قلت** (تو اگر تم کہو کہ) بے شک تقویٰ کریموں کے ساتھ خاص ہے لہٰذا یہ وصف تعریف کا مستحق ہے بخلاف ان اوصاف کے جو آپ نے ذکر کئے۔
قلت الاٰن اتیت الی ابیت فان التقویٰ اذا اختص بھم ولم یوجد فی غیرھم وجب ان یکون کل متق کریمًا وفیہ المقصود قال المولی الفاضل الناصح محمد افندی الرومی البرکلی فی الطریقۃ المحمدیۃ بعد ماسرد الاٰیات فی فضیلۃ التقویٰ فتأمل فیما کتبنا من الاٰیات الکریمۃ کیف کان المتقی عنداللہ تعالٰی اکرم[1] انتھٰی۔	**قلت** (میں کہوں گا) اب تم اسی بات پر آگئے جس کا تم نے انکار کیا تھا اس لئے کہ تقویٰ جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں میں نہیں پایا جاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم ہو اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ مولٰی فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی طریقہ محمدیہ میں تقویٰ کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں تو ان آیات کریمہ میں غور کرو جو ہم نے لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ کریم ٹھہرا۔
قال المولی الشارح العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرحھا الحدیقۃ الندیۃ اشارۃ الی الاٰیۃ الاولی من قولہ تعالٰی "ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم"[2] انتھٰی۔	کتاب مذکور کے شارح مولا عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" کی طرف ہے۔
واقول سادسًا: الی یاموفق تحقیق بالقبول احق اخرج	**واقول سادسًا**: اے توفیق والے میری طرف آ، یہ ایک تحقیق ہے جو قبول کی

[1] الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی الفصل الثالث مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۹

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الفصل الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۱۰

الامام احمد والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرم المرء دینہ ومروتہ عقلہ وحسبہ خلقہ[1] واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین عن یحیٰی بن ابی کثیر مرسلًا ینمیہ الی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الکرم التقوٰی و الشرف التواضع[2] واخرج الترمذی محمد بن علی الحکیم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الحیاء زینۃ والتقی کرم"[3] انظر الی الاحادیث ما اجلاھا و افصحھا واحلھا واملحا انظر الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مروتہ	سزاوار ہے، امام احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "آدمی کی عزت اس کا دین ہے اوراس کی مروت اس کی عقل ہے اوراس کا خلق۔" اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے بسند مرسل روایت کیادرآنحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: "کرم، تقوٰی ہے اورشرف تواضع ہے۔" اورترمذی محمد ابن علی الحکیم نے جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ فرمایا: "حیاء زینت ہے اور تقوٰی کرم ہے۔" احادیث کو دیکھو کس قدر روشن اور کتنی فصیح ہیں اور کیسی شیریں اور کیسی ملیح ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کی مروت اس

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۵، المستدرک للحاکم کتاب العلم کرم المومن دینہ الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۲۳، لمستدرک للحاکم کتاب النکاح الحسب والمال والکرم الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۳، السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ دارصادر بیروت ۷/ ۱۳۶، السنن الکبرٰی کتاب الشھادات باب بیان مکارم الاخلاق الخ دارصادر بیروت ۱۰/ ۱۹۵

[2] کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۲۲ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱/ ۲۸

[3] نوادرالاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل السادس والخمسون والمائۃ دارصادر بیروت ص ۲۰۰

عقله فانما وصف العقل بالمروة لاالمروة بالعقل و كذا قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم "حسبه خلقه و الشرف التواضع" فانما حكم على الخلق بانه الحسب وعلى التواضع بانه الشرف حسبا لما يدعيه المدعون من ان المال هو الشرف، ولذا ان قال قائل ان الحسب خلق والمروة عقل والشرف تواضع لم يقبل قوله منه، وان عكس قبل فهكذا فى الفقرتين اعنى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم الكرم التقوٰى وكرم المرء دينه۔	کی عقل ہے۔ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "آدمی کا حسب اس کا خُلق ہے اور شرف تواضع ہے" تو اس لئے کہ خُلق پر حکم لگایا کہ وہ حسب ہے اور تواضع پر حکم فرمایا کہ وہی شرف ہے مدعیوں کے دعوے کو رد کرنے کے لئے کہ مال ہی شرف ہے اسی لئے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ بے شک حسب خُلق ہے اور مروت عقل ہے اور شرف تواضع ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور اگر اس کا عکس کردے تو قبول کیا جائے گا تو اسی طرح دونوں حدیثوں میں اپنے بعد فقروں سے ملے ہوئے فقروں میں یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول کرم تقوٰی ہے اور آدمی کی عزت اس کا دین ہے (یعنی ان جملوں کا عکس مقبول نہ ہوگا۔)
وانا اعطيك ضابطة لهذا كلما رأيت فى امثال [عہ] هذا المقام اسمين معرفين باللام محمولا احدهما على الأخر فان صح ان يحمل الأخر على الاول مجردا عن اللام فاعلم انه يجوز ان يكون محمولاً فى تلك القضية ايضًا والالا نظيره قول الشاعر۔	اور میں تم کو اس کے لئے ایک ضابطہ دیتا ہوں جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لئے محمول بننا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قضیے میں بھی محمول ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، اسکی نظیر شاعر کا شعر ہے:

عـــہ: اشاربه الٰى انك تقول الخ (المصنف)

بنونا بنو ابناءنا وبنو
بناتنا ابناء الرجال

فانك ان قلت احفادنا ابناء لنا صدقت وان قلت ابنائنا احفادلنا كذبت فكان بنونا هو المحكوم به و السر فی ذلك ان المحمول يجوز تنكيره ابدًا وافادة القصر علی تسليمه عـــه كليًا امر زائد علی نفس الحكم و الموضوع لاينكر تنكيرا محضا فلذٰلك لا يقال الكرم تقویٰ اوالكرم دين وانما تقول بالتعريف لان الاٰخر هو الموضوع حقيقة لاجل هذا ان عكست ونكرت صح اما رايت ان النبی صلی الله تعالٰی عليه و سلم لما قدم التقویٰ فی حديث الحكيم نكر الكرم و لما عكس فی الحديث الاٰخر عرف التقویٰ، اللهم لك الحمد علی تواتر اٰلائك ولا اخالك ياهذا مغمورافی غيابات الغباوت بحيث يعسر عليك الانتباه لما فی تلك الاحاديث

"یعنی ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور مردوں کے بیٹے ہیں۔" اس لئے کہ اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا، اور اگر یوں کہو کہ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر میں "بنونا" ہی محکوم بہ ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادہ قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں نفس حکم پر ایک زائد بات ہے، اور موضوع کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا ہے تو اس لئے یوں نہ کہا جائے گا کہ الکرم تقویٰ یا الکرم دین یعنی جبکہ جملے کا جز ثانی مبتدا ٹھہرائیں تو اس کو نکرہ لانا جائز نہیں بلکہ تم یہ جملہ دوسرے جز کی تعریف کے ساتھ بولوگے اس لئے کہ حقیقت میں دوسرا جز ہی موضوع ہے اسی وجہ سے اگر اس جملے کا عکس کردو اور پہلے جز کو نکرہ کردو تو صحیح ہوگا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب تقویٰ کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو "کرم" کو نکرہ لائے، اور دوسری حدیث میں جب اس کا عکس کیا تو "تقویٰ" کو معرفہ لائے۔ الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیرے لئے حمد اے شخص میں گمان نہیں کرتا کہ تو کم فہمی کی اندھیریوں

عـــه: اشارہ الی انہ مع اشتہارہ فی کثیر من الناس الخ (المصنف)

التی جاءت مرۃ بتقدیم الکرم واخرٰی بتصدیر التقوی من لمعات بوارق یکاد سناھا یختف ابصار الشبھات ولا سیما حدیث الترمذی مع ماتقرر فی الاصول ان اللام ان لاعھد فللاستغراق بال الجنس ایضا مفید اذحکمہ لابدوان یسوی فیہ الافراد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ایسا بھٹکا ہو کہ تیرے اوپر ان چمکتی تجلّیوں سے تنبیہ ہونا دشوار ہو جن کی روشنی لگتا ہے کہ شبہات کی آنکھوں کو اچک لے گی جو ان احادیث میں ہیں جن میں کبھی کرم کو مقدم فرمایا اور کبھی تقویٰ کو صدر کلام میں لائے بالخصوص حدیث ترمذی باوجودیکہ اصول میں مقرر ہوچکا کہ لام جبکہ عہد کے لئے نہ ہو تو استغراق کے لئے ہوگا بلکہ جنس بھی مفید استغراق ہے اس لئے کہ ضروری ہے کہ جنس کے حکم میں سب افراد برابر ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم۔
اقول: سابعًا ان قیل لك اکرم الناس اتقاھم ثم من دونہ فی التقوٰی وھٰکذا یأتی ینزل تدریجا لاجرم ان تسلمہ وتقول ھذا لاریب فیہ لکنك لم تدران قد انصرفت عما اقترفت وقداعترفت بما انحرفت، قل لی ماذا محصل قولك ان اکرم الناس یوصف اولاً بانہ اتقی وثانیًا بانہ قلیل التقوٰی وثالثًا بانہ اقل، ھل ھذا الا کلام مجنون تفوہ بلفظ فی الجنون وما دری وما عقل وھذہ الشناعۃ	**اقول: سابعًا** اگر تم سے کہا جائے کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ پرہیزگار ہے پھر جو تقوی میں اس سے کم ہے اور اسی طرح سے تدریجًا کم سے کم تر کی طرف نازل ہو، لامحالہ تم اس کو تسلیم کروگے اور کہوگے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن تم نے نہیں سمجھا کہ تم اس سے پھر گئے۔ جس کا تم نے ارتکاب کیا تھا۔ اور انحراف کا اعتراف کرلیا مجھے بتاؤ تمہارے اس قول کا حاصل کیا ہے کہ اکرم الناس اولًا اتقی سے موصوف ہوتا ہے (سب سے زیادہ پرہیزگار) اور ثانیًا قلیل التقویٰ کے ساتھ اور ثالثًا اس سے بھی اقل کے ساتھ (یعنی اس صورت میں جب کہ جزِ ثانی یعنی اتقی کو محمول مانیں کیا یہ ایسے مجنون کا کلام نہیں۔ جو جنون میں لفظ

تکدر علیك زعمك العجیب فی کل ما جاء علی الترتیب وھو کثیر فی الاحادیث. قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "احب الاعمال الی اللہ الصلٰوۃ لوقتھا ثم بر الوالدین ثم الجھاد فی سبیل اللہ "اخرجہ الائمۃ احمد [1] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی و النسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فالمعنٰی علی زعمك ان احب الاعمال یوصف اولًا بانہ صلٰوۃ ثم یمکث فیصیر برا ثم یلبث فیعود جھادًا وھذا من اعجب ماسمع السامعون،	بولتا ہے اور سمجھتا ہے ورنہ اسے خبر ہوتی، اور یہ شناعت تمہارے زعم عجیب میں ان تمام احادیث کو مکدر کردے گی جن میں ترتیب کے ساتھ اعمال کی فضیلت بیان ہوئی اور یہ مضمون احادیث میں بہت ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پیاری نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔ پھر ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ "اس حدیث کو روایت کیا احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو تمہارے زعم پر معنٰی یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے صلٰوۃ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر حسنِ سلوک بن جاتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر جہاد ہوتا ہے اور یہ سب سے زیادہ عجیب باتوں میں سے ہے جو سُننے والوں نے سُنی۔

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب فضل الصلوۃ لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶، صحیح البخاری کتاب الجھاد باب فضل الجھاد لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۰، صحیح البخاری کتاب الادب باب قولہ تعالٰی ووصینا الانسان بوالدیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۸۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللہ افضل الاعمال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۱۰ و ۴۱۸۔۴۲۱ و ۴۳۹ و ۴۴۴ و ۴۴۸ و ۴۵۱، جامع الترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۴، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی بر الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۳، سنن النسائی کتاب المواقیت فضل الصلوۃ لمواقیتھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۰۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب المحافظۃ علی الصلوات آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۱

تذئیل ایاك وان تظن ان تقدیم الخبر فی امثال ھذا المقام قلیل فی فصیح الکلام حتی یعد تاویلا للمرام بل ھو شائع تکثر بل ھو الاکثر الاوفر، ولو سرد نالك من الاحادیث الواردۃ علٰی ھذا المنوال لنافت علی مئاتٍ ورمیتنی بالاملال، ثم منھا ما فی نفس الحدیث دلیل علی مانرید کتقدیم الصفات و تاخیر الذوات وغیر ذٰلك ومنھا ما شرح الشارحون بعکس الترتیب من دون حاجۃ الی ماھنالك فعلم انہ طریق شائع، کثیرًا مایجری الکلام علیہ وتتبادر الافھام الیہ بلا احتیاج الی صوارف ولا توقف علٰی موقف ولو لاانا علی حذر من الاطناب لارینك منھا العجب العجاب، لکن لا باس ان تذکر طرفًا من احادیث اکثرھا من القسم الثانی لانھا اوضح فی المقصود وضوحًا جیلًا و نقدم علیھا حدیثا ذکر فیہ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقدمتین فاستنتج منھما العلماء کمثل صنیعنا فی الاٰیتین	**تذئیل** خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ ایسے مقامات میں خبر کو مقدم رکھنا کلام فصیح میں نادر ہے۔ یہاں تک کہ مقصود کے لیے تاویل کرنا ٹھہرے، بلکہ وہ بکثرت شائع ہے بلکہ یہی اکثر و اوفر ہے اور اگر ہم تم سے ان احادیث میں سے کچھ کا ذکر کریں جو اس طریقے پر وارد ہوئیں تو گنتی میں سینکڑوں سے زیادہ ہوں گی اور تم مجھے اکتا دینے پر تہمت لگاؤ گے۔ پھر ان میں سے وہ بھی ہے جو نفسِ حدیث میں ہمارے مدعا کی دلیل ہے جیسے صفات کو مقدم کرنا اور ذوات کو مؤخر کرنا اور اس کے علاوہ ان میں شارحین حدیث کا حدیث کی شرح میں ترتیب الٹ دینا بلا ضرورت، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبر کو مقدم کرنا شائع ہے اور بسا اوقات کلام اس ڈھنگ پر چلتا ہے اور قرائن صارفہ کی حاجت کے بغیر لوگوں کی فہم اس کی طرف سبقت کرتی ہے اور کسی بتانے والے پر موقوف نہیں ہوتی اور اگر ہمیں تطویل کا ڈر نہ ہو تو ہم تمہیں ان احادیث کا عجیب و غریب نمونہ دکھاتے لیکن اس میں حرج نہیں کہ ہم ان احادیث کا ایک حصہ ذکر کریں جن میں اکثر قسم ثانی کے قبیل سے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مقصود میں خوب واضح ہیں اور ہم پہلے ایک حدیث ذکر کریں جس میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو مقدمے ذکر کیے تو اس سے علماء نے نتیجہ نکالا، جس طرح دو آیتوں میں

لیکون ھذا اشد تنکیلا. انبأنا حسین الفاطمی عن عابد بن احمد عن صالح الفاروقی عن سلیمان الدرعی عن محمد الشریف، عن الشمس العلقمی عن الامام السیوطی عن احمد بن عبدالقادر بن طریف انا ابو اسحاق التنوخی انا ابوالحجاج یوسف بن الزکی المزی انا الفخر بن البخاری سماعًا بسماعه عن ابی حفص عمر بن طبرزد انا ابوالفتح عبدالملك ابن قاسم الکروخی، انا القاضی ابوعامر محمود بن القاسم الازدی وابوبکر احمد بن عبدالصمد الغورجی انا ابو محمد عبدالجبار الجراحی المروزی انا ابوالعباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی، انا الترمذی ثنا محمد بن یحیٰی نا محمد بن یوسف نا سفٰین عن ھشام بن عروة عن ابیه عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیرکم خیرکم لاھله	ہم نے کیا تاکہ قید سخت ہو۔ ہم سے حدیث بیان کی حسین فاطمی نے، وہ روایت کرتے ہیں عابد بن احمد سے، وہ روایت کرتے ہیں صالح فاروقی سے، وہ روایت کرتے ہیں سلیمان بن درعی سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں شمس علقمی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام سیوطی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن عبدالقادر ابن طریف سے، ہمیں خبر دی ابواسحٰق تنوخی نے۔ ہمیں خبر دی ابوالحجاج یوسف ابن زکی مزی نے۔ ہمیں خبر دی فخر الدین ابن بخاری نے۔ سماعًا ابو حفص عمر بن طبرزد سے سن کر۔ ہمیں خبر دی ابو الفتح عبدالملک ابن قاسم کروخی نے۔ ہمیں خبر دی قاضی ابو عامر محمود ابن قاسم ازدی اور ابوبکر احمد بن عبدالصمد غورجی نے۔ ہمیں خبر دی ابو محمد عبدالجبار جراحی مروزی نے، ہمیں خبر دی ترمذی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن یحیٰی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد بن یوسف نے، حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے، انہوں نے روایت کی ہشام بن عروہ سے انھوں نے روایت کی اپنے باپ سے۔ انہوں نے روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے۔ انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

وانا خیر کم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ۔ھذا حدیث حسن صحیح [1] **قلت** ومروی ایضاعندابن ماجۃ [2] من حدیث ابن عباس وعندالطبرانی فی معجمہ [3] الکبیرعن معٰویۃ بن ابی سفٰین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین قال الامام العلامۃ الشارح عبدالرؤف المناوی فی التیسیر شرح الجامع الصغیراللامام المولٰی جلال الحق و الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیھما فانا خیرکم مطلقاوکان احسن الناس عشرۃ لھم [4] انتھی۔ **اقول:**یاھذاان ابدیت فرقابین ھذاالقیاس والقیاس	نے "تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لیے تم سب سے بہتر ہوں جب تمہارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑ دو" (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ **قلت**(میں کہوں گا کہ) یہ حدیث ابن ماجہ کے یہاں منجملہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے اور طبرانی کے یہاں ان کے معجم کبیر میں معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے امام علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر مصنفہ امام مولٰی جلال الحق والدّین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی میں فرمایا "تو میں مطلقاً تم سب سے بہتر ہوں۔اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر سلوک فرماتے تھے۔" **اقول:** (میں کہتا ہوں) اے شخص اگر تو اِس قیاس میں اور اُس قیاس میں جس کی صحت کا

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۹،موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۳۱۲ المکتبۃ السلفیہ ص ۳۱۸،الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۷۰،الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۴۹

[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۸۵۳ مکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۹/ ۳۶۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیرکم خیرکم لاھلہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۳

الذی تنکر صحته لشکرك المفضلة ابدا ما کانوا و لکن ھیھات ھیھات انّی لك ذٰلك اخرج احمد و الشیخان عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش [1]	تو منکر ہے فرق نمایاں کردے تو تفضیلیہ عمر بھر تیرے شکر گزار ہوں گے، لیکن ہیہات ہیہات تجھ سے کیونکر ایسا ممکن ہے۔امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ سے راوی، انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا۔ اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں۔
قال الفاضل الشارح فالمحکوم له بالخیریة الصالحة منھن لا علی العموم [2] اھ انظر کیف جعل الخیر محکومًا به اخرج احمد والترمذی والحاکم باسناد صحیح عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیر الاصحاب عند اللہ خیر ھم لصاحبه وخیر الجیران عنداللہ خیر ھم لجارہ [3] قال الفاضل الشارح "فکل	فاضل شارح نے فرمایا تو جن کے لیے سب سے بہتر ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ قریشی عورتوں میں نیک عورتیں ہیں اور یہ حکم اپنے عموم پر نہیں دیکھو کس طرح شارح نے خیر کو محکوم بہ قرار دیا۔امام احمد۔ترمذی اور حاکم بسندِ صحیح حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے سب سے بہتر ہو اور ہمسایوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۵ و ۳۹۳، صحیح البخاری کتاب النکاح باب الی من ینکح وایّ النساء خیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل نساءِ قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث خیر نساء رکبن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۴۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۸، المستدرك للحاکم کتاب المناسك خیر الاصحاب عنداللہ الخ دار الفکر ۱/ ۴۴۳، الجامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی حق الجوار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

من کان اکثر خیرًا لصاحبه و جاره فهوافضل عند الله و العکس بالعکس [1] اھ اخرج احمد و ابن حبان والبیهقی عن سعید بن ابی وقاص رضی الله تعالٰی عنه باسناد صحیح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیر الذکر الخفی [2] قال الفاضل الشارح "ای ما اخفاہ الذاکر وستره عن الناس فهو افضل من الجهر [3] اھ. اخرج الطبرانی عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم افضل الصدقة سر الی فقیر [4] قال الفاضل الشارح "قال تعالٰی "وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ" [5] اھ"	ہمسایوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔ فاضل شارح نے کہا تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کے لیے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے۔ اور اس کے برعکس ہو تو حکم برعکس ہے انتہی۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ سرکار نے فرمایا "سب سے بہتر ذکر ذکرِ خفی ہے" فاضل شارح نے کہا یعنی وہ ذکر جسے ذاکر خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکرِ جہر سے افضل ہے انتہی، طبرانی، ابن ماجہ، ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا، "سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ طور پر فقیر کو دیا جائے" فاضل شارح نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ "وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ"۔ انتہی

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الاصحاب الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعید بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۷۲، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۲۳۲۳ المکتبۃ السلفیہ ص ۵۷۷، شعب الایمان حدیث ۵۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۰۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الذکر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۶

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۷۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/ ۲۵۹، الجامع الصغیر حدیث ۱۲۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۸۰

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث افضل الصدقہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۱۸۵

اقول: انظر فقد اخرت الاٰیة وقدم الحدیث، اخرج احمد والحاکم عن رجل من الصحابة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا[1] قال الفاضل الشارح فالاسمن افضل من العدد[2] اھ اخرج احمد والطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم افضل الاعمال الایمان باللہ ثم الجھاد ثم حجة برة تفضل سائر العمل[3]۔	**اقول:** دیکھو آیت کریمہ نے خیر کو (جو موضوع ہے) موخر کیا اور حدیث نے اس کو مقدم کیا۔ امام احمد اور حاکم نے کسی صحابی سے دریافت کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا "قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب سے قیمتی سب سے فربہ ہے۔" فاضل شارح نے کہا تو جو سب سے فربہ ہے وہ عدد سے افضل ہے اھ امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد۔ پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے۔"
اقول: انظر الی ھذہ الکلمة الاخرة صدر بالافضل ثم اخرہ۔ اخرج ابو الحسن القزوینی فی امالیه الحدیثیة عن ابی امامة	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلمہ میں دیکھو، پہلے افضل کو مقدم کیا پھر اس کو موخر لائے۔ ابو الحسن قزوینی اپنے امالی حدیثیہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی

---

[1] مسند احمد حنبل حدیث جد ابی الاشد السلمی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۲۴، المستدرک کتاب الاضاحی باب افضل الضحایا الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۳۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان افضل الضحایا مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیثِ ماعز رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۴۲، المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۳۴۴و۳۴۵

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "ان اشد الناس تصدیقًا للناس اصدقهم حدیثا وان اشد الناس تکذیبًا اکذبهم حدیثا"[1] قال الفاضل الشارح فالصدوق یحمل کلام غیرہ علی الصدق لاعتقاد قبح الکذب والکذوب یتهم کل مخبر بالکذب لکونه شانه۔[2] اھ	وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔"سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے والا وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی اور لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا جھوٹا ہو۔" فاضل شارح نے فرمایا وہ سچا دوسرے کے کلام کو سچائی پر محمول کرتا ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ کو بُرا جانتا ہے۔اور جھوٹا ہر مخبر کو جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے اس لیے کہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے،اھ
اخرج احمد فی کتاب الزهد عن سلمان الفارسی واقفًا علیه و ابن لال وابن النجار عن ابی هریرة والسجزی فی الابانة عن ابن ابی اوفی رافعین الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اکثر الناس ذنوبًا یوم القیمة اکثرهم کلامًا فیما لایعنیه[3] قال الفاضل الشارح "لان	امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت سلیمان فارسی سے حدیث موقوف روایت کی اور ابن لال اور ابن نجار نے ابو ہریرہ سے اور سجزی نے ابانہ میں ابن ابی اوفٰی سے،ان سب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعًا روایت کیا کہ فرمایا"سب لوگوں سے زیادہ قیامت کے دن اس کے گناہ ہوں گے۔جو سب سے زیادہ لایعنی باتیں کرے۔" فاضل شارح نے فرمایا اس لیے کہ

[1] کنز العمال حدیث نمبر ۶۸۵۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۳۴۴،الجامع الصغیر حدیث نمبر ۲۲۰۲ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۳۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحدیث حدیث ان اشد الناس تصدیقا دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۳۱۱

[3] الجامع الصغیر بحواله ابن لال و ابن نجار حدیث نمبر ۱۳۸۶ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۸۶،کتاب الزهد ۸۱۱ دار الکتاب العربی دار الکتب العلمیه بیروت ص ۲۱۹

من کثر کلامه کثر سقطه فتکثر ذنوبه من حیث لا یشعر [1] "اھ اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی و ابن حبان بسند صحیح عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ان اولی الناس بی یوم القیمة اکثرھم علیّ صلٰوۃ [2]۔ قال الفاضل الشارح "ای اقربھم منی فی القیمة و احقھم بشفاعتی اکثرھم علیّ صلاۃ فی الدنیا لان کثرۃ الصلوۃ علیه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم تدل علی صدق المحبة و کمال الوصلة فتکون منازلھم فی الاخرۃ منه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم بحسب تفاوتھم فی ذٰلك [3] اھ **اقول:** انظر شرح اولًا لفظ الحدیث	جس کا کلام کثیر ہوگا تو اس میں مہمل خلافِ شرع باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے گناہ بڑھیں گے اور اس کو شعور نہ ہوگا اھ۔ امام بخاری تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بہ سندِ صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا" قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔ فاضل شارح نے فرمایا یعنی قیامت میں سب سے مجھ سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے۔ تو لوگوں کے مدارج حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قُرب میں اس امر میں لوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں گے۔ **اقول:** دیکھو پہلے لفظ حدیث کی شرح

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیمة مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۰

[2] جامع الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی فضل الصلوۃ علی النبی امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۴، الجامع الصغیر حدیث ۲۲۴۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۳۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی الناس بی الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۶

ثم علل بما لایستقیم الاعلی جعل الاولٰی محکومًا بہ، وابین من ھذا ان العلماء المحدثین افاض اللہ علینا من برکاتھم استدلوا بھٰذا الحدیث علٰی فضل اھل الحدیث، وانھم اولی الناس برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لانھم اکثر الناس صلوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایذکرون حدیثا الاو یصلون فیہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشرًا وخمسًا او مرتین اومرۃ لا اقل کما ھو معلوم مشاھد والحمد للہ۔

ارایتك ھذا الاستدلال الیس علٰی طبق احتجاجنا بالاٰیتین حذوا بحذو وسواء بسواء۔ ثمّ من تمام نعمۃ اللہ ان جاء حدیث عند البیہقی برجال ثقات عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اکثروا من الصلوۃ علی فی کل یوم جمعۃ فان صلوۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعۃ فمن کان اکثرھم علی

کی پھر علت وہ بیان کی جو اسی صورت میں ٹھیک بیٹھتی ہے جب کہ حدیث میں (وارد) لفظ اولٰی کو محکوم بہ ٹھہرائیں اور اس سے روشن تر یہ ہے کہ علماء محدثین نے (اللہ تبارک و تعالٰی ہمارے اوپر ان کی برکتیں برسائے) اس حدیث سے علماء حدیث کی فضیلت پر استدلال کیا۔ اور اس پر دلیل پکڑی کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہیں اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا دو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ ہے۔ والحمدللہ۔

مجھے بتاؤ کیا استدلال ان دونوں آیتوں سے ہمارے استدلال کے بالکل مطابق نہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالٰی کی تمامی نعمت سے یہ ہے کہ ایک حدیث بیہقی میں ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آئی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن بکثرت درود بھیجو اس لیے کہ تمہارا درود ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش ہوتا ہے تو سب سے زیادہ جو میرے اوپر درود بھیجے گا وہ درجے

صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ"[1] فعلم انہ لایبالٰی فی امثال المقام بتقدیم ولا تاخیر لعدم الا لتباس والسرفیہ ما القیناعلیك ان ھذہ احکام شرعیۃ لایطلع علیھاالا باطلاع الشارع فھی التی تلیق ان تجعل محمولات،ولا تسبق الاذھان الا الٰی ذلك مقدمۃ جاءت اومؤخرۃ وھذا کلّہ واضح جلی کاد ان یقال بدیھی واولٰی لایسوغ انکارہ الا لجاھل خرف اومتجاھل متعسف،ونخشی ان یعد اکثار نا ھذا من اقامۃ الدلائل علیہ شبیھا بالعبث عند العلماء لان اٰذانھم ممتلئۃ بالوف الاف من امثال تلك المحاورات،وھم العارفون باسالیب الکلام ومجاری البیان فی مناھج المرام،فحاشاھم ان یتعسر علیھم تمییز محمول من (ھٰھنا سقط ظاھر ولعل العبارۃ ھکذا ان یخطر ببالھم) یحط ببالھم نحوھذہ الخدشات، لکنی،اتنصل الیھم وعذری ان شاء اللہ تعالٰی واضح لدیھم	میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگا۔تو معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کی جاتی اس لیے کہ اشتباہ نہیں ہوتا اور اس میں سر وہی ہے جو ہم نے بتایا۔تو یہ احکامِ شرعیہ ہیں جن پر بغیر شارع کے بتائے اطلاع نہیں ہوتی۔تو یہی اس کے لائق ہیں کہ محمول بنائے جائیں۔اور اذہان کی سبقت انہیں کی طرف ہوتی ہے خواہ مقدم آئیں یا مؤخر،اور یہ سب واضح و روشن ہے۔قریب ہے کہ اس کو بدیہی و اولٰی کہا جائے اس کا انکار جاہل بے خرد یا جاہل بننے والے معاند کے سوا کسی کو نہ بن پڑے گا اور ہم کو ڈر ہے کہ ہمارا اس پر بکثرت دلائل قائم کرنا علماء کے نزدیک عبث کے مشابہ قرار دیا جائے۔اس لیے کہ ان کے کان اسی قسم کے ہزاروں محاورات سے بھرے پڑے ہیں اور وہ کلام کے اسالیب سے اور مقصود کے طریقوں میں بیان کی راہوں سے آگاہ ہیں۔تو وہ اس سے منزہ ہیں کہ انہیں محمول کی تمیز موضوع سے دشوار ہو اور یہ ان کے ذہن میں ایسے خدشات جگہ پائیں۔لیکن میں ان کی طرف معذرت کرتا ہوں اور میرا عذر ان کے نزدیک ظاہر ہے اس لیے کہ میری مثال اور ان لوگوں کی مثال جو میری نہیں مانتے

[1] السنن الکبرٰی کتاب الجمعۃ باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ الخ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۳/ ۲۴۹

فانما مثلی ومثل الذین لاینقادون لی کجمال شردت عن صاحبھا فھو یقصداسرھا ویقتفی اثرھا لا تعلو شرفا ولا تھبط وادیا الا اتبعھا۔

ان اونٹوں کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں تو ان کا مالک ان کو پکڑنے کا قصد کرے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے وہ کسی بلندی پر نہ چڑھیں اور نہ کسی گھاٹی میں اتریں مگر یہ کہ وہ ان کا پیچھا کرتا ہو۔

تکمیل: ومن ھٰھنا بان لك ان ماقالت النحاۃ من وجوب تقدیم المبتداء علی الخبر اذاکان معرفتین او متساویین امرا کثری لاکلی وانما المعنی علی اللبس و اذ لیس فلیس، بذٰلك صرح الشراح و لا یغرنك اطلاق المتون فانھا ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقه فکیف بغیرہ من الفنون۔

تکمیل: یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے۔جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر وتعریف میں دونوں برابر ہوں یہ اکثری قاعدہ ہے کلی قاعدہ نہیں اور معنٰی یہی ہے کہ مبتدا کی تقدیم ایسی صورت میں اس وقت واجب ہے۔جب کہ التباس کا اندیشہ ہو اور جب التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں۔شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہرگز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق کرنا دھوکا میں نہ ڈالے اس لیے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ پر چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں،

انبانا مفتی الحرم عن ابن عمر عن الزبیدی عن یوسف المزجاجی عن ابیه محمد بن علاء الدین عن حسن العجیمی عن العلامة خیر الدین الرملی عن ابی عبداللّٰه محمد بن عبداللّٰه الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار قال فی منح الغفار "ان العجب من اصحاب المتون

ہمیں خبر دی مفتی حرم نے،وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے،وہ روایت کرتے ہیں زبیدی سے۔وہ روایت کرتے ہیں یوسف مزجاجی سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد بن علاء الدین سے۔وہ روایت کرتے ہیں حسن عجیمی سے۔وہ روایت کرتے ہیں خیر الدین رملی سے۔وہ روایت کرتے ہیں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنفِ تنویر الابصار سے، انہوں نے منح الغفار میں فرمایا اصحابِ متون سے تعجب ہے اس لیے کہ وہ اپنے

فانهم يتركون فی متونهم قيودا لابدمنها وهی موضوعة لنقل المذهب فيظن من يقف علی مسائله الاطلاق فيجری الحكم علٰی اطلاقه وهو مقيد فيرتكب الخطاء فی كثير من الاحكام فی الافتاء والقضاء [1] انتهی	متون میں ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ متون نقل مذہب کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ جو متن کے مسائل سے واقف ہوتا ہے وہ حکم کو مطلق گمان کرتا ہے تو اس حکم کو اس کے اطلاق پر جاری کرتا ہے حالانکہ وہ مقید ہوتا ہے تو وہ خطا کر جاتا ہے فتوٰی اور قضا کے دوران بہت سارے احکام میں۔ انتہی۔
انبانا السراج بالسندالمذكور الی العلامة الغزی عن العلامة زين بن نجيم المصری قال فی البحر الرائق "قصد هم بذٰلك ان لايدعی علمهم الا من زاحمهم عليه بالركب وليعلم انه لايحصل الا بكثرة المراجعة وتتبع عباراتهم و الاخذعن الاشياخ [2]۔ انتهی	ہمیں خبر دی سراج نے علامہ غزی تک اسی سند مذکور سے۔ انہوں نے روایت کیا علامہ زین ابن نجیم مصری سے۔ انہوں نے بحر الرائق میں فرمایا کہ اس طریقے سے ان کا قصد یہ ہے کہ ان کے علم کا دعوی وہی کرے جو زانوؤں سے ان کا مزاحم ہو اور تاکہ معلوم ہو کہ یہ علم کثرت مراجعت اور فقہاء کی عبارات کی تلاش اور مشائخِ فن سے حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ انتہی۔
اقول: وقد و الله رأينا تصديق هذا فی كثيرمن ابناء الزمان ممن تصدربالدعوی وتصدی للفتوی، وما عنده ما يرد عن الطغوی فمنهم من افتی بتوريث المنكوحة بالنكاح الفاسد واٰخر ببطلان تزويج الام الصغيرة من دون حضرة العم	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور بے شک بخدا میں نے اس کی تصدیق آج کل کے ان لوگوں میں وہ پائی جو زبانی دعوی سے خود صدر بن بیٹھے اور فتوٰی دینے کے درپے ہوئے حالانکہ ان کے پاس وہ علم نہیں جو انہیں حد سے گزر جانے سے باز رکھے ان میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے نکاح فاسد سے بیاہی گئی عورت کے وارث ہونے کا فتوٰی دیا تو ان میں سے کسی دوسرے نے یہ فتوٰی دیا کہ چچا کی

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد فصل فی کیفیة القسمة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

[2] ردالمحتار بحواله البحر الرائق کتاب الصلوٰة باب صفة الصلوٰة العربی بیروت ۱/ ۳۰۳

منع انه متوقف لاباطل،واخر باعطاء المسمّی من نکحت فی عدة اختها واُخر بتحریم بیع هذه القراطیس الافرنجیة المقدرة بقدر معلوم من الدراهم بما یزید علی هذا المقدار اوینقص ظنامنه انه ربوٰمع عدم الا تحادجنسا ولا قدرًا۔واُخر بتجویز اخذ الربٰو من کفار الهند زعما منه انهادار الحرب مع عدم الانقطاع عن دار الاسلام من کل جانب وشیوع بعض الشعائر الاسلامیة قطعًا۔واُخر بحل ماقطع من حیوان حی اُخذا من قول الهدایة وما ابین من الحی"وان کان میتافمیته حلال [1]"حتی انتهت ریاسة الفتوٰی و انتمت السیادة الکبرٰی الی من اباح بنت الاخ رضاعًا،وتقدمه مجتهداُخر فجوز نکاح العمة النسبیة فالی الله المشتکی من فساد الزمان ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم وسیعلم هذا من جرب	غیر موجودگی میں ماں کو صغیرہ(نابالغہ)کا عقد کردینا باطل ہے حالانکہ یہ متوقف ہے نہ کہ باطل ہے۔اور کسی دوسرے نے فتوٰی دیا کہ اس عورت کو جو اپنی بہن کی عدت میں شادی کرے مہر مسمّٰی دیا جائے گا۔اور دوسرے نے ان افرنگی کاغذوں کو جن پر روپوں کی ایک معین مقدار سے زائد یا کم پر بیچنے کو حرام ہونے کا فتوٰی دیا اپنی طرف سے اس گمان کی بناء پر کہ یہ تبادلہ سود ہے حالانکہ نہ جنس میں اتحاد ہے نہ مقدار میں۔اور ایک اور نے فتوٰی دیا کہ ہندی کافروں سے سُود لینا جائز ہے اس زعم پر کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔حالانکہ یہ ملک دارالاسلام ہے ہر جانب سے کٹا ہوا نہیں اور بعض اسلامی شعار یقینا جاری ہیں۔اور ایک نے فتوٰی دیا کہ زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے حلال ہے۔ہدایہ کی اس عبارت سے "اور اگر مردہ ہو تو اس کا مردار حلال ہے۔"اس مسئلہ کو اخذ کیا یہاں تک کہ ریاست اسی فتوٰی تک پہنچی اور سیادتِ کبرٰی اس سے منسوب ہوئی جس نے رضاعی بھائی کی لڑکی سے نکاح حلال ٹھہرایا۔اور ایک دوسرا مجتہد اس سے آگے بڑھا تو اس نے حقیقی پھوپھی کا نکاح جائز ٹھہرادیا تو فسادِ زمانہ کی شکایت اللہ ہی سے ہے۔ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔تو عنقریب اس کو وہ جان لے گا جو میرے جیسے تجربہ کرے گا،

[1] الهدایة کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکله ومالا یحل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۱

مثل تجربتی، اسأل اللہ تطهير جنانی و تقويم لسانی وتسديد بنانی فبه اعتصامی وعليه كلانی أمين۔	اللہ سے میں اپنے قلب کی پاکی اور زبان کی درستگی اور ہاتھ کی صلاح طلب کرتا ہوں تو اسی سے میری حفاظت ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے۔ یاالٰہی۔ قبول فرما۔
تسجيل: ولعلك تقول لقد كشفت النقاب ورفعت الحجاب فبين لی ماالنكتة فی تقديم الخبر وانما حقه ان يوخر، **قلت** نعم فيه نكت بديعة منها ان المحكوم به لما كان خفيا والمحكوم عليه مدركا جليا اشبه الاول بالمعرف والاخر بالتعريف فاستحسن تقديمه ليكون الاخير كالتعريف له۔ ومنها تشويق السامع لان النفوس متطلعة الی علم مالا تعلم فاذا سمعت بما هو خفی لديها ورجت ان يذكر بعده ما يظهره عليها توجهت للاستماع وتفرغت للاطلاع فكان الكلام اوقع وامكن والنفس اليه اميل و اسكن۔ ومنها ان الاعمال لا تقصد فی الشرع لذواتها بل لما يترتب عليها	**تسجیل:** اور شاید تم کہو بے شک تم نے نقاب اٹھادیا اور حجاب کو دُور کردیا تو مجھ سے بیان کرو کہ خبر کو مقدم کرنے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو موخر رکھا جائے۔ **میں کہوں گا** ہاں اس میں بدیع نکتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ محکوم بہ (خبر) جب کہ پوشیدہ ہو اور محکوم علیہ (مبتداء) ادراک میں ظاہر ہو تو پہلا (خبر) معرّف کے مشابہ ہوگا اور دوسرا (مبتدا) تعریف کے مشابہ ہوگا۔ لہٰذا اس کو مقدم کرنا مستحسن ہے تاکہ لفظ اخیر اس کے لیے تعریف کے مانند ہو جائے اور انہیں نکتوں میں سے سننے والوں کو شوق دلانا ہے اس لیے کہ نفوس انجانی بات کو جاننے کے لیے ہمکتے ہیں تو جب کسی ایسی چیز کو سنیں گے جو ان کے نزدیک پوشیدہ ہے اور امید رکھیں گے کہ اس کے بعد وہ ذکر کیا جائے جو ان پر ظاہر ہے۔ تو سننے کے لیے متوجہ ہوں گے اور جاننے کے لیے فارغ ہوں گے تو اس صورت میں کلام زیادہ دلنشین اور راسخ ہوگا اور نفس کو اس کی طرف زیادہ میلان اور سکون ہوگا۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ شریعت میں اعمال اپنی ذات کے لیے مقصود نہیں ہوتے۔

من ثمراتها فضلا من المولی سبحٰنه وتعالٰی۔ فکانت الثمرات هی المقاصد وحق المقاصد ان تقدم الی غیر ذلك مما لا یخفی علی اولی الالباب وفیما ذکرنا ما یغنی عن الاطناب والحمد لله رب العٰلمین هذا کله مما حبانی الملك الجواد تبارك وتعالٰی فقد بان لك صدق فی قولی ان هذا الزاعم لاخبرة له بمناهج الکلام فی النصوص ولا باسباب النزول فی هذا الخصوص ولا بالتفسیر المرفوع الی الجناب الرفیع ولا بتصریح القادة فی کلامهم البدیع ولا بشیئ مما خلا والحمد لله جل وعلا۔ من وجوہ الجواب عن هذا الارتیاب اقول: بتوفیق الوهاب لئن جئنا علی المماکسة والاستقصاء لما ترکنا کم ان تزعموا ان الایة لا تقتضی باکرمیة الاتقی وان سلمنا الموضوع	بلکہ ان ثمرات کے لیے مقصود ہوتے ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک و تعالٰی کے فضل سے لہٰذا وہ ثمرات ہی مقاصد ہیں اور مقاصد کا حق یہ ہے کہ ان کو مقدم کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی نکتے ہیں جو عقل والوں پر پوشیدہ نہیں۔ اور جو ہم نے ذکر کیا ان میں تطویل سے بے نیازی ہے۔ یہ سب ان عنایتوں سے ہے جو اللہ تبارک و تعالٰی نے مجھے عطا کی۔ اب تمہیں میری سچائی ظاہر ہو گئی میری اس بات میں کہ اس زعم والے شخص کو نصوص میں کلام کے طریقوں کی خبر نہیں نہ ان نصوص میں اسباب نزول کو جانتا ہے۔ اور نہ جنابِ رفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی تفسیر مرفوع سے خبر ہے اور نہ رہنمایانِ شریعت کی ان کے کلام بلیغ میں تصریحات کی واقفیت ہے اور نہ ان چیزوں سے جن کا ذکر گزرا اس کے پاس کچھ نہیں۔ والحمد للہ جل وعلا۔ اس شبہہ کے جواب میں دوسری وجہ۔ میں اللہ وہاب کی توفیق سے کہتا ہوں اگر ہم اس بحث کا دائرہ بند کرنے پر اور حد تک پہنچانے پر آجائیں تو ہم تم کو نہ چھوڑیں کہ تم یہ کہو کہ آیت اتقی کی فضیلت کا تقاضا نہیں کرتی۔ اگرچہ ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ آیت میں اکرم ہی

ھوالاکرم وذٰلك لان اتقٰکم واکرمکم لایصدقان بل لایصلحان لان یصدقا الاعلی واحد ولا یجوز تعددھما بمعنی الصدق مرۃ علی ھذا واخری علی ذاك فاذا ثبت اتحادھما فی الوجود کما ھو مقتضی الحمل وجب التعاکس اذلما اتحد مصداقھما وقد علمنا بطلان التعدد کانا کعلمین لجزئی واحد،لك ان تجعل ایھما شئت مرآۃ لملاحظۃ وایھما شئت محمولًا علیه و له نظائر جمۃ تقول افضل الانبیاء اولھم خلقا واکرم الرسل اٰخرھم بعثًا۔واحسن الجنّٰت اقربھا الی العرش واعظم شجرۃ فی الجنۃ طوبٰی۔ومنتھی جبریل سدرۃ المنتھٰی،وافضل الصلوۃ الصلوۃ والوسطی،وابوك ابوہ۔وامك امه،و اول من دخل اٰخرمن خرج،واقل الاعداد اول الاعداد،و الشمس النیرالاعظم۔واعلی	موضوع ہے یہ اس وجہ سے کہ اتقاکم اور اکرمکم صادق نہیں آتے بلکہ ان میں صلاحیت ہی نہیں اس کی کہ وہ ایک ذات واحد پر صادق آئیں تو ان دونوں کا تعدد جائز نہیں بایں معنی کہ کبھی اس پر صادق ہوں اور کبھی اس پر صادق ہوں کہ جب ان کا وجود میں اتحاد ثابت ہوگیا تو دونوں کا باہم عکس ضروری ہوا اس لیے کہ جب دونوں کا مصداق ایک ہے اور ہم نے تعدد کا باطل ہونا جان لیا تو یہ دنوں ایک ذات واحد کے دو علم کی مثال ہوئے تمہیں اختیار ہے کہ جن کو چاہو ذات کے لیے مراۃ ملاحظہ بناؤ۔اور جن کو چاہو محمول علیہ بناؤ اور اس کی بہت ساری مثالیں ہیں تم کہتے ہو سب نبیوں سے افضل وہ ہیں جو سب سے پہلے مخلوق ہوئے اور سب رسولوں سے اکرم وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے۔اور سب جنتوں سے بہتر وہ جنت ہے جو سب سے زیادہ عرش سے قریب ہے۔اور جنت میں سب سے بڑا پیڑ طوبٰی ہے۔۔اور جبریل کا منتٰہی سدرۃ المنتٰہی ہے اور سب نمازوں سے بہتر بیچ کی نماز (عصر) ہے۔ اور تمہارا باپ اس کا باپ ہے اور تمہاری ماں اس کی ماں ہے۔اور سب سے پہلے داخل ہونے والا سب کے بعد نکلنے والا ہے۔اور عدد میں سب سے کمتر پہلا عدد ہے۔اور سورج نیرِ اعظم ہے

الافلاك اكبرها حجما، واخص الكليات اقلها افرادًا و فلك جوز هو فلك القمر و سيارة لا تدوير لها ذكاء و المتحيرة السوداء زحل، والخانس الكانس الاحمر مريخ الى غير ذلك ممالايعد ولايحصى ومحال ان تبدى مثالا يحمل فيه افعل مضافا على افضل مضافا الى اضيف اليه الاول مع جريا نهما على معناهما الحقيقى ثم لايصح العكس،

فاذا صدقت القضية بالنظر الى الواقع كفانا هذا الانتظام القياس واستنتاج المدعى، والسرفى ذلك ان الموجبات انما تنعكس الى مالا يصلح لكبروية الاول لجواز عموم المحمول واذا كان هناك مفهومان ليس لكل منهما الامصداق واحد بحسب ظرف الخارج اوالذهن ايضًا بطل عمومهما بحسب ذلك الظرف (فلايجوزان يكون احدهما اعم من الأخر بمعنى شموله له ولغيره فى ذلك الظرف) فلم يبق باعتباره الا التساوى) اوالتباين ولا ثالث لهما، فان صدقت الحملية القائلة ان هذا ذاك

اور سب سے اونچا فلک حجم میں سب سے بڑا ہے۔ اور خاص تر کلی سب سے کم افراد والی ہے اور فلک جوز فلک قمر ہے۔ اور وہ سیارہ جس میں گولائی نہیں وہ سورج ہے اور سیارہ سیاہ متحیرہ زحل ہے اور سیدھے چل کر اُلٹے پھرنے والا اور غائب ہو جانے والا سرخ سیارہ مریخ ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری مثالیں جن کی گنتی اور شمار نہیں۔ اور محال ہے کہ تم ایسی مثال ظاہر کرو جس میں افعل التفضیل مضاف ہو کر دوسرے افضل التفضیل پر محمول ہو درانحالیکہ وہ اس کی طرف مضاف ہو جس کی طرف پہلا مضاف ہوا ہے اور اسی کے ساتھ دونوں اپنے معنی حقیقی پر جاری ہوں پھر ان دونوں کا عکس صحیح نہیں۔

توجب قضیہ نظر بنفس الامر صادق ہے تو ہمیں نظم قیاس اور مدعا کا نتیجہ حاصل کرنے کے لیے یہی کافی ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ موجبہ قضیے کا عکس وہ آتا ہے جو شکل اول کے کبرٰی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے کہ محمول کے عموم کا احتمال ہے اور جب کہ دو مفہوم وہاں ایسے ہوں کہ جن میں سے ہر ایک کے مصداق کا اعتبار اس کے محل خارجی کے اعتبار سے ایک ہو یا ذہن میں بھی متحد ہو تو ان دونوں کے مفہوم کا عموم باعتبار اس محل کے باطل ہے تو اس کے اعتبار سے نہ رہی مگر تساوی یا تباین اور ان دونوں کا ثالث نہیں تو اگر قضیہ حملیہ جس میں یہ دعوی ہو کہ بے شک یہ شخص وہی ہے تو ضروری ہے کہ یہ قضیہ

وجب صدق القائلة ان ذاك هذا والالجاز السلب فيتبا ينان فتبطل الاولیٰ هف فاذا بلغنا مثلاً عن رجل قولان احدهما قوله لعمرو زيد ابوك والاٰخر قوله ابی ابوك امكن لنا ان نعمل من قوليه شكلاً ينتج ان زيدا ابی لانه اذا صدق قوله ابی ابوك لزم صدق ابوك ابی والا لتعددا بواهما فبطل الاول واذا صدقت هذه انتظم الشكل بان زيداابوك وابوك ابی فزيد ابی،وافعل التفضيل مضافاً الی جماعة اذاكان باقياً علی معناه الحقيقی المتبادر منه شانه هذا،اذلا يكون الفرد الاكمل من جماعة الاواحدا ولن يصدقن ابدا قضيتان قائلتان بان هذا اكملهم و ذلك اكملهم معًا وهذا ظاهر جدا بل شان هذا انور من شان الشمس واخواتهافان العقل	حملیہ صادق آئے کہ وہ شخص یہی ہے ورنہ اس کا سلب جائز ہوگا توآپس میں دونوں متباین ہوں گے تو پہلا قضیہ باطل ہوجائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے لہٰذا اگر ہمیں ایک شخص سے دو باتیں پہنچیں ان میں سے ایک اس کا قول عمرو سے مخاطب ہو کر کہ زید تیرا باپ ہے اور دوسرا اس کا قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم اس کے دونوں قول سے ایک شکل بنائیں تو یہ نتیجہ دیں کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ جب اس کا یہ قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے صادق ہے تو لازم ہے کہ یہ قول صادق ہو کہ تیرا باپ میرا باپ ہے ورنہ ان دونوں کے باپ متعدد ہوں گے تو پہلا قول باطل ہوجائے گا اور جب یہ قضیہ صادق ہے تو شکل اسی طور پر بنے گی کہ زید تیرا باپ ہے اور تیرا باپ میرا باپ ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ زید میرا باپ ہے۔اور افعل التفضیل جو ایک جماعت کی طرف مضاف ہو جب وہ اپنے اس معنی حقیقی پر باقی ہو جو اس سے متبادر ہوتے ہیں تو اس کی شان یہی ہوتی ہے اس لیے کہ کسی جماعت سے فرد اکمل ایک ہوگا اور ہرگز کبھی ایسے دو۲ قضیے صادق نہ آئیں گے جو یہ دعوی کرتے ہوں کہ یہ شخص ساری جماعت سے اکمل ہے اور وہ شخص ساری جماعت سے افضَل ہے۔اور یہ سب ظاہر ہے بلکہ اس کا معاملہ سورج اور اس کے امثال کے ظہور سے روشن تر ہے اس لیے کہ عقل

يجيز صدقها علٰى افراد كثيرة ثبيرة واذا وجدلها فى الخارج فرد لم يستبعد وجود اٰخر بخلاف افعلهم فانما يقبل الاشتراك علٰى سبيل البدلية واذا صدق فى الخارج على فرد حال العقل صدقه على اٰخر منحازًا عنه كدأب اسماء الاشارة سواء بسواء فصدق العكس ھٰھنا ابين واجلى، واما قول اهل الميزان لا تنعكس الموجبة الاجزئية معنا ہ ان كلما جعلت موضوع موجبة كلية محمولًا و محمولها موضوعًا و اتيت بسورا لكلية كانت القضية كاذبة، فان الواقع يكذبه بل المعنى عدم الاطراد، وهم لا اقتصر نظر هم على الكليات لايعتدون الا بالمطرد المضبوط الذى لايتخلف فى مادة من المواد، وعدم الاطراد لا يستلزم المراد العدم، ولا اقول: انه عكس منطقى، و لا انها تلزم القضية لزومًا عامًّا لكنها تلزم فى امثال المقام لاشك، فتصدق القضية بالنظر الى الواقع

شمس وغیرہ کے مفہومات کا صادق آنا بہت سارے افراد پر جائز جانتی ہے اور جب ان مفہومات کا خارج میں کوئی فرد پایا جائے تو عقل دوسرے فرد کے وجود کو بعید نہیں جانتی بخلاف اَفعَلُھُم کہ یہ تو اشتراک کو بر سبیل بدلیت قبول کرتا ہے اور جب خارج میں کسی فرد پر اس کا مصداق پایا جائے تو عقل محال جانتی ہے کہ افعل التفضیل کا مصداق دوسرے پر صادق آئے جو اس سے منفرد ہو اس کا معاملہ اسمائے اشارہ کے مانند برابر برابر ہے تو یہاں پر عکس کا صادق ہونا روشن تر اور ظاہر تر ہے۔ رہا منطق والوں کا یہ قول کہ موجبہ کا عکس نہیں ہوتا مگر جزئیہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کبھی تم موجبہ کلیہ کے موضوع کو محمول بناؤ اور اس کے محمول کو موضوع بناؤ اور اس پر کلیہ کا سور لاؤ تو قضیہ کاذب ہوگا اس لیے کہ واقعہ اس بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ مطرد نہیں اور منطقیوں کی نظر چونکہ کلیات تک محدود ہوتی ہے تو وہ اعتبار نہیں کرتے مگر اس مفہوم کا جو مطرد و مضبوط ہو مواد میں سے کسی مادہ میں جس کا حکم متخلف نہ ہو اور عدمِ اطراد اطراد عدم کو مستلزم نہیں ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عکس منطقی ہے۔ نہ یہ دعوی کرتا ہوں کہ یہ قضیہ کو عام طور پر لازم ہے لیکن اس مقام کے امثال میں بلاشبہہ عکس لازم ہوتا ہے تو قضیہ منعکسہ واقعہ پر نظر کرتے ہوئے

سمّاها المیزانیون عکسًا اوّلًا وھذا القدر یکفی لانتظام الشکل فان صادقتین مستجمعتین للشرائط لا تنتجان الاصادقة ولایلزم اثبات الصدق علی انھا عکس منطقی لقضیة صادقة وانکار ھذا من اخنی المکابرات۔ثم ھذاالعکس لم یرشدنا الیه الا الاٰیة الکریمة اذھی التی دلتنا علی اتحادھما فی الوجود فاذا کان ھذا فی مفھومین لاتعدد لمصداق شیئ منھما ان ارشادًا الی التعاکس قطعًا کما اذا سمعت رجلًا یقول ابی زید جازلك ان تقول کان الرجل یقول زیدا بی لان زیدًا لایتعددوابوالرجل لایتعدد فاذا کان ابوہ زیدا کان زید اباہ کذا ھذا من دون شك ولا اشتباہ الحمد ﷲ علی نعمائه وعلیك بتسکین الھواجس یافلسفیاہ۔	صادق ہے اہل منطق نے اس کا نام عکسِ اول رکھا ہے اور اتنی مقدار انتظام شکل کے لیے کافی ہے اس لیے کہ دو قضایا صادقہ جو شرائط کے جامع ہوں ایک قضیہ صادق ہی کا نتیجہ دیں گے اور صدق کا ثابت کرنا اس پر موقوف نہیں کہ وہ قضیہ صادقہ عکس منطقی ہو اور اس کا انکار نہایت بے شرمی کے مکابرات میں سے ہے۔ پھر اس عکس کی طرف آیت کریمہ نے ہی رہنمائی کی کہ اس لیے کہ اس نے ہم کو یہ دکھایا کہ دونوں قضیے وجوب میں متحد ہیں تو جب یہ حال ایسے دو مفہوموں میں ہے کہ ان میں سے کسی شے کا مصداق متعدد نہیں تو یہ یقینًا دونوں قضیے کے باہم منعکس ہونے کی طرف رہنمائی ہے جیسے کہ تم جب کسی شخص کو کہتے سنو کہ میرا باپ زید ہے تو تمہیں جائز ہے کہ تم کہو گویا کہ یہ شخص یوں کہہ رہا ہے کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ زید متعدد نہیں اور اس شخص کے باپ متعدد نہیں۔ تو جب اس کا باپ زید ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید اس شخص کا باپ ہے۔ اسی طور پر بلا شک و شبہہ یہ آیت ہے اور اللہ کے لیے اس کی نعمتوں پر حمد۔ اور اے فلسفی تجھے لازم ہے کہ وساوس کو ساکن رکھ۔
الثالث من وجوہ الجواب اقول:و ربی ھادی الصواب اخترناعن ھذاکلّه وسلمناان مفادالاٰیة الاولٰی قولنا	وجوہِ جواب میں سے تیسری وجہ، میں کہتا ہوں اور میرا رب راہِ صواب دکھانے والا ہے ہم نے اس سب کو اختیار کیا اور مان لیا۔ آیت اولٰی کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ

کل اکرم اتقٰی وینعکس بعکس النقیض الٰی قولنا "من لیس باتقی لیس باکرم" وقد اثبتنا فیما اسلفنا عرش التحقیق علی ان المراد بالاتقی فی الایة الثانیة اعنی قوله تعالٰی "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾"[1] اتقی الصحابة جمیعًا فوجب ان لایکون احد من الصحابة اتقی منه۔ ولامساویًا له فی التقوٰی اذا ثبت ھذا فنقول کل صحابة فھولیس باتقی من ابی بکر ومن لیس باتقی منه لیس باکرم منه۔ انتج ان کل صحابة فھو لیس باکرم من ابی بکر وصغری القیاس معدولة کما لوحنا الیه بتقدیم اداة الربط علی حرف السلب ولك ان تجعلها موجبة سالبة المحمول اعنی علی قول قوم من المتاخرین ویرشدك الٰی مایزیح وھمك جعل السلب فی الکبرٰی مراة الملاحظة افراد الاوسط۔ وان شئت لم تعکس الاٰیة الاولٰی ایضا ونسجت الشکل	کل اکرم اتقٰی (یعنی ہر اکرم سب سی بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقٰی لیس باکرم (جو اتقی سب سے بڑا متقی نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کردیا کہ مراد اتقی سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک وتعالٰی کے قول "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾" میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور نہ تقوٰی میں اس کے کوئی مساوی ہو۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابوبکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابوبکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغرٰی معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کرکے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمہاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمہارے وہم کو دور کردے سلب کو کبرٰی میں افراد اوسط کے لیے مراۃ ملاحظہ بنانے سے ہوگی۔ اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولٰی کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابوبکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں۔ اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

علی منوال الثانی بان تقول لاشیئ من الصحابة اکرم من ابی بکر و کل اکرم من ابی بکر اتقی منه انتج ان لا شیئ من الصحابة اکرم من ابی بکر و لعلّك ان تقرره قیاسًا استثنائیًا یرفع المقدم لرفع التالی فتقول لوکان احد من الامة اکرم من الصدیق لکان اتقی منه لان کل اکرم اتقی لکنهم لیسوا باتقی منه للایة الثانیة فلیسوا باکرم منه وفیه المقصود۔

تنبیه: سیقول السفهاء من الناس ماولکم عن دعوٰکم التی کنتم علیها فان الثابت علی هذه التقاریر الثلثة الاخیرة انما هو نفی اکرم من الصدیق وهو لا یستلزم اکرمیته رضی الله تعالٰی عنه اذ یحتمل التساوی۔

اقول: اوقد قالوا افلئن قالوا فلقد زاغوا۔

اما اولًا فنصوص الشرع و محاورات البلغاء طافحة بسوق الکلام الی غرض التفضیل علی الاطلاق علی هذا المساق یقولون لیس احد افضل من فلان ویریدون انه افضل الکل وذلك لان التساوی

مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کردے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لیے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ۔ تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔

تنبیہ: اب کہیں گے بے وقوف لوگ اس دعوی سے جس پر تم قائم تھے کس چیز نے تمہیں پھیر دیا اس لیے کہ ان تین تقاریر اخیرہ پر جو ثابت ہوتا ہے وہ صدیق سے زیادہ عزت والے کی نفی ہے اور اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (اولویت) سب پر لازم نہیں آتی اس لیے کہ تساوی کا احتمال ہے۔

اقول: کیا ان بے وقوفوں نے یہ بات کہی اگر انہوں نے ایسا کہا تو بے شک وہ منحرف ہوگا۔

اولًا نصوص شرع اور اہلِ بلاغت کے محاورے اس ڈھنگ سے بھرے ہیں کہ کلام کو علی الاطلاق فضیلت بتانے کی غرض سے اس طور پر لایا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی فلاں سے افضل نہیں ہے اور مراد لیتے ہیں کہ وہ سب سے افضل ہے اور یہ اس لیے کہ تساوی حقیقی عادتًا گویا

الحقیقی کالمحال عادۃ وعلیك بکلام شراح الحدیث۔	محال ہے اور تم شراح حدیث کے کلام کو لازم پکڑو۔
واما ثانیًا: فلك ان تضم الیه اجماع الامة علی وجود التفاضل والحق لایخرج عن اقوالھم۔	**ثانیًا**: تمہیں یہ اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وجود تفاضل پر امت کا اجماع ضم کرو اور حق اقوالِ اُمت سے باہر نہ ہوگا۔
واما ثالثًا: ھوالطراز المعلم ان العارف باسالیب الکلام یفھم من الایة الاولٰی تسبب التقوٰی لایراث الکرامة وقصر حصولھا علی حصوله وبه صرحت الاحادیث الناشیة عن ارشاد الایة اللاحظة الٰی ملحظ الکریمة انبأنا سراج الحنیفة بالسند عن الشریف عن محمد بن ارکماش عن العلامة ابن حجر عسقلانی عن عبدالرحمن بن احمد بن المبارك الغزی عن احمد بن ابی طالب الحجار عن علی بن اسمعیل بن قریش عن الحافظ المنذری قال فی کتاب الترغیب والترهیب عن عقبة بن عامر رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ان انسابکم هذه لیست بسباب علی احد وانما انتم ولد آدم طف الصاع لم تملؤوہ لیس لاحد فضل علی احد الابالدین او	**ثالثًا**: اور وہ وجہ طراز معلم یہ کہ اسالیب کلام کا واقف آیتِ اولٰی سے سمجھتا ہے کہ تقوٰی عزت حاصل ہونے کا سبب ہے اور عزت کا حصول تقوٰی کے حصول پر منحصر ہے اسی کی تصریح ان احادیث نے کی کہ جو ارشادِ آیت سے ناشی ہیں اور آیتِ کریمہ کے مطمحِ نظر کی طرف دیکھتی ہیں۔ ہمیں سراج الحنفیہ نے خبر دی اپنی سند سے۔ وہ روایت کرتے ہیں شریف سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد ابن ارکماش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن ابن احمد ابن مبارک غزی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں احمد ابن ابی طالب حجار سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علی ابن اسمٰعیل ابن قریش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حافظ منذری سے۔ انہوں نے فرمایا، کتاب الترغیب والترہیب میں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا یہ نسب کسی کے لیے گالی نہیں ہے تم تو آدم کی اولاد ہو پیمانہ کی طرح جو تم نے نہیں بھرا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح کے سبب۔ اس

عمل صالح۔رواہ احمد والبیھقی کلاھما من روایۃ ابن لھیعۃ ولفظ البیھقی قال لیس لا حد علی احد فضل الابالدین او عمل صالح حسب للرجل ان یکون بذیا بخیلا۔وفی روایۃ لیس لاحد علی احد فضل الابدین اوتقوٰی وکفی بالرجل ان یکون بذیا فاحشا بخیلا۔قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طف الصاع بالاضافۃ ای قریب بعضکم من بعض[1] اھ قلت واخرجہ الطبرانی فی حدیث طویل من طریق ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ولفظہ انما انتم من رجل وامرأۃ کجُمام الصاع لیس لاحد علی احد فضل الاّ بالتقوٰی[2] اھ قولہ صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم کجُمام الصاع جُمام بالضم مایملأ والمعنی انکم متساوون فی القدر کحبّات الصاع تکال فیعرف مقدار ھا و استواء ھا بمثلھا کیلًا من	حدیث کو روایت کیا احمد اور بیہقی دونوں نے ابن لہیعہ کی روایت سے۔اور بیہقی کے لفظ یوں ہیں۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح سے۔اور آدمی کے بُرا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ بدزبان کنجوس ہو۔اور ایک روایت میں ہے۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا تقوٰی سے۔اور آدمی کے لیے کافی برائی ہے کہ وہ بدگو بے حیاء کنجوس ہو۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول"طف الصاع"اضافت کے ساتھ کا معنی یہ ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کے قریب ہے۔انتہی۔ **قلت**(میں کہتا ہوں)اور طبرانی میں اس کی تخریج کی ایک حدیث طویل میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طریق سے،اور ان کے لفظ یہ ہیں۔تم لوگ ایک مرد اور عورت سے ہو جمام صاع کی طرح۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے انتھی۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول "جُمام صاع"جمام بضم جیم وہ چیز ہے جو پیمانہ میں بھری جاتی ہے اور معنی یہ ہے کہ تم قدر میں ایک دوسرے سے برابر ہو پیمانہ کے حبّوں کی طرح جس کو پیمانہ میں بھرا جاتا ہے تو ان کی مقدار اور ان کے مثل کے ساتھ

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۶ و ۷ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

[2] الجامع لاحکام القرآن تحت الایۃ ۴۳/ ۴۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/ ۸۲

دون حاجة الی الوزن لتساویھا ثقلًا واکتنازًا وبه قال المنذری عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنه"ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال له انظر فان لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقوی ۔رواہ احمد و رواته ثقات مشھورون الا ان بکر بن عبداللہ المزنی لم یسمع من ابی ذر۔اھ[1]	ان کی برابری پیمانہ میں معلوم ہوتی ہے اور انہیں تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ بوجھ اور موٹائی میں وہ برابر ہوتے ہیں۔اور اسی مضمون کو منذری نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا"بے شک تم سیاہ فام سے اور سُرخ سے بہتر نہیں اور نہ سیاہ فام تم سے بہتر ہے۔مگر یہ کہ تم اس پر فضیلت پاؤ تقوٰی کی وجہ سے۔"اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ بکر بن عبد اللہ مزنی نے اس حدیث کو ابوذر سے نہیں سنا۔انتہی،
قلت والمرسل مقبول عندنا وعند الجمھور۔وبه قال عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی اوسط ایام التشریق خطبة الوداع فقال۔یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد۔الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم الاھل	**قلت**(میں کہتا ہوں)اور مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔اور اسی مضمون کی روایت کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایامِ تشریق کے درمیانی دن میں خطبہ الوداع دیا کہ فرمایا"اے لوگو۔بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔سنتے ہو عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر فضیلت ہے مگر تقوٰی سے۔بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانه لافضل لاحد الخ حدیث ۸ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

بلغت، قالوا بلٰی یارسول اللہ، قال فلیبلغ الشاھد الغیب، ثم ذکر الحدیث فی تحریم الدماء والاموال والاعراض رواہ البیھقی وقال فی اسنادہ بعض من یجھل[1] انتھی	سنتے ہو کیا میں نے رب کا پیغام پہنچادیا۔ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں۔ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) فرمایا اب جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں۔ پھر حدیث ذکر کی جو لوگوں کے خون۔ مال اور آبرو کی حرمت میں ارشاد ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا اس کی سند میں بعض مجہول ہیں۔
قلت ولا یضرنا فی الشواھد واخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب بن خراش رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المسلمون اخوۃ لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوی۔[2] وبالجملۃ فالاحادیث کثیرۃ فی ھذا المعنی ثم ان الکرامۃ والتقوٰی کلاھما مقولان بالتشکیك فکلما زادت زادت وکلما نقص نقصت و المتساویان فیہ یتساویان فیھا کالعصیان عــہ سبب للھوان فیزداد بزیادتہ وینتقص بانتقاصہ وھکذا فاذا ثبت ھذا کان معنی قولنا کل اکرم اتقی منحلا الی ثلث قضایا احدھا ھذہ والثانیۃ کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ فی التقوٰی	**قلت** (میں کہتا ہوں) شواہد میں ہم کو راوی کی جہالت مضر نہیں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حبیب بن خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے۔ بالجملہ اس معنی کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں مگر کرامت اور تقوٰی دونوں تشکیک کے ساتھ بولے جاتے ہیں تو جب تقوٰی زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقوٰی کم ہوگا کرامت کم ہوگی۔ اور تقوٰی میں متساوی کرامت میں متساوی ہوں گے جیسے کہ عصیان سبب ذلت کا۔ تو ذلت عصیان کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے۔ اور یونہی جب یہ بات ثابت ہے تو ہمارے قول "کل اکرم اتقٰی" کے معنی کی تحلیل تین قضیوں کی طرف ہوگی ان کا ایک تو یہی ہے اور دوسرا

عــہ: ای فی اصل قضیۃ المجازاۃ اماتدارك الرحمۃ ففضل الٰھی یختص بہ من یشاء ما اسلفنا تحقیقہ (۱۲ منہ) غفرلہ۔	یعنی اصل مقتضائے مجازات میں رہاتدارک رحمت تو یہ فضلِ الٰہی ہے اللہ تبارک و تعالٰی جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق گزشتہ میں کی ۱۲ منہ غفرلہ

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲ تا ۶۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۵

والثالث کل متساويين فيهما متساويان فيه والاية الثانية ايضاتنحل الیٰ ثلث مقدمات"ابوبکر اتقی الکل"وھو المنطوق ولا يزيد عليه احد فی التقویٰ و لايساوية احدفيه و عندھذا ليسھل عليك دفع الاشکال ونظم الاشکال لقطع الاحتمال والحمد لله المھيمن المتعال ھذا ما الھمنا المولیٰ تبارك وتعالیٰ بمنيع فضله ورفيع کرمه ومنحنا من عظام اٰلائه وحسان نعمه فی تقرير دليل اھل السنة والجماعة ودفع شبھات(اھل)البطالة والخلاعة وارجو ان تکون عامة ما فی تلك الخيام من عرائس بيض تجلو الظلام وبسائم تکشِرعن برد الغمام۔ اکون انا ابا عذرتھا وماذون الدخول فی حجرتھا وان قال الاول ليس علی الله بمستنکر ان يجمع العالم فی واحد۔ فقلت اناقد قدر الله فلا تنکر۔ان لحق العاجز بالقادر کيف وقد فازبافضاله ال۔کل فماظنك بالقادری۔

یہ ہے کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنه فی التقویٰ (عزت میں دوسرے سے کم تر اس سے تقویٰ میں کمتر ہے) اور تیسرا کل متساويين فيهما متساويان فيه (ہر وہ شخص جو تقویٰ میں برابر ہیں وہ عزت میں برابر ہیں) اور اس صورت میں تمہیں اشکال کا دفع کرنا قطع احتمال کے سبب آسان ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لیے جو نگہبان و برتر ہے۔۔۔۔۔۔یہ وہ ہے جو ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے الہام فرمایا اپنے فضل عظیم اور کرمِ رفیع سے۔اور بخشا ہمیں اپنے عظیم احسانوں سے۔اور حسین نعمتوں سے اہلسنت و جماعت کی دلیل کی تقریر میں تائید اور اہل بطالت و ضلالت کے شبہات کے دفع کرنے کے لیے۔اور میں امید کرتا ہوں کہ ان خیموں میں جو خوبصورت دلہنیں ہیں وہ اندھیروں کو دور کریں اور مسکراتی صورتیں جو بارش کے اولے دکھائیں ان میں سے اکثر کا میں ہی صاحب ہوں۔اور ان کے حجرے میں دخول کا مجاز ہوں۔ اور مجھ سے پہلے نہ کہا تھا کہ اللہ پر مستبعد نہیں کہ عالم کو ایک میں جمع کردے۔تو میں نے کہا بے شک اللہ نے مقدر کیا تو اس کا انکار نہ کرنا کہ اللہ نے عاجز کو قادر سے ملحق کردیا۔یوں نہ ہو حالانکہ اللہ کے فضل سے سب بہرہ مند ہیں تو تیرا کیا گمان ہے۔ قادری کے ساتھ۔

خاتمہ: رزقنا الله تعالٰی حسنها امین فان قلت لقد تفضل الله علیك یا وضیع القدر فنطقت بکلمات بلغن قاموس البحر فماذا تأمرنی فی المسئلۃ اقطع بتفضیل الصدیق نظرًا الٰی هذا الاستدلال۔ مع مافی الایۃ من تاویل واحتمال۔ اذ ذهب ذاهبون الٰی ان الا تقی بمعنی التقی وان زیفت قولهم بتحقیق نقی۔	**خاتمہ**: اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔ اب اگر تم کہو بے شک اللہ نے اے کمترین۔ تیرے اوپر احسان فرمایا تو تُو نے وہ کلمات بولے جو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ گئے۔ اب مجھے اس مسئلہ میں کیا حکم دیتا ہے۔ آیا میں فصیلت صدیق کا یقین لاؤں،۔ اس استدلال پر نظر کرتے ہوئے باوجود یہ کہ اس آیت میں تاویل و احتمال ہے اس لیے کہ جانے والے اس طرف گئے کہ اتقی بمعنی تقی ہے اگرچہ تُو نے ان کا قول ستھری تحقیق سے غلط ثابت کردیا۔
قلت نعم اقطع ولاتبال بما قیل او مایقال اذ قاطعان لایأتیان قط الا بقطع وقد سمعت ان الصدیق هو المراد بالاتقی باجماع الامۃ قاطبۃ ولم ینقل فی ذلك شذوذ شاذ فکان قطعیا والایۃ الاُخری نص فی المرام لا شك اما ما ذکرت من حدیث من ذهب الٰی ما ذهب فقد سمعت ان الاٰیۃ لا مساغ فیها للتاویل واحتمال بلا دلیل لاینزل التنزیل عن درجۃ برهان قاطع جلیل، الا تری ان کل نص یحتمل التاویل ومع ذلك هو قطعی قطعًا کما صرح بہ ائمۃ الاصول۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) ہاں یقین کر اور قیل و قال کی پرواہ نہ کر۔ اس لیے کہ دو قطعی نتیجہ نہیں دیتے مگر قطعی کا۔ اور تم سن چکے کہ صدیق ہی مراد ہیں اتقی سے ساری امت کے اجماع کے بموجب اور اس میں کسی نادر کی رائے شاذ بھی منقول نہیں۔ تو یہ اجماع قطعی ہوا۔ اور دوسری آیت مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ رہی وہ بات جو تم نے اس رائے کی کہی جس کی طرف جانے والے گئے۔ تو تم سُن چکے کہ آیت میں تاویل کی گنجائش نہیں اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقینًا قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔

وتحقیق المقام علی ما الھمنی الملك العلام ان العلم القطعی یستعمل فی معنیین۔ **احدھما:** قطع الاحتمال علی وجہ الاستیصال بحیث لایبقی منہ خبرولا اثروھذاھو الاخص الاعلٰی کما فی المحکم والمتواتر وھو المطلوب فی اصول الدین فلا یکتفی فیھا بالنص المشھور۔ **والثانی:** ان لایکون ھناك احتمال ناش من دلیل و ان کان نفس الاحتمال باقیًا التجوز و التخصیص و سائر انحاء التاویل کما فی الظواھر والنصوص و الاحادیث المشھورۃ والاول یسمی علم الیقین و مخالفہ کافر علی الاختلاف فی الاطلاق کما ھو مذھب فقھاء الاٰفاق، والتخصیص بضروریات الدین ما ھو مشرب العلماء المتکلمین۔و الثانی علم الطمانیۃ و مخالفہ مبتدع ضال ولا مجال الی اکفارہ کمسئلۃ وزن الاعمال یوم القیمۃ قال تعالٰی "وَالْوَزْنُ یَوْمَىٕذِ ﹰالْحَقُّ ۚ"[1] ویحتمل النقد احتمالًا لاصارف	**اور مقام کی تحقیق** اس طور پر جو مجھے اللہ ملک العلام نے الہام کیا یہ ہے کہ علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ **ایک** تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہو جائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔اور یہ اخص اعلٰی ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے۔اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے۔تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔ **دوسرا:** یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی ہو اگرچہ نفس احتمال باقی ہو۔جیسے کہ مجاز اور تخصیص۔اور باقی وجوہِ تاویل۔جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیث مشہورہ میں ہے۔اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقًا۔جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے یا ضروریات دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہی اور اس کا مخالف بدعتی و گمراہ ہے اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں۔جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ۔اللہ تعالٰی کا قول ہے"اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے"اور یہ آیت نقد(پرکھ)کا ایسا احتمال رکھتی ہے۔

[1] القرآن الکریم ۷/ ۸

الیه ولا دلیل اصلاعلیه فیکون کقولک"وزنته بمیزان العقل"وهورائج فی العجم ایضًاتقول"سخن سنج"ای ناقدا لکلام۔ و مسئلة رؤیة الوجه الکریم للمؤمنین۔رزقنا المولٰی بفضله العمیم۔قال تعالٰی "وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ "[1] ویحتمل احتمالًا کذلك ارادة الامل و الرجاء وهو ایضًا مما توافقت علیه العرب والعجم تقول"دستِ نگر من ست"ای یرجو عطائی ویحتاج الی نوالی وهٰکذا مسئلة الاسراء الی السمٰوٰت العلی و الشفاعة الکبرٰی للسید المصطفٰی علیه افضل التحیة والثناء فکل ذل ثابت بنصوص قواطع بالمعنی الثانی۔ ولذا لا نقول بالکفار المعتزلة والروافض اولالین الماؤلین۔و هکذا الظن له معینان اذ مقابل الاعم اخص والاعم اخص کما لا یخفی۔اذا عرفت هذا فمسئلتنا هذه ان ارید فیها القطع بالمعنی الاخص فهذا

جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلًا اس پر کوئی دلیل ہے۔اب آیت کا معنٰی تمہارے قول"میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا"کے مثل ہوگا۔اور یہ عجم میں رائج ہے۔تم کہتے ہو"سخن سنج"یعنی کلام کو پرکھنے والا۔
اور مومنین کے لیے اللہ تبارک وتعالٰی کے دیدار کا مسئلہ۔مولائے کریم اپنے فضل عظیم سے نصیب فرمائے۔اللہ تعالٰی نے فرمایا"کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے"احتمال رکھتا ہے اسی طرح اُمید ورجاء کے ارادے کا۔اور یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب و عجم سب متفق ہیں۔تم کہتے ہو"دستِ نگر من ست"یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری بخشش کا محتاج ہے۔اور اسی طرح آسمانوں کی سیر اور شفاعتِ کُبری محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنی پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں۔اور اسی لیے ہم تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض کی تکفیر نہیں کرتے۔اور اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں اس لیے کہ اعم کا مقابل اخص ہے اور اعم اخص ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارا یہ مسئلہ اگر اس میں قطعی بالمعنی الاخص مراد لیا جائے تو یہ

[1] القرآن الکریم ۷۵ /۲۲و۲۳

جبل وعرصعب المرتقی۔ اذما وردفیھا فامانص او ظاھر وکلاھما یقبلان التاویل ولو قبولاً ضعیفاً بعیداً او ابعد اضعف مایکون کالاتقی فیما نحن فیه یحتمل التجوز بالبالغ فی التقوی والخیر والافضل فی الاحادیث یحتمل تقدیر من کقول القائل "فلان اعقل الناس" وما جاء من الاحادیث مفسّراً محکماً فاحاد تطرق الیھا الاحتمال من قبل النقل لکنا مالنا ولھذا القطع، اذلا نقول باکفار المفضلة ومعاذ الله ان نقول اما الا بتداع فیثبت بخلاف القطع بالمعنی الثانی وھو حاصل لا شك فیه لایسوغ انکاره الا لغافل او متغافل فقد تظافرت علیه النصوص تظافرا جلیا و بلغت الاخبار تواتراً معنویا والاحتمالات الرکیکة السخیفة الناشیة من غیر دلیل لا تقدح فی القطع بھذا المعنی کما صرحت به علماء الاصول و زادنا نوراً الی نور و رشاداً الی رشاد اجماع الصحابة الکرام و

پہاڑ ہے سخت دشوار گزار چڑھائی والا۔ اس لیے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعد اضعف سہی۔ جیسے کہ ہمارے اسی مسئلہ میں جس میں ہمیں بحث ہے جیسے کہ اتقی، تقوٰی اور خیر میں بالغیت کے معنی مجازی کا احتمال رکھتا ہے اور احادیث میں لفظ افضل کے مقدر ہونے کا احتمال رکھتا ہے جیسے کوئی کہے "فلان اعقل الناس" (فلاں شخص لوگوں سے زیادہ عاقل ہے) اور جو احادیث مفسر محکم آئیں تو وہ خبر واحد ہیں جن میں روایت کی طرف سے احتمال راہ پاتا ہے لیکن ہمیں اس طرز کے قطعی سے کیا کام۔ اس لیے کہ ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں کرتے اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں۔ لیکن اُن کا بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف قطعی بمعنی دیگر تو وہ بلاشک حاصل ہے جس کا انکار سوائے غافل یا غافل بننے والے کے کسی کو نہ بن پڑے گا اس لیے کہ اسپر واضح کثرت کے ساتھ نصوص آئیں اور احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور رکیک کمزور احتمالات جو کسی دلیل سے ناشی نہیں ہوتے اس معنی پر قطعی میں اثر انداز نہ ہوں گے۔ جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے لیے نُور پر نور بڑھایا اور ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور

Majlis of Dawateislami

التابعین العظام ما نقله جمهور الائمة الاعلامه، منهم سیدنا عبدالله بن عمر و ابو هریرة من الصحابة ومیمون بن مهران من التابعین والامام الشافعی من الاتباع وغیرهم من لایحصون لکثرتهم۔ و حکایة ابن عبدالبر لا معقولة فی الدرایة ولا مقبولة فی الروایة کما حققناه فی مطلع القمرین مع ما ارشدنا القرآن العظیم واحادیث المصطفٰی الکریم علیه افضل الصلوة والتسلیم الٰی دلائل جمة توخذ منهما بالاستنباط ووفق لها هذا الفقیر الضعیف کما عقدنا لها الباب الثانی من الکتاب البیر فلولا الا واحد من هذه لشفی و کفی ودفع کل ریب ونفی، فکیف اذا کثرت وجلت وعقدت و حلت ورعدت و برقت و اضاء ت واشرفت فلا وربك لم یبق للشك محل ولا للریب مدخل والحمد لله الا علی الاجل۔ اما قول من قال انا وجدنا النصوص متعارضة فهذا اخبار عن نفسه فکیف یحتج به علی من نظر وابصر ونقد واختبر فقتلها خبرا واحاط بما لدیها علمًا علی

تابعین عظام کے اجماع نے۔ جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے جمہور آئمہ اعلام نے۔ ان میں عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ صحابہ میں سے۔ اور میمون ابن مہران تابعین میں سے۔ اور امام شافعی تبع تابعین میں سے۔ اور ان کے سواجن کی گنتی نہیں بوجہ ان کی کثرت کے۔ اور ابن عبدالبر کی حکایت نہ توازراہِ درایت معقول ہے اور نہ روایت مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی ہے مطلع القمرین میں مع ان دلائل کثیرہ کے جن کی طرف ہماری رہنمائی قرآن عظیم اور احادیثِ مصطفٰی کریمہ علیہ الصلوۃ والسلام نے کی۔ یہ دلائل قرآن و حدیث سے استنباط کے ذریعہ ماخوذ ہیں اور ان کے لیے اس فقیر ناتواں کو توفیق ہوئی جیسا کہ ہم نے اس کے لیے اپنی کتاب کبیر کا باب دوئم باندھا ہے تو اگر ان دلائل میں سے نہ ہوتی مگر ایک دلیل تو وہ بھی شافی وکافی ہوتی اور ہر شک کی دافع و نافی ہوتی تو کیا گمان ہے جب کہ یہ دلائل کثیر و جلیل ہوں اور دین کی گرہیں باندھیں اور شبہوں کی رسیاں کھولیں اور گرجیں اور چمکیں اور روشن اور بلند ہوں تو تیرے رب کی قسم شک کا محل باقی رہانہ شبہہ کا مدخل۔ والحمد للہ الاعلی الاجل۔ رہی اس کی بات جس نے ہاہم نے نصوص کو متعارض پایا تو یہ اس کی اپنی حالت کی خبر ہے۔ تو وہ کیسے حجت لاتا ہے اس سے اس پر جس نے دیکھا اور غور کیا اور جانچا اور پرکھا تو نصوص کو خوب پرکھ کے جان لیا اور انکے پاس جو علم ہے اس کا احاطہ

انه ان ارادا التعارض الصوری وقد يطلق عليه ايضًا كقول الا صوليين يقدم المحكم على المفسّرو المفسر على النص والنص على الظاهر عند التعارض مع انه لا تعارض لضعيف مع قوی فهذا لا يضرنا ولا ينفعه وان اراد الحقيقی اعنی تزاحم الحجتين على حد سواء فنقول معنًا ناش عن غفول وعلى قائله اومن يمشی بمشيه ان ينور دعواه ببينة مبينة وانی لهم ذالك وليت شعری الام يودی ضيق العطن اذا رأی احاديث لاتخير وابين الانبياء [1] ولا تفضلونی علٰى يونس بن متی [2] وافضل الانبياء آدم [3] وذالك (ای) خير البرية ابراهيم [4] ايقول بتعارض النصوص فی تفضيل المصطفٰی

کیا۔علاوہ بریں یہ کہ اگر اس نے تعارض صوری مراد لیا اور کبھی تعارض کا اطلاق اس پر بھی آتا ہے جیسے اصولی کہتے ہیں کہ محکم کو مفسر پر اور مفسر کو نص اور نص کو ظاہر پر تعارض کے وقت مقدم کیا جائے گا حالانکہ بلاشبہ ضعیف کا قوی کے ساتھ اصلًا تعارض نہیں ہوتا تو یہ ہم کو نقصان نہ دے گا نہ اس کو فائدہ دے گا اور اگر اس نے تعارض حقیقی مراد لیا یعنی دو دلیلوں کا برابری کی حد پر ایک دوسرے کے مزاحم ہونا تو ہم کہیں گے یہ معنی غفلت سے ناشی ہے اور اس کے قائل پر یا جو اس کے طریقے پر چلے لازم ہے کہ اپنے دعوی کو روشن دلیل سے منور کرے اور ان کو یہ کیونکر بن پڑے گا۔اور کاش میں سمجھتا کہ کہ بندش کی تنگی کا انجام یا ہوگا جبکہ وہ یہ حدیثیں دیکھتے کہ انبیاء میں باہم ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو اور مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو،اور آدم افضل انبیاء ہیں۔ اور ابراہیم خلق میں سب سے بہتر ہیں۔کیا وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

I.T. Majlis of DawateIslami

---

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب ما یذکر فی الاشخاص قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵،صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسی علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد"الاصل السابع"دار الفکر بیروت ۲/ ۱۰۵

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۶۰،

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراہیم علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۵

صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی العالمین جمیعا ام یرجع الٰی نفسه فیدری ان التعارض شیئ ومجرد وجود النفی والاثبات شیئ اخر۔ وبھذا التحقیق البدیع الانیق الذی خصنا به المولٰی تبارك وتعالٰی امکن لنا التوفیق بین کلمات الائمة الکرام فمن قال بالقطع ونفی الظن فانما ارادا لقطع بالمعنی الاعم والظن وبالمعنی الاخص وھو حق لا مریة فیه ومن عکس فقد عکس وھو صدق لاغبار علیه۔فان تخالج فی صدرك ان المسئلة من الاعتقادیات فکیف اکتفیتم بالقطع بالمعنی الثانی۔ **قلت** ھذا اشد ورودًا علی القائلین بالظن ان ارادوا الظن بالمعنی الاخص والحل ان المسئلة لیست من اصول الاسلام حتی یکفر جاحدھا کمسئلة امامة الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وبھذا المثال ینقطع قلب من قال من بطلة الزمان انھا اذا لم تکن من الاصول کما صریح به السید الشریف فی شرح المواقف[1]	کی سب جہان پر فضیلت میں تعارض نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف لوٹے گا تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شے ہے اور مجرد وجود نفی واثبات دوسری شے ہے۔اور اس تحقیق انیق و بے نظیر سے جو خاص اللہ تبارک وتعالٰی نے ہم کو عنایت کی ہم کو آئمہ کرام کے کلمات میں مطابقت ممکن ہے تو جس نے اس مسئلہ کو قطعی کہا اور ظن کی نفی کی تو اس نے قطعی بالمعنی الاعم ہی کو مراد لیا اور ظن بالمعنی الاخص۔ اور حق یہ ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور جس نے عکس کیا تو اس نے عکس کیا اور وہ سچ ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔اب اگر تمہارے سینے میں یہ خلش ہو کہ یہ مسئلہ تو اعتقادیات سے ہے تو تم نے معنی ثانی میں قطعی پر کیسے اکتفا کرلیا۔ **قلت**(میں کہتا ہوں) یہ اعتراض ان لوگوں پر جو ظنی کے قائل ہیں زیادہ سختی کے ساتھ وارد ہوتا ہے جب کہ وہ ظن بالمعنی الاخص مراد لیں۔اور اس کا حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصولِ اسلام سے نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھہرے۔جیسے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت کا مسئلہ۔اور اس مثال سے اس کا دل ٹکڑے ہوجائے گا جو اس زمانہ کے اہلِ باطل میں سے کہتا ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں جیسا کہ سید شریف نے شرح مواقف

[1] شرح الموقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الرضی قم ایران ۸ /۳۴۴تا۳۴۰

وغیرہ من المتکلمین الفحول وکذا قد شھد علٰی نفسه بالرسة الکبرٰی فی مناصب الجھل والسفاھة من قال اذلم تکن قطعیة قلنا ان نطوی الکشح عن تسلیمھا قل لھم اترکوا لواجبات باسرھا ثم انظروا مایأتیکم من وعید الشریعة وتأثیمھا واذ قد علمت ان ھذا التحقیق یرفع الخلاف ویورث التطبیق فعلیك به اتفقت الاقوال اواختلفت اذ کلمة جامعة خیر من آراء متدافعة فان رأیت شیئا من کلمات المتاخرین تاٰبی ھذا النور المبین فاعلم ان تخطیة ھذاالبعض خیر من تخطیة احد الفریقین من آئمه الدین، لاسیما القائلین بالقطع فھم العمد الکبار للدین الحنیف۔ وبھم تشید ارکان الشرع المنیف۔ فمنھم من ھو اولھم واولٰھم سیدھم وولیھم اکثرھم للتفضیل تفصیلا واشد ھم علی المخالف تنکیلا سیدنا المرتضٰی اسد اللہ العلی الاعلی کرم اللہ تعالٰی وجھه الکریم اذقد تواتر عنه فی ایام امامته وکرسی زعامته

میں اور دوسرے علماء متکلمین نے اس کی تصریح کی اور یونہی مناسب جہل وحماقت میں اپنی زعمتِ کبرٰی پر گواہی دی اس نے جس نے یہ کہا کہ جب یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کریں۔ ان سے ہو سارے واجبات کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ تمہارے پاس شریعت کی کیسی وعید اور تمہارے گنہ گار ہونے کی تہدید آتی ہے۔ جب تم نے جان لیا کہ یہ تحقیق خلاف کو اٹھاتی اور کلماتِ علماء میں مطابق پیدا کرتی ہے تو تم اس کو لازم پکڑو اقوال متفق ہوں یا مختلف اس لیے کہ ایک جامع بات باہم ٹکراتی باتوں سے بہتر ہے تو اگر تم دیکھو کلماتِ متاخرین میں کوئی عبارت اس نورِ مبین سے اِباء کرتی ہے تو جان لو کہ اس بعض کو خاطی جاننا بہتر ہے اس سے کہ آئمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے خصوصًا وہ آئمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی کہتے ہیں اس لیے کہ وہی دین حنیف کے بڑے ستون ہیں اور انہیں سے شرع بلند وبرتر کے ستون قائم ہیں۔ تو ان میں سے ایک وہ ہیں جو سب سے زیادہ اول واولٰی اور ان سب کے سید ومولٰی اور مسئلہ تفضیل کو سب سے زیادہ بیان کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا کا خوف دلانے والے سیدنا علی مرتضٰی اللہ بلند وبالا کے شیر کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم اس لیے کہ ان کے ایامِ خلافت اور کرسی زعامت میں

تفضیل الشیخین علٰی نفسه وعلی سائر الامة۔ ورمٰی بهابین اکتاف الناس و ظهورهم حتی جلی ظلام شکوك مدلهمة۔ روی الدارقطنی عنه رضی الله تعالٰی عنه قال لااجداحدًا فضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفتری[1] عــــه۔	ان کا شیخین ابوبکر و عمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا تواتر سے ثابت ہوا اس کو لوگوں کے کندھوں اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں تک کہ تیرہ وتار شبہات کی اندھیری کو دور کر دیا۔ دارقطنی نے اسی جناب سے روایت کیا۔ فرمایا میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو مفتری کی حد ماردوں گا۔

عــــه: وقد کان رضی الله تعالٰی عنه یبوح بهذا فی المجامع الشاملة والمحافل الحافلة والمساجد الجامعة وفیهم من فیهم من الصحابة والتابعین لهم باحسان ثم لم ینقل عن احد منهم انه ردقوله هذا ولقد کانوا اتقی الله تعالٰی من ان یسکنوا عن حق اویقروا علٰی خطاؤ هم الّذین وصف الله سبحٰنه وتعالٰی فی القرآن العظیم بانهم "خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

اور سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عام مجمعوں میں اور بھری محفلوں میں اور جامع مسجدوں میں اس بات کا اعلان فرماتے تھے اور لوگوں میں صحابہ اور تابعین کرام موجود ہوتے تھے پھر ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کو رد کیا ہو اور بے شک وہ اللہ تعالٰی سے بہت ڈرنے والے تھے اور اس بات سے دور تھے کہ حق بتانے سے خاموش رہیں یا کسی خطا کو مقرر رکھیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تبارک وتعالٰی نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمایا "اور تم بہترین اُمت ہیں جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی کہ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۱

قال سلطان الشان ابو عبداللہ الذہبی حدیث صحیح۔	اس فن کے سلطان حضرت ابو عبداللہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔
قلت انظر الی ہذا الوعید الشدید افتراہ معاذ اللہ مجترأعلی اللہ تعالٰی فی اجراء الحدود مع تعارض الظنون وھو الراوی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علی وسلم ادرؤا الحدود [1] اخرجہ عنہ الدار قطنی والبیہقی۔ وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم	**قلت** (میں کہتا ہوں) اس وعید شدید و دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کروگے پناہ بخدا اللہ تبارک و تعالٰی پر جرات کرنے والا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا "حدود کو دفع کرو۔ مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیہقی و دار قطنی نے روایت کیا اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو جب تک تم کو استطاعت ہے۔ تم اگر تم مسلمان کے لیے کوئی راہِ خلاص پاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [2] وائمتھم الکرام کانوا اتقی ومنھم احرص علی الرشد والصواب۔ و قد کانوا یحثون العلماء علی ابانۃ الحق ان خطاء وتقویمہ الاودان مالوا۔

بھلائی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہو" اور اس گروہ کے آئمہ کرام ان سے زیادہ متقی اور ہدایت و صواب پر ان سے زیادہ حریص تھے اور علماء کو حق ظاہر کرنے پر اکساتے تھے اگر ان سے خطا ہو اور کجی کو درست کرنے کی ترغیب دیتے تھے اگر وہ منحرف ہوں۔

---

[1] سنن الدار قطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۳۰۶۲/۹ دار المعرفۃ بیروت ۶/۳، سنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دار صادر بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

فان وجد تم للمسلم مخرجًا فخلوا سبیله فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة رواه ابن ابی شیبة والترمذی [1] والحاکم و البیهقی عن اُم المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنهما ومنهم میمون ابن مهران من فقهاء التابعین سُئِل ابوبکر و عمر افضل ام علی۔فقف شعره و ارتعدت فرائصه حتی سقطت عصاه من یده وقال ما کنت اظن ان اعیش الٰی زمان یفضل الناس فیه احدًا علی ابی بکرو عمر اوکما قال رواه ابونعیم [2] عن فرات بن السائب۔ومنهم عالم المدینة الامام مال بن انس رضی الله تالٰی عنه سُئِل عن افضل الناس بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام کا در گزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے "اس حدیث کو ابن ابی شیبہ۔ترمذی۔حاکم اور بیہقی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا اور انہیں میں سے حضرت میمون ابن مہران ہیں جو کہ فقہائے تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر و عمر افضل ہیں یا علی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا۔جس میں لوگ ابوبکر و عمر پر کسی کو فضیلت دیں گے۔یا جیسا انہوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم نے فرات بن سائب سے۔اور انہیں میں سے عالم مدینہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں۔تو فرمایا ابوبکر و عمر۔پھر

[1] المستدرك للحاکم کتاب الحدود باب ان وجدتم لمسلم مرجا الخ دارالفکر بیروت ۴ /۳۸۴،جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱ /۱۷۱،السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبهات دار صادر بیروت ۸ /۲۳۸،المصنف لا بن ابی شیبیه کتاب الحدود باب فی درء الحدود بالشبهات حدیث ۲۸۴۹۳ دار الکتب العلمیه بیروت ۵ /۵۰۸

[2] حلیة الاولیاء ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مهران دار الکتاب العربی بیروت ۴ /۹۲و ۹۳

فقال ابو بکر و عمر۔ثم قال اوفی ذٰلك شك[1] ومنهم الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاکرم سیدنا ابو حنیفه رضی الله تعالٰی عنه سئل ن علامات اهل السنة فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین و تمسح علی الخفین[2] ومنهم عالم قریش مالئی طباق الارض علمًا سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابة والتابعین علی تفضیل الشیخین ولم یحك خلافا[3] ومنهم امام اهل السنة و الجماعة صاحب الحکمة الیمانیة سیدنا الامام ابو الحسن الاشعری رحمة الله تعالٰی علیه کما نقل عنه العلماء الثقات ومنهم الامام الهمام حجة الاسلام ذکر فی قواعد عقائد الاماجد وذر فیها مسئلة التفضیل وقال فی اٰخرها ان فضل	فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے۔اور انہیں میں سے امام اعظم اقدم سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا اہلسنت کی علامات کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا اہلسنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر و عمر کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں دامادوں سے محبت کرے اور خفین پر مسح کرے۔انہیں میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد ابن ادریس شافعی مطلبی انہوں نے صحابہ اور تابعین افضلیتِ شیخین پر اجماع نقل کیا۔ اور انہیں میں امام اہلسنت و جماعت حکمتِ یمانیہ سیدنا امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں۔جیسا کہ ان سے علمائے ثقات نے نقل کیا اور انہیں میں امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) انہوں نے قواعد العقائد میں مجد والے آئمہ کے عقائد کو ذکر کیا اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہا کہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعرفة بیروت ۷ /۳۸

[2] تمہید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس دار العلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۶۵، خلاصة الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعروفة بیروت ۷ /۳۹، تدریب الراوی شرح تقریب النوادی النوع التاسع والثلاثون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹۶

الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم علی حسب ترتیبھم فی الخلافة اذ حقیقة الفضل ما ھو فضل عند اللہ عزوجل وذٰلك لا یطلع علیه الاّ رسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [1] وان یعتقد فضل الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم و ترتیبھم وان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالٰی عنھم [2] ومنھم الامام جبل الحفظ علامة الورٰی سیدنا ابن حجر العسقلانی والامام العلام احمد بن محمد القسطلانی و المولٰی الفاضل عبدالباقی الزرقانی و ناظم قصیدة بدء الامالی والفاضل الجلیل مولانا علی القاری وغیرہم رحمة اللہ تعالٰی علیھم اجمعین حدثنا المولٰی الثقة الثبت سلالة العارفین السید الشریف الفاطمی سیدنا ابوالحسین احمد النوری قال سمعت شیخی و مرشدی سیدنا و مولانا اٰل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبدالعزیز الدھلوی یقول تفضیل الشیخین قطعی اوکالقطعی۔	فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق ہے اس لیے کہ حقیقتِ فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ یا آدمی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔اور انہیں میں امام حفظ کے پہاڑ علامہ جہاں سیدنا امام حجر عسقلانی اور امام علام احمد بن محمد قسطلانی اور مولٰی فاضل عبدالباقی زرقانی اور قصیدہ بدء الامالی کے ناظم اور فاضل جلیل مولانا علی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ہم سے حدیث بیان کی مولٰی ثقہ ثبت سلالۃ العارفین سید شریف فاطمی سیدنا ابوالحسین نوری نے انہوں نے فرمایا میں نے سنا اپنے شیخ اور مرشد آل رسول احمدی سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے وہ فرماتے تھے شیخین کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعة المشھد الحسین القاھرہ ۱/ ۱۱۵

[2] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الاول مطبعة المشھد الحسین القاھرہ ۱/ ۹۳

اقول: ولك ان تحمل الترديد على التنويع دون التردد۔ فالمعنى قطعى بالمعنى الثانى وكالقطعى بالمعنى الاول۔ ومن ھٰھنا بان لك ان من قال رأينا المجمعين ايضًا ظانين غير قاطعين فقد صدق ان اراد الظن بالمعنى الاعم والقطع بالمعنى الاخص۔ ولا يضرنا ولا ينفعه وان عكس فقد غلط وھو محجوج بدلائل لاقبل له بها والله تعالٰى اعلم۔ ھذا جملة القول فى ھذا المقام وقد اشرناك الى نكت تجلو بها الظلام اما التفصيل فقد فرغنا عنه فى كتاب التفضيل بتوفيق الملك الجليل۔ ولا حول ولا قوة الا بالله	**اقول**: (میں کہتا ہوں) اور تمہیں اختیار ہے کہ تردید کو تقسیم پر محمول کرو نہ کہ تردد پر۔ تو معنی یہ ہے کہ معنی ثانی پر فضیلت شیخین قطعی ہے اور معنی اول پر قطعی جیسی ہے اور یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ جس نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلہ میں اجماع کرنے والوں کو دیکھا کہ وہ بھی ظن پر قائم ہیں قطعی فیصلہ نہیں کرتے تو وہ سچا ہے اگر اس نے ظن بالمعنی الاعم مراد لیا اور قطعی بالمعنی الاخص کا قصد کیا۔ اور یہ کہ ہم کو نقصان دہ نہیں اور اس کو سود مند نہیں اور اگر وہ اس کا عکس مراد لے تو اس نے غلط کہا اور اس پر ان دلائل سے حجت قائم ہے جن کے مقابل کی اس کو طاقت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم اس مقام میں یہ مختصر قول ہے اور ہم نے تمہیں اشارہ کیا اُن نکتوں کی طرف جن سے اندھیرا اچھٹ جاتا ہے۔ رہی تفصیل تو ہم اس سے فارغ ہوچکے ہیں۔ کتاب تفصیل میں اللہ ملک جلیل کی توفیق سے۔ اور برائی سے پھرنے اور نیکی یک طاقت نہیں مگر اللہ سے۔
لطيفة: قال الامام الرازى فى مفاتيح الغيب سورة واليل سورة ابى بكر۔ و سورة والضحٰى سورة محمد عليه الصلوة والسلام ثم ماجعل بينهما واسطة ليعلم انه لا واسطة بين محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم وابى بكر فان ذكرت الليل اولًا وھو ابو بكر	**لطیفہ**: فرمایا امام رازی نے مفاتیح الغیب میں کہ سورہ واللیل ابوبکر کی سورۃ ہے اور سورہ والضحٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت ہے۔ پھر اللہ تعالٰی نے ان سورتوں کے درمیان واسطہ نہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں تو اگر تم پہلے واللیل کا ذکر کرو وہ ابوبکر ہیں پھر

ثم صعدت وجدت بعده النهار وهو محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وان ذکرت والضحٰی اولا وهو محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم نزلت وجدت بعده واللیل وهوابوبکر لیعلم انه لا واسطة بینهما[1] انتهی

اقول: وکان تقدیم واللیل علی هذا التقدیر لانها جواب عن طعن الکفار فی جناب الصدیق والضحٰی جواب عن طعنهم فی سید المرسلین صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتبرئة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا تستلزم تبرئة الصدیق لانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اعلی وبراءة الاعلی لا توجب براءة الادنی و تبرئة الصدیق رضی الله تعالٰی عنه یحکم تبرئة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالطریق الاولٰی اذ انما بری لانه عبد بذاك البریٔ النقی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فکان فی تقدیم واللیل استعجالًا الی الجواب عن الطعنین معًا ولو اخرلتأخرالجواب عن طعن الصدیق۔

اقول: تسمیة سورة الصدیق

چڑھو تو اس کے بعد دن کو پاؤ گے تو وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور اگر تم پہلے والضحٰی کا ذکر کرو اور وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ پھر اترو تو اس کے بعد واللیل کو پاؤ گے اور وہ ابوبکر ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اقول: اور واللیل کو تقدیم اس تقدیر پر اس لیے ہے کہ وہ جناب صدیق کے بارے میں کفار کے طعنہ کا جواب ہے اور والضحٰی ان کے طعنہ کا جواب ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت صدیق کی براءت کو مستلزم نہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلٰی ہیں اور اعلٰی کی براءت ادنی کی براءت کو لازم نہیں کرتی اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی براءت بدرجہ اولٰی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت کا حکم کرتی ہے اس لیے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اس لیے بری ہوئے کہ اس بری نقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلام ہیں تو واللیل کی تقدیم میں ایک ساتھ دونوں طعنوں کے جواب کی جحت ہوئی اور اگر واللیل کو مؤخر کیا جاتا تو صدیق کے طعنہ کا جواب مؤخر ہوجاتا،

اقول: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۳/ ۱تا۳ المطبعة البهیته المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۹

باللیل وسورة المصطفٰی بالضحٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنہ کانہ اشارة الٰی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور الصدیق وھداہ ووسیلة الی اللہ بہ یبتغٰی فضلہ ورضاہ والصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ راحة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووجہ انسہ وسکونہ واطمینان نفسہ وموضع سرہ ولباس خاصتہ فقد قال تبارو تعالٰی "وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝" [1] و قال تعالٰی "جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝" [2] وتلمیح الٰی ان نظام عالم الدین انما یقوم بھما کما ان نظام عالم الدنیا یقوم بالملوین فلولا النھار لما کان ابصارو لو لااللیل لما حصل قرار فالحمد للہ العزیز الغفار۔	تعالٰی عنہ کی سورت کو واللیل کا نام دینا اور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت کا نام ضحٰی رکھنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کا نور اور ان کی ہدایت اور اللہ کی طرف ان کا وسیلہ جن کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کی جاتی ہے اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راحت اور ان کے انس وسکون اور اطمینان نفس کی وجہ ہیں اور ان کے محرم راز اور ان کے خاص معاملات سے وابستہ رہنے والے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے "اور رات کو پردہ پوش کیا" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے" تمہارے لیے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لیے کہ تم حق مانو" اور یہ اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ دین کا نظام ان دونوں سے قائم ہے جیسے کہ دنیا کا نظام دن رات سے قائم ہے تو اگر دن نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے اور رات نہ ہو تو سکون حاصل نہ ہو۔ تو اللہ عزیز غفار ہی کے لیے حمد ہے۔
لطیفة: استنباط القاضی الامام ابوبکر الباقلانی من الایات	**لطیفہ:** قاضی امام ابوبکر باقلانی نے اس آیۃ کریمہ سے حضرت سیدنا مرتضٰی پر فضیلت

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۳

الکریمۃ وجھا اُخر لتفضیل سیدنا الصدیق علی سیدنا المرتضی لقاھما اللہ تعالٰی باحسن الرضا۔ انبانا السراج عن الجمال عن السندی عن الفلانی عن محمد سعید عن محمد طاھر عن ابیہ ابراہیم الکردی عن القشاشی عن الرملی عن الزین زکریا عن ابن حجر عن مجد الدین الفیروز آبادی عن الحافظ سراج الدین القزوینی عن القاضی ابی بکر التفتازانی عن شرف الدین محمد بن محمد الھروی عن محمد بن عمر الرازی قال فی مفاتیح الغیب" ذکر القاضی ابوبکر الباقلانی فی کتاب الامامۃ فقال ایۃ الواردۃ فی حق علی کرم اللہ وجھہ الکریم: " اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا(۹) اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا(۱۰) "والایۃ الواردۃ فی حق ابی بکر " اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى(۲۰) وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى(۲۱) " فدلت الایتان	صدیق کی دوسری وجہ استنباط کی۔ اللہ تبارک و تعالٰی دونوں کو اپنی بہترین رضا سے ہمکنار کرے۔ ہمیں خبر دی سراج نے وہ روایت کرتے ہیں جمال سے۔ وہ روایت کرتے ہیں سندی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد سعید سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد طاہر سے۔ وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ ابراہیم ردی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں قشاشی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں رملی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں زین زکریا سے۔ وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر سے۔ وہ روایت کرتے ہیں مجد الدین فیروز آبادی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حافظ سراج الدین قزوینی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں قاضی ابوبکر تفتازانی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں شرف الدین محمد بن محمد الہروی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد بن عمر رازی سے۔ انہوں نے مفاتیح الغیب میں فرمایا قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الامامۃ میں ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آیت جو علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں وارد ہے "ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن اڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے" اور وہ آیت جو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں وارد ہوئی" صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب

ان کل احد منہما انما فعل ما فعل لوجہ اللہ الا ان ایۃ علی تدل علی انہ فعل ما فعل لوجہ اللہ وللخوف من یوم القیمۃ علٰی ما قال "انا نخاف من ربنا یومًا عبوسا قمطریرا" واما ایۃ ابی بکر فانہا دلت علی انہ فعل ما فعل لمحض وجہ اللہ تعالٰی من غیر ان یشوبہ طمع فیما یرجع الٰی رغبۃ فی ثواب او رھبۃ من عقاب فکان مقام ابی بکر اعلٰی واجل[1] انتہٰی	سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا" یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے نیکی اللہ کی خوشنودی کے لیے کی مگر یہ کہ سیدنا علی کے حق میں جو آیت اُتری وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ کی خوشنودی اور روزِ قیامت کے ڈر سے کیا اس بناء پر انہوں نے کہا" بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش اور نہایت سخت ہے" اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اترنے والی آیت وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لیے کیا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ طمع کا شائبہ ہو اس امر میں جو ثواب میں رغبت یا عذاب میں ہیبت کی طرف لوٹتا ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام اعلٰی اور اجل ہوا انتہی،
اقول: والتحقیق ان جملۃ جلۃ الصحابۃ الکرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ارقی فی مراقی الولایۃ والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من کل من دونہم من اکابر الاولیاء العظام کائنین من کانوا۔ وشانہم رضی اللہ تعالٰی عنہم ارفع واعلٰی من ان یقصدوا	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلّہ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں۔ اور ان کی شان ارفع واعلٰی ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں۔ لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آلایۃ ۹۲/ ۲۰ و۲۱ المطبعۃ البہتیہ المصرتیہ مصر ۳۱/ ۲۰۶ و ۲۰۷

باعمالهم غير الله سبحٰنه وتعالٰی لکن المدارج متفاوتة والمراتب مترتبة وشئی دون شئی وفضل فوق فضل۔ و مقام الصديق حيث انتهت النهايات وانقطعت الغايات ذاهورضی الله تعالٰی عنه كما صرح به امام القوم سيدی محی الملة والدين ابن عربی قدس الله تعالٰی سره الزکی امام الائمة ومالك الازمة ومقامه فوق الصديقية ودون النبوة التشريعية وليس احد بينه وبين مولاه الاكرم محمد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم وعلی اسم خاتم الرسالة ختمنا الرسالة، والحمد لله مولی الجلالة۔ تم الکتاب علی ثناء الهاشی ختم الاله لنا علی اسم الخاتم "سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۲﴾ "[1]۔	ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہوگئیں اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ امام القوم سیدّی محی الدین ابن عربی قدس سرہ الزکی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے۔ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرام محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔اور خاتم رسالت کے نام ہم نے اپنا یہ رسالہ تمام کیا اور اللہ کے لیے حمد ہے جو مالک ہے جلالت کا۔ کتاب رسول ہاشمی کی ثناء پر تمام ہوئی اور اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ فرمائے۔خاتم النبیین کے نام پر۔"سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۲﴾ "

رسالہ الزلال الانقٰی من بحر سبقة الاتقٰی ختم ہوا

نوٹ

جلد ۲۸ کتاب الشتی حصّہ سوم فضائل و مناقب کے عنوان پر اختتام پذیر ہوئی

جلد ۲۹ کتاب الشتی کے حصّہ چہارم سے شروع ہو گی ان شاء اللہ تعالٰی۔

[1] القرآن الکریم ۳۷ / ۱۸۰ تا ۱۸۲